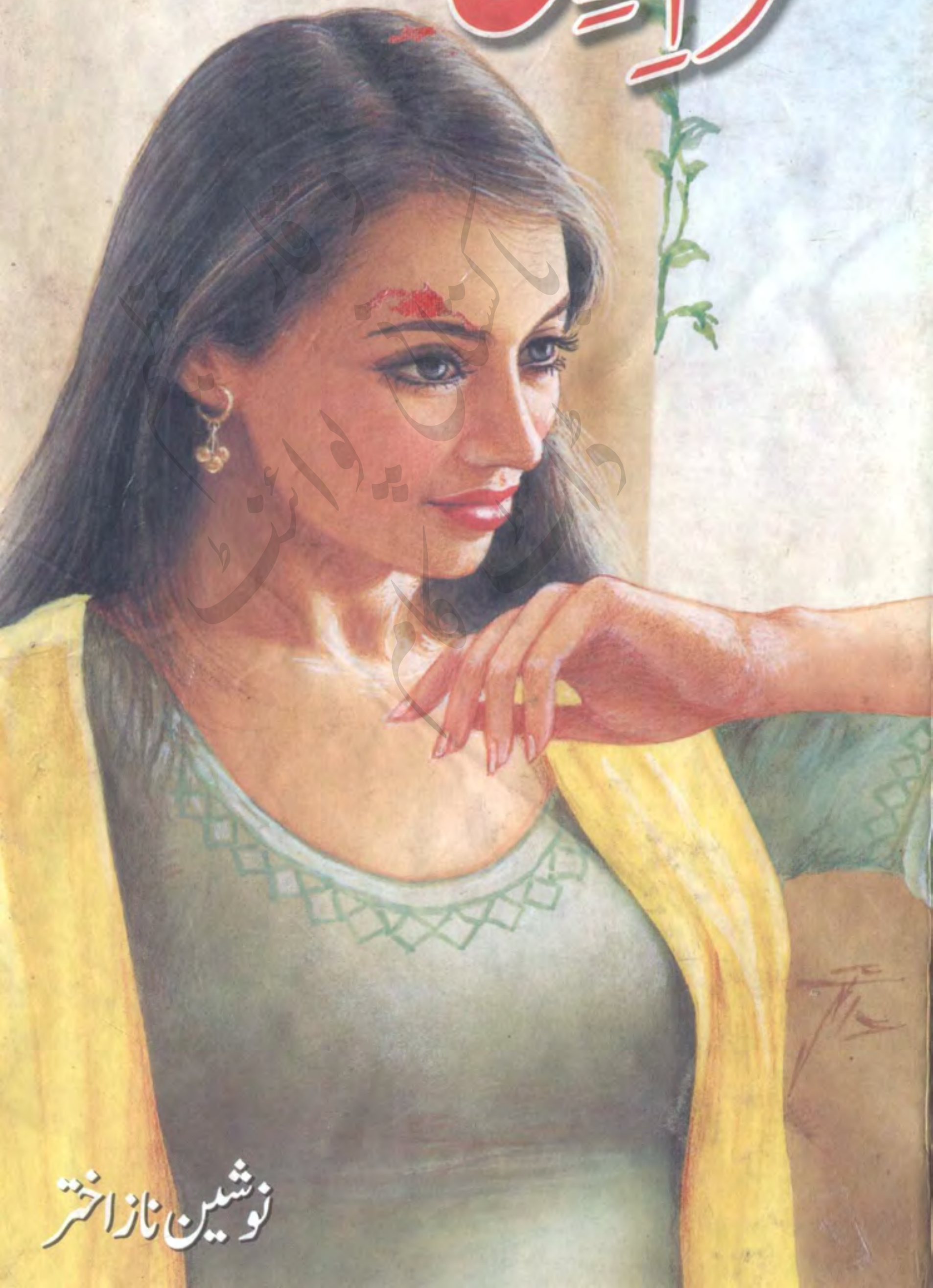
محرمِ دل



نوشین ناز اختر

''محرم دِل'' سے پہلے بھی نوشین ناز اختر کا نام میرے لیے نیا نہیں تھا۔ مگر یہ محض اتفاق تھا کہ اس سے پیشتر مجھے انہیں پڑھنے کا موقعہ نہیں مل سکا اور پھر جب میں نے پہلی بار نوشین ناز اختر کو فون کر کے ان سے اپنے ڈائجسٹ ماہنامہ ریشم میں قسط وار ناول لکھنے کی فرمائش کی تب بھی مجھے پوری طرح اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ کیا واقعی اتنا اچھا لکھ پائیں گی.........اور کتنا اچھا، آیا ان کا ناول قارئین ریشم میں مقبولیت حاصل کر بھی سکے گا یا نہیں۔ مگر لوگ ان کی تحریروں کو پسند کرتے تھے اور یہی بات حوصلہ افزا تھی۔ تبھی میں انہیں فون کر رہی تھی مگر دل کے خدشات اپنی جگہ تھے۔ بالآخر میری ان سے فون پر بات ہوگئی اور تب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ ایک باشعور ،بااخلاق اور سلجھی ہوئی رائٹر ہیں اور عام رائٹرز کے برعکس معاوضے کے معاملے میں بھی ان کے اندر طمع کا عنصر نظر نہیں آیا۔ بلکہ ان کے اندازِ گفتگو میں ایک طرح کی بے نیازی، انکساری اور نفاست پسندی کی جھلک دکھائی دی جو مجھے بہت اچھی لگی اور یوں ان کے قسط وار ناول کا معاہدہ طے پا گیا اور پھر نوشین کے ناول کی پہلی قسط نے ہی قارئین کو اپنے سحر میں جکڑ لیا۔ اقساط شائع ہوتی گئیں اور قارئین کے تعریفی خطوط نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ اپنے قلم کی نوک سے دلوں کو چھو لینے کا ہنر جانتی ہیں۔ بطور خاص اس ناول میں ہیرو کے کردار نے نوجوان لڑکیوں کے دل اتھل پتھل کر کے رکھ دیے تھے۔

میں ایسی کئی لڑکیوں کو جانتی ہوں کہ جنہوں نے اپنی جاگتی آنکھوں میں رواق جیسے باشعور اور سلجھے ہوئے جیون ساتھی کے خواب سجا لیے تھے۔ نوشین کے قلم کی مہارت نے محبت کے لازوال جذبوں سے گندھی، نفرتوں کی آنچ میں سلگتی اور غلط فہمیوں کی بھول بھلیوں میں بھٹکتی ہوئی اس کہانی پر کسی لمحے جمود طاری نہیں ہونے دیا اور قارئین کو حبس زدہ ماحول سے بچانے کے لیے اپنی تحریروں میں ہلکے پھلکے مزاح کے دریچے بھی کھلے رکھے۔ ناول کے کرداروں کے خیالات کی ہم آہنگی اور جذباتی اتار چڑھاؤ میں جو ردھم اور روانی تھی اسے ناول کی جان کہا جا سکتا ہے اور اس کے لیے بطور ناول نگار نوشین ناز اختر بلا شبہ داد کی مستحق ہیں میری دعا ہے کہ ان کی تخیلاتی دنیا ہمیشہ آباد رہے اور وہ ہمارے لئے نت نئی کہانیاں تخلیق کرتی رہیں۔ (آمین)

بشریٰ مسرور
ایڈیٹر ماہنامہ ریشم

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محرم دِل! پہلی بار میں نے کچھ مختلف ٹریک پر کوئی کہانی لکھی ہے ورنہ اس سے پہلے میرے کریڈٹ پر بہت بولڈ معاشرتی اور اصلاحی ٹاپک ہیں، ڈھیروں خطوط ملتے ہیں کہ آپ کے فلاں افسانے نے میری زندگی بدل دی فلاں افسانے نے مجھے ایک غلط سوچ سے دور کر دیا زندگی کو آسان کر دیا، بہتر بنا دیا۔

اللہ رحمان کا شکر ہے کہ میرا لکھا رائیگاں نہیں گیا۔

میں ڈرتی تھی کہ میرا لکھا کہیں یہیں اسی دنیا میں نہ رہ جائے، لیکن اب جو کچھ گواہیاں ملتی ہیں کہ میرا لکھا اُنکی زندگیوں میں مثبت اندازِ فکر لے کر آیا ہے تو دل کو آسرا ہوتا ہے کہ اللہ جی نے چاہا تو میرا لکھا یہیں نہیں رہے گا۔ میرے کچھ اچھے لفظ روزِ قیامت میرے دائیں پلڑے میں میری آسانی بن کر ضرور آئیں گے انشاءاللہ۔۔!

محرم دِل کی کہانی کوئی افسانوی کہانی نہیں ہے ہمارے ہی اردگرد کی کہانی ہے اور جب آپ پڑھیں گے تو آپکو کئی بار محسوس ہوگا کہ شاید یہ آپ ہی کی کہانی ہے دیکھی بھالی اور کبھی کبھی جیسے خود پہ بیتی ہوئی۔

کیوں نہ ہو........!!

ہر فرد کے سینے میں ایک دِل ہوتا ہے اور اس دِل کا ایک ''محرم دِل'' بھی ہوتا ہے ناں!!

بعض اوقات ہمیشہ ہی ہم ''قسمت کے فیصلے کو اپنا'' فیصلہ مان لیتے ہیں کہ جو شخص قسمت میں ہے وہ ہی محرم دِل بھی ہے، لیکن محرم دِل کے تقاضے اور معیار تو ہمیشہ ایک سے رہے ہیں۔

۔۔وہ جو کبھی آپ کو ''پرکھ'' کی سولی پر نہ چڑھائے؟

۔۔محرم دِل وہی ہے جو کبھی بھی آپ کی سچائی جاننے کے لئے آپ سے ثبوت نہ مانگے بلکہ اُسکا دِل خود آپ کی سچائی کی گواہی دے۔

۔۔رام نے سیتا سے آگ پر چلنے کی ڈیمانڈ کی تھی، پڑھا تو ہنسی آگئی یہ کیسا محرم دِل تھا جو جانتا ہی نہ تھا کہ اُسکی سیتا پوتر تھی بھی کہ نہیں......!! کیسا تھا اس کا دل جو اپنے محرم کی گواہی بھی نہ دے سکا

۔۔جو اس حادثاتی دُنیا میں سیتا کا وجود پوتر نہ رہتا تو کیا سیتا پیار کے قابل، کسی مقام کے قابل نہ رہتی۔۔۔؟

۔۔نہیں محرم دِل کے تقاضے اور معیار تو سدا ایک سے رہے ہیں جو تیرے دُکھ پر دُکھی اور تیرے سُکھ پر سُکھی رہے!!

تیرے وجود کا پوتر ہونا نہیں تیرے من کا پوتر ہونا اُسکے لئے اہم ہو جو تجھے دُکھ کی جلتی دُھوپ میں اپنی آغوش کی ٹھنڈی چھاؤں میں چھپالے۔۔۔!!

--محرم دِل جو تیرے حصّے کے کانٹے بھی اپنے ہاتھوں سے چُننے کو بے قرار ہے۔۔

--محرم دِل جو تجھے اپنے برابر کا مقام دے!!

--محرم دِل جو تیرے من کی بات فوراً جان لے۔ دِل کے راز، دِل کے دُکھ، دِل کی خوشیاں، سب کچھ ہاں یہ ہی تو ہے محرم دِل جو دِل کی دُنیا کا محرم ہے۔ میرے لفظ آپ کو کسی فرشتے کی یاد دلاتے ہوں گے ایک لمحے کیلئے۔ لیکن دوستو! فرشتے کب محبت کرتے ہیں؟ یہ اعزاز تو حضرت انسان کو ہی ملا ہے ناں۔۔۔!!! اور جب آپ انسان ہیں۔۔۔۔اور محبت کرتے ہیں تو پھر۔۔محرم دِل کے تقاضے بھی پورے کریں ورنہ محبت نہ کریں۔۔۔دعویٰ نہ کریں۔۔۔محبت تو قربانی مانگتی ہے۔۔۔!! ہاں یہ ہی بڑا سچ ہے کہ محبت اپنے ہونے کے لئے صرف قربانی ہی مانگتی ہے۔ ضیا چچا کا کردار۔۔ بظاہر ایک منفی کردار ہے، لیکن ناول کے اختتام پر میں ضرور آپ سے سننا چاہوں گی کہ شہزادو میاں اور ضیا چچا میں سے آمنہ کا محرم دِل کون ثابت ہوا۔

رامین اور دیپا پروانی میں سے ڈاکٹر رواق کا محرم دِل کون ثابت ہوا!! بشریٰ اور اشفاق میں سے کون دوسرے کا محرم دِل ثابت ہوا۔۔۔!!

اور شہزادو میاں کے لئے رانیا اور آمنہ میں سے کون محرم دِل ثابت ہوا۔

آپ بہت نہ سوچئے گا بس صرف ''ایک پل'' کو ضرور سوچئے گا۔ اس کہانی کا اتنا حق تو ہے ناں کہ آپ اسکو جو ''ایک پل'' بھی دیں وہ پورے دِل سے دیں۔

کیونکہ یہ کہانی دِل کی کہانی ہے۔۔۔!!

جو آپکے ہی اندر دھڑکتی ہے اور ہمارے ہی گرد زندہ ہے۔۔!!

نوشین ناز اختر

''اللہ جی بچالیں!''

روین بیڈ پر کھڑی چیخ رہی تھی۔

''اللہ خیر کرے کیا ہوا؟'' خدیجہ پھوپھو نے اندر داخل ہونے پر پریشانی سے پوچھا۔

''پھوپھو......وہ......وہ چھپکلی!'' روین نے اپنی بے حد خوبصورت آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔

''لاحول ولا لڑکی! تم نے تو دل دہلا کر رکھ دیا۔'' خدیجہ پھوپھو نے اپنا بھاری بھرکم وجود پاس پڑی کرسی میں سماتے ہوئے کہا۔

''پھوپھو......! چھپکلی!'' روین نے مری مری آواز کے ساتھ سامنے اشارہ کیا۔

''عقل کو ہاتھ ڈال لڑکی' اب پھوپھو بھی چھپکلی ہوگئی۔'' خدیجہ پھوپھو نے بجائے اس کا مسئلہ حل کرنے کے، برا مناتے ہوئے کہا۔

''پھوپھو میں کہہ رہی ہوں کہ اس چھپکلی کو تو بھگائیں۔'' روین نے خوفزدہ آواز میں یوں کہا' جیسے سامنے چھپکلی نہ ہو' بلکہ کوئی بڑا شیر ہو۔

''اے......شہس!'' پھوپھو نے پہلے آواز سے، پھر اپنی چپل اٹھا کر چھپکلی کو ماری۔

''اللہ تیرا شکر!'' روین نے شکر کا سانس لیتے ہوئے بیڈ سے نیچے پاؤں رکھا۔

''اے لڑکی تو' تو باؤلی ہوگئی ہے' ہر پل اتنا ڈرنا بھی اچھا نہیں ہوتا ہے۔ اب میں اس بھاری وجود کے ساتھ کہاں سارے گھر میں تیری چیخوں کا پیچھا کروں۔''

''دنیا میں کوئی چیز ایسی ہے، جس سے اپنی روین ڈارلنگ ڈرتی نہ ہو۔'' رامین نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں ایک چڑیل ہے' جس سے میں بالکل بھی نہیں ڈرتی۔''

روین نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر ایک ہی سانس میں پی لیا۔

''اچھا چڑیل...... کون سی چڑیل اتنی با عزت ہو گی' جس سے روین ڈارلنگ نہیں ڈرتی ہے۔'' رامین نے ہاتھ میں پکڑی کتاب سینے سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

''رامین ہے اس کا نام!''

روین اتنا کہہ کر باہر کو بھاگی' معلوم تھا کہ رامین ادھار رکھنے والوں میں سے نہ تھی۔

''توبہ ہے' یہ لڑکیاں بھی ہر وقت اڑن کھٹولا بنی سارے گھر میں دوڑتی رہتی ہیں۔''

پھوپھو نے جھلا کر کہا۔

اسی پل فون کی بیل بجی تھی۔

''اللہ ہی خیر کرے۔''

پھوپھو کو عادت تھی' ہر بات پر دہلنے کی اور دہلا دینے کی۔

''اے رامین......!''

''اے روین......!''

''اے سنو اس کو' کیا صورِ اسرافیل کی طرح بجتا ہے۔''

پھوپھو کو اپنے بھاری وجود کے ساتھ فوراً سے حرکت کرنا مشکل ہوتا تھا۔ اوپر سے ان کا دس گز کا غرارہ' ایسے میں وہ اپنی لاؤڈ سپیکر جیسی آواز سے ہی زیادہ کام لیا کرتی تھیں۔

''پھوپھو! ڈیڈی کا فون ہے جلدی کریں۔'' رامین نے کمرے کے دروازے سے اونٹ کی طرح سر نکال کر اطلاع دی اور غائب ہو گئی۔

''اے عبدالقدیر کا فون ہے!''

پھوپھو ہانپتی کانپتی بمشکل بڑے کمرے تک پہنچ پائی تھیں۔

لاؤ اس مشین کو اب اس میں بھائی کی آواز سننا بھی کمال ہو گا' بہت تھوڑی آواز نکالتی ہے۔

ایک تو بھائی اتنا دور بیٹھا ہے' اوپر سے اس مشین کم بخت کو بیر ہے' جب اس کا فون آتا ہے' بہری ہو جاتی ہے۔

پھوپھو نے فون پکڑنے سے پہلے پہلے باقاعدہ تقریر کر دی تھی۔

''پھوپھو پہلے فون تو سن لیں۔''

رامین نے جھنجھلا کر کہا۔

''اے لڑکی چھری تلے دم تو لو۔'' پھوپھو نے پاس پڑی کرسی میں پھنستے ہوئے کہا۔

''پھوپھو ڈیڈی ساتھ والی گلی سے فون نہیں کر رہے' سعودیہ سے ٹرنک کال ہے۔'' روین نے زبردستی فون پھوپھو کے کان کو لگاتے ہوئے کہا۔

''ہاں! وعلیکم! جیتے رہو۔''

''سناؤ کیسے ہو؟ صحت اچھی ہے؟ ٹھیک سے کھاتے پیتے ہو؟ ٹائم پر سویا کرو اور کب چھٹی ملے گی تم کو؟''

پھوپھو نے ایک ہی سانس میں سوالوں کی بوچھاڑ کر ڈالی۔

''پھوپھو کھانے اور بولنے میں وقفہ کر لیں' بڑا مشکل ہے!''

''بس تم یوں ہی ٹالا کرو۔''

''نہیں! کچھ ضرورت نہیں ہے۔ سب کچھ تو تم دوہرا دوہرا بھیج دیتے ہو۔ میں تو ایک ایک چیز اٹھا کر لڑکیوں کے جہیز میں رکھے جا رہی ہوں۔ ان کی کون سی ماں زندہ بیٹھی ہے' جوڑنے کو۔ اب مجھے ہی تو سوچنا ہے۔ ارے نہیں پڑتیں تمہاری لڑکیوں کو چیزیں کم!''

''تم پردیس کاٹ کر آؤ گے' تو کیا پھر سے نوکری دھندوں میں پڑو گے۔''

''بس کافی کچھ ہے' بہت کچھ جمع ہے۔ ارے بھیا...... اس میں شکریہ کی کیا بات؟''

''یہ کھٹ کھنی بلیاں' میری بھی تو جان ہیں۔'' پھوپھو نے ڈیڈی کی کسی بات کا سنتے ہوئے جواب دیا۔

''لو اور سن لو' ہمیں یہ بلیاں بنا رہی ہیں۔'' رامین نے منہ بنا کر کہا۔

''اور خود جو ہر وقت شیر کی خالہ بنی رہتی ہیں' اس کا کیا؟'' رامین کو دل یا منہ میں بات رکھنے کی عادت نہ تھی۔

''شی! پھوپھو سن لیں گی۔''

سدا کی ڈرپوک روین نے پھوپھو کی طرف اشارہ کیا' جو فون رکھ کر یوں ہانپنے لگیں' جیسے کسی ریس میں دوڑ لگا کر آئی ہوں۔

''ایک اکلوتا میرا بھائی! اس روزی کے چکر میں کتنی دور جا بیٹھا ہے' جانے وقت پر کھاتا پیتا اور سوتا ہو گا کہ نہیں۔''

"اب ہم یہاں اتنے بڑے گھر میں نوکروں میں عیش کر رہے ہیں' وہ بیچارہ میرا غریب بھائی!" پھوپھو بھائی کی محبت میں حد سے زیادہ مبالغہ کر رہی تھیں۔

"پھوپھو! ڈیڈی کہاں کے غریب ہوئے' اتنے ڈھیر سارے پیسے کما کر بھیجتے ہیں' تو کیا وہاں خود روزے رکھتے ہوں گے۔" رامین نے کھلکھلاتے ہوئے کہا۔

"اے ہولے رکھ اپنی آواز!"

"یہ لڑکی ضرور کسی دن گھر میں ڈاکا ڈلوائے گی۔" پھوپھو نے رامین کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"پھوپھو اس میں ناراض ہونے کی کیا ضرورت ہے' میں نے کون سا مسجد میں اعلان کروادیا ہے۔"

رامین کو غصہ بہت جلد آیا کرتا تھا' وہ دھپ دھپ پاؤں مارتی کمرے سے نکل گئی۔

اللہ جانے اس لڑکی میں کون سے غصے کا بھوت سمایا رہتا ہے۔

"بات بات پر غصہ!"

"بات بات پر لڑائی' توبہ بھلی اس لڑکی سے تو۔"

"کہاں اتنے دھیمے باپ اور ماں کی بیٹی غصے کی بھری پٹاری نکلی ہے۔"

"جانے اس کا سسرال میں جا کر کیا حال ہوگا۔"

پھوپھو نے باقاعدہ فکرمندی کا اظہار کیا۔

"بس ایک مجھے تری طرف سے فکر ہے کہ تو سسرال میں جا کر میرا نام ڈبوئے گی۔" پھوپھو نے پیار سے روین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں آپ کا نام جو قطب مینار پر چڑھا بیٹھا ہے ناں' وہ میری وجہ سے ہی تو بحرالکاہل میں ڈوبنے والا ہے۔"

رامین جانے کہاں سے نکل کر کمرے کے دروازے میں آ کر بولی اور ساتھ ہی غڑاپ سے غائب ہوگئی۔

"توبہ اس لڑکی کی زبان کے آگے خندق ہے خندق۔"

پھوپھو اٹھ کر اس کے پیچھے تو جا نہیں سکتی تھیں' البتہ اپنی لاؤڈ سپیکر جیسی آواز سے اس کا پیچھا کیا۔

روین نے بمشکل اپنی ہنسی چھپائی تھی۔ یہ رامین اور پھوپھو خدیجہ کا روز کا معمول تھا۔

جب تک دونوں میں چھوٹی موٹی نوک جھوک نہ ہو جاتی دونوں کا دن ہی نہ چڑھتا تھا۔

کبھی کتابوں میں پھول رکھنا' کبھی درختوں پہ نام لکھنا
ہمیں بھی ہے یاد آج تک وہ نظر سے حرف سلام لکھنا

ہال میں رامین کی خوبصورت آواز گونج رہی تھی۔

وہ چاند چہرے وہ بہکی باتیں سلگتے دن تھے سلگتی راتیں
وہ چھوٹے چھوٹے سے کاغذوں پر محبتوں کے پیام لکھنا
گلاب چہروں سے دل لگانا وہ چپکے چپکے نظر ملانا
وہ آرزوؤں کے خواب بننا وہ قصہ ناتمام لکھنا
مرے نگر کی حسین فضاؤ! کہیں جو ان کا نشان پاؤ
تو پوچھنا یہ کہاں بسے وہ' کہاں ہے ان کا قیام لکھنا

رامین کے اس مصرع پر ہال میں باقاعدہ تالیوں کی گونج بلند ہوئی تھی۔

گئی رتوں میں حسن ہمارا بس ایک ہی تو یہ مشغلہ ہے
کسی کے چہرے کو صبح لکھنا کسی کی زلفوں کو شام لکھنا
کبھی کتابوں میں پھول رکھنا' کبھی درختوں پہ نام لکھنا

رامین نے نہایت ادا سے غزل ختم کی تھی۔

ساتھ میں پورے ہال میں تالیوں کی گونج ابھری تھی۔ لڑکیوں نے ونس مور' ونس مور کے نعرے لگانے شروع کردیئے تھے' لیکن رامین سٹیج سے اتر آئی تھی اور بڑی بے نیازی سے اپنی سہیلی رخسانہ کے ہاتھ سے بوتل تھام کر منہ کو لگالی تھی۔

"واہ' رامین تم نے تو کمال ہی کردیا۔" بشریٰ اور سدرہ تقریباً بھاگتی ہوئی اس کے قریب آئی تھیں۔

"وہ تو ہے۔ رامین عبدالقدیر دنیا میں صرف کمال ہی تو دکھانے آئی ہے' ہے کوئی ہم سا ہو تو سامنے آئے۔" رامین نے فخر سے اپنے کالر جھاڑتے ہوئے کہا۔

واقعی رامین ہرفن مولا تھی۔ اللہ نے اسے بے حد ذہین تو بنایا ہی تھا۔ اس پر بے حد خوبصورت آواز اور شکل بھی عطا کی تھی۔ ایسے میں کالج کے کسی بھی فنکشن میں رامین سٹیج پر آتی تو اپنا جادو ضرور جگا کر جاتی تھی۔

وہ اپنے کالج کی بہترین مقررہ تھی' سکول سے ٹرافیاں جیتتے جیتتے وہ کالج میں بھی اپنے اس فن کی دھاک بیٹھا چکی تھی۔

یہی وجہ تھی وہ اپنی ٹیچرز کی بے حد چہیتی تھی۔

لڑکیاں اس کی توجہ حاصل کر کے فخر محسوس کرتی تھیں۔ کالج میں ہر کلاس میں ٹاپ کرنے والی لڑکی ان کی دوست ہے۔

اس بات نے رامین کی طبیعت میں بے حد غرور بھر دیا تھا' جس کی وجہ سے وہ اکثر سامنے والے کے دل کو دکھانے کا باعث بن جاتی تھی۔

لیکن رامین عبدالقدیر تو ہمیشہ ہو کیرز کے نعرے مارتی اس کی مجسم تصویر بنی رہتی تھی۔

ایسے میں وہ کبھی کسی دوسرے کے دل کی خبر نہ جان سکتی تھی۔ اسے پروا تھی، تو صرف اپنی......اور اپنے دل کے موسموں اور خواہشوں کی۔

جہاں اس کے بڑے خواب بنے ہوتے تھے۔

اور سب سے بڑا خواب ریڈیو پر کام کرنے کا تھا۔

اپنی جادو اثر آواز سے وہ اچھی طرح باخبر تھی۔ ریڈیو پر کامیابی ضرور اس کے قدم چومتی......

لیکن وہ اپنی پھوپھو کی دقیانوسی عادت سے بھی پوری طرح باخبر تھی' جو اسے اور روین کو سکول' کالج بھیج کر ہمیشہ ایک ایک سیکنڈ کا حساب رکھتی تھیں' اور ان کے گھر میں پھوپھو کے ہی فیصلے چلا کرتے تھے۔ ڈیڈی ہر فیصلے میں پھوپھو کی رائے مقدم رکھتے تھے۔

''کاش......کاش پھوپھو اور روین اتنے دقیانوسی خیالات کی نہ ہوتیں۔''

وہ اکثر کڑھ کر سوچا کرتی تھی۔

***

ماہی آوے گا تے پھلاں نال دھرتی سجاواں گی
اونوں دل والے رنگلے پلنگ تے بیٹھاواں گی!

''اوئے اللہ دتہ صاحب کیوں اپنے نازک سے دل پر بوجھ ڈالتے ہو۔''

روید احمد نے اللہ دتہ عرف اے ڈی کو بہ آواز بلند حسب معمول موسیقی سے شغل فرماتے سنا تو خاصا بھڑک کر اسے ٹوکا۔

اللہ دتہ کو روید احمد کا تبصرہ خاصا ناگوار گزرا تھا۔ اس نے ماتھے پر بل ڈال کر روید احمد کو

دیکھا۔

''چھوٹے صاحب......آپ میرا مذاق اڑا رہے ہو ناں؟ اللہ دتہ نے تصدیق کرنے کی یوں کوشش کی' جیسے وہ روید احمد کو جانتا نہ ہو۔''

''پیارے اے ڈی! تم یوں کہو کہ آپ پھر میرا مذاق اڑا رہے ہو۔''

روید احمد نے ہنستے ہوئے اپنے ہاتھ میں پکڑا ریکٹ وہیں لان ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

''دیکھیں چھوٹے صاحب۔'' اللہ دتہ نے رونی صورت بنا کر تمہید شروع کی۔

''دکھائیں!'' روید نے شرارت سے کہا۔

''چھوٹے صاحب میں بیبا کو بتاؤں گا۔'' اللہ دتہ سے روید احمد کے سامنے مزید ٹھہرنا مشکل ہو گیا' تو وہ رونی صورت بناتا اندر کو چلا گیا۔

روید کا قہقہہ کسی فوارے کی طرح پھوٹا تھا۔

''نور جہاں کے گانے گاتے ہوئے اسے ہمارے کانوں پر رحم نہیں آتا' لیکن شکایت لگانے کے لئے ہر وقت بیبا کے پاس دوڑتا ہے۔'' روید نے ٹانگیں بھی میز پر رکھتے ہوئے باآواز بلند کہا۔

''بری بات روید!''

''تم کیوں بیچارے کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔'' رواق احمد نک سک سے تیار باہر آتے ہوئے بولے۔

''لو آ گئے' سب کے ان داتا' ہمدرد...... بھائی صاحب اتنا غم مخلوق کا دل میں پالیں گے تو دل کے مریض ہو جائیں گے۔'' روید نے شرارت سے کہا۔

''تم کب سنجیدہ ہو گے؟ کیوں اللہ دتہ کو تنگ کرتے ہو؟''

رواق احمد نے گاڑی کی طرف جاتے جاتے رک کر کہا۔

''کر دی اس شکایتوں کی پٹاری نے شکایت' بھر دیئے کان میری ماں اور میرے بھائی کے' دہائی ہے ربا' دہائی ہے۔''

روید نے چالاک عورتوں کی طرح اونچا اونچا بولتے ہوئے کہا۔

''روید......رواق احمد نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے اسے ٹوکا۔''

''یار وہ اگر دبلا پتلا ہے تو اس میں اس کا کیا قصور' تم کیوں اس کا مذاق اڑاتے ہو۔''

بھائی صاحب اس کے دبلے پتلے ہونے کو نہ دیکھیں' اس کی دو من جتنی بھاری پھٹی آواز کو

سنیں' تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہمارے کانوں کے اندر کیسی خارش ہوتی ہے۔''

روید نے رواق احمد کے قریب آ کر راز سے کہا۔

''تم نہیں سدھر سکتے!'' رواق احمد نے باقاعدہ سر ادھر ادھر ہلاتے ہوئے مایوسی سے کہا۔

''بھائی صاحب! آپ جو بیبا کے سدھرے سدھائے بیٹے ہیں' یہ کافی ہے۔''

''ڈاکٹر رواق احمد پلس شدید سدھرے ہوئے۔'' روید احمد نے شرارت سے کہا۔

''رہی بات میری تو بھائی صاحب' میں اگر سدھر گیا تو بیبا کے لئے اوور ڈوز ہو جائے گی۔ اس کا ایک ہی حل کہ آپ تھوڑے بگڑ جائیں اور میں کچھ سدھر جاؤں۔ اس طرح اوور ڈوز بھی نہیں ہوگی۔'' روید احمد حسب معمول بنا سوچے سمجھے بولے ہی جا رہا تھا۔

''مائی گاڈ' تم اتنا بولنے کے بجائے پڑھو تو یقیناً تمہارے کام آئے گا۔''

ڈاکٹر رواق احمد اس کی اتنی بے تکی گفتگو سے ہمیشہ ہی گھبرا جاتے تھے۔

''ڈاکٹر صاحب! ڈاکٹر صاحب!'' بہار نے ان کو جاتے جاتے پیچھے سے آواز دی تھی۔

''کیا بات ہے خزاں بیگم!'' روید کو گھر کے ہر بندے کا الٹ نام رکھنے کی عادت تھی۔

''وہ ڈاکٹر صاحب کا اندر فون آیا اے جی!'' بہار بیگم نے روید کے لقب پر تھوڑا خائف ہو کر کہا'' ہسپتال سے ہوگا' تم کہہ دو کہ ڈاکٹر ہسپتال کے لئے نکل گئے ہیں۔''

رواق احمد نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

چوکیدار نے فٹافٹ مین گیٹ کھول دیا تھا اور انہوں نے گاڑی باہر نکال لی تھی۔ روید اپنا ریکٹ اٹھائے گنگناتا اندر کو ہولیا۔

''ماہی آوے گا...... تے پھلاں نال دھرتی سجاواں گی!''

''اب آپ کو گانا گاتے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہ سب ظلم ہم غریبوں پر ہیں۔'' اللہ دتہ نے بے پناہ دردیلی آواز میں کہا۔

''اوئے ڈیڑھ پسلی......! جا کر میرے لئے چائے لا' پھر اپنے ظلم کی کتھا سنا لینا۔'' روید نے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی بیبا کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

بیبا نہایت خاموشی سے تسبیح کرنے میں مشغول تھیں۔ ورنہ وہ یقیناً روید کو ٹوکتیں۔

''یا روالدہ! اللہ جی کے ہاں نمبر بنائے جا رہے ہیں؟'' روید نے بیبا کے پاس گھستے ہوئے رازداری سے پوچھا۔

بیبا کے نرم چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ در آئی تھی۔ انہوں نے پہلے روید پر پھونک ماری' پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

بیبا کے چہرے کے نقوش تک میں ان کی طبیعت کی طرح نرمی سما چکی تھی۔

''کب آئے تم؟''

''آج سے سترہ سال پہلے!'' روید نے ان کی گود میں سر رکھتے ہوئے کہا۔

''ماں سے مسخرہ پن کرتے ہو۔'' بیبا نے دھیمے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔

''اے نازنین یہ مسخرہ بھی تو تمہارا ہے۔ دل و جان کے ساتھ۔''

روید نے ماں کے ہاتھ پر بوسہ لیتے ہوئے کہا۔

''شرم نہیں آتی ماں سے اس طرح بات کرتے۔'' بیبا نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''سوچ لیں' اگر یہ ڈائیلاگ میں کسی الہڑ دوشیزہ سے بولوں گا تو سب سے زیادہ اعتراض بھی آپ کو ہوگا۔'' روید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا چلو اٹھو اپنے کپڑے بدل کر آؤ' میں نے آج بطور خاص تمہارے لئے بریانی بنائی ہے۔ رواق بھی تمہارا انتظار کر کر کے جلدی جلدی کھانا نمٹا کر گیا ہے۔''

''یہ تم کدھر رہ گئے تھے؟'' بیبا نے ساتھ ہی اس سے سوال کر ڈالا۔

''وہ دوسری حسینہ ماہ جبین نے زبردستی روک کر مجھے کوفتے اور گھاس کھلانے کی کوشش کی' وہ تو میں بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگ آیا۔''

روید کوفتے پالک کو گھاس ہی کہا کرتا تھا۔

''اماں نے برا منایا ہوگا۔ چلو اٹھو آج ہم سب ادھر ہی کھانا کھائیں گے۔'' بیبا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''ہرگز نہیں' میں نہیں کھاؤں گا۔ مجھے تو انہوں نے گدھا سمجھ رکھا ہے' ہر وقت ہریالی پکا کر مجھے انوائیٹ کر رکھتی ہیں۔''

لائیے بریانی میں تو بریانی ہی کھاؤں گا!

''خزاں بیگم' او پیاری خزاں بیگم جلدی سے ایک ٹرے میں ہمارے لئے کھانا سجا کر لاؤ۔''

روید نے ساتھ ہی اونچی آواز میں بہار بیگم کو آواز دی' جو کچن کا کام سنبھالتی تھی۔

''روید! تمہاری بڑی اماں تم سے اتنا پیار کرتی ہیں اور تم یوں ان کو چکمہ دے کر آ جاتے ہو۔

یہ بیٹا کوئی اچھی بات تو نہیں۔'' بیبا نے دھیرے سے اس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

'' یار والدہ اگر یہ پیار ہرا ہرا نہ ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ بڑی اماں میری بھی تو بے حد لاڈو ہیں' لیکن جب وہ مجھے ہرے ہرے کھانے کھانے کو کہتی ہیں تو مجھ سے نہیں ہوتا یہ سب کچھ۔''

'' روید نے نہایت سچائی سے کہا۔'' اب اگر وہ رس ملائی' گاجر کا حلوہ وغیرہ بناتی ہیں تو سب سے پہلے ان کے قدردانوں میں میں ہی تو ہوتا ہوں۔''

'' اچھا بس کرو' اٹھو اور باؤ جی کو سلام کر آؤ' وہ تمہارا دو بار پوچھ چکے ہیں۔'' بیبا کی اطلاع پر روید چھلانگ مار کر اٹھا تھا۔

'' باؤ جی کب واپس آئے گاؤں سے؟'' روید نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے پوچھا۔

'' تمہارے جانے کے بعد آئے تھے۔'' بیبا نے اس کی بیتابی پر مسکراتے ہوئے کہا۔

'' ہرے! اب میرا یار آ گیا ہے۔'' اب آئے گا ناں مزہ! وہ چھلانگیں مارتا ہوا اوپر کو بھاگا۔

***

'' صبر کرو بیٹا!''

وکیل انکل نے نڈھال سے عادل سے کہا۔

'' مرزا خورشید صاحب نہایت دردمند انسان تھے۔ انہوں نے ہمیشہ سب کی بھلائی ہی کی تھی۔ اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔'' وکیل انکل نے عادل کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

'' بابا مجھے بالکل تنہا کر گئے ہیں۔ میں...... میں ان کے بغیر کیسے رہوں گا؟'' مرزا خورشید واقعی عادل کے لئے ایک چھتنار درخت کی ہی طرح تھے' جس کے جانے کے بعد اسے بے پناہ تپش کا احساس ہو رہا تھا۔

'' بیٹا حوصلہ کرو وہ صرف تمہارا ہی نہیں ہمارا بھی باپ تھا۔'' بڑی آپا نے آگے بڑھ کر عادل کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

'' بڑی آپا...... بابا کے بعد میرا دل کہیں نہیں لگتا۔''

'' انہوں نے کیوں مجھے ہتھیلی کے چھالے کی طرح رکھا۔ کیوں اتنا پیار دیا' اگر ان کو مجھے چھوڑ کر جانا تھا۔'' عادل نے بلک بلک کر روتے ہوئے کہا۔

'' بیٹا اللہ کی رضا!''

'' وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ ہم سب اس کے بندے ہیں۔ ہمیں اس کی رضا میں رہنا

چاہیے۔'' وکیل انکل نے کہا۔

'' اب تم آنسو پونچھ کر دھیان سے میری بات سن لو' جس کام کے لئے میں آیا ہوں' میں وہ کام کر کے جانا چاہتا ہوں۔'' وکیل انکل نے عمیر مرزا کے بگڑے بگڑے تیور دیکھ کر اصل بات کی جانب آتے ہوئے کہا۔

عمیر مرزا جانے کس ضبط سے بیٹھا تھا۔ عادل کی طویل گفتگو کی وجہ سے وہ مسلسل پہلو بدل رہا تھا۔

'' وکیل انکل نے ان تینوں کو آج مرزا خورشید کی وصیت سنانے کو بلایا تھا' لیکن عادل آج تک نہ سنبھل سکا تھا۔ بڑھی ہوئی شیو' مسلے کپڑوں کے ساتھ ہی وہ اٹھ آیا تھا۔''

باپ کے مرنے کا جتنا دکھ اسے تھا' اتنا دکھ عمیر مرزا کو ہرگز نہ تھا۔ اسے صرف باپ کی وصیت میں دلچسپی تھی۔ ساری عمر اس نے اسی دن کا ہی تو انتظار کیا تھا کہ کب وہ خود مختار ہو' کب وہ اپنی من مانی کر سکے' اور آج وہ دن آ ہی گیا تھا' لیکن بہت دیر سے عادل کی رونی صورت اور گفتگو اسے بے مزہ کر رہی تھی۔

خورشید مرزا نے دو شادیاں کی تھیں۔ پہلی بیوی سے عمیر مرزا اور سعدیہ تھیں۔ اپنی پہلی بیوی کی وفات کے بعد انہوں نے رضیہ بیگم سے شادی کی تھی' جو نہایت نیک عورت تھیں۔ انہوں نے عمیر اور سعدیہ کو اپنی اولاد کی طرح پالا تھا۔

اللہ نے سولہ سال بعد انہیں جب خوشخبری سنائی تو وہ اس خوشخبری کا سکھ خود نہ پا سکیں۔

عادل کی پیدائش کے وقت وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملیں۔

ایسے میں بیس سال سعدیہ نے ماں بن کر عادل کو پالا' کہ وہ اپنی اس ماں کا کچھ حق ادا کر سکیں' جنہوں نے ساری عمر ان سوتیلے بچوں کی خدمت کرتے گزاری۔

لیکن جب عادل صرف پانچ سال کا تھا تو سعدیہ کی شادی ہو گئی' لیکن اس کا دل عادل میں ہی اٹکا رہتا تھا۔

مرزا خورشید کو خود عادل سے بے حد پیار تھا۔ انہوں نے اپنا کاروبار سے بچا سارا وقت عادل کے لئے مخصوص کر دیا۔

یوں عادل نے مرزا خورشید کی ذات سے ہر رشتہ حاصل کیا۔

باپ' ماں اور ایک دوست کا رشتہ' وہ مرزا خورشید کے بے حد قریب آ گیا۔

گھر میں کوئی عادل کو پسند نہ کرتا تھا تو وہ تھی عمیر کی ذات جو عادل سے بے حد چڑتا تھا۔

کبھی وہ اسے دھکا دے کر گرا دیتا اور کبھی اس کی من پسند چیز چھین لیتا تھا۔ وہ کوئی ایسا موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا جس سے عادل کو اذیت نہ ہو۔ عمیر مرزا کو عادل سے شدید نفرت تھی' جس کا اظہار وہ خورشید مرزا کی موجودگی میں ٹھیک سے کر نہیں سکتا تھا۔

لیکن اب کوئی پابندی نہ تھی' کہ وہ اپنی نفرت کا اظہار کھل کر نہ کر سکتا ہو۔

اس نے باپ کے مرنے کے پندرہ روز بعد اپنے حصے کا مطالبہ کر دیا تھا۔ وکیل انکل نے اسے صبر کرنے کو کہا اور ٹھیک ایک ہفتے بعد انہوں نے تینوں بہن بھائیوں کو بلایا تھا' تاکہ وہ مرزا خورشید کی وصیت سنا سکیں۔

''مرزا صاحب نے دونوں گھر گلشن اور ڈیفنس والا دونوں بیٹوں کے نام ایک ایک کیا ہے۔'' وکیل انکل نے گلا کھنکھار کر کہا۔

''میرے لئے کون سا گھر چھوڑا ہے؟'' عمیر نے بے صبری سے پوچھا۔

''گلشن والا!'' وکیل انکل نے مختصر بتایا۔

''کیا؟''

''وہ پرانا گھر میرے نام کر دیا اور اتنا اچھا گھر ڈیفنس والا اس کے نام کیوں کیا؟''

''یہ ناانصافی ہے۔'' عمیر مرزا پہلے مرحلے پر ہی چلا اٹھا۔

''صبر.....صبر بیٹا۔'' ابھی مجھے پوری بات تو کرنے دو۔ وکیل انکل نے اسے ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔

''نہیں مجھے یہ نامنظور ہے۔'' عمیر نے بھڑکتے ہوئے کہا۔ عادل ہونقوں کی طرح اپنے بڑے بھائی کی شکل دیکھ رہا تھا۔

''بیٹا تمہارے منظور نامنظور کرنے سے وصیت تھوڑی بدل جائے گی۔''

وکیل انکل نے تحمل سے کہا۔

''میں دیکھتا ہوں کون مجھے میرے جائز حق سے محروم کرتا ہے۔ میں بڑا ہوں اور اسی وجہ سے میرا حق بھی زیادہ بنتا ہے۔'' عمیر مرزا نے نہایت بے تکا جواز پیش کیا۔ ''ساری عمر بابا نے میرے لئے کیا ہی کیا ہے!''

''بھیا آپ کو جو گھر زیادہ پسند ہے وہ آپ رکھ لیں' لیکن پلیز بابا کو کچھ نہ کہیں' انہوں نے

ساری عمر اپنے بچوں کے ہی لئے تو گزاری تھی۔'' عادل نے تڑپ کر کہا۔

''اونہہ.....سب بچوں کے لئے نہیں' بلکہ صرف اور صرف تمہارے لئے گزاری تھی۔''

''تمہارے ہوتے ہوئے ہم انہیں کبھی نظر نہ آئے' یہ ہی وجہ ہے کہ جائیداد کی تقسیم کے شروع میں ہی ناانصافی سامنے آ گئی ہے۔''

''بابا کیسے ناانصاف ہو سکتے ہیں' ان جیسا مہربان باپ تو کم ہی ہوگا۔''

''آپ کو میری طرف سے اجازت ہے کہ جو گھر آپ کو اچھا لگے وہ آپ لے لیں۔'' عادل کم عمر بھی تھا اور نہایت جذباتی بھی' وہ عمیر مرزا کی چالاکی کو نہ جان سکتا تھا۔

بڑی آپا نے بے اختیار پہلو بدل کر عادل کا ہاتھ دبایا تھا۔ وہ عمیر کے لالچ کو اچھی طرح جانتی تھی' لیکن عادل اس قدر صاف دل تھا کہ وہ بہن کا اتنا واضح اشارہ بھی نہ سمجھ سکا۔

یوں عادل کے حصے میں ایک گھر اور ایک بالکل تباہی کے قریب جاتی گارمنٹ فیکٹری آئی تھی۔

جبکہ عمیر مرزا نے دونوں گھر اور بچوں کے کھلونوں والی فیکٹری اپنے نام کروائی تھی۔

یہ فیکٹری بے حد منافع میں جا رہی تھی۔ اسی منافع کی وجہ سے خورشید مرزا نے اپنی نقصان میں جاتی ہوئی فیکٹری کو بند نہ کیا تھا۔ بڑی فیکٹری کی سپورٹ کے بغیر گارمنٹ فیکٹری کا وجود ممکن نہ تھا۔ عمیر مرزا نے نہایت چالاکی سے عادل کو بے دخل کیا تھا۔

وکیل انکل نے مسلسل عادل سے کہا تھا' کہ وہ نہایت حماقت کر رہا ہے۔

لیکن عادل پر تو بھائی کو راضی کرنے کا جنون سوار تھا۔ خورشید مرزا کے بعد وہ اپنی گھنی چھاؤں کو عمیر مرزا میں تلاش کر رہا تھا۔

عمیر مرزا اس کی سادگی اور کم عمری سے مکمل فائدہ اٹھا رہا تھا۔ ان اہم مشوروں میں عمیر مرزا کی بیوی سونیا بڑھ چڑھ کر تھی۔

سونیا نہایت میٹھی چھری تھی' جو دل میں بے حد کدورت رکھنے کے باوجود زبان کی بے حد میٹھی رہتی تھی۔ اپنا بن کر کب وہ وار کرتی تھی' مقابل سمجھ ہی نہیں پاتا تھا۔

''عادل تم نے نہایت حماقت کی ہے۔ اللہ تمہاری سادگی کو بھاگ لگائے' لیکن میرا دل بے حد ڈرتا ہے۔'' بڑی آپا اس کے پاس بیٹھی فکرمندی سے کہہ رہی تھیں۔

''بڑی آپا! میرا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا ہے۔ ایسے میں مجھے دھن دولت کے بجائے

اپنے رشتوں کے ساتھ کی زیادہ ضرورت ہے۔''

''پھر وہ میرے بڑے بھائی ہیں۔ وہ ہر کام مجھ سے بہتر سنبھال سکتے ہیں' بڑی فیکٹری بابا کا ڈریم پراجیکٹ تھا۔ اگر میں اسے سنبھالتا تو یقیناً اسے نقصان پہنچا دیتا۔''

''بھیا اس کو ترقی دیں گے، تو بابا کا ہی لگایا پودا پھلے پھولے گا ناں!''

''عادل خدا کے واسطے چپ ہو جاؤ بیٹا' تمہارے سونے جیسے دل کی قدر نہ ہوئی تو مجھے ڈر ہے کہ تم بری طرح بکھر جاؤ گے۔''

بڑی آپا عادل کی باتیں سن سن کر بے حد پریشان ہو گئی تھیں۔ ''میرے بھائی تم اس دنیا داری میں جتے لوگوں میں کہاں آن بسے' بیٹا کچھ تو دنیا کے طور طریقے جاننے کی کوشش کرو ورنہ یہ دنیا تم کو نگل جائے گی۔'' بڑی آپا نے فکر مندی سے اسے نصیحت کی۔

''کچھ نہیں ہوتا بڑی آپا۔''

''آپ سب میرے اپنے ہیں' کبھی اپنا بھی پرایا ہوتا ہے۔''

عادل نے نہایت یقین سے کہا تھا' لیکن بڑی آپا اپنے دل میں بجتے الارم کا کیا کرتیں' جو انہیں بار بار کسی انہونی کی خبر دے رہا تھا۔

***

''رامین تم نے کچھ سنا؟'' بشریٰ نے لائبریری میں بیٹھی نوٹس بناتی رامین سے پوچھا۔ ''واقعی میرے موکل آج سستی دکھا گئے' اس لئے میں نے کچھ نہیں سنا۔''

رامین نے اپنی لمبی چوٹیا کو پیچھے کرتے ہوئے کہا، جو نوٹس بنانے کے دوران اس کے سینے پر آن گری تھی۔

''ہر وقت نان سیریس ہی رہتی ہو۔''

''ادھر مسز خالدہ نے ہمارا نام آل پاکستان تقریری مقابلے کے لئے دے دیا ہے۔'' بشریٰ نے اپنی جانب سے دھماکہ کیا۔

''اچھا!''

رامین کی بے نیازی میں زرہ بھر فرق نہ آیا تھا۔ وہ مسلسل پین چلاتے ہوئے اپنا کام مکمل کر رہی تھی۔

''اور اس بار تقریری مقابلے اپنے کالج میں نہیں ہو رہے' بلکہ جی سی کالج میں ہو رہے ہیں۔

اگر تمہیں ہر بار کی طرح ٹرافی جیتنی ہے، تو تمہیں وہاں جانا ہوگا۔''

''اور یہ تم سے اس بار ممکن نہیں ہوگا' کیونکہ تمہاری پھوپھو تمہیں کبھی اجازت نہیں دیں گی۔''

بشریٰ نے خاصی خوشی سے کہا، کیونکہ وہ رامین کے گھر کے پاس رہتی تھی اور خدیجہ پھوپھو سے مل چکی تھی۔

وہ ان کے مزاج کو بخوبی جانتی تھی، کہ وہ روبین اور رامین کو سکول' کالج بھیج کر ہی انتظار کرنے لگ جاتی تھیں، کہ کب لڑکیاں گھر کو واپس آئیں گی۔ رامین کی تعلیمی' غیر تعلیمی سرگرمیوں میں نمایاں پوزیشن بشریٰ کو ہمیشہ حسد میں مبتلا کر دیتی تھی۔

رامین سے اس بار ٹرافی جیتنے کا موقع چھن جائے گا' یہ بات اسے مسرور کر رہی تھی' پہلی بار رامین نے تشویش بھری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

''لیکن پہلے تو ہمیشہ مقابلے اپنے کالج میں ہوئے ہیں۔'' رامین نے اپنی ساری کتابیں سمیٹیں اور سٹاف روم کی جانب چل پڑی۔

یہ اس کا آخری سال تھا' اگر وہ اس سال شامل نہ ہوئی، تو اس کی ٹرافی رہ جاتی تھی۔ گزشتہ سال وہ دوئم آئی تھی۔ اس سال اس نے جب سے مقابلے کا اعلان ہوا تھا' تیاری شروع کر دی تھی۔ اول پوزیشن حاصل کرنے کے لئے' وہ بے حد بے چین تھی' لیکن بشریٰ کی اطلاع اگر ٹھیک ہوئی، تو واقعی پھوپھو اس کو کہیں کسی اور کالج جانے کی اجازت بالکل بھی نہ دیں گی' یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ جب سٹاف روم میں وہ مسز خالدہ سے ملی تو...... مسز خالدہ نے اس کی رہی سہی آس بھی توڑ دی۔ واقعی اسٹوڈینٹس کو مقابلے میں شرکت کرنے کے لئے گورنمنٹ کالج جانا ہوگا۔

''اب میں کیا کروں گی؟''

رامین کے سامنے اتنا بڑا سوالیہ نشان تھا۔

''مجھے اس مقابلے میں شرکت تو ہر صورت کرنی ہے' چاہے اس کے لئے مجھے کچھ بھی کرنا پڑے۔''

رامین کی سدا کی ضدی اور جنونی طبیعت عود کر آئی تھی' جو اس سے اکثر فیصلے غلط کروا دیتی تھی' جس کا نقصان رامین کو تو اٹھانا ہی پڑتا تھا' بلکہ اس کے ارد گرد والے بھی اس نقصان کے زیر اثر آتے تھے۔

لیکن رامین عبدالقدیر صرف اپنے دل کی سنتی تھی۔ ایسے میں اسے اپنے ارد گرد اور اپنوں کی

بالکل پروانہ ہوتی تھی۔

***

"کیسے ہو شہزاد میاں؟"

سونیا بیگم بڑے سے جھولے پر بیٹھی انگور کھا رہی تھیں۔ پیروں میں ملازمہ بیٹھی ان کے سفید نازک پیروں میں مہندی لگا رہی تھی۔

"جی الحمدللہ ٹھیک ہوں!"

"آپ سنائیے' آپ ٹھیک ہیں؟" شہزاد علی نے مروّت سے ان کا حال پوچھا۔ "ہم تو کیا ٹھیک ہوں گے۔ ابا کے جانے کے بعد کسی بات میں من ہی نہیں لگتا۔" سونیا بیگم نے اپنا لہجہ دکھی بناتے ہوئے کہا۔

"وہ تو شہزاد علی کو سامنے ہی نظر آ رہا تھا۔"

دل کتنا دکھی تھا کہ کھانا کھانے کے بجائے انگور کھائے جا رہے تھے۔ وہ بھی ٹرے بھر کر پھر مہندی بھی رچوائی جا رہی تھی۔ مہندی، یقیناً سوگ میں تو نہیں لگاتے' لیکن وہ ہمیشہ کی ہی طرح چپ ہی رہے۔ انہیں آمنہ کی یہ بھابی کبھی پسند نہ آئی تھی۔ ہر وقت دروازے کے پاس پولیس چوکی بنا کر بیٹھی رہتی تھیں۔ آتے جاتے ہر بندے سے تفتیش کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

"آمنہ تو گھر میں نہیں ہے!"

شہزاد علی اندر جانے لگے تو سونیا بیگم نے پیچھے سے آواز دی۔

"کہاں گئی ہے؟" شہزاد علی نے رک کر پوچھا۔

"اپنے لاڈلے کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئی ہے' ویسے کافی دیر سے وہ نکلے ہوئے ہیں' اب تو وہ آتے ہی ہوں گے' تم دو گھڑی ہمارے پاس بھی بیٹھ جایا کرو۔" سونیا بیگم نے اپنی سبز آنکھوں کو گھماتے ہوئے کہا۔

"اے نذیراں جاؤ صاحب کے لئے سونف الائچی والی چائے بنا کر لاؤ' فٹافٹ......!"

سونیا بیگم نے ملازمہ کو جلدی سے بھگایا۔

شہزاد علی نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں بیٹھ گئے۔

اب بیٹھ گئے تھے' لیکن نگاہیں جھکائے زمین کو تک رہے تھے۔ شہزاد علی' عمیر مرزا کے پھوپھو زاد تھے۔ سونیا بیگم کو وہ اپنی چھوٹی بہن تانیا کے لئے ہمیشہ سے پسند تھے۔

لیکن اتنا اچھا لڑکا آمنہ بیگم لے اڑی تھیں۔ اس کے مرحوم سسر نے سونیا بیگم کی ایک نہ چلنے دی اور رشتہ آمنہ سے کر دیا۔

لیکن اب تک سونیا بیگم اپنی شکست اس معاملے میں بھولی نہ تھیں۔ ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتی تھیں کہ کس طرح شہزاد علی کا دل آمنہ کی جانب سے کھٹا کر دیں۔

"شہزاد میاں تمہاری شادی کو پانچواں سال ہے' اب ماشاءاللہ سے تمہارے آنگن میں پھول ضرور کھلنے چاہئیں' تم دونوں میاں بیوی ڈاکٹر کے پاس جاؤ' اب پھوپھو کب تک پوتے کی آس میں تڑپتی رہیں گی۔" سونیا بھابی نے شہزاد احمد کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

اکلوتے ہونے کی وجہ سے انہوں نے ساری عمر بہن بھائیوں کی کمی ہمیشہ محسوس کی تھی اور اب شادی کے بعد ان کی بے حد خواہش تھی کہ ان کے آنگن میں ان کے ڈھیر سارے بچے کھیلیں۔ وہ خاموشیاں جو کسی ویرانے کی طرح ان کے دل و گھر میں بسیرا کر گئی ہیں وہ ٹوٹ جائیں۔

"کس سوچ میں ہو شہزاد میاں؟"

"اولاد تمہارا جائز حق ہے۔ پھوپھو بیچاری اگر منہ سے کچھ نہیں کہتیں' اس کا مطلب ہے کہ بھتیجی کی مروت آڑے آ جاتی ہے۔" سونیا بھابی نے خاموش تفکر میں مبتلا شہزاد علی کے دل پر گرم گرم چوٹ کی۔

"میری ایک بہت قابل دوست ہے' ادھر جناح ہسپتال میں بیٹھتی ہے' تم آمنہ کو وہاں چیک اپ کے لئے لے جاؤ۔ اب اتنی دیر کرنا اچھا نہیں ہے۔" سونیا بھابی نے ملازمہ سے چائے لے کر شہزاد علی کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ شہزاد علی نے آگے سے کوئی جواب دینے کے لئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔"

سونیا بھابی کے چہرے پر بے حد مسکراہٹ در آئی تھی۔ "ڈاکٹر صادقہ جاوید ہے ان کا نام' صبح نو سے دوپہر ایک بجے تک بیٹھتی ہے۔" سونیا بھابی اس وقت شہزاد علی کی بے حد ہمدرد بنی ہوئی تھیں۔ "اب دیکھو وہ لوٹھے کا لوٹھا ہو گیا ہے' عادل اسے آمنہ اس طرح لئے پھرتی ہے جیسے وہ دودھ پیتا بچہ ہو۔ اب اگر اس کے ہاں اولاد نہیں ہوئی تو اس کا مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنی ساری ممتا اس پر نچھاور کر دے' تم لوگوں کو خود اپنے متعلق سوچنا چاہیے۔"

"بھابی شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" شہزاد علی جیسا سمجھ دار انسان بھی سونیا بھابی کی باتوں میں آ گیا تھا۔ "ارے میاں ہم تو ہمیشہ سچی اور کھری بات کرتے ہیں' یہ الگ بات ہے کہ کچھ لوگوں کو ہماری باتیں بری لگتی ہیں۔"

سونیا بھابی نے اندر آتی آمنہ آپا اور عادل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بڑی آپا نے شہزاد علی کی خاموشی بے حد محسوس کی تھی۔ شہزاد علی کی نظروں میں عجیب طرح کی اجنبیت تھی۔"

"ایک تو عادل کو بے حد بخار تھا' اس کی پریشانی اوپر سے شہزاد علی کی سرد مہری' بڑی آپا کا دل بے اختیار ڈوبا تھا۔"

"کیا عورت صرف اولاد کی وجہ سے بھاری ہوتی ہے؟ شوہر کی خالی نظریں اس کو خالی کر دیتی ہیں! اگر وہ اس نعمت سے محروم ہو' ہر وقت کا وسوسہ کھٹکا اس پر کسی تلوار کی طرح لٹکا رہتا ہے۔ میں بھی تو ایک ڈری ہوئی عورت ہوں!" بڑی آپا نے گہری دکھ بھری سانس لی تھی۔ شہزاد علی نے صرف اک نگاہ کے بعد ان کو نہ دیکھا تھا۔

"السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟"

"کب آئے؟"

بڑی آپا خوش آمدانہ لہجے میں کہتی آگے بڑھیں۔

"پھوپھو نہیں آئیں؟"

بڑی آپا نے کسی سلام دعا کا جواب نہ پا کر بھی اک مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے کہا۔

"نہیں وہ ٹھیک نہیں تھیں۔"

"تم کو اگر چلنا ہے تو جلدی چلو' میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے' مجھے واپس کام پر جانا ہے۔" شہزاد علی بنا نگاہ ملائے بے حد خشک لہجے میں بولے۔

"وہ...... عادل ٹھیک نہ تھا اگر ایک...... دن...... میں اور ٹھہر جاؤں تو!" بڑی آپا نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو......" ان کی نظریں مسلسل شوہر کے ماتھے کے بل گن رہی تھیں۔ جیسے ہی وہاں تیوری پہ بلوں کا اضافہ ہوا' ان کی بات ادھوری رہ گئی تھی۔"

"تمہاری مرضی ہے' آنا نہیں چاہتی تو نہ آؤ لیکن میں روز تمہیں لینے آنے کی ڈیوٹیاں نہیں

نبھا سکتا۔" شہزاد علی نہ صرف اٹھ کر کھڑے ہوئے بلکہ فوراً بنا کوئی بات سنے دروازے کی طرف مڑے تھے۔

"رکیے بھائی صاحب!"

"عادل جو اتنی دیر نقاہت سے کرسی پر تقریباً ڈھے کر پڑا تھا۔ فوراً اٹھ کر انہیں روکنے کے لئے کھڑا ہوا۔"

"آپا تو صبح سے آپ کا انتظار کر رہی تھیں۔ یہ تو بس میری کچھ طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ اس لئے......بس ذرا......!"

"چلیں چھوڑیں! اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بڑی آپا جلدی سے جائیں اپنا بیگ لے کر آئیں۔" عادل کا تیز تیز بولنے سے سانس پھولنے لگا تھا' لیکن وہ اپنی اتنی مہربان بہن کو کسی مشکل میں گھرے نہ دیکھ سکتا تھا۔

بڑی آپا ست قدموں سے اندر جا کر بیگ لے آئی تھیں' شہزاد علی اینٹھے کھڑے رہے تھے۔

"اچھا شہزاد بھائی اللہ کے سپرد' بڑی آپا اللہ حافظ' پھوپھو کو میرا اسلام ضرور دیجئے گا۔" عادل نے خود ہی آگے بڑھ کر شہزاد علی سے سلام لیا تھا' جبکہ وہ نہایت سرد مہری سے کھڑے رہے تھے۔

"شہزاد میاں ہماری جانب سے بھی پھوپھو کو سلام دیجئے گا۔" سونیا بھابی نے سونے کی چوڑیوں بھرا ہاتھ اٹھا کر نزاکت سے کہا۔

"ضرور!" شہزاد علی نے مسکرا کر انہیں جواب دیا۔

بڑی آپا نے نہایت تاسف سے ان دونوں کو دیکھا تھا۔

"اتنی دیر سے کڑوی گولی منہ میں دبا کر' برے برے منہ بنا کر ہمیں دکھا رہے تھے۔ اب کیسے بھابی بیگم کو خوش اخلاقی دکھا رہے ہیں۔" بڑی آپا دل ہی دل میں بولیں۔

"بیٹا اپنا خیال رکھنا' میرا جی تم میں اٹکا رہے گا۔ دوا وقت سے کھا لینا۔" بڑی آپا عادل کے پاس رک کر دھیرے سے بولیں۔ جس کو شہزاد علی نے نہایت ناپسندیدہ نظروں سے دیکھا تھا اور دھپ دھپ پاؤں مارتے باہر نکل گئے تھے۔ بڑی آپا کو آکسیجن کی کمی کا شدت سے احساس ہوا۔ انہوں نے بمشکل رکی سانس بحال کرنے کی کوشش کی تھی۔ "بعض لوگ کتنے ظالم ہوتے ہیں۔ انسانوں کی سانسیں تک چھین لیتے ہیں۔" بڑی آپا نے سونیا بھابی کو دیکھتے ہوئے سوچا' جو بڑی

بے نیازی سے جھولا جھولتے کوئی گانا گنگنا رہی تھیں۔

***

''مجھے ہر صورت اس مقابلے میں حصہ لینا ہے۔''

رامین جانے کتنی دیر سے کمرے کے چکر کاٹ رہی تھی۔

''آج کا دن ڈیڈی کے فون آنے کا دن تھا اور وہ کتنی دیر سے ڈیڈی کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔''

''محترمہ بیٹھ جاؤ' ورنہ مجھے ڈر ہے کہ یا تو تمہارے پاؤں گھس جائیں گے یا پھر کارپٹ......'' روین نے چنا چاٹ پر مزید چاٹ مصالحہ چھڑک کر چمچ بھر کر چنے منہ میں ڈالے۔

''تم......تم کنوئیں کی مینڈک' تم ساری عمر کچن میں ہی گزار دینا' تم کو کیا معلوم زندگی میں بڑے بڑے چیلنجز جیتنے میں کیا مزہ ہے۔'' رامین نے اس کی کوکنگ کے شوق کا خاصا مذاق اڑایا۔

روین روز کچھ نہ کچھ نیا پکانے میں مصروف رہتی تھی۔

''ہے ناں مزہ بلکہ مزے دار تم یہ چنا چاٹ کھاؤ اور ٹینشن کو بھول جاؤ۔'' روین نے لاپروائی سے کہا۔

''تمہارا کچھ نہیں کیا جا سکتا!''

''جو لڑکی گزشتہ دو سالوں سے میٹرک کا امتحان اس لئے نہیں دے رہی ہے' کیونکہ اس کے اور پھوپھو کے پیر صاحب کا کہنا ہے کہ وہ اس سال امتحان دے بھی تو کامیاب نہ ہوگی۔ واہ میری پیاری بہنا تم اور پھوپھو جان جانے کس دنیا میں رہ رہی ہو۔ ذرا اس وہموں اور توہمات کی دنیا سے نکل کر دیکھو زندگی کہاں پہنچ گئی ہے۔ جو تیز رفتار ہے، وہ ہمیشہ جیتا ہے!''

''یہ ازل سے اصول چلا آ رہا ہے۔ تم جیسے لوگوں کے لئے زندگی کی دوڑ میں آخری کھلاڑی کی جگہ بھی نہیں بچتی۔ اس کا مطلب ہے تم جیسے لوگ اس زندگی میں شامل نہیں ہو۔''

رامین عبدالقدیر بے حد اچھی مقررہ تھی۔ دلائل ہمیشہ اس کے پاس بہت سے ہوتے تھے۔ اس وقت بھی وہ بہن کے سر پر سوار بڑے جوش سے تقریر کر رہی تھی۔

''تمہارا مطلب ہے کہ میں مردوں میں شامل ہوں!'' روین نے آنکھیں دبا کر کہا۔ اس کے چہرے کا غصہ ہمیشہ اس کی آنکھوں سے ہی واضح ہوتا تھا۔

''نہیں......لیکن اگر تم اس طرح کی غیر متحرک زندگی کے دائرے میں بند رہی تو کبھی زندگی

کی اصل خوشیاں پا نہ سکو گی۔''

''ہمیں پتا ہے' ڈیڈی ہمیشہ کہتے ہیں کہ آئینے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جس کے پیچھے ہم اپنی سوچوں کا رنگ کر دیتے ہیں تو ہمیں سامنے سے صرف اپنا آپ نظر آتا ہے۔''

''اور دوسرا شیشہ وہ ہوتا ہے، جو ٹرانسپیرنیٹ ہوتا ہے، جس کو ہم اپنی کسی سوچ کا رنگ نہیں کرتے۔ ایسے شیشے ہمیں اندر باہر کا سارا منظر دیکھنے دیتے ہیں۔''

''ایسے شیشے سے ہم کھڑکی سے باہر چلتے لوگ اور زندگی دیکھ سکتے ہیں۔''

''زندگی میں پہلے نمبر والے شیشے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جو پلٹ کر صرف اپنا ہی عکس دکھا دیتا ہے۔''

''خدا کے واسطے روین بی بی' نکلو ان توہمات سے۔'' رامین نے روین کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

''تمہارے لئے چاٹ نکالوں' بہت مزے کی ہے' گھر کی بنی املی کی چٹنی کے ساتھ مزہ دوبالا ہو گیا ہے۔'' روین نے اس کی ساری تقریر کے بعد یہ جواب دیا۔

''میں بھی کس بھینس کے آگے بین بجا رہی ہوں!''

رامین نے گہرا سانس لیا تھا۔

''حیرت ہے کچھ لوگ کولہو کے بیل کی طرح کس طرح ساری عمر ایک ہی دائرے میں گھوم لیتے ہیں؟ شاید اس لئے کہ ان کی آنکھوں کی سائیڈوں پر کپڑا لگا کر سارے منظر چھپا دیئے جاتے ہیں۔'' رامین نے خود ہی سوال کیا اور خود ہی جواب بھی دے دیا۔

اسی پل فون کی بیل بجی تھی۔

''آ گیا۔''

رامین نے صوفے سے چھلانگ لگا کر جھپٹ کر فون اٹھایا۔

''ڈیڈی پلیز......!''

رامین نے مسلسل ضد کرتے ہوئے ڈیڈی کو منانے کی کوشش کی' آپ تو خود ہمیشہ میرے ہر شوق میں مدد کرتے ہیں۔ رامین نے اس سے کہا۔

''ڈیڈی آخر پھوپھو سے اتنا ڈر کیوں؟''

''وہ کوئی جن بھوت تھوڑی ہیں' جو کھا جائیں گی۔''

رامین ڈیڈی کے جوابات پر مسلسل اپنا اصرار بڑھا رہی تھی۔

''بیٹا ہم کسی غیر سے کبھی نہیں ڈرتے۔''

''مگر ہم اپنوں کے ناراض ہونے سے ڈرتے ہیں۔ میں اگر یہاں ہوتا تو تم کو خود چھوڑ آتا۔''

''لیکن اب بڑی آپا کا اصول ہی ایسا ہے' وہ اکیلی لڑکی کو گھر سے آدھے گھنٹے کے لئے بھی باہر نکلنے نہیں دیتیں۔ یہ ان کی مقرر کردہ حد ہے' انہوں نے تمہاری ماں کے بعد تمہیں ماں بن کر پالا ہے۔ ایسی باتوں کی اجازت دینا' نہ دینا ان کا حق ہے۔ وہ جو فیصلہ کریں تم لوگوں کو ماننا چاہیے۔ ایسے میں بالا ہی بالا مجھ سے اجازت لینا درست نہیں ہے اور مجھے خود اچھا نہیں لگتا' کہ تم لوگ آپا کی بنائی حدود کو پار کرو۔''

ڈیڈی کا لہجہ بے حد حتمی تھا۔

رامین کسی جھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی۔

''بیٹا تمہاری پھوپھو کبھی تمہارا برا نہیں سوچ سکتیں۔ بس وہ ڈری ہوئی عورت ہیں۔ کیونکہ......!''

''کیونکہ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے!''

ڈیڈی کے لہجے میں ان کہے دکھ کی پرچھائی تھی۔

ڈیڈی تو فون بند کر چکے تھے' لیکن رامین اپنے جذبات اور خواہشات پر کبھی قابو رکھنا نہ سیکھ سکی تھی۔

''میں جاؤں گی' ضرور جاؤں گی!''

''میں کون سا کوئی غلط کام کرنے جا رہی ہوں۔''

''پھر کالج کی ٹائمنگ میں واپس آ جانا ہے۔''

''پھوپھو کو کون سا معلوم پڑے گا کہ میں کہاں گئی تھی۔''

رامین مختلف سوچوں کا جال بنتی آخر ایک فیصلے پر پہنچ گئی تھی کہ اسے ہر صورت جانا ہے۔

لیکن وہ یہ نہ جانتی تھی کہ چوری صرف چہروں کی نہیں ہوتی۔ اگر ایک بار کسی کا اعتبار توڑ دیا جائے تو ساری عمر پچھتاوا ہی ہاتھ میں رہ جاتا ہے۔

***

''اپنے لئے تالیوں کی گونج سے بڑا کوئی نشہ نہ ہوگا۔''

اس گونج میں انسان خود کو سب سے بڑا اور الگ محسوس کرتا ہے۔ اس گونج کے ساتھ ایسے پیراشوٹ لگے ہوتے ہیں، جو انسان کو اوپر اور اوپر اٹھا کر لے جاتے ہیں اور بلندی پر انسان کو اپنے اردگرد کے مناظر چھوٹے لگنے لگتے ہیں۔ انسان چھوٹے نظر آتے ہیں۔

رامین کو یہاں آئے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ اس کا اس کو بالکل احساس نہ ہوا تھا' بلکہ ابھی تک اس کا دھیان اس جانب گیا ہی نہ تھا۔

اپنی باری کا انتظار کرتے وہ مسلسل اپنی تقریر کے خاص نکات دہراتی رہی تھی۔ پھر جب وہ سٹیج پر گئی، تو سب کچھ بھول کر وہ الگ دنیا میں چلی گئی تھی۔

ہوش اس کے مزید مدہوش تب ہوئے، جب سارا ہال ڈیڑھ منٹ تک تالیوں کی گونج سے بھر گیا۔

یہ تعریفی تالیاں اس کی داد کے لئے تھیں۔

''جو اسے احساس دلا رہی تھیں کہ رامین عبدالقدیر از دا بیسٹ!'' اک عجیب سا غرور اس کی چال میں آ گیا تھا۔ جب وہ سٹیج کی سیڑھیاں اتر کر آئی۔

پھر واقعی اس کا غرور سرخرو ہو گیا۔

رامین کا دل بڑے زور شور سے دھڑک رہا تھا۔

اس کے جذبات اس کے چہرے کے رنگوں سے چھلک رہے تھے۔ جب وہ مہمان خصوصی سے ٹرافی لینے سٹیج پر گئی، تو اس کا چہرہ جوش و خوشی سے سرخ پڑ رہا تھا۔

مختلف اخباروں کے فوٹوگرافر بھی اس تقریب کی کوریج کے لئے آئے ہوئے تھے۔

جب اس کا فوٹو لیا گیا تو اسے یوں لگا کہ ''شی از دا اسٹار!''

کبھی کبھی انسان ہوش مند ہوتے ہوئے بھی کس قدر نادانی کر جاتا ہے۔ دوسروں کو کنویں کا مینڈک کہنے والے خود اپنی دنیا کے کنویں کے مینڈک ہوتے ہیں۔

خود کو سٹار سمجھنے میں کیا جاتا ہے!

یہ خود فریبی سی شہد کی طرح انسان کی انا کی مکھی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

رامین کی زندگی کا یہ بہترین دن تھا۔

آج اس نے اپنا پہلا خواب پورا کیا تھا۔ چاہے اس کے لئے اس نے چور راستہ اختیار کیا

تھا۔

وہ اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ یہاں آئی تھی‘ جو تقریب کے شروع تک تو وہاں رہی تھیں‘ لیکن دو اڑھائی بجے کے قریب وہ بھی وہاں سے چلی گئی تھیں۔ رامین بہت آگے بیٹھی تھی‘ اس لئے اسے ان کے جانے کی خبر نہ ہو سکی تھی۔ ویسے بھی وہ کہاں اپنے اردگرد میں تھی، وہ تو اس وقت الگ ہی دنیا میں موجود تھی۔

کوئی پانچ ساڑھے پانچ بجے پرائز ونرز کے نام اناؤنس ہوئے تھے۔ رامین جب انعام وصول کر کے اور لوگوں کی ڈھیروں تعریف اور مبارکباد وصول کر کے ہال سے باہر آئی تو ایک دم وہ ہوش کی دنیا میں واپس آئی تھی۔

باہر سورج غروب ہو چکا تھا۔

اور ہر جانب اندھیرا تھا۔

رامین نے بشریٰ اور عذرا کو ہر جگہ تلاش کیا‘ لیکن وہ اسے کہاں ملتیں۔ وہ لوگ عذرا کی گاڑی میں آئی تھیں۔ سب لوگ اپنے گھروں کو جا چکے تھے‘ جو اکا دکا تھے وہ بھی نکل رہے تھے۔

تماشہ ختم ہو گیا تھا اور اب ہر جگہ خالی تھی۔

''اوہ میرے اللہ میں گھر کیسے جاؤں گی؟''

رامین عبدالقدیر کو ایک دم بے حد رونا آیا۔ اب سے کچھ دیر پہلے کی خوشی اوس کی بوندوں کی طرح اڑ چکی تھی۔ باہر سڑک پر رونق رواں دواں تھی۔ انارکلی کے بازار کی روشنیاں اور لوگوں کا بے حد ہجوم تھا۔

پہلی بار گھر سے اکیلے نکلنے والی لڑکی جو اپنے لفظوں میں بے حد بہادر تھی۔ اب میلے میں کھوئے ہوئے بچے کی طرح ہراساں کھڑی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی ٹرافی کسی بوجھ کی طرح اسے تھکا رہی تھی۔

کالج میں ڈیڑھ بجے چھٹی ہوئی تھی۔ اس کا ڈرائیور اسے عین گیٹ سے پک کرتا تھا۔

جب اس نے اسے گیٹ پر نہ دیکھا ہو گا اور کالج میں نہ پایا ہو گا تو پھوپھو کو کیا بتایا ہو گا؟

پھوپھو جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہنگامہ کھڑا کر دیتی تھیں۔ اتنی بڑی بات اب تک کسی طوفان کی صورت اختیار کر گئی ہو گی۔

بہادر رامین کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں۔

''اب جو ہوا سو ہوا‘ جو طوفان گھر میں آیا ہو گا‘ اسے تو گھر جا کر دیکھا جائے گا۔''

''پہلے گھر تو پہنچا جائے!''

رامین خود کو ڈھارس دیتی سڑک پر آ گئی تھی۔

پھوپھو کی ہر وقت کی خبرگیری کی وجہ سے اس نے کبھی اپنی گاڑی کے سوا کسی وین‘ بس میں سفر نہ کیا تھا اور وہ بالکل نہ جانتی تھی کہ اس کے گھر تک کون سی وین جائے گی۔

''کیا کروں؟''

سٹاپ پر کھڑے بڑی بڑی مونچھوں والے آدمیوں سے ڈر کر اس نے سوچا‘ جو مسلسل اسے گھور رہے تھے۔ وہ پان چباتے اسے آنکھوں سے چباتے جا رہے تھے۔ رامین کا ہاتھ بے اختیار اپنے دوپٹے کو صحیح کرنے لگا تھا۔

ویگنیں‘ بسیں گزرتی جا رہی تھیں اور رامین فیصلہ نہ کر پا رہی تھی کہ اسے کیسے گھر جانا ہے۔

''خود اعتمادی‘ دلیری جانے کہاں غائب ہو گئی تھی۔''

''سوہنیو! کہاں جانا ہے؟'' ان میں سے ایک آدمی اس کے پاس آ کر بولا۔

رامین کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں صاف نمایاں تھیں۔ وہ کسی ڈری سہمی ہرنی کی طرح کھڑی تھی۔

ڈر سے اس کے پیٹ میں شدید درد ہونے لگا تھا۔

بے حد نروس ہونا اور بے چینی اس کا تنفس بے ترتیب کر رہی تھیں۔

اسی پل اس کے پاس آ کر رکشا رکا۔

رامین نے ایک سیکنڈ میں فیصلہ کیا اور بنا دیکھے سوچے جھٹ سے رکشے میں بیٹھ گئی۔

''کے...... کیولری گراؤنڈ چلو!''

رامین نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

رکشا جب کچھ دیر چل پڑا تو رامین نے گہرے گہرے سانس لے کر اپنے حواس بحال کئے۔

لیکن اگلے ہی پل اس کے رہے سہے حواس معطل ہو گئے تھے۔

رکشا ڈرائیور ان سٹاپ پہ کھڑے آدمیوں میں سے ایک تھا اور بڑی شاطر مسکراہٹ لئے مختلف پوزوں میں لگے شیشوں سے اسے گھور رہا تھا۔

لڑکی چاہے کتنی ہی نادان کیوں نہ ہو‘ مرد کی اچھی بری نظر پہچاننے کا الارم اللہ جی نے اس

کے اندر لگا رکھا ہے اور اس کا الارم چیخ چیخ کر اسے بتا رہا تھا کہ اس کے ساتھ کچھ برا ہونے جا رہا ہے۔

"کچھ بے حد برا!"

رامین کا دل اس کے کانوں میں دھڑک رہا تھا۔

"روکو!"

"رکو!"

"میں کہتی ہوں، رکشا روکو!" رامین کی آواز خوف سے پھٹ رہی تھی۔

"روک دیں گے رکشا سوہنیو......!"

"لیکن پہلے منزل تک تو پہنچ جائیں۔" رکشے والے نے بھاری موٹی بھدی آواز میں قہقہہ لگا کر کہا۔

رکشا جانے کس طرف جا رہا تھا۔ سنسان ایریا اور اندھیرے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

رامین کے اندر کے الارم نے اسے آخری بار وارن کیا تھا، رکشے والا رکشا روکنے پر تیار نہ تھا اور بے حد تیز رفتاری سے چلا جا رہا تھا۔

اس کی چیخ پکار کا اس پر کوئی اثر نہ ہو رہا تھا۔

رامین نے گلے میں پڑے چھوٹے سے بیگ اور ہاتھ میں پکڑی ٹرافی کو مضبوطی سے تھام کر سہمے سے انداز میں اسے دیکھا۔

"رامین......!"

"عزت بہت بڑی چیز ہے!"

پھوپھو کی کہی بات ان کے کانوں میں گونجی تھی اور اس کے وجود میں بجلی کی طرح توانائی بھر گئی تھی۔

اس کے سن ہوتے اعصاب ایک دم جاگے تھے اور رامین نے چلتے ہوئے رکشے سے چھلانگ لگا دی تھی!

کچھ پل کو تو رامین کو لگا کہ وہ اس دنیا میں نہیں ہے، شدید درد کے بعد اس کا جسم کچھ دیر کو بالکل سن ہو گیا تھا۔

لیکن اس کے کان سن سکتے تھے کہ رکشے والے نے کچھ دور جا کر رکشا روک دیا تھا۔

اب دھیرے دھیرے قدموں کی آواز قریب آ رہی تھی۔

"رامین بھاگ۔"

رامین بھاگ کوئی اسے اندر سے حوصلہ دے رہا تھا۔

"میں نہیں بھاگ سکتی!"

بازو اور ٹانگ میں شدید درد کے ساتھ سر سے بھی خون بہہ رہا تھا۔

سر کے درد کی وجہ سے کانوں میں بھی درد شروع ہو چکا تھا۔

"رامین، ہمیں بھاگنا ہوگا۔"

"عزت سے بڑی کوئی چیز نہیں ہوتی۔" اس احساس نے اسے ایک بار پھر ہمت دی، رکشے والا تیزی سے بالکل سامنے آتا دکھائی دیا۔

رامین نے اپنی ساری قوت کو اکٹھا کر کے دکھتے وجود کے ساتھ دوڑ لگا دی۔

لنگڑاہٹ کے باوجود وہ تیزی سے بھاگی جا رہی تھی۔

"یا اللہ مدد کر۔"

آخر رامین کو اللہ یاد آ ہی گیا۔ جب انسان سب کچھ اپنے حوصلے اور اپنی عقل پر چھوڑتا ہے، تو ہمیشہ بھنور میں پھنسا رہتا ہے، لیکن جب جب وہ اس سب سے بڑی ذات کو پکارتا ہے تو بند دیواروں سے بھی دروازے نکل آتے ہیں۔

"اے کہاں جا رہی ہو؟"

"مجھ سے زیادہ دیر بھاگ نہ سکو گی۔"

"آ جاؤ شاباش......" رکشے والا اپنے بھاری وجود کی وجہ سے تیز نہ بھاگ پا رہا تھا، لیکن اس کے خوفناک جملے رامین کو مسلسل سنائی دے رہے تھے۔

پھوڑے کی طرح دکھتے وجود کے ساتھ اب چلنا ناممکن ہو رہا تھا، لیکن رامین نے اپنی سی کوشش کی اور دوڑ لگا دی۔ ایسے میں وہ بار بار مسلسل پیچھے آتے غنڈے کو دیکھ رہی تھی۔

بنا دیکھے دوڑنے سے اسے راستے میں پڑا پتھر دکھائی نہ دیا اور وہ لڑھکتی ہوئی آگے کو گری، ساتھ ہی وہ کسی لوہے کی دیوار جیسی چیز سے ٹکرائی۔

اسے لگا کہ اس کا جسم کانچ کا بنا ہے، جو اس دیوار سے ٹکرا کر چکنا چور ہو چکا ہے۔ جسم کے چکنا چور ہونے سے جو درد اس نے محسوس کیا تھا، وہ اس کی برداشت سے باہر تھا۔ وہ ہوش حواس

سے بیگانہ ہوگئی تھی۔ ذہن نے تاریکی میں ڈوبنے سے پہلے اس کے کانوں کو ایک آواز سنائی تھی، اتنی تکلیف کے باوجود اسے اس نرم سی آواز کا احساس بھرپور ہوا تھا۔ کوئی بے حد نرم آواز تھی، لیکن اس کا مفہوم کیا تھا وہ سمجھ نہ پائی اور پھر وہ ہوش وحواس سے بالکل بیگانہ ہوگئی۔

***

"ارے میں کہتی تھی کہ اس لڑکی میں بے حد خودسری ہے ضرور میری ناک کٹوائے گی۔"

پھوپھو نے باآواز بلند روتے ہوئے کہا۔

"کہاں ڈھونڈوں اسے؟"

"بھیا تم لوگوں کی ذمہ داری مجھے سونپ کر گئے تھے۔ اب میں کیا منہ ان کو دکھاؤں گی؟"

پھوپھو کی سسکیوں میں شدت آ گئی تھی۔

روین کو پھوپھو خدیجہ کو سنبھالنا مشکل ہوگیا تھا۔

"اللہ جی اب کیا ہوگا؟"

روین تو خود بے حد چھوٹے دل کی مالک تھی۔ وہ بھلا پھوپھو کو کیا حوصلہ دے پاتی۔ اس کی اپنی رنگت پیلی پھٹک ہو چکی تھی۔

"ہائے اللہ اب کیا ہوگا؟" کا مسلسل ورد کر کے وہ پھوپھو کو مزید دہلا رہی تھی۔ ارے حوصلہ رکھو خدیجہ "اللہ بہتر کرے گا۔" ڈیڈی کے دوست آفاق احمد کی بیوی زہرہ نے پھوپھو کو حوصلہ دیا۔

"آفاق انکل رامین کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔"

دوپہر میں جب ڈرائیور نے آ کر اطلاع دی کہ رامین بی بی کالج میں نہیں ہیں، تو کچھ پل کو پھوپھو کو بالکل یقین نہ آیا کہ وہ ڈرائیور کیا کہہ رہا ہے۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"وہ بھلا کالج کے علاوہ کہاں ہو سکتی ہے؟"

پھوپھو کی آواز پریشانی سے پھٹنے لگی تھی۔

بڑی بیگم ہم روز کی طرح کالج گیٹ پر جا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ہمارے سامنے بچیوں کو چھٹی ہوئی، لیکن روز کی طرح رامین بی بی جب باہر نہ آئیں، تو ہم نے چوکیدار سے پوچھا، لیکن وہ بھی ٹھیک سے جواب نہ دے سکا۔

دھیرے دھیرے جب سارا کالج میرے سامنے خالی ہوا، تو میری پریشانی بڑھ گئی۔ میں

نے چوکیدار کے ساتھ چل کر سارا کالج چھان مارا، لیکن رامین بی بی نہ ملیں۔" ڈرائیور نے نگاہ جھکا کر کہا۔

پھوپھو تو کچھ پل کے لئے جیسے سکتہ ہوگیا تھا۔

"لیکن تم ایسے کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"صبح تم ہی تو بچی کو چھوڑ کر آئے تھے۔"

پھوپھو کا دل بری طرح ڈوبنے لگا تھا۔

"جی روز کی طرح رامین بی بی موٹر سے نکل کر کالج کے اندر گئی تھیں۔"

ڈرائیور نے اس بات سے بھی انکار نہ کیا تھا' کیونکہ وہ سچ بول رہا تھا۔

پھوپھو کو اپنا سانس رکتا محسوس ہوا۔

"پھر بچی کہاں گئی؟"

پھوپھو کے آنسو بند توڑ کر باہر آ گئے تھے۔

"بڑی بیگم میں کیا کہہ سکتا ہوں!" ڈرائیور خود بے حد پریشان تھا۔

وہ ان کا پرانا ملازم تھا۔

رامین جب ساتویں میں تھی' تب سے اسے سکول اور اب کالج چھوڑنے لینے جاتا تھا۔ خود اس کا دل کہتا تھا کہ بچی بے حد نیک ہے' کوئی غلط بات اس کے ساتھ اس نے کبھی لگی نہ دیکھی تھی' لیکن آج وہ کہاں گئی؟

کوئی سرا ہاتھ میں نہ آ رہا تھا۔

لانے لے جانے کی ڈیوٹی اس کی ہوتی تھی۔ اس لئے وہ بری الذمہ نہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے بے حد پریشان تھا۔

"روین......روین!"

پھوپھو روتے ہوئے بمشکل اپنا وجود گھسیٹتی ہوئی اندر کو لے گئیں۔ روین ساری صورت حال سن کر بجائے پھوپھو کو کوئی حوصلہ دیتی، اس نے خود اونچی اونچی رونا شروع کر دیا تھا۔

جب پانچ چھ منٹ پھوپھو بھتیجی خوب رو لیں، تو پھوپھو کو ہی احساس ہوا کہ انہیں رامین کے دوستوں کے ہاں فون کرنے چاہئیں۔

"روین اٹھو رامین کی سہیلیوں کو فون لگاؤ۔"

''بہن کا پتا کرو کہ آخر وہ گئی کہاں؟''

''اللہ میری بچی کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔'' پھوپھو نے تہہ دل سے دعا مانگی۔

رامین کی چند ہی تو سہیلیاں تھیں، جن کو روین جانتی تھی، لیکن اس کے پاس ایک آدھ کے سوا کسی کا فون نمبر نہ تھا۔

کسی نے کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا تھا۔

''اب پھوپھو؟''

روین سوالیہ نشان بنی کھڑی تھی۔

''بشریٰ......!''

''ہاں تم بشریٰ کو فون کرو، اسے ضرور معلوم ہوگا۔'' پھوپھو نے جوش سے کہا۔

بشریٰ ہر وقت رامین کے ساتھ ہی تو لگی رہتی تھی۔ کبھی نوٹس لینے آرہی ہے، تو کبھی امتحانوں کی تیاری میں مدد کے لئے رامین کے پاس پہنچی ہوتی تھی۔

''پھوپھو میرے پاس اس کا نمبر نہیں ہے' لیکن اس کا گھر یہ ہی تو دو ایک گلیاں چھوڑ کر ہے وہاں جا کر پتا کر لیتے ہیں۔'' روین نے فوراً کہا۔

''اچھا یوں کرو تم ڈرائیور کے ساتھ اس کے گھر جا کر پتا کر آؤ۔ میں گھر رہتی ہوں' ہوسکتا ہے کہ رامین گھر فون کر لے۔''

پھوپھو اتنی سی بات کر کے ہانپنے لگی تھیں۔ ان کا بی پی ہائی رہتا تھا۔

فکر سے ان کی طبیعت بگڑنے لگتی تھی۔ اب بھی وہ اپنی طبیعت بے حد خراب محسوس کر رہی تھیں۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

لیکن اس وقت ان کی سب سے بڑی پریشانی رامین تھی۔

روین جب بشریٰ کے گھر پہنچی تو ساڑھے چار بج رہے تھے اور بشریٰ اپنی بڑی آپی کے ساتھ لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔

روین کو کچھ حیرت ہوئی تھی، کہ اتنی نک سک سے تیار رہنے والی بشریٰ اس وقت تک یونیفارم میں کیوں بیٹھی تھی۔

''آؤ روین کیسی ہو؟''

بشریٰ کی آپی نے اسے بیٹھنے کی دعوت دیتے ہوئے خیریت دریافت کی۔

''ٹھیک ہوں آپی!''

روین کو سمجھ میں نہ آرہا تھا، کہ وہ کس طرح بشریٰ سے رامین کے متعلق پوچھے۔ ''خیریت ہے تمہاری رنگت اور چہرہ اتنے پھیکے کیوں پڑ رہے ہیں؟''

بشریٰ کی آپی نے تشویش سے پوچھا۔

''ہاں میں خیریت سے ہوں۔'' بشریٰ آپی کے پاس کام سے آئی تھی۔

روین نے بشریٰ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

بشریٰ اس ساری گفتگو کے دوران بالکل بے نیاز بنی بیٹھی رہی تھی۔

''اچھا تم لوگ بیٹھ کر باتیں کرو۔ مجھے لگتا ہے کہ اندر ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔ آج امی ابو بھی گھر نہیں ہیں۔'' بشریٰ کی آپی عجلت میں کہتی اندر بھاگی تھیں۔

''بشریٰ باجی...... رامین ابھی تک گھر نہیں آئی۔ کالج میں آپ کی ان سے ملاقات ہوئی تھی کیا؟''

روین نے بغیر کسی تمہید کے پوچھا۔

''آ......ہا...... ہاں کالج میں میری ملاقات اس سے ہوئی تھی۔''

بشریٰ نے نگاہ چراتے ہوئے کہا۔

''پھر وہ کہاں گئیں؟''

''ڈرائیور نے چھٹی کے وقت اور بعد میں سارا کالج چھان مارا' لیکن وہ نہ تھیں۔'' روین تقریباً رو دینے کو تھی۔

''مجھے نہیں معلوم!''

''میری آج طبیعت کچھ خراب تھی' اس لئے میں کامن روم میں لیٹی رہی تھی۔''

بشریٰ نے نہایت چالاکی سے جھوٹ بولا۔

بشریٰ کی ہمیشہ خواہش رہی تھی کہ وہ رامین کو نیچا دکھائے۔

آج قدرت نے اسے موقع دیا تھا' اس لئے وہ حاسدا اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔ یہ سوچے بنا کہ اس کی چھوٹی سی نادانی ایک گھر کو تباہ کر سکتی تھی۔ اگر وہ سچائی بتا دیتی تو سب کی بلاوجہ پریشانی تو ختم ہو جاتی۔

''اچھا! رامین کو آپ نے پھر نہیں دیکھا؟ میرا مطلب ہے چھٹی کے وقت بھی نہیں؟''

روین سے بولنا دشوار ہو گیا تھا۔

لاکھ رامین سے اس کی کھٹ پھٹ رہتی تھی، لیکن آج روین کو احساس ہوا کہ رامین اس کے لئے کس قدر اہم تھی۔

"رامین آخر کہاں گئی؟"

روین کا دل بری طرح ڈوبنے لگا تھا۔

بشریٰ کا گھر روین کی آخری امید تھی' لیکن یہاں بھی رامین کی کوئی خبر نہ مل سکی تھی۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں گئی! بشریٰ صاف مکر گئی۔ روین کے ہاتھ پاؤں بالکل بے جان ہونے لگے تھے۔

گھر آ کر اس نے پھوپھو کو صورت حال بتائی، تو وہ مزید پریشان ہو گئیں۔ تب پہلی بار روین نے کچھ عقل مندی کا کام کیا اور آفاق انکل جو ڈیڈی کے بے حد قریبی دوست تھے' ان کو فون کر کے ساری صورت حال بتائی۔

آفاق انکل آدھے گھنٹے کے اندر اندر زہرہ آنٹی کے ہمراہ ان کے گھر تھے۔

ان کے آنے سے روین کو کچھ ڈھارس ہوئی' لیکن وہ پھوپھو کا کیا کرتی، جو سورج ڈوبتے ہی ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھی تھیں۔ ان کی بار بار بے ہوشی روین کے رہے سہے اوسان خطا کر رہی تھی۔

"حوصلہ رکھو خدیجہ!"

"اللہ پر بھروسہ رکھو۔" زہرہ آنٹی نے اپنی بے چینی چھپا کر پھوپھو کو حوصلہ دیا۔

"لڑکیاں تو آبگینوں کی طرح ہوتی ہیں' ذرا سا سخت ہاتھ ان کو توڑ سکتا ہے۔" پھوپھو کی پریشانی بے وجہ نہ تھی۔

"زہرہ اگر تاریخ نے خود کو دوبارہ دہرا دیا تو......؟"

پھوپھو نے سہمی سہمی نظروں اور پھولی سانسوں کے درمیان پوچھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا!"

"تم حوصلہ رکھو!" زہرہ آنٹی نے دھیمی آواز میں کہا، تاکہ روین نہ سن سکے۔

"زہرہ کیا میری تربیت ناکام ہو گئی؟"

"کیا خون کا اثر کام کر گیا؟"

پھوپھو اب بالکل حواسوں میں نہ تھیں۔

"اللہ نہ کرے۔"

"تم وہم نہ پالو، تم تصویر کا ایک رخ کیوں دیکھتی ہو۔"

"کیا اس کی رگوں میں بھائی قدیر کا شریف خون نہیں ہے؟"

"پھر کیا تمہاری تربیت کے رنگ اتنے کچے ہیں، کہ جوانی کے جذبات انہیں بہا لے جائیں گے۔" زہرہ آنٹی کے لہجے میں بے حد یقین تھا۔

"مرغی کی طرح میں نے ان بچیوں کو چھپا چھپا کر پالا ہے، ہمیشہ سے ڈرتی تھی کہ نفس سے بڑی چیل کون ہو گی؟"

"میں نے ان پھول سی بچیوں کی جائز خواہشات تک کو کڑی پابندیوں لگا دیں' تاکہ ان کا نفس کبھی بھی نہ پنپ سکے۔" پھوپھو خدیجہ نے آنسوؤں کے بیچ میں کہا۔

"میں اپنے اللہ اور بھائی کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔"

"زہرہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو میرا بھائی اس بار بہت بری طرح ٹوٹ جائے گا۔"

پھوپھو کی سسکیوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔

"اللہ نہ کرے!"

"مجھے یقین ہے اپنی رامین پر وہ بے حد باکردار بچی ہے' جانے وہ کس مشکل میں پھنس گئی ہے۔ اللہ اسے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔" زہرہ آنٹی نے پھوپھو کو تصویر کا دوسرا رخ دکھانے کی کوشش کی' تم نے ماں بن کر ان بچیوں کو پالا ہے۔

"تم اس کے لئے وسوسہ سوچنے کے بجائے دعا کیوں نہیں کرتیں؟" فکر نہ کرو۔

"ماں کی دعا اللہ قبول کرتا ہے۔"

"مشکل گھڑی ہی تو انسان کے یقین کی پیمائش کرتی ہے کہ وہ اللہ پر کتنا یقین رکھتا ہے۔"

خدیجہ تم اپنا یقین تو آزما کر دیکھو۔

"مجھے یقین ہے کہ اللہ کبھی کسی ماں کا یقین نہیں توڑتا ہے۔" زہرہ آنٹی نے کچھ اس طرز پر خدیجہ پھوپھو کو سمجھایا، کہ وہ واقعی میں سب رونا دھونا بھول کر رامین کے لیے باقاعدہ دعا کرنے لگی تھیں۔

***

"تم کس مٹی کے بنے ہو ڈاکٹر رواق؟"

ڈاکٹر دیبا پروانی نے میز کے گرد گھوم کر کہا۔

جبکہ ڈاکٹر رواق اپنی ازلی بے نیازی سے بیٹھے ایک ایکسرے کو بے حد غور سے دیکھ ر تھے۔

''ڈاکٹر...... میں تم سے بات کر رہی ہوں۔''

''تم ہو کہ گونگے بہرے بنے بیٹھے ہو۔'' ڈاکٹر دیپا پروانی نے جھنجھلا کر کہا۔

''اب میں تمہارے بے تکے سوالات کا کیا جواب دوں۔''

''اس ایکسرے کو دیکھو' یہ ایکسرے ایک غریب مزدور کا ہے۔ وہ اونچائی سے گرا' لیکن اللہ نے اسے بچالیا' کیونکہ نیچے ریت کا ڈھیر موجود تھا' لیکن اس حادثے میں اس کی ٹانگ فریکچر ہو گئی۔''

جسے اس نامعقول نے کسی پہلوان ہڈی جوڑ سے جا کر بندھوالیا۔ ٹانگ کی ہڈی ٹھیک نہ جڑنے سے اب نہ صرف وہ لنگڑاہٹ کا شکار ہے' بلکہ بے حد تکلیف میں بھی ہے۔

دیپا میں نے تم کو اسی کیس کے لئے بلوایا تھا۔

''اس کا ایک آپریشن ہم کر چکے ہیں۔ میرا خیال ہے اس کے تین چار آپریشن اور ہوں گے۔ شاید آئرن پلیٹیں ڈالنے سے مسئلہ حل ہو جائے۔ تم جیسی قابل سرجن فی الحال اس پورے شہر میں نہیں ہے۔''

''کاش تم کہتے کہ دیپا کہ اس پورے شہر میں تم جیسی کوئی لڑکی بھی نہیں!'' دیپا نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''تم پلیز اس کیس کو فوری ہینڈل کرلو۔ وہ غریب اپنے خاندان کا واحد کمانے والا فرد ہے۔ چیرٹی کا تصور تو تمہارے مذہب میں بھی ہوگا۔''

''بہت ساری زندگیاں اس پر انحصار کرتی ہیں۔ وہ بے حد غریب آدمی ہے۔ اگر تم اس کی سرجری کرو گی تو اللہ تم کو اس کا بے حد اجر دیں گے۔'' ڈاکٹر رواق نے دیپا پروانی کی بے قراری کو ہمیشہ کی طرح اگنور کرتے ہوئے پروفیشنل ٹون میں اس سے بات کی۔

''یہ اجر کیا چیز ہے؟''

''اور تمہارا اللہ مجھے کیوں یہ دے گا؟''

ڈاکٹر دیپا پروانی نے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں میں حیرانی بھرتے پوچھا۔

''اجر؟'' ڈاکٹر رواق مناسب الفاظ ڈھونڈنے لگے تھے' تاکہ سادہ لفظوں میں دیپا کو اپنا

مطلب سمجھا سکیں۔

''بھئی یہ اجر...... انعام ہوتا ہے۔''

''جو اللہ ہر اچھے کام پر ہر انسان کو دیتا ہے۔''

''کیا تمہارا اللہ بندوں کو بھی یہ دیتا ہے؟''

دیپا پروانی نے تجسس سے پوچھا۔ اس وقت وہ کوئی قابل سرجن کے بجائے' معصوم بچی کی طرح سوال کر رہی تھی۔

''اللہ صرف مسلمانوں کا ہی نہیں ہوتا ہے' بلکہ وہ ساری کائنات کا مالک ہے۔''

''چاہے اس کائنات کی مخلوق اسے مانے یا نہ مانے۔'' ڈاکٹر رواق نے سادگی سے کہا۔

''ہے بھگوان!''

''تم پھر دھرم پر بھاشن دینے لگے!'' ڈاکٹر دیپا نے جھنجھلا کر کہا۔

''ہرگز نہیں۔''

''میں تو تمہارے سوال کا جواب دے رہا تھا۔'' ''تم خود سے یہ جاننا چاہ رہی تھی۔'' ''اب جب میں تمہارے کسی سوال کا جواب نہیں دیتا تو تم مجھے گونگا بہرہ کہنے لگتی ہو۔''

''اب تم ہی بتاؤ سندر کنیا...... تم کیسے راضی ہوگی؟''

ڈاکٹر رواق کے جواب پر ڈاکٹر دیپا پروانی نے گہری سانس بھری۔

''اس پر کہ تم مجھے انعام میں مل جاؤ۔''

ڈاکٹر دیپا کا لہجہ آس بھرا تھا اور وہ یک ٹک ڈاکٹر رواق کو ہی دیکھے جا رہی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ ایک ایک کپ کافی کا ہو جائے' سردی بھی ٹھیک ٹھاک ہو رہی ہے۔''

ڈاکٹر رواق نے ڈاکٹر دیپا کی بات کو پلٹتے ہوئے کہا۔

''تم واقعی بہرے ہو۔ تم تک میری کوئی بات نہیں پہنچتی!''

''تمہارا من بھی بہرہ ہے۔ اسے میرے دل کی بے قراریاں کبھی نہیں سنائی دیتیں۔'' ڈاکٹر دیپا اب غصے سے بول رہی تھی۔

غصے سے بولتے بولتے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں چلتی ہوں!''

اس کا لہجہ بے حد نروٹھا تھا۔

"ارے ارے!"

"اچھی سہیلیاں کبھی ناراض نہیں ہوتیں۔"

"جاؤ میں تمہاری کوئی سہیلی نہیں، تم کو میری بھاوناؤں کا کیا خیال، میرا دل مورکھ جانے کیوں تمہارے پیچھے ہی چکراتا رہتا ہے۔ آہ!" ڈاکٹر دیپا نے میز سے اپنا پرس اٹھا کر مڑتے ہوئے کہا۔

"دیپا!"

ڈاکٹر رواق کی گھمبیر آواز دیپا کے پیروں میں ہمیشہ زنجیر باندھ دیتی تھی۔ اب بھی یہ ہی ہوا تھا۔

"کیا ہے......؟"

اس نے مڑے بغیر کہا۔

"یار اچھی سہیلی نہیں، یہ آپریشن کردو۔"

ڈاکٹر رواق کی بات پر دیپا نے گہرا سانس لیا۔ وہ تو کسی اور ہی آس پر رکی تھی۔

اس نے غصے سے مڑ کر کچھ کہنا چاہا، لیکن ڈاکٹر رواق کے چہرے پر سجی معصومیت نے اس کا سارا غصہ جذب کرلیا۔

جو اسے آپریشن کرنے کا یوں کہہ رہے تھے، جیسے کوئی چوڑی، دوپٹہ مانگ رہے ہوں۔

"تم......تم! تمہاری یہ معصوم شکل اور یہ آواز ہمیشہ میری کمزوری بن جاتے ہو۔"

"کاش تم کبھی مجھے جاتے میں ایسے نہ پکارو اور میں ایسے تمہاری آواز سن کر کبھی تمہاری شکل دیکھ کر نہ رکوں۔"

ڈاکٹر دیپا اب ہمیشہ کی طرح کھلے لفظوں میں اپنی بے بسی کا اظہار کررہی تھی۔

"یار سہیلی!"

"میرے پاس نہ تمہارے سوالوں کا کوئی جواب ہے اور نہ تمہاری بے قراریوں کا، تم میری سب سے اچھی دوست ہو، لیکن میں کیا کروں، میں نے تمہارے لئے کبھی سوچا ہی نہیں۔" ڈاکٹر رواق نے سچائی سے کہا۔

"کیا میرے دھرم کی وجہ سے؟"

ڈاکٹر دیپا بغور انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس کا من تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ پہلی بار ڈاکٹر رواق اس

کی کسی بات کا جواب دے رہا تھا۔

"نہیں، یہ وجہ بھی نہیں ہے، لیکن میرا دل آج تک کسی لڑکی کو دیکھ کر مختلف انداز میں دھڑکا ہی نہیں کہ مجھے وہ سگنل دے کہ......ہاں......بس یہ ہی وہ رائٹ پرسن ہے، جو اس دل کی ملکہ ہے، جو اس دل کی مالک ہے!"

ڈاکٹر رواق نے بے حد سچائی سے کہا۔

"تم......محبت پر Believe کرتے ہو؟"

"میرے لئے نئی اطلاع ہے، ورنہ میرے خیال میں تو تمہارا من محبت پیار پر یقین کرتا ہی نہیں، جو اتنے سالوں سے میری سزا بنا ہوا ہے۔"

"محبت اس کائنات کا سب سے حسین جذبہ ہے۔ اس کے بغیر زندگی میں رس نہیں ہے۔"

ڈاکٹر رواق نے کہا۔

"میرے دل میں میری فیملی کی محبت ہے، لیکن اس خاص پرسن کی محبت تو تب ہی محسوس ہوگی، جب وہ نظر آئے گی۔"

"کیا یہ محبت پہلی نظر میں ہوجائے گی؟"

ڈاکٹر دیپا ڈاکٹر رواق کو کسی پجارن کی طرح تکتے ہوئے بولی۔

"شاید۔"

ڈاکٹر رواق نے کچھ بے یقینی سے کہا۔

"لیکن جو کچھ بھی ہے میرا دل یہ بات ضرور جانتا ہے کہ جب وہ ملے گی، تو میرا دل مجھے بتا دے گا صرف ایک لمحے میں......وہ سگنل دے گا کہ یہ ہی وہ ہے!"

"اور اگر وہ کبھی نہ ملی تو؟"

ڈاکٹر دیپا نے کچھ حسد سے کہا۔

"تو......"

"تو تب دیکھیں گے، ویسے تم تو ہو ہی ناں!"

ڈاکٹر رواق نے شرارت سے کہا۔

ڈاکٹر دیپا کا دل بے حد زور سے دھڑکا تھا۔ اس کا سارا چہرہ شدت جذبات سے سرخ پڑ گیا تھا۔

''رواق!''

''کبھی اس بات کو نہ بھولنا کہ وہ اگر نہ ملی تو تمہیں میرے پاس ہی آنا ہوگا۔''

ڈاکٹر دیپا نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''میں پھر اتنا کروں گی کہ تم کو وہ کبھی نہ ملے۔''

''اب اتنا خودغرض ہونے کا تو میرا حق ہے۔ آخر اتنے برسوں سے تمہاری راہ میں کسی جوگن کی طرح بیٹھی ہوں۔''

ڈاکٹر دیپا کے لفظ لفظ میں اس کا دل دھڑک رہا تھا۔

''بے فکر رہو وہ مجھے ضرور ملے گی۔''

ڈاکٹر رواق نے بے نیازی سے کہا اور اپنا کوٹ اٹھا کر پہنا۔

''چلو کہیں باہر چل کر کافی پیتے ہیں' پھر میں تمہیں تمہارے گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔''

ڈاکٹر رواق کی یہی بے نیازیاں' ڈاکٹر دیپا کو ڈاکٹر رواق کی ادائیں لگا کرتی تھیں۔

وہ جتنا اسے پرے کرتے ڈاکٹر دیپا کسی مقناطیس کی طرح ان کی جانب کھنچی چلی آتی تھی۔

''دیکھنا وہ تم کو کبھی نہ ملے گی۔''

''کیونکہ وہ تمہارا خیال ہے اور میں حقیقت ہوں۔''

''ہر فاصلہ طے کر سکتی ہوں۔''

''چاہے یہ فاصلہ دھرم کا ہو، یا پھر سماج کا میں طے کروں گی۔''

''تم صرف میرے ہو!''

''صرف میرے!''

دیپا پروانی نے ڈاکٹر رواق کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سوچا اور اس کی سوچ میں اس کا ازلی جنون شامل تھا، کہ اگر وہ کسی بات کا پیچھا لے لیتی تو اسے حاصل کر کے رہتی تھی۔ شاید یہ ہی وجہ تھی کہ وہ اتنی کم عمری میں اپنے پروفیشن کی اہم منازل طے کر چکی تھی اور آج ایک قابل سرجن تھی۔ ڈاکٹر دیپا نے گاڑی کا دروازہ کھولتے اونچے لمبے رواق کو دیکھا۔

''تم صرف میرے ہو!''

''صرف میرے ہو۔'' اور وہ تمہارے خیالوں میں بسی لڑکی تم کو کبھی نہیں ملے گی۔ ڈاکٹر د[یپا] جنونیوں کی طرح سوچ رہی تھی۔

***

''تو جو میرے نال روویں''

''دنیا توں رواں میں...... پرے پرے''

''تو جو میرے نال روویں!''

اے ڈی حسب معمول اپنی پھٹے ڈھول جیسی آواز میں نور جہاں کے گانوں کی ٹانگ توڑ رہا تھا۔ روید جو کافی دیر سے صبر و استقامت کا ہاتھ پکڑے اسے برداشت کر رہا تھا۔ ایک دم ہی ضبط چھوڑ بیٹھا۔

اتنی دیر سے وہ ٹیرس میں بیٹھا اپنے فزکس کے ٹیسٹ کی تیاری کر رہا تھا، بلکہ اے ڈی کی موسیقی میں صرف کوشش کر رہا تھا' ورنہ پلے تو ایک لفظ بھی نہ پڑ رہا تھا۔

''آج میں اس بانس کو پکڑ کر درمیان سے توڑ دوں گا۔''

روید ایک بار میں دو دو سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے آیا۔

اے ڈی بڑے مگن انداز میں پودوں کو پانی دیتے ہوئے گلا پھاڑ رہا تھا۔ ''کہاں جا رہے ہو روید؟''

پیچھے سے بڑی اماں نے اسے آواز دی۔ وہ شاید بیبا سے ملنے آئی تھیں۔

''قتل کرنے!''

''اور یہ قتل عین ثواب ہوگا۔''

روید نے اپنی مٹھیاں بھینچ کر کہا۔

''اللہ رحم کرے۔''

''لڑکے کیا اوٹ پٹانگ بولتا رہتا ہے۔'' بڑی اماں نے اس کی بات پر دہل کر کہا۔

''بڑی اماں یہ لاؤڈ سپیکر آپ کی ہی دریافت ہے ناں؟''

روید نے جھنجھلاتے لہجے میں اے ڈی کے بارے میں پوچھا۔

''ہاں! اللہ جنت نصیب کرے' اس کی ماسی اسے میرے حوالے کر کے گئی تھی، کہ سیلاب آنے کی وجہ سے اس کے گاؤں میں نہ کوئی گھر بچا نہ انسان' اس لیے اسے ہم رکھ لیں۔ میں نے اس یتیم بچے کو رکھ لیا۔ آج وہ اس گھر کا وفادار ملازم ہے' دیکھ لو کتنا وفادار' تابعدار بچہ ہے۔''

بڑی اماں کو جس بات پر بے حد فخر تھا۔ وہ روید کا سب سے بڑا دکھ تھا۔

"یہ کیوں اس سیلاب سے بچ گیا؟"

روید نے دانت کچکچا کر کہا۔ "سیلاب ہمیشہ بیکار چیزیں پیچھے کیوں چھوڑ جاتے ہیں؟"

"حد کرتا ہے لڑکے کیوں ہر وقت اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا رہتا ہے؟"

"اچھا چھوڑ اسے' تمہاری ماں کہاں ہے؟"

"اب اس نوابزادی سے میں خود ملنے آؤں تو آؤں' ورنہ خود اسے ماں کی بالکل پروا نہیں ہوتی۔"

بڑی اماں نے وہیں ایک صوفے پر دھنستے ہوئے کہا۔

"بیبا...... وہ شاید آپ کو پیچھے پرندوں کے پاس مل جائیں' خیر سے آپ کے بڑے نواسے کے ہاں دوسرا بچہ ہوا ہے۔" روید نے شرارت سے کہا۔

روید کو اپنی بات کا معلوم تھا۔ حسب توقع بڑی اماں آگ بگولہ ہوگئیں۔

"تمہاری ماں کو ان پرندوں کا بڑا خیال ہے جو بیٹے نے لا کر رکھے ہیں' لیکن اپنے فرائض کا رتی بھر احساس نہیں ہے؟ ارے اب بچے کی شادی کرے۔"

"گھر میں رونق ہو' میرے بھتیجے کے بچوں سے میرے بھائی کا نام چلے گا۔ کیا بچے کی شادی بوڑھا کر کے کرنی ہے؟"

"بالکل! میں اکثر انہیں اس بات کا احساس دلاتا ہوں۔"

"مگر...... وہ آپ کی اولاد ہیں ناں' بڑی ضدی ہیں۔"

روید نے جلتی پر مزید تیل چھڑک کر آگ کو بھڑکایا۔

"السلام علیکم اماں!"

اسی پل بیبا سفید دودھیا کپڑوں میں اندر داخل ہوئیں۔ ان کا پاکیزہ چہرہ دوپٹے کے سفید ہالے میں جگمگا رہا تھا۔ دیکھنے والا اندازہ نہ کر پاتا تھا کہ ان کا چہرہ زیادہ سفید ہے یا پھر کپڑوں کا رنگ' بڑی اماں نے انہیں دیکھ کر اک دکھ بھری سانس بھری۔

بیٹی نے اولاد کی خاطر ساری زندگی گنوا دی تھی۔

آذر کی شہادت کے بعد بیبا نے اپنی ساری جوانی بیوگی کی چادر اوڑھ کر گزار دی تھی۔ انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنی زندگی کا مرکز بنا لیا تھا۔

بڑی اماں اپنی اس صابر و شاکر بیٹی کے لئے ہمیشہ دعا گو رہتی تھیں۔

"وعلیکم السلام!"

بڑی اماں کا سارا غصہ بیبا کے چہرے کو دیکھتے ہی اتر گیا۔

"لو کر لو گل!!! اب آپ کے شدت جذبات کا سمندر کیوں ٹھنڈا پڑ گیا؟"

روید نے بڑی اماں کو ٹھنڈا پڑتے دیکھ کر چڑ کر کہا۔

"آنی ٹھیک کہتی ہیں کہ بڑی اماں کبھی بیبا پر غصہ نہیں کر سکتیں۔" روید نے ان کو چڑانے کی کوشش کی۔

"ہر وقت انگار چبائے رہتا ہے' نام کا رتی بھر اثر نہیں ہے!"

بڑی اماں نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کیسی ہیں؟"

"جوڑوں کے درد کو فرق پڑا اس ایلوویرا کے ٹوٹکے سے؟"

بیبا نے ان کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔ بیبا بے حد دھیما اور نرم بولتی تھیں۔ وہ کبھی روید کو ڈانٹتی' تو روید اکثر کہتا' رہنے دیں' بیبا آپ کی ڈانٹ میں پھٹکار اور جذبات کا الاؤ نہیں ہے!

"آپ تو ڈانٹتی بھی اتنے پیار سے ہیں کہ ڈانٹ بے چاری خود شرمندہ ہونے لگتی ہے۔"

"ہاں وہ تمہاری ملازمہ مجھے ایلوویرا کا پودا دے کر گئی تو تھی لیکن وہ ٹھیک سے کچھ بھی بتا نہ پائی تھی کہ اس کا کرنا کیا ہے؟"

"اماں اس پودے کی ایک ٹہنی لے کر اسے کاٹ کر اس کا گودا نکال لینا ہے پھر اسے وہاں لگانا ہے جہاں آپ کو زیادہ درد ہے۔"

"اگر آپ کو کڑواہٹ برداشت ہو جائے تو نہار منہ اس کا ایک انچ کا ٹکڑا کھا لیا کریں۔" بیبا نے کہا۔

"انشاء اللہ آپ کو فرق محسوس ہوگا۔"

"لو جی نیم حکیمی شروع ہوگئی۔" روید کی زبان پر کھجلی رہتی تھی۔ وہ بولے بغیر کہاں رہ پاتا تھا۔

"تمہارے پاس ہر بات کا کوئی نہ کوئی علاج ہوتا ہے۔"

***

’’اس کی بے سمت' بے مقصد چلتی زبان کا کیا کوئی علاج نہیں ہے؟‘‘ بڑی اماں نے با قاعدہ روید سے زِچ ہو کر کہا۔

’’یہ تو میرے گھر کی رونق ہے۔‘‘

’’آذر کے بعد اگر یہ بولتا گڈا نہ ہوتا تو میں زندگی کی طرف شاید کبھی واپس نہ آ سکتی۔‘‘

بیبا کے کہنے پر روید نے اپنی فرضی کالر جھاڑ کر اپنی اہمیت جتائی۔

’’اب کیا اپنی آدھی رونق کے متعلق کچھ سوچنا ہے کہ نہیں؟‘‘

بڑی اماں کا اشارہ رواق احمد کی جانب تھا۔

’’دس سال کا تھا جب تم نے اسے عامر (رواق کے ماموں) کے ہاں باہر پڑھنے بھیج دیا تھا۔ ڈاکٹر بن کر آیا۔‘‘

’’اتنے سال تم نے اس کی جدائی میں کاٹ دیئے۔‘‘

’’اب اس کی شادی کر دو۔ اس کی اولاد کی خوشیاں دیکھو۔‘‘

بڑی اماں کے کہنے پر بیبا نے اثبات میں سر ہلایا۔

’’آپ ٹھیک کہتی ہیں۔‘‘

’’میری بھی خواہش ہے کہ رواق کی جلد از جلد شادی کر دوں۔‘‘

’’لیکن...... وہ مانے تو تب ہی میں کوئی قدم اٹھا سکتی ہوں۔‘‘

’’گزشتہ دو سال سے میں نے اپنے حلقہ احباب میں موجود ہر لڑکی کا نام اس کے سامنے رکھا ہے' لیکن جانے اس کے دل میں کیا ہے' مانتا ہی نہیں!‘‘ بیبا نے اپنی مجبوری بتائی۔

’’آپ کیوں ان کو اپنے حلقہ احباب میں باندھنے کی کوشش کرتی ہیں۔‘‘

’’ذرا اپنے حلقے ڈھیلے کر کے ان کو باہر تانک جھانک کرنے دیں' ہو سکتا ہے کہ ان کے دل

کی رانی مہارانی ان کو مل جائے۔‘‘ روید نے میز سے کینو اٹھا کر چھیلتے ہوئے کہا۔

’’ارے باؤلا ہو گیا ہے لڑکے؟‘‘

’’ہمارے خاندان کے بچے بچیاں شادی بیاہ کے معاملے میں دخل نہیں دیتے۔ بس جو بڑے کہیں چپ چاپ کر لیتے ہیں۔‘‘ بڑی اماں نے با قاعدہ اسے لیکچر پلاتے ہوئے کہا' کہیں وہ خود اس بات کو نہ بھول جائے۔

’’ہاں' ہم سب گدھے گھوڑے ہیں' جس مرضی کھونٹے سے باندھ دیں۔‘‘

’’آنی بالکل ٹھیک کہتی ہیں کہ آپ بڑے ہمیشہ جیتی جاگتی زندگیوں کے ساتھ کھیل جاتے ہیں۔‘‘

’’دیکھ لے دیبا!‘‘

’’تیری اولاد آج منہ در منہ جواب دینے کو آ گئی ہے۔‘‘

بڑی اماں نے شکوہ کیا۔

’’بڑی اماں معذرت کے ساتھ اس معاملے میں' میں خود روید اور رابعہ کی بات سے متفق ہوں۔‘‘

’’رابعہ کی مثال کے بعد مجھ میں ہمت نہیں ہے کہ میں اپنے بچوں کی زندگیاں بھی داؤ پر لگا دوں۔‘‘

بیبا کے جواب نے بڑی اماں کو ناخوش کر دیا تھا۔

’’ٹھیک ہے تم جانو اور تمہاری اولاد جانے۔‘‘

’’بچے کب اتنے بڑے فیصلے لینے کے قابل ہوتے ہیں۔‘‘

’’کل کو یہ بچے غلط فیصلے لے کر اپنی زندگی تباہ کر بیٹھے تو تم خود ہی اپنی حد سے زیادہ دی ہوئی آزادی پر روؤ گی!‘‘

بڑی اماں کے لہجے میں تنبیہ تھی۔

’’اللہ نہ کرے!‘‘

’’اللہ نہ کرے کہ میں کبھی کسی بات کے پچھتاوے پر روؤں۔‘‘

’’مجھے اپنے بچوں اور اپنی تربیت پر پورا یقین ہے۔‘‘

’’وہ کبھی کسی غلط لڑکی کا انتخاب نہیں کریں گے۔‘‘ بیبا کے لہجے میں یقین تھا۔ ’’اس گھر میں

رواق کی جو دلہن آئے گی' انشاء اللہ کردار اور اخلاق میں لاکھوں میں ایک ہوگی۔"

"یہ میری دعا ہے' اپنے بچوں کے لئے اور رب عظیم ایک ماں کی دعا کبھی نہیں موڑتا۔"

"وہ میری ضرور سنے گا۔"

"اور رواق کی زندگی میں ایک بے حد اچھی لڑکی آئے گی!"

بیبا کی تو باتیں بھی دعائیہ طرز کی ہوتی تھیں۔

***

"اوہ میرے اللہ!"

ڈاکٹر رواق نے پریشانی سے گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"کوئی لڑکی ان کی گاڑی سے ٹکرا گئی تھی۔ وہ تو بے حد احتیاط سے گاڑی چلاتے تھے' لیکن یہ لڑکی اچانک سے آئی تھی۔"

"آپ...... آپ ٹھیک ہیں؟"

ڈاکٹر رواق نے اس لڑکی سے پوچھا۔

"اس لڑکی نے ذرا کہ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھا تھا' سرخ ہوتی ہوئیں آنکھیں ڈاکٹر رواق پل بھر کو ٹھٹکے تھے۔"

"جیسے ہی لڑکی نے آنکھیں بند کیں وہ چونکے تھے' اوہ مائی گاڈ!"

"یہ تو لگتا ہے بے ہوش ہوگئی!" انہوں نے نبض چیک کرتے ہوئے باآواز بلند کہا۔

"ادھر ادھر نگاہ گھمانے کے باوجود انہیں اس لڑکی کے ساتھ کوئی نظر نہ آیا تھا۔"

"کون ہے یہ؟"

لڑکی کے ماتھے سے تیزی سے خون بہہ رہا تھا۔ انہوں نے مزید سوچنا چھوڑا اور لڑکی کو گاڑی میں ڈالا۔

پھولوں کی طرح نازک رامین کا وجود انہیں ایک بار پھر متوجہ کر گیا تھا' جس وقت رامین ڈاکٹر رواق کی گاڑی سے ٹکرائی تھی' رکشہ ڈرائیور اس کے پیچھے ہی تھا' لیکن گاڑی میں سے اونچے لمبے ڈاکٹر رواق کو نکلتے دیکھ کر وہ واپس مڑ گیا تھا۔ لڑکی کی زخمی حالت سارا پول کھول سکتی تھی۔ اس لئے اس نے واپس جانے کا ہی سوچا۔

"کون ہوسکتی ہے یہ لڑکی؟" ڈاکٹر رواق نے گاڑی واپس ہسپتال کی جانب موڑتے

ہوئے سوچا۔

"ارے سر خیریت!"

ریسپشن پر بیٹھی نرس نے حیرت سے ڈاکٹر رواق کو دیکھا۔

ابھی دو گھنٹے پہلے ہی تو وہ آف کر کے گئے تھے۔ پھر یوں اچانک واپس...... ہسپتال میں کوئی ایمرجنسی بھی نہ تھی۔ نرس کا حیرت میں مبتلا ہونا بے جا نہ تھا۔

"ہاں خیریت ہے!"

"تم ذرا سسٹر سلطانہ کے ساتھ جا کر میری گاڑی میں ایک زخمی مریضہ ہے' اسے فوراً روم میں شفٹ کروا کر مجھے اطلاع دو۔"

ڈاکٹر رواق نے تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔ "لڑکی کا مکمل چیک اپ ہوگا! ہوسکتا ہے اسے کوئی انجری بھی آئی ہو۔" انہوں نے ڈاکٹر رفعت کو فوراً لڑکی کے چیک اپ کے لیے بھیجا۔

***

"ہیلو بیبا! السلام علیکم! (کیسی) ہیں آپ؟"

"میں کچھ دیر سے آؤں گا! ایک ایمرجنسی آ گئی ہے۔"

"پلیز آپ کھانا کھالیں۔"

"ٹھیک ہے!"

"چلیں پھر آپ آرام کریں۔"

ڈاکٹر رواق نے بیبا کو فون کیا تھا جو اس کے لئے گھر میں پریشان ہو رہی تھیں۔

"ڈاکٹر!" ڈاکٹر رفعت نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"لڑکی کے بازو میں فریکچر ہے' اس کے علاوہ تو کوئی سویئر انجری نہیں ہے؟" ڈاکٹر رواق نے فکر مندی سے پوچھا۔

"بظاہر تو معمولی چوٹیں ہیں' اب لڑکی ہوش میں آئے تو باقی کا اندازہ تب ہی ہوسکے گا۔"

"ہوں!" ڈاکٹر رواق کی ہوں خاصی پرسوچ تھی۔

"کتنی دیر میں ہوش میں آ جائے گی؟ میرا خیال ہے کمزوری کی وجہ سے لڑکی بے ہوش ہوئی ہے!" ڈاکٹر رواق نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

"خون کا زیادہ بہہ جانا اور خون کا بند نہ ہونا دونوں ہی میٹر کرتے ہیں' میرا خیال ہے تھوڑی دیر میں ہوش میں آ جائے گی' سر آپ بے فکر ہو کر گھر جائیں' میں اس کیس کو ہینڈل کر لوں گی۔" ڈاکٹر رفعت نے ڈاکٹر رواق کو تابعداری سے کہا۔

ڈاکٹر رواق تھے ہی اتنے نرم دل کہ ان کے ہسپتال کا سارا عملہ انہیں بے حد پسند کرتا تھا۔ ڈاکٹر رواق نے اپنے اخلاق اور پیار سے ان کے دل جیت لئے تھے۔

"نہیں میں گھر نہیں جا سکتا!"

"جانے وہ لڑکی کون ہے اور اس وقت کہاں سے آ رہی تھی۔ اس کے گھر والے یقیناً اس کے لئے فکر مند ہوں گے' میرا اخلاقی فرض بنتا ہے کہ میں اس کے گھر والوں کو اطلاع دوں اور یہ تب ہی ممکن ہے جب لڑکی ہوش میں آ جائے۔"

ڈاکٹر رواق اس لڑکی کے لئے اپنے دل میں خاص کشش محسوس کر رہے تھے۔

بعض چہرے' بہت اپنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ ان سے پہلی بار مل کر بھی اجنبیت کا بالکل احساس نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر رواق بھی رامین کے لئے کچھ ایسا ہی محسوس کر رہے تھے۔ ڈاکٹر رفعت اس لئے ڈاکٹر رواق کے فکرمندی کا خاص نوٹس نہ لے سکیں کہ ڈاکٹر رواق ہر مریض کے دکھ کے لئے اتنے ہی فکر مند دکھائی دیتے تھے۔ "تھینک یو ڈاکٹر' پلیز آپ چلئے میں پیشنٹ کو خود دیکھ لوں گا۔"

"آپ کی بھی ڈیوٹی ختم ہو گئی تھی' میری وجہ سے آپ کو رکنا پڑا۔" ڈاکٹر رواق کا یہ ہی رویہ اور شکریہ ادا کرنے کا انداز ان کے سٹاف کو اپنا بنا لیتا تھا۔ "پلیز شرمندہ تو نہ کیا کریں۔"

"آپ مالک ہیں' یہاں آپ تو حکم بھی دے سکتے ہیں۔" ڈاکٹر رفعت سچ مچ شرمندہ ہو گئیں۔

"میں ڈیوٹی آورز میں تو آپ سے کچھ کہنے کا حق رکھتا ہوں' لیکن ڈیوٹی ختم ہونے کے بعد مجھے ایک منٹ کا بھی حق نہیں ہے کہ میں آپ کو روکوں" ڈاکٹر رواق نے سچائی سے کہا۔

"اگر ایسے میں آپ رک کر میری مدد کرتی ہیں تو یہ آپ کی اچھائی ہے اور اس کے لئے میں بے حد ممنون ہوں۔"

"سر آپ کی یہ باتیں یہاں پاکستان کے رہنے والوں کے لئے بے حد مختلف ہیں' یہاں کون کسی کا اتنا خیال رکھتا ہے۔"

"دوسرا جو آپ کے زیر سایہ اس ہسپتال میں کام کر لے گا' آئندہ کہیں اور کام کرنے کے

قابل نہیں رہے گا' جتنی آپ ہر ہر بات پر حوصلہ افزائی کرتے اور ہر شخص کی سیلف رسپکٹ کا خیال کرتے ہیں' باقی جگہوں پر کہاں ایسا ہوتا ہے۔" ڈاکٹر رفعت نے دل کی سچائیوں سے اعتراف کیا تھا۔

"ڈاکٹر آپ کے یہ کمنٹس میرے لئے نہایت قیمتی سرمایہ ہیں' میری والدہ نے یہ چھوٹا سا ہسپتال میرے شہید والد کے نام پر بنایا تھا۔ صدقہ جاریہ کے لئے' یہاں جو اچھا عمل ہو گا' وہ میرے والد کے لئے صدقہ جاریہ بن جائے گا۔"

"میری شدید خواہش ہے کہ میرے سارے اچھے اعمال میرے والدین کے لئے خوشیوں کا باعث بن جائیں۔" ڈاکٹر رواق نے نہایت پر سکون لہجے میں کہا۔

"سر لڑکی کو ہوش آ گیا ہے!"

"وہ لڑکی ہوش میں آتے ہی بے حد رو رہی ہے!"

"اسی پل نرس بوکھلائی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی' اس نے آتے ہی رامین کے متعلق اطلاع دی۔"

"او کے تم چلو میں آ رہا ہوں!"

ڈاکٹر رواق نے نرس کو بھیج کر ڈاکٹر رفعت کو بھی ساتھ چلنے کی درخواست کی۔

"ویسے تو ڈاکٹر صادقہ ڈیوٹی پر آ چکی ہوں گی' لیکن پلیز اگر آپ کچھ منٹ اور رک جائیں تو میں آپ کا مشکور رہوں گا' کیونکہ آپ نے لڑکی کو ٹریٹ منٹ دی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ اسے ایک بار چیک کر لیں۔" ڈاکٹر رفعت سے ڈاکٹر رواق دھیمے لہجے میں بات کرتے ہوئے مختلف کمروں کو پار کرتے ایک کمرے کے باہر آ کھڑے ہوئے تھے۔

"ٹھیک ہے' میں اسے ایک بار پھر چیک کر لیتی ہوں' ویسے بازو کا فریکچر ہی ہے' اس کا ایکسرے ہو جائے تو اسے پلستر وغیرہ چڑھا دیتے ہیں۔" ڈاکٹر رفعت نے بات کرتے ہوئے دروازہ کھولا۔

سامنے ہی رامین بیڈ سے ٹیک لگائے سسکیاں لے رہی تھی۔ "بیٹا ٹیک اٹ ایزی!" ڈاکٹر رفعت نے رامین کو تسلی دی۔ ڈاکٹر رواق یوں تو ہر کسی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بے چین ہو جاتے تھے لیکن نہ جانے اس لڑکی کے آنسوؤں میں کیا بات تھی کہ انہوں نے نہایت بے چینی محسوس کی۔ ان کا بے اختیار دل چاہا کہ ان موتیوں کو اس کی صبیح رخساروں سے فوراً چن لیں۔ "کیا کہیں

بہت زیادہ درد ہے؟'' ڈاکٹر رواق نے پوچھا۔

'' مجھے گھر جانا ہے!''

جواب میں رامین نے سسکتے ہوئے کہا۔

'' ٹھیک ہے آپ گھر چلی جایئے گا' لیکن اس حالت میں آپ اکیلے گھر نہیں جاسکیں گی' آپ کو ٹھیک ٹھاک چوٹیں آئی ہیں۔''

'' آپ اپنے گھر کا ایڈریس دیں' ہم اطلاع کروا دیتے ہیں۔'' ڈاکٹر رواق نے نرم لہجے میں کہا۔

رامین نے روئی روئی نگاہیں اٹھا کر ڈاکٹر رواق کو دیکھا۔

کچھ لمحے واقعی جادو اثر ہوتے ہیں۔ جکڑ لیتے ہیں' تاعمر کے لیے حصار قائم کر لیتے ہیں۔ ڈاکٹر رواق بھی بقول دیپا پروانی کے پتھر دل واقع ہوا ہے۔ اس کو بھی کہیں جادو اثر پل نے اپنے حصار میں جکڑ لیا تھا۔

یہ نہیں تھا کہ وہ اجنبی بے حد خوبصورت لڑکی تھی بلکہ ڈاکٹر رواق اس کے لئے اپنے دل میں خاص طرح کی کشش محسوس کر رہے تھے جو انہیں مسلسل اپنی جانب کھینچ رہی تھی۔

'' میں...... مجھے بہت ڈانٹ پڑے گی!''

رامین بے حد رو رہی تھی۔

'' پلیز آپ رونا تو بند کریں۔'' ڈاکٹر رفعت نے بھی اسے تسلی دینے کی کوشش کی۔ '' لیکن آپ کو بلاوجہ کیوں ڈانٹ پڑے گی؟'' ڈاکٹر رواق کے سوال پر رامین باقاعدہ اپنے ہونٹ چبانے لگی تھی۔

'' پلیز آپ اتنا گھبرائیں مت! آپ ہمیں اپنا پرابلم بتائیں۔'' ڈاکٹر رواق ہر صورت اس کی مدد کرنا چاہتے تھے۔

جواباً رامین کچھ دیر سوچتی رہی' پھر اس نے ساری حقیقت ان کے گوش گزار کر دی' کہ کیسے وہ اپنی من مانی اور حماقت کی وجہ سے سارا دن گھر سے باہر رہی تھی۔

'' اوہ! لو بیٹا آپ نے کون سا کوئی غلط کام کرنا تھا جو آپ نے اپنے گھر والوں سے اپنے مقابلے کی چھپائی۔''

ڈاکٹر رفعت نے رامین کے بازو پر ہارڈ بینڈیج لگاتے ہوئے کہا۔

'' میری پھوپھو بہت سخت ہیں!''

'' وہ...... مجھے...... مجھے کبھی اجازت نہ دیتیں۔ اس لیے......!''

'' لیکن مجھ سے واقعی غلطی ہوگئی!''

'' ڈیڈی کو پتا چلا تو وہ جانے کتنا خفا ہوں گے۔ مجھے فوراً گھر جانا بھی ہے اور...... مجھے گھر جانے سے بے حد ڈر بھی لگ رہا ہے۔''

رامین کا رونے سے گلا بیٹھ رہا تھا۔

'' اوہ! ڈاکٹر رفعت نے گہرا سانس اپنے اندر کھینچتے ہوئے کہا' ڈاکٹر اگر آپ ایک مورل سپورٹ کریں تو میں بے حد مشکور ہوں گا۔'' ڈاکٹر رواق رامین کے آنسوؤں سے بے حد بے چین ہو رہے تھے۔

'' جی!''

ڈاکٹر رفعت نے نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

'' ہم دونوں انہیں گھر ڈراپ کر آتے ہیں۔ آپ ساتھ ہوں گی تو میرا خیال ہے آپ بہتر طور پر ان کی مجبوری بیان کر سکیں گی۔ اتنی رات کو اکیلی لڑکی گھر جائے تو اپنے گھر والوں کو کبھی ٹھیک سے مطمئن نہیں کر پاتی۔'' ڈاکٹر رواق کی بات پر رامین نے بے حد ممنون نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ وہ اس کے دل میں اٹھنے والے خدشوں کو کیسے جان گئے؟

بہر حال وہ کسی حد تک اپنے دل کو پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ بعض لوگوں کا لہجہ اپنے اندر تاثیر مسیحائی رکھتا ہے۔ دل کے زخموں کو آرام آجاتا ہے۔ ڈاکٹر رواق بھی رامین کو انہی میں سے ایک لگے تھے۔ '' ٹھیک ہے' میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں' میں ابھی آتی ہوں۔ مجھے گھر فون کر کے اپنے دیر سے آنے کی اطلاع دینی ہوگی۔'' ڈاکٹر رفعت یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

'' سسٹر آپ پلیز ایک چادر اور جوتے کا انتظام کریں۔'' ڈاکٹر رواق پردے کے بغیر عورت کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔ رامین کا دوپٹہ خون سے لت پت ہونے کی وجہ سے پھیلا کر لینے کے قابل نہ رہا تھا۔ جوتا بھی جانے کہاں رہ گیا تھا۔

'' جی سر!''

سسٹر کہتی ہوئی باہر نکلیں۔

'' آپ کا نام کیا ہے؟''

ڈاکٹر رواق نے ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈال کر اپنی نظروں کو قابو کرتے ہوئے کہا۔ جانے ان کا دل اسے دیکھ کر کیوں بے قابو ہو رہا تھا۔

"رامین عبدالقدیر ہے میرا نام۔"

رامین نے روئی روئی آواز میں جواب دیا۔ وہ بے چینی سے ابھی بھی ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

"پلیز رامین آپ ایزی ہو جائیں۔ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو گھر با حفاظت چھوڑ کر آؤں گا اور آپ کے گھر والوں کے غصے کو کم کرنے کے لیے تو آپ کی اتنی شدید چوٹیں ہی سفارش بن جائیں گی۔ ویسے بھی والدین کی ناراضگی ان کی محبت کا ہی ایک رخ ہوتا ہے۔"

دھیرے دھیرے رامین کو تسلی دیتے ڈاکٹر رواق' رامین کو بہت اچھے لگے تھے۔ حالانکہ مردوں کے متعلق اس کی اپنی رائے بے حد سخت تھی۔

اسے دنیا میں اپنے ڈیڈی کے علاوہ کسی مرد پر اعتبار نہ تھا' کیا ڈیڈی کے علاوہ بھی دنیا میں کوئی اور مرد اچھا اور نرم دل ہو سکتا ہے؟

کچی عمر کے کچے ذہن نے پہلی بار کچھ سوچ کر سوال کیا تھا۔

***

فون کی پہلی گھنٹی پر روین نے لپک کر فون اٹھایا تھا۔

فون اس کے ڈیڈی کا تھا' حالانکہ آج ڈیڈی کے فون کا دن نہ تھا۔

"السلام علیکم ڈیڈی!"

روین زندگی میں کبھی اپنے چہرے کے تاثرات اور آواز کو سنبھال نہ پائی تھی۔ آج بھی اس کی پریشان آواز عبدالقدیر صاحب کو چونکا گئی تھی۔ "گڑیا سب خیریت تو ہے نا؟"

انہوں نے نہایت فکرمندی سے پوچھا۔

اسی پل زہرہ آنٹی نے روین کے ہاتھ سے فون لے لیا۔ روین تو ہر چھوٹی بات پر رو دینے کو تیار رہتی تھی۔ اتنی بڑی خبر چھپانے کی اس میں ہرگز صلاحیت نہ تھی۔

"السلام علیکم بھائی صاحب!"

"خیریت سے ہیں ناں؟" زہرہ آنٹی نے اپنے لہجے کو ہشاش بشاش بناتے ہوئے کہا۔

"بھابی آپ اس وقت یہاں پر......!"

عبدالقدیر صاحب اب صحیح معنوں میں پریشان ہوئے تھے۔ "جی آفاق کو کوئی ضروری کام آ

گیا جس کی وجہ سے ابھی تک مجھے لینے نہیں آ سکے۔ میں صبح خدیجہ سے ملنے آئی تھی۔ میرا ال دل سب سے ملنے کو چاہ رہا تھا۔" زہرہ آنٹی نے جلدی جلدی وضاحت دی۔ پردیس میں بیٹھے شخص کو وہ اتنی بری خبر سنا کر کیسے پریشان کر دیتیں!

پھر......عبدالقدیر صاحب......جس مشکل دور سے گزر رہے تھے۔ وہ یہ خبر فوراً برداشت نہ کر سکتے تھے۔ زہرہ آنٹی کو آفاق انکل سے پوری امید تھی کہ وہ جلد از جلد رامین کو لے کر گھر آ جائیں گے۔

"اچھا بھابی جان آپا کدھر ہیں؟" ڈیڈی نے پوچھا۔

"وہ باتھ روم میں ہیں!" زہرہ آنٹی سے فوراً سے کوئی بہانہ نہ بن پڑا۔

"بھابی جان میں پاکستان پہنچ چکا ہوں۔ دوپہر تین بجے کی فلائیٹ سے میں پاکستان آ گیا تھا۔ سوچا تھا کہ بچوں اور آپا کو سرپرائز دوں گا' لیکن یہاں آ کر میں سامان کی کلیئرنس میں پھنس گیا۔ اب جا کر فارغ ہوا ہوں۔ سامان بہت زیادہ ہے' آپ گھر کی گاڑی بھی ایئرپورٹ بھیج دیں۔"

عبدالقدیر صاحب ہمیشہ بہت زیادہ شاپنگ کر کے لاتے تھے۔ بچیوں کے جہیز کے لیے ڈھیروں ڈھیر چیزیں لاتے تھے۔ یہ وہ دور تھا جب یہاں پاکستان میں اس طرح کی چیزیں نایاب ہوا کرتی تھیں۔

"جی اچھا!" زہرہ آنٹی نے مرے مرے لہجے میں جواب دیا۔ عبدالقدیر صاحب کی پاکستان واپسی عام حالات میں خوشی کا باعث ہوتی تھی لیکن اس وقت اچانک ان کی واپسی نے واقعی زہرہ آنٹی کے بھی حواس گم کر دیئے تھے۔

"کیا ہوا آنٹی' ڈیڈی کیا کہہ رہے تھے؟"

روین نے گھبراتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

بقول رامین کے گھبراہٹ روین کے نقوش کا حصہ تھی۔ اس کا ٹریڈ مارک تھی۔ واقعی روین پریشان کن حالات کے علاوہ بھی ہر وقت پریشان اور بوکھلائی رہتی تھی۔

"بھائی صاحب پاکستان پہنچ چکے ہیں!"

زہرہ آنٹی نے تھکے تھکے لہجے میں کہا اور ساتھ ہی صوفے پر دھم سے گرنے کے انداز میں بیٹھیں۔

''اوہ میرے اللہ جی!''

روین فوراً ہی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ یہ اطلاع پھوپھو کو دینے کے لیے۔ ''ارے روین کدھر جا رہی ہو؟''

زہرہ آنٹی نے اسے پیچھے سے آواز دی تھی۔

''توبہ ہے اس لڑکی میں ذرا بھر صبر نہیں ہے۔'' زہرہ آنٹی نے بھی اس کے پیچھے جانا مناسب سمجھا۔

''میں...... بھائی صاحب کو کیا منہ دکھاؤں گی؟''

خدیجہ پھوپھو جن کی طبیعت پہلے ہی بے حد خراب تھی، جس کی وجہ سے زہرہ آنٹی نے ان کو کمرے میں زبردستی لٹا دیا تھا۔

ایک بار پھر رونے لگی تھیں۔

''اللہ بہتر کرے گا۔ دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔ آپ پلیز گاڑی تو ایئرپورٹ بھجوائیں۔'' زہرہ آنٹی خود بے حد بے چین تھیں۔ اب تو ان کی خود سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ کیا کریں۔

خدیجہ پھوپھو بالکل ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھی تھیں۔

کمرے میں ہو کا عالم تھا۔ اس قدر خاموشی چھا گئی تھی کہ گمان ہو رہا تھا کہ وہاں پر کوئی ذی روح موجود نہیں ہے۔ تینوں خواتین گزشتہ ایک گھنٹے سے چپ چاپ ایک ہی اینگل میں بیٹھی تھیں۔ اب تو زہرہ آنٹی کی گاہے بگاہے تسلی کے چھوٹے چھوٹے جملے بھی نہیں تھے۔ جوں جوں وقت آگے سرک رہا تھا، فکر و پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

اس جمود کو باہر گاڑی کے ہارن نے توڑا تھا۔

''پھوپھو!''

روین نے سہمی سہمی آواز میں خدیجہ پھوپھو کو پکارا۔

خدیجہ پھوپھو کی آنکھیں رو رو کر کھلنا مشکل ہو رہی تھیں۔ باہر گاڑی کا ہارن ان کی اپنی گاڑی کا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ ڈیڈی واپس آ چکے تھے۔ چوکیدار نے دروازہ کھول دیا تھا کیونکہ ڈیڈی کی آواز باہر سنائی دے رہی تھی۔ وہ سامان ٹیکسی اور گاڑی سے اتروا کر اندر رکھنے کو کہہ رہے تھے۔

''خدیجہ چلو اپنا چہرہ ٹھیک کرو، آتے ہی ان کو پریشان نہ کر دینا۔'' زہرہ آنٹی نے ہوش مندی

سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''اتنی بڑی بات میں کیسے چھپاؤں گی؟''

''ہائے میرا بدقسمت بھائی...... پہلے بیوی اور اب......''

''خدیجہ!'' زہرہ آنٹی نے ایک دم انہیں ٹوکا تھا، وہ نہ جانے کیا کہنے جا رہی تھیں حق ہا!''

خدیجہ پھوپھو نے بے حد عجیب سی آہ بھری تھی۔

''رامین......!''

''روین......!''

ڈیڈی باہر آوازیں لگا رہے تھے۔

آج سے پہلے وہ جب بھی آتے تھے، رامین، روین ہمیشہ ان کو دروازے پر خوش آمدید کہتیں تھیں۔ خدیجہ پھوپھو ڈیڈی کو دروازے پر کھڑا کر کے تیل بہایا کرتی تھیں، جبکہ برسوں کی روٹین ٹوٹنے پر ڈیڈی بے حد حیران تھے۔

زہرہ آنٹی کے ساتھ سب سے پہلے ڈیڈی کی ملاقات ہوئی تھی۔

''السلام علیکم بھائی صاحب!''

زہرہ آنٹی ساڑھی کا پلو سر پر ڈالے بشاشت سے بولیں۔

''وعلیکم السلام بھابی جان!''

''بچے اور آپا کدھر ہیں؟''

عبدالقدیر صاحب نے ادھر ادھر نگاہ دوڑاتے ہوئے پوچھا۔

''آ رہی ہیں!''

''آپ...... آپ آرام سے بیٹھیں تو سہی!''

''نہیں بھابی...... اپنے گھر میں آ گیا ہوں، بیٹھ بھی لوں گا۔ آرام بھی کر لوں گا، پہلے بچوں سے تو مل لوں۔'' ڈیڈی نے اندر خدیجہ پھوپھو کے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

''بھائی صاحب......!''

زہرہ آنٹی نے مری مری آواز میں ان کو پیچھے سے پکارا، لیکن ڈیڈی شاید بے حد عجلت میں تھے وہ زہرہ آنٹی کی آواز سن نہ پائے تھے۔

''آپا آپ کو کیا ہوا؟''

خدیجہ پھوپھو جو روین کا سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ عبدالقدیر صاحب نے

آتے ہی پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں' بس تھوڑا سا خون بڑھ گیا تھا۔" خدیجہ پھوپھو آج تک لفظ بلڈ پریشر سے ادا نہیں کر پاتی تھیں۔

"تو ڈاکٹر نقوی کو فون کر دینا تھا۔"

عبدالقدیر صاحب نے انہیں دوبارہ بیڈ پر بٹھا دیا تھا۔

"اچھا ڈاکٹر کو بھی دکھا لیں گے۔" پھوپھو خدیجہ نے آہ بھرنے کے انداز میں طویل سانس بھرا تھا۔

"روین بیٹا پھوپھو کی بیماری میں اپنے ڈیڈی سے بھی نہیں ملے!" ڈیڈی نے بڑھ کر روین کو پیار کیا۔ جواباً روین کچھ نہ بولی تھی۔ "رامین کدھر ہے' کیا اسے میرے آنے کی اطلاع نہ تھی؟"

"آخر وہ سوال آ ہی گیا جس سے سب کا خون نچڑ رہا تھا۔" پھوپھو خدیجہ ایک بار پھر پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

"آپا کیا ہوا؟"

"رامین کدھر ہے؟"

عبدالقدیر صاحب ایک دم سے بے حد گھبرا گئے تھے۔

جواب میں پھوپھو خدیجہ اور تیزی سے رونے لگی تھیں۔

"خدا کے واسطے کچھ بتائیں تو' میرا دل بری طرح گھبرا رہا ہے۔" ڈیڈی کو اپنا دل اندر گہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔ پھوپھو خدیجہ نے سسکیوں میں ساری بات ڈیڈی کو بتا دی۔

"میری بچی رامین!"

ڈیڈی ایک دم بے چینی سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"بھیا مجھے معاف کر دیں' میں آپ کی امانت کی حفاظت نہیں کر پائی۔" پھوپھو خدیجہ نے فوراً اس سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔

"آپا خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کریں' کچھ نہیں ہوگا' میری بچی کو انشاء اللہ خیریت سے واپس آئے گی۔"

ڈیڈی نے بااعتماد لہجے میں کہا۔

انہیں اپنی اولاد پر بھرپور یقین تھا۔

"آفاق نے گھر کوئی اطلاع دی؟"

ڈیڈی نے پوچھا۔ "وہ باہر جا کر خود پتا کرنے والے تھے۔ ابھی تک تو کچھ پتا نہیں چلا!" پھوپھو خدیجہ نے ایک اور سسکی بھری۔ "صاحب باہر کوئی صاحب اور بیگم صاحب آئے ہیں' وہ آپ سے ملنا مانگتا' ساتھ میں چھوٹی بی بی بھی ہیں' پٹھان چوکیدار نے دروازہ پر دستک دے کر اندر آ کر کہا۔

"کون؟"

"رامین؟"

خدیجہ پھوپھو نے بے صبر سے پوچھا۔

"جی صاحب!"

چوکیدار نے تابعداری سے کہا۔

"کہاں ہیں وہ لوگ؟"

عبدالقدیر صاحب نے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

"اندر آ رہے ہیں وہ لوگ' میں آپ کو اطلاع دینے کے واسطے اندر کو آئی۔" پٹھان چوکیدار نے ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

خدیجہ پھوپھی روین کا سہارا لے کر لڑکھڑاتی ہوئی باہر آ گئیں' رامین زہرہ آنٹی اور ڈاکٹر رفعت کا سہارا لئے اندر آ رہی تھی' جگہ جگہ بندھی پٹیوں اور خون بھرے یونیفارم سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کسی حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔

"رامین...... بیٹا...... تم ٹھیک ہو؟"

ڈیڈی نے فکرمندی سے رامین کو تھام کر صوفے پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔ کچھ نقاہت اور کچھ خون بہہ جانے سے رامین کا بولنا مشکل ہو رہا تھا۔

"رامین صاحبہ کا گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا' چونکہ ایکسیڈنٹ کے دوران یہ بہت دیر تک بے ہوش رہی تھیں۔ اس لئے ہم لوگ آپ کو وقت پر خبر نہیں دے سکے تھے۔"

ڈاکٹر رواق نے آگے بڑھ کر رامین کی ڈھال بنتے ہوئے کہا۔ پہلی بار سب کی نگاہ ڈاکٹر رواق پر پڑی تھی۔

"آپ؟"

عبدالقدیر صاحب نے پوچھا۔

''جی میرا نام ڈاکٹر رواق ہے!''

ان فیکٹ یہ میری گاڑی کے سامنے اچانک آ گئی تھیں۔ میں ان کو اپنے ہسپتال لے تھا۔

''کمال ہے آپ نے اتنی لاپروائی کا ثبوت دیا' بچی کے بیگ میں موجود شناختی کارڈ پڑھ کر بھی تو آپ گھر اطلاع کر سکتے تھے۔ ادھر ہم سب فکر میں مرنے ہی تو والے تھے۔''

خدیجہ پھوپھو نے ایک دم ڈاکٹر رواق پر چڑھائی کر دی تھی۔ ''وہ آنٹی..... دراصل.....'' ڈاکٹر رواق اب کیا کہتے' رامین جس حالت میں ان کو ملی تھی' اس کا بیگ اس کے ساتھ تھا۔

''کیا آنٹی..... کیا دراصل؟''

حد ہو گئی لاپروائی کی ایک تو ہماری بچی کو موٹر تلے کچلنے لگے تھے' اوپر سے رات ہونے تک کوئی اطلاع تک نہ دی۔

ڈاکٹر رواق نے نہایت بے بسی سے پھوپھو خدیجہ کو دیکھا جو اور بھی جانے کیا بولے جا تھیں۔ ڈاکٹر رواق کو بہت جلدی اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کا ایک ناممکن خاتون سے واسطہ پڑا تھا۔

''آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں' خاتون!''

''غلطی آپ کی بیٹی کی تھی' وہ اچانک گاڑی کے سامنے آئی تھی' ڈاکٹر صاحب نے نہ صر اس کی مدد کی بلکہ فوراً طبی امداد دے کر اسے گھر تک چھوڑنے آئے ہیں۔'' ڈاکٹر رفعت نے ما پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

انہیں خدیجہ پھوپھو کا رویہ بے حد برا لگا تھا۔

''یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں پھوپھو!''

رامین نے بمشکل جملہ پورا کیا۔ اس کے گلے میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ بولنا بے حد مش ہو رہا تھا۔

''ڈاکٹر صاحب آپ کا بے حد شکریہ' پلیز آپ تشریف رکھیں۔'' ڈیڈی نے آگے بڑھ ڈاکٹر رواق سے ہاتھ ملاتے ہوئے انہیں بیٹھنے کی دعوت دی۔

''جی ہم جلدی میں ہیں' آئندہ کبھی کسی اچھے موقع پر بیٹھیں گے۔ اگر زندگی میں ہماری

دوبارہ ملاقات لکھی ہوئی تو!'' ڈاکٹر رواق نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

ڈیڈی کو وہ روشن آنکھوں والا' جن میں بے انتہا ذہانت ٹپک رہی تھی اور کشادہ پیشانی والا نوجوان بے حد پسند آیا تھا۔ ''مجھے خوشی ہوگی اگر آپ ہمارے ساتھ چائے پئیں۔'' ڈیڈی نے دل سے اصرار کیا۔

خدیجہ پھوپھو نے بے حد برا منہ بنا کر پہلو بدلا۔ انہوں نے جس قدر پریشانی کاٹی تھی' اس وجہ سے انہیں ڈاکٹر اور رامین دونوں پر بے حد غصہ تھا اور وہ اپنا غصہ نکالنے کے لئے بے حد بے چین تھیں۔

''یہ چائے کا پیالہ ادھار رہا!''

''ابھی آپ ہمیں اجازت دیں۔''

ڈاکٹر رواق نے نہایت مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

ڈیڈی کو ان کا اتنا مؤدب ہونا بے حد بھایا تھا۔

وہ کسی نہایت شریف خاندان کا چشم چراغ تھا اور لائف ویلیوز رکھتا تھا۔ ''ان کے بازو میں فریکچر ہو گیا ہے' یہ ہے ان کی ایکسرے رپورٹ' آئندہ ان کے ٹریٹ منٹ کے لئے بے حد ضروری ہیں اور یہ ان کی میڈیسن ہیں۔'' ڈاکٹر رواق نے شاپرز میں بند دوائیاں اور خاکی لفافے میں بند ایکسرے رپورٹ ڈیڈی کے حوالے کی تو ڈیڈی نے بے حد ممنون نظروں سے انہیں دیکھا۔

بدلتے ہوئے زمانے کے ساتھ لوگ اپنی اقدار بھی بھولتے جا رہے تھے۔ اس لئے فی زمانہ کوئی کم ہی کسی کی یوں پریشانی دور کرتا دکھائی دیتا تھا۔ ڈیڈی کے دل نے ڈاکٹر رواق کی شخصیت کو دس بٹا دس نمبر دے دیئے تھے۔

''بے حد شکریہ بیٹے!''

''اللہ تعالیٰ آپ کا اقبال بلند کرے۔''

ڈیڈی نے آگے بڑھ کر ڈاکٹر رواق کا کندھا تھپتھپایا تھا۔

''اجازت سر!''

ڈاکٹر رواق نے بظاہر..... لیکن ایک بھرپور نگاہ رامین پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ڈاکٹر رواق کو یوں لگا کہ ان کا دل اس میں اٹک کر رہ گیا ہے۔

''مجھے انتظار رہے گا کہ آپ ہمارے ساتھ کب بیٹھ کر چائے کا پیالہ پئیں گے۔'' ڈیڈی

نے انہیں دروازے تک رخصت کرتے ہوئے کہا۔

"زندگی رہی تو انشاء اللہ ضرور ملیں گے۔"

"میرے لئے بھی یہ ملاقات باعث فخر رہے گی۔"

"اللہ حافظ سر!" ڈاکٹر رواق نے گاڑی کا ایک دروازہ ڈاکٹر رفعت کے لئے کھولتے ہو[ئے] کہا۔

"اللہ حافظ!" ڈیڈی نے بڑی بھرپور نگاہ ڈاکٹر رواق پر ڈالی تھی۔ ڈاکٹر رواق کے جانے کے بعد ڈیڈی کچھ پل وہیں کھڑے رہے "میرا اگر بیٹا ہوتا تو یقیناً اتنا ہی ہوتا اور ویسا ہی بالکل ایسا ہی ہوتا!" بے اختیار انہوں نے کہا تھا۔

***

"میرا خیال ہے' ہمیں ڈاکٹر کو چیک کروانا چاہیے!"

شہزاد علی نے اچانک ہی آمنہ سے کہا تھا۔

"کس لئے؟" آمنہ نے اپنے لمبے بالوں کی چوٹی بناتے ہوئے مڑ کر حیرانی سے پوچھا۔

"سونیا بھابی ٹھیک کہتی ہیں کہ ہمیں خود اولاد کی خواہش نہیں ہے' ورنہ تم اس طرح انجان بن کر سوال کرو!"

"شہزاد! آپ کو کتنے دن سے میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ اکھڑے اکھڑے سے ہیں۔ [بتائیے] میری خطا تو بتایئے؟"

آمنہ کے خوبصورت چہرے پر دکھ کی پرچھائیاں تھیں۔ شریک سفر یوں اچانک موسم کی طرح بدلنے لگے تو زندگی میں خوشیاں یوں ہی اپنا رس کھونے لگتی ہیں۔

"ہماری خطا! ہماری خطا ہے یا میری خطا کہ جس کی سزا مجھے ہی مل رہی ہے۔ اس گھر کے سونے آنگن کی صورت میں" شہزاد علی نے ہاتھ میں پکڑے کپڑے بیڈ پر پٹخ کر کہا۔ وہ شاید کپڑے بدلنے ڈریسنگ روم جا رہے تھے۔

"شہزاد یہ تو سب اللہ کی دین ہے۔ اس کے لئے لڑا نہیں جا سکتا' درخواست کی جاتی ہے۔ مجھے اللہ پر بھروسہ ہے کہ وہ ہمارے اوپر بھی رحمت کرے گا۔" آمنہ نے شہزاد علی کے کڑوے کسیلے جملوں کے آگے ہمیشہ اپنی نرم زبانی کا بند باندھا تھا' لیکن آج تو شہزاد علی پر کسی نرم زبانی' شیریں بیانی کا اثر نہ ہو رہا تھا۔

"پانچ سال..... پانچ سال ہو گئے ہیں!"

"اتنا تو بنجر زمین پر ہل چلاؤ تو وہ زرخیز ہو جاتی ہے۔ تم مجھے ایک خوشی نہیں دے سکی!"

شہزاد علی نے زہر اگلا۔

آمنہ کا گندمی رنگ ایک دم سیاہ پڑ گیا تھا۔

بعض زہریلے جملے اندر کا سارا وجود زہریلا کر کے خون ہی تو چوس لیتے ہیں۔ شہزاد علی کی بے صبری پر آمنہ نے بے حد دکھ سے انہیں دیکھا۔ "کیا یہ تنہائی آپ اکیلے کاٹ رہے ہیں؟ میرے دل کی خبر ہے آپ کو؟" آمنہ نے لب کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"تو کچھ کرو!"

"کسی ڈاکٹر سے چل کر اپنا علاج کراؤ۔"

"بانجھ عورت اور کھجور کی سوکھی چٹائی میں کوئی فرق نہیں ہے' میں نے جتنا کرنا تھا کر لیا ہے!"

شہزاد علی نے حتمی لہجے میں جواب دیا۔

"مطلب؟"

آمنہ نے سہمی نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا' مطلب یہ کہ اگر تو تمہاری رپورٹس مثبت آئیں تو میں کچھ عرصہ ضرور انتظار کروں گا' لیکن اتنا ذہن میں بٹھا لو کہ میری برداشت کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔" شہزاد علی کے جملے نے آمنہ پر سنگ باری ہی تو کی تھی۔

آمنہ کو بے حد درد اپنے وجود میں محسوس ہوا تھا "اور اگر رپورٹس مثبت نہ ہوئیں تو؟"

جانے کیوں آمنہ نے اپنے دل کے خوف کو آواز دے دی تھی۔ "تو قانون میں دوسری شادی کی اجازت تو ہے ناں!" شہزاد علی بم دھماکہ کر کے باہر نکل گئے۔

آمنہ نے بے حد بے یقینی سے شہزاد علی کو کمرے سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔ انہیں یوں لگا کہ شہزاد علی ان کے دل کی دہلیز بھی پار کر گئے ہیں۔ ہر طرف انہیں عجیب سا شور محسوس ہو رہا تھا۔ یہ شور ان کے دل کے اندر اٹھنے والے طوفان کا تھا۔

"وہ شخص جسے انہوں نے ہمیشہ محرم دل مانا تھا۔"

"کیسے ایک دم اجنبی بن گیا تھا۔"

"اس کے جھلستے ہوئے لفظوں نے انہیں کیسے تپتی دھوپ میں لا کھڑا کیا تھا کہ ان کا وجود اس تپش سے جلنے لگا تھا۔ اب ان کا مستقبل امتحان کی اس گھڑی سے نکل کر ہی اپنا آپ قائم رکھ سکتا

تھا۔"

"کیا کبھی کوئی عورت کسی مرد کو یوں اپنی زندگی میں رہنے کے لئے شرائط دے سکتی تھی؟

"تو میری زندگی بھی کیا اس شرط کی نذر ہونے جارہی ہے؟"

"اگر میری کوکھ ذرخیز نہ ہوئی تو کیا میرا وجود ختم ہو جائے گا؟" آمنہ نے دکھی ہو کر میں اپنے عکس سے پوچھا۔

"کیا اولاد کے بغیر...... میری کوئی پہچان نہ رہے گی؟" "اس کسوٹی پر اگر آمنہ کھری اتری تو آمنہ کا مقام کہاں ہوگا؟" آمنہ نے تقریباً چیخ کر اپنے عکس سے سوال کیا اور پھر ایک پھوٹ کر رو دی۔

***

"تمہارے مہربان لہجے کی ٹھنڈی چاندنی
ہر شام میرے گھر میں آتی تھی
مجھے لوری سناتی تھی
مگر اب تو بہت دن سے اماوس ہے
کسی چہرے کسی لہجے کے پیچھے سے
کوئی سورج نہیں نکلا
اماوس چاہے خوشبو سے لدی ہو
پھر اماوس ہے
مرے حصے کی ٹھنڈی چاندنی
جانے کس جنگل میں کھوئی ہے!"

آمنہ نے بے حد خوفزدہ نگاہوں سے اس میڈیکل رپورٹ کو دیکھا تھا جو کسی بھوت کی طرح ڈراؤنی تھی۔ اس رپورٹ کی تحریر ان کی زندگی میں اندھیرے تحریر کرنے والی تھی۔

"میں خود کچھ نہیں ہوں!"

"میں ایک ادھوری عورت ہوں!"

"یہ رپورٹ ان کے ادھورے پن کا سرٹیفکیٹ تھا۔" آمنہ کی ہمت نہ پڑ رہی تھی کہ رپورٹ اپنے شوہر اور ساس کو دکھا سکیں۔ ابھی تو ان کا دل شہزاد علی کے بدلتے رویے کو سہارنے کا

عادی نہ ہو پا رہا تھا۔

اور جو یہ ادھورے پن کا سرٹیفکیٹ ان کے ہاتھ لگ گیا تو شاید جو تھوڑی سی مروت اور بھرم کی دیوار باقی تھی وہ بھی گر جاتی تھی اور اس دیوار پار شہزاد علی کا اجنبی چہرہ دیکھنے کی بہرحال وہ اپنے اندر ہمت نہیں پا رہی تھیں۔

"اب کیا ہوگا؟" کا سوال کسی ڈراؤنے بھوت کی طرح ان کے ساتھ ناچ رہا تھا۔

وہ تھک کر وہیں بینچ پر بیٹھ گئی تھیں۔ ہسپتال کے باہر بنا یہ چھوٹا سا لان لوگوں سے بھرا پڑا تھا۔ لوگ ٹولیاں بنائے جگہ جگہ بیٹھے تھے۔ کوئی ٹفن نکالے کھانا کھا رہا تھا' کوئی اخبار پڑھ رہا تھا۔ کوئی چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکار کر اپنے پاس رہنے کی تلقین کر رہا تھا۔ یہ سب Vistors تھے یا پھر مریضوں کے رشتے دار تھے...... سامنے ہی دو بوڑھا بوڑھی بیٹھے رو رہے تھے۔ آمنہ کو وقتی طور پر اپنا غم بھول گیا تھا۔ وہ توجہ سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"اللہ نے ہمارے ساتھ بہت برا کیا!" بوڑھی ضعیف عورت نے بوڑھے سے کہا۔

بوڑھا آدمی چپ چاپ سر جھکائے بے آواز آنسو بہاتا رہا' جیسے اسے بھی اس رائے سے اختلاف نہ ہو۔

"اماں جی لیں اپنا پوتا" سفید کپڑوں میں ملبوس ایک گوری چٹی خاتون نے ان کے پاس رک کر کہا۔

"آپ دونوں باہر آ کر بیٹھ گئے اور یہ ننھی جان اکیلی اندر بلک بلک کر رو رہی تھی۔" اسی خاتون نے نہایت نرمی سے انہیں کہا۔

"بیگم صاحبہ اب تو یہ ساری عمر کا رونا ہے۔" بوڑھی عورت نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

"اماں جی اللہ نے اگر آپ کا بیٹا لیا ہے تو اس کے بدلے میں دیکھیں کتنا پیارا بیٹا دیا بھی ہے۔" اسی خاتون نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

"جس بیٹے کو اس نے ہم سے چھینا ہے' وہ ہمارا سہارا تھا' وہ ہمارا پلا پلایا بیٹا تھا۔ اس بچے کو تو خود سہارے کی ضرورت ہے۔" بوڑھی عورت نے چڑ کر کہا۔ وہ اس وقت خود سے' اللہ سے اور ساری دنیا سے ناراض تھی۔

"استغفر اللہ!" اسی عورت نے گھبرا کر منہ ہی منہ میں کہا۔

"اماں جی یہ بیٹے بیٹیاں اللہ کا مال ہیں' اگر وہ ہم سے واپس لیتا ہے تو امانت دیتے' واپس

کرتے ہمیں یوں کفر کے کلمات نہیں نکالنے چاہئیں۔'' اسی خاتون نے بوڑھی عورت کے پاس بیٹھتے ہوئے نہایت ہی پیار سے سمجھایا۔

''وہ میرا واحد سہارا تھا! میری شادی کے سولہ ورے بعد پیدا ہوا تھا۔ اس سے میری زندگی کی ساری امیدیں جڑی تھیں۔ میں کڑی دھوپ جیسے دن اس آس پر گزارتی رہی کہ وہ میرے بڑھاپے کی لاٹھی بنے گا اور جب پھل کھانے' آرام کرنے کے دن آئے تو اللہ نے اسے مجھ سے چھین لیا۔'' بوڑھی عورت کی زبان اور آنسو دونوں شکوہ کررہے تھے۔

''میرا بیٹا اور بہو اللہ نے چھین کر یہ ذمہ داری ہمیں پکڑا دی ہے۔ اب اس کو اس بڑھاپے میں ہم کیسے پالیں گے؟ ہمیں تو خود سہارے کی ضرورت ہے۔'' بوڑھا بھی نقاہت بھرے لہجے میں بولا تھا۔

''دیکھیں بابا جی! اگر آپ کو یہ بچہ بوجھ لگ رہا ہے تو میں اسے کسی یتیم خانے کے حوالے کر دیتی ہوں' لیکن آپ یہ کیوں بھول رہے ہیں کہ یہ بچہ یتیم ضرور ہے لیکن لاوارث ہرگز نہیں ہے۔'' اس خاتون نے ابھی تک بچے کو تھامے رکھا تھا۔ دونوں بوڑھا بوڑھی میں سے کسی نے بھی اس بچے کو گود میں کیا لینا تھا' انہوں نے نگاہ بھی بھر کر اسے نہیں دیکھا تھا۔

''یا اللہ کہیں کوئی اولاد کیلئے تڑپ رہا ہے اور کہیں کوئی ماں باپ کے لئے تڑپ رہا ہے۔'' آمنہ نے روتے بلکتے بچے کو دیکھ کر بے چینی سے سوچا۔

''بیگم صاحبہ میں بے حد بوڑھا ہوں' سر پر چھت نہیں ہے اور یہ میری بیوی بیماریوں کی پٹاری ہے' ایسے میں ہم اس بچے کو پال نہیں سکتے۔ ہمیں تو اپنی دو وقت کی روٹی کی مشقت کرنی مشکل ہے۔ اس ننھی سی جان کی سو ضرورتیں کہاں سے پوری کریں گے۔''

بوڑھے کی باتوں سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ اس بچے کو رکھنا نہیں چاہتے۔

''بابا جی یہ آپ کے سگے بیٹے کا خون ہے' کیا آپ خود کو اس سے الگ کر سکتے ہیں؟'' اس خاتون نے حیرت سے پوچھا۔

''ہمارے ساتھ رہے گا تو بھوکا مر جائے گا۔ بیٹے کا خون ہے لیکن اس کی سو انسانی ضرورتیں ہیں' وہ ہم کہاں سے پوری کریں گے؟'' بوڑھا اپنی بات پر ہی اصرار کررہا تھا۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ آپ یہ بچہ رکھنا نہیں چاہتے۔'' اس خاتون نے تھک ہار کر تاسف بھرے لہجے میں کہا۔

دونوں بوڑھا بوڑھی جواباً خاموش رہے تھے۔

''ٹھیک ہے' آپ اندر چلیں' آپ کو کچھ کاغذوں پر انگوٹھے لگانے ہوں گے کہ آئندہ آپ اس بچے سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھیں گے۔ ہم اس بچے کو کسی بہتر گھر یا جگہ پر رکھیں گے جس کا یہ حق دار ہے۔'' عورت نے سنجیدگی سے کہا۔

''ٹھیک ہے۔''

بوڑھی عورت اور مرد فوراً اٹھ کھڑے ہوئے' جیسے وہ کچھ پل بھی اس بچے کی ذمہ داری کے لئے رک نہیں سکتے ہوں۔

عورت کے چہرے پر ان کی بے حسی کی وجہ سے بے حد دکھ موجود تھا۔ وہ بچے کو ہولے ہولے تھپتھپا رہی تھی۔

''ٹھیک ہے' آپ ریسپشن پر جا کر بیٹھیں' میں آتی ہوں۔'' اس عورت کو ان کی بے حسی برداشت کرنا نہایت مشکل ہو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہی۔

''بیا آپ یہاں ہیں اور میں آپ کو اندر تلاش کررہی ہوں۔'' ایک خوبرو نوجوان ڈاکٹرز کا اوور آل پہنے وہاں آیا اور اس نے اس عورت کو مخاطب کیا۔

''بس بیٹا انسانوں کی ناقدری پر مجھے اتنا دکھ ہو رہا ہے تو اس رب کریم کو کتنا دکھ ہوتا ہوگا۔'' وہ باتیں کرتیں اس ڈاکٹر کے ساتھ اندر چلی گئیں۔

''جب ہر طرف اندھیرا ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ جلد روشنی ہونے والی ہے۔'' کوئی آمنہ کے اندر سے بولا۔ اسے لگا تھا کہ وہ جو ہاتھوں میں پکڑے رپورٹ ہے' وہ بے شک اندھیرا تھا لیکن جو وہ عورت کے ہاتھوں میں ننھا منا وجود تھا' وہی روشنی تھا۔

''ایک بچے کا نہ ہونا میری زندگی میں اندھیرا کر سکتا ہے تو...... تو ایک بچے کی موجودگی روشنی کا باعث بھی تو بن سکتی ہے۔'' آمنہ کی آنسوؤں بھری آنکھوں میں امید جاگی تھی۔

''اور امید تو دعا جیسی ہوتی ہے جو تقدیر بدل دیتی ہے!''

***

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' شہزاد علی نے کھانے کی میز پر چیخ چیخ کر کہا۔

''شہزاد...... اس میں برائی کیا ہے؟'' آمنہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

اس نے شہزاد سے فی الحال رپورٹس چھپائی تھیں اور آج اس نے شہزاد سے بچہ گود لینے کا کہا

تھا جس پر وہ ایک دم بھڑک اٹھا تھا۔

"پلیز شہزاد...... پھوپھو سوئی ہوئی ہیں' اونچی آواز سے گھبرا کر اٹھ نہ بیٹھیں۔" آمنہ نے دھیمی آواز میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اب امی کو جاگ ہی جانا چاہیے' بہت عرصہ ہوا وہ تمہاری محبت پر آنکھیں بند کیے بیٹھی ہیں۔" شہزاد علی نے کڑے تیوروں سے کہا۔

آج کل وہ بلاناغہ مرزا ہاؤس جاتا تھا۔ شاید اسی لئے سونیا بھابی کی چکنی زبان نے اور الٹی سیدھی پٹیاں کسی سلو پوائزن کی طرح اثر کر رہی تھیں۔

"شہزاد آپ بات کو سمجھیں' اس گھر اور مجھے واقعی ایک بچے کی ضرورت ہے۔" آمنہ نے تڑپتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے کسی ایرے غیرے بچے کے بجائے صرف اور صرف اپنے بچے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ تم مجھے دے سکتی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ......"

"ورنہ کیا شہزاد......؟" آمنہ نے لب بھینچ کر کہا۔

"یہ میں تم کو پہلے بتا چکا ہوں۔" شہزاد نے ماتھے پر بلوں کا اضافہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ آمنہ سے نگاہ ملانے سے کترا رہا تھا۔ اس کے دل میں چور تھا یہ واضح ہو گیا تھا۔

"شہزاد کہیں اولاد کا صرف بہانہ تو نہیں؟" آمنہ تھکے تھکے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

بے شک شہزاد علی دوسری شادی کا ذکر ایک سے دوبار کر چکے تھے لیکن......لیکن پھر بھی ہر بار ان کی ٹانگوں سے جان نکل جاتی تھی۔ ان سے اس بات کا ذکر برداشت نہ ہوتا تھا' تو کیا وہ سوتن کو سامنے برداشت کر سکتی تھیں۔

اس گھر سے' اس شخص سے انہوں نے اس قدر پیار کیا تھا کہ وہ کبھی بھی یقین نہیں کر سکتی تھیں کہ ان کی ملکیت پر' گھر اور ان کی چاہت' ان کا شوہر کسی اور کا ہو جائے گا۔

"مرد کو شادی کیلئے کسی بہانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے مذہب نے چار شادیوں کی اجازت دے رکھی ہے۔" شہزاد علی کے منہ میں سونیا بھابی کی زبان بول رہی تھی۔

"مجھے اگر تم سے اولاد کی خوشی مل جاتی ہے تو دوسری شادی کی مجھے ضرورت نہیں ہے؟" شہزاد علی نے جانے کیوں صفائی پیش کی تھی۔

اس ساری گفتگو کے دوران شہزاد علی اپنا کھانا ختم کر چکے تھے جبکہ آمنہ کی پلیٹ ابھی تک

خالی تھی۔

شہزاد علی اپنی بات کہہ کر اٹھ چکے تھے۔ پہلے وہ ہمیشہ اکٹھے کھانا کھاتے تھے لیکن آج انہوں نے پلٹ کر ایک بار بھی آمنہ سے کھانا کھانے کا نہ کہا تھا۔ دھیرے دھیرے وہ اس کا خیال کرنا بھولتے جا رہے تھے۔

آمنہ نے چونک کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا' جو جانے کب آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا۔

"شہزاد علی آپ تو دھیرے دھیرے مجھے بھولتے جا رہے ہیں' کھانا کھانے تو ہم دونوں بیٹھے تھے پھر صرف تم کو اپنا پیٹ ہی کیوں یاد رہا۔ کیا زندگی کے ہر معاملے میں اب صرف تم کو اپنی ضرورتیں یاد رہنے لگی ہیں؟" آمنہ نے میز کو بہت مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔ جیسے وہ اپنے سہارے پر بھی نہ بیٹھ سکتی تھی۔

"آمنہ وہ......وہ کبھی بھی اپنی سوچ پر عمل کر بیٹھے گا!" کوئی اس کے اندر سے بولا تھا۔

"تم کب تک ان رپورٹس کو چھپاؤ گی؟"

"تب تک جب تک میرے بس میں ہے!"

"میں شہزاد علی سے بے حد محبت کرتی ہوں۔ میں اسے کھونا نہیں چاہتی۔" اس کے اندر کی کمزور عورت نے نہایت کمزور سہارا لیا تھا۔

***

"پھوپھو اب غصہ تھوک بھی دیں!" روین نے ان کے ہاتھ میں چائے کا پیالہ تھماتے ہوئے کہا۔

پھوپھو نے رامین کی نافرمانی کے بعد اس سے بول چال بند کر رکھی تھی۔ اس وقت روین اس کی سفارش کر رہی تھی۔

"بچے جب اپنے فیصلے خود لینے لگیں تو انہیں بڑوں کی ضرورت نہیں رہتی ہے! رامین کو بھی اب اپنی پھوپھو خدیجہ کی ضرورت نہیں ہے۔" پھوپھو خدیجہ بے حد ناراض تھیں۔

"پھوپھو میری پیاری پھوپھو دیکھو ناں رامین کس قدر بیمار ہے۔ اسے اب معاف کر دو نا۔" روین نے ان کے گلے میں بازو ڈال کر پیار سے کہا۔

پھوپھو کا دل ہمیشہ سے ان دونوں کے لئے بے حد نرم تھا' لیکن رامین کی خودسری نے انہیں دہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ رامین کی خودسری بالکل معاف کرنے پر تیار نہ تھیں۔

''آپا اب بچی کو معاف کر دو۔ وہ تم سے بہت شرمندہ ہے۔'' عبدالقدیر صاحب نے آتے ہوئے کہا۔

''بھیا دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ میرا اعتبار اس نے بری طرح ... ہے۔'' پھوپھو نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

عبدالقدیر صاحب کے چہرے پر اک سایہ سا لہرایا تھا۔ پھوپھو خدیجہ بھی بھائی کا بجھا ... دیکھ کر ایک دم چپ ہو گئی تھیں۔

''ڈیڈی! پھوپھو ہمارے لئے ہمیشہ بے اعتباری کیوں دکھاتی ہیں۔'' رامین جو دروازہ کے باہر معافی کیلئے کھڑی تھی ایک دم اندر داخل ہوئی۔

''یہ بے اعتباری نہیں ہے! بیٹیاں قیمتی مال ہوتی ہیں۔ ان کی احتیاط اور حفاظت زیادہ کر... پڑتی ہے۔''

پھوپھو نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

''لیکن آپ کی حفاظت ہمیشہ کڑی نگرانی رہتی ہے!'' رامین کو ضد کی عادت تھی وہ بحث پر ... آئی۔

''ہم لوگ اپنے ہیرے جواہرات' سونا چاندی تو لاکرز میں بند کر کے رکھتے ہیں لیکن جو ... سنبھال کر بند کر کے رکھنے والی ہوتی ہے اس سے لاپروا ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں اولاد کا کوئی ... قدم تا عمر پچھتاوا بن کر رہ جاتا ہے اور رامین تم لوگ میرے پاس بھیا کی امانت ہو۔ اس کے علاوہ ... دونوں مجھے اولاد کی طرح عزیز ہو۔ تم رامین صرف دو سال کی تھی اور یہ روین صرف چند دن کی ... جب تم میری گود میں آئی۔ تم لوگوں کو میرا پیار کڑی نگرانی لگتا ہے تو پھر آئندہ سے میں اس ذمہ ... داری سے سبکدوش ہوتی ہوں۔''

پھوپھو نے رنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''آپا بچی کی باتوں کا برا مان گئی ہو۔ وہ تو بچی ہے!'' ڈیڈی نے ان کا ہاتھ تھام کر تھپتھپایا۔

''ان بچیوں پر مجھ سے زیادہ آپ کا حق ہے۔ آپ انہیں ڈانٹیں' ماریں جو بھی کہیں گی ... آپ کا حق ہے۔ رامین اگر آپا تم سے ناراض رہیں گی تو سمجھ لینا اس ناراضگی میں میری خفگی ... شامل ہے اور ان کی رضا و خوشی میں میری رضا و خوشی ہے۔'' ڈیڈی لاکھ رامین' روین سے پیار کرتے ... تھے لیکن اس وقت انہوں نے رامین کو صاف جتا دیا تھا کہ وہ پھوپھو کے لائف سٹائل اور ان کے ...

اصولوں کے حامی ہیں۔

ایک تو پھوپھو کی ناراضگی اوپر سے ڈیڈی کا اکھڑا اکھڑا رویہ رامین کی تو جان پہ بن گئی۔

''ہٹو روین ہماری نماز نکلی جا رہی ہے۔''

پھوپھو عصر کی نماز پہلے وقت میں پڑھنے کی عادی تھیں۔ اس وقت انہوں نے زیادہ عجلت دکھائی تھی۔

''ڈیڈی......!'' رامین نے ان کی جانب مدد طلب نظروں سے دیکھا تھا۔

''یہ مسئلہ تم کو اکیلے حل کرنا ہوگا اور یہ مسئلہ صرف تمہاری تابعداری اور یقین دہانی سے حل ہو گا کہ تم ان سے پیار کرتی ہو۔''

ڈیڈی نے بے شک ہری جھنڈی دکھائی تھی لیکن ساتھ ہی پیار سے اسے راہ بھی سوجھا دی تھی۔

''ڈیڈی لیکن پھوپھو تو ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں۔'' رامین منمنائی تھی۔

''تو بیٹا جی ان کو مناؤ' وہ تمہاری ماں جیسی پھوپھو ہیں' کوئی محلے دار تو نہیں ہیں جن کے ساتھ کوئی تکلف ہو۔'' ڈیڈی رامین کے کندھوں پر بندوق رکھ کر باہر نکل گئے۔

''ہائے روین اب کیا ہوگا؟'' رامین نے تقریباً روہانسے ہو کر پوچھا۔

''یہ تو میڈیم آپ کو پہلے سوچنا چاہیے تھا۔'' روین خود بہت گھبرائی ہوئی تھی۔

پھوپھو رامین سے تو بات چیت بند کئے بیٹھی تھیں لیکن روین سے بھی ٹھیک سے بات نہ کرتی تھیں۔

''یا اللہ مدد'' رامین نے سر اٹھا کر دعا کی۔

''آمین......'' روین نے دل ہی دل میں کہا۔

***

باگے وچ پھل کوئی نا

سوہنیا وچوں توں سوہنی تیری اکھیاں داہل کوئی نا

لڑ چھوٹا گانی دا

اکھیاں مانہہ چا دے سر صدقے جانی دا

(اپنی جان کا صدقہ سمجھ کر آنکھیں مجھے دے دو)

لڑ چھوٹا گانی دا

اکھیاں کیوں دیواں سارا صہب جوانی دا

(آنکھیں تجھے کیوں دوں یہی تو جوانی اور خوبصورتی کا سرمایہ ہیں)

اے ڈی کی آواز سارے کچن میں گونج رہی تھی۔

"یوں لگتا ہے کہ کچن میں زلزلہ آیا ہوا ہے!" روید نے بیبا سے کہا۔

"روید تم اے ڈی کے گانوں سے اتنا کیوں چڑتے ہو؟" ڈاکٹر رواق نے روید سے بارہا کیا سوال دہرایا تھا۔

"بھائی صاحب یہ جو اے ڈی کا بے سرا ساؤنڈ سپیکر جو ہے نا یہ دن کے آٹھ گھنٹے بجتا ہے اور باقی کے چار گھنٹے یہ ریڈیو سنتے ہوئے گزارتا ہے۔ اتنی موسیقی سے اسے تو بدہضمی نہیں ہوتی، لیکن میرے کانوں میں مسلسل خارش رہنے لگی ہے۔" روید نے ناک چڑھا کر کہا۔

"باؤ رواق آپ کا فون آیا ہے۔" بہار بیگم نے آکر اطلاع دی۔

"خزاں بیگم اے ڈی سے کہو کہ گاجر کا حلوہ گرم کر کے لائے۔" روید نے جاتے جاتے بہار کو حکم دیا۔

بیبا دھیرے سے مسکرا دیں۔ گاجر کا حلوہ اے ڈی کی کمزوری تھی۔ اب روید نے اس سے اپنی مرضی کے ڈھیروں مطالبات منوا کر اسے گاجر کا حلوہ کھانے کو دینا تھا۔

"کس کا فون ہے؟" ڈاکٹر رواق نے چائے کا کپ پرچ میں رکھتے ہوئے بہار سے پوچھا۔

"کوئی دیپا ہے جی! باؤ ڈاکٹر یہ بھلا کیسا نام ہے؟" ساتھ ہی اس نے سوال کیا۔

"جیسا تمہارا نام ہے بہار پر آئی ہوئی خزاں!" روید نے فوراً جواب دیا۔

"بڑی بی بی یہ باؤ روید ہر وقت میرے نام کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔" بہار کو واقعی روید کا نام بگاڑ کر بلانا برا لگتا تھا۔

"لو کر لو کل کو کہے گی کہ......"

"کہ میں اس کے پیچھے پڑا ہوں۔"

"توبہ توبہ کیا زمانہ آ گیا ہے لوگ سرعام بہتان باندھنے لگے ہیں۔" روید الٹا اس پر چڑھ دوڑا۔ بہار تو روید کی باتیں سن کر ایک دم گھبرا کر باہر نکل گئی۔

"کسی دن پٹو گے، نہ ستایا کرو بیچاروں کو۔" بیبا نے اسے ڈانٹا۔

"مجھے تو بعد میں دیکھ لیجئے گا، پہلے اپنے بڑے بیٹے کی خبر لیں۔ ایک ہندو کنیا ہاتھ دھو کر بلکہ نہا دھو کر آپ کے بیٹے کے پیچھے پڑ گئی ہے۔" روید نے سنسنی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے اپنے بیٹے پر پورا اعتبار ہے۔" بیبا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پر کالی پٹی باندھ دی ہے۔" روید نے چڑ کر کہا۔ وہ اتنی تازہ ترین خبر اپنی ماں کو دے رہا تھا لیکن بیبا پر کوئی اثر نہ تھا۔

بیبا نے پیار سے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی تھی۔

"ویسے وہ محترمہ اچھا خاصا سفید جادو رکھتی ہیں۔ اگر ان کا جادو چل گیا ناں تو ہمارے گھر خاصی ورائٹی ہو جائے گی۔" روید نے دیپا کی گوری چٹی رنگت کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"ایک طرف ہندو کنیا، دوسری طرف باؤ جی جیسی مذہبی شخصیت، تیسری جانب رابعہ آنٹی کے شوہر نامدار......"

"روید......" بیبا نے سنجیدگی سے روید کو ٹوکا۔

رابعہ آنٹی کا پروفیشن سب کیلئے شرمندگی کا باعث تھا ہر کوئی کوشش کرتا تھا کہ ان کے متعلق گفتگو نہ کرے۔

"بس بھئی زمانہ ہی نہیں ہے کہ سچ بولا جا سکے۔" روید نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

بیبا اپنا دوپٹہ اور کروشیہ شاپر میں بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کیا ہوا والدہ ناراض ہیں کیا؟" روید ان کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر پیچھے ہو لیا۔

"تم آئندہ رابعہ کے متعلق بات نہ کرنا۔" بیبا نے وارننگ کے انداز میں کہا۔

"او کے میری پاور لیکن پلیز اپنے حسین مکھڑے سے مسکراہٹ غائب نہ کیا کریں۔ آپ کے بیٹے کا دل بے حد کمزور ہے۔" روید نے ان کے کندھے کے گرد بازو لپیٹتے ہوئے کہا۔

"ارے! ارے...... ہٹو!" بیبا اس کی مضبوط گرفت سے گھبرا کر بولیں۔

"بیبا مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں ناں؟" روید نے معصوم بچوں کی طرح سوال کیا۔

"نہیں" بیبا نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ روید کتنی بھی بک بک کر لیتا تھا لیکن ماں کے متعلق وہ بے حد حساس تھا۔

"پکی بات" روید نے کہا۔

"اُرے بابا پکی بات' اب ہٹو سامنے سے میں ذرا اماں جان کی طرف ہو آؤں۔ مجھ
وہاں سے کوئی فون آیا ہے اور نہ ہی کوئی آیا ہے۔" بیبا کا رخ دیوار پار گھر کی جانب تھا۔
ایک بالکل الگ دنیا بستی تھی۔

***

"یار یہ چائے ہم اپنے کیبن میں بھی پی سکتے تھے۔" ڈاکٹر رواق نے ڈاکٹر دیپا پروانی
کہا جو اسے زبردستی اس ریسٹورنٹ میں لے آئی تھی۔

"وہاں...... ہر تھوڑی دیر بعد کوئی نہ کوئی نرس بھاگتی آتی ہے' کوئی نہ کوئی ایمرجنسی کی اطلا
لئے۔ وہاں خاک مزہ آتا!"

"دیپا تم خود بھی تو ایک ڈاکٹر ہو اور جانتی ہو کہ یہ سب کچھ ہماری زندگی کا حصہ ہیں۔" ڈاک
رواق کو دیپا پروانی کا یوں بیزاری سے دیکھنا بالکل پسند نہ آیا تھا۔

"کیوں ڈاکٹر کی زندگی میں ان کی کوئی پرائیویسی نہیں ہوتی۔" دیپا نے اپنے لمبے بالوں
جھٹک کر کہا۔ آج اس نے اپنے آبشاروں کی طرح کے لمبے سیاہ بال کھول رکھے تھے۔

"لیکن پرائیویسی کس لئے؟" ڈاکٹر رواق ذہنی طور پر بے حد مصروف تھے۔ ہسپتال م
ڈھیروں کام ان کے منتظر تھے۔ وہ یوں اچانک کام چھوڑ کر باہر آ جانے پر خاصے بیزار تھے۔

"جانے کیوں میں اس بے قدرے انسان کے پیچھے بھاگ رہی ہوں؟" دیپا پروانی نے
غصے سے کہا اور پرس اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی لیکن جانے کیلئے قدم بھی نہ بڑھایا۔ ڈاکٹر رواق اس کی
اس ادا پر ایک دم سے مسکرا دیئے تھے۔

دیپا کا انداز ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ وہ ہمیشہ ناراض ہو کر جانے کی بات کرتی تھی' لیکن اس
کی ہمیشہ خواہش رہتی تھی کہ اسے فوراً روک لیا جائے' منا لیا جائے۔

"یار سہیلی...... اوئے غصے کی پٹاری' ذرا شانت ہو کر تشریف رکھو اور ساتھ ہی میرے ناکر
گناہوں کو بھی معاف کر دو۔" ڈاکٹر رواق نے کرسی کی جانب اشارہ کیا تو دیپا فوراً بیٹھ گئی' لیکن منہ
اس کا ابھی تک پھولا ہوا تھا۔

"دیپا کچھ اور بھی پیو گی؟" ڈاکٹر رواق نے اسے نارمل کرنا چاہا۔

"ہاں تمہارا خون......!" دیپا بہت جلی بیٹھی تھی۔

"یہ تم نے چائے کافی پیتے پیتے نیا ڈرنک کب سے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے؟" ڈاکٹر

رواق نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا۔

"تم بھی نا بڑے ظالم ہو۔" دیپا پروانی کا پھولا منہ ایک دم سے مسکرانے لگا تھا۔ مسکراتے
ہوئے اس کے گالوں پر ڈمپل پڑتے تھے، جو اسے بے حد حسین بناتے تھے۔

"چلو اگر تم یہ کہہ کر خوش ہو تو ضرور کہہ لو ورنہ ایک دنیا ہے جو ہمیں بے حد نرم دل کہتی ہے۔"
ڈاکٹر رواق نے بیرے کو روک کر بل لانے کا اشارہ کیا۔

"تمہارے پاس دل نام کی چیز ہوتی تو مجھے کیا یہ دن دیکھنے پڑتے۔" دیپا نے ایک ادا سے
بال جھٹکے' سامنے بیٹھے دو ماڈسکاڈ لڑکوں میں سے ایک نے آنکھ مار کر دیپا کو بے ہودہ سا اشارہ کیا
جو ڈاکٹر رواق نے بھی دیکھ لیا۔ جانے اتنے نرم اور دھیمے مزاج والے رواق کو کیا ہوا کہ وہ ایک دم
ان لڑکوں کے سر پر جا کھڑا ہوا۔

***

''عرض کیا ہے؟''

روید نے اجازت طلب نگاہوں سے سامعین کو دیکھا۔

''اجازت ہے! اجازت ہے!''

آنی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کو بہ کو پھیل گئی بات اُس کڑاھی کی
میں نے ایک کُک کی طرح جب چکن فرائی کی''

''واہ......واہ!''

اے ڈی نے سر دُھنتے ہوئے کہا۔ وہ اظہر انکل کی ٹانگیں دبا رہا تھا' لیکن اُس کی ساری روید پر تھی۔

''کیسے کہہ دوں ''مسز'' سے اپنی ڈرتا ہوں
''بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی''

''کل ایک خاتون کو ڈاکٹر کا پتہ میں نے دیا''

روید نے شرارتی نظروں سے ڈاکٹر رواق کو دیکھا' جو بظاہر کافی پینے میں اور میگزین میں مگن تھے' لیکن روید جانتا تھا' کہ اُن کا سارا دھیان اُسی کی جانب تھا۔ اپنے چھوٹے بھائی وہ بے حد پیار کرتے تھے' لیکن بڑے پن کا جو خول وہ چڑھا چکے تھے' اُس کی وجہ سے ان کے میں تھوڑا سا تکلف تھا' جس کو روید بالکل نہ مانتا تھا۔

''کل ایک خاتون کو ڈاکٹر کا پتہ میں نے دیا
بیگم تک پہنچ گئی بات مسیحائی کی''

''واہ......واہ......''

''روید میاں مکرر' مکرر' روید نے ایک دم اپنے کندھے پر ہاتھ مار کر خود کو شاباش دی اور خود ہی مکرر' مکرر کی گردان شروع کر دی۔''

اُس کی اِس حرکت پہ سب کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ در آئی تھی۔

''بیگم تک پہنچ گئی بات میری مسیحائی کی!''

''عرض کیا ہے کہ......''

''اب تو ہر زخم میرا چیخ کر یہ کہتا ہے
تم نے بچوں کی طرح کیوں میری پٹائی کی''

''اور جب بھی پٹتا ہوں سنتی ہے بڑے غور سے!''

یہ شعر خاص طور پر جناب اے ڈی کی نذر کرتا ہوں۔ روید نے نہایت سنجیدگی سے کہا' تو اے ڈی ایک دم مدّبر بن کر بیٹھ گیا۔

''اور جب بھی پٹتا ہوں سنتی ہے بڑے غور سے
بس یہی بات بری ہے میری ہمسائی کی''

''روید نے بہار بیگم کی جانب اشارہ کیا' جو ہمیشہ اے ڈی کی شکایات لگا کر ہمیشہ اُسے ڈانٹ کھاتے دیکھ کر ہنسا کرتی تھی۔''

''ہال میں بیٹھے سبھی افراد ہنس پڑے۔''

''آپ باؤ روید میرا مذاق اُڑا رہے ہیں!'' اے ڈی مچل کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

''بڑی دیر سے سمجھ آئی!'' روید ہنستا چلا گیا۔ اُس کے چہرے کی یہ معصوم ہنسی بے حد خوبصورت لگا کرتی تھی۔

''اندر داخل ہوتیں بیبا اور اماں جی نے بے اختیار نظروں ہی نظروں میں روید کی نظر اُتاری تھی۔''

''بیبا دیکھیں باؤ روید میرا سب کے سامنے مذاق بناتے ہیں۔ انہوں نے مجھے بیوقوف سمجھ رکھا ہے۔'' اے ڈی نے فوراً شکایت لگائی۔

''اوئے تیرے ساتھ پرابلم کیا ہے؟''

''ہر وقت دُکھی حسیناؤں کی طرح شکوے کیوں منہ میں بھرے رکھتا ہے۔''

''اور پھر جو بیوقوف ہو' اُسے بیوقوف ہی سمجھیں گے' جیسے ہم گھوڑے کو گھوڑا سمجھتے ہیں اور

گدھے کو گدھا!'' روید نے اپنی شرارتی نگاہوں سے اے ڈی کو دیکھا۔

''آپ مجھے گدھا بھی کہہ رہے ہیں!'' اے ڈی نے روہانسے ہوکر پوچھا۔

''یار اس سے ایک بات تو غلط ہوگئی کہ تم بیوقوف نہیں ہو' تم کو تو ہر بات سمجھ آ جاتی ہے'' روید نے سنجیدگی سے کہا۔

اے ڈی ایک دم خوش ہوگیا۔

''ہاں تو حاضرین اے ڈی نے آخر خود کی شناخت کر ہی لی ہے' وہ جان گئے ہیں کہ ''گدھے'' ہیں!''

سب کا قہقہہ مشترکہ تھا۔

''میں نہیں بولتا کسی سے' سب میرا مذاق بناتے ہیں۔ اے ڈی نے روٹھے انداز میں پاؤں زمین پر مارے اور باہر نکل گیا۔''

''ارے......!''

''تم نے بچے کو ناراض کر دیا!'' بیا نے روید کو ڈانٹا۔

''یہ اگر بچہ ہے تو میں تو ابھی پیدا ہی نہیں ہوا۔ روید اے ڈی سے چار سال چھوٹا تھا۔''

''روید تم مذاق ضرور کرو' بس اتنا خیال کرو کہ کسی کا تم سے دل نہ دُکھے۔'' بڑی اماں نے رسان سے اُسے سمجھایا۔

''یار والدہ آپ کو برا لگا؟'' روید نے معصوم سی شکل بنا کر پوچھا۔

''جاؤ اسے مناؤ' ہمیں معلوم ہے کہ وہ دل کا بے حد سادہ ہے۔''

''بڑی بڑی ڈانٹ سن کر بھی تابعدار رہتا ہے' لیکن اپنی ذات کے لئے وہ چھوٹے چھوٹے مذاق پر بھی بے حد حساس ہوجاتا ہے۔ جاؤ اسے ناراض نہ کرو۔'' بیا نے بہت نرمی سے کہا۔

''ٹھیک ہے یار والدہ......!''

''جو حکم آپ کا بندہ تو آپ کا ویسے ہی غلام ہے۔'' روید نے سر جھکا کر بے حد تابعداری سے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

''تم زندگی میں کسی چیز کی منصوبہ بندی نہیں کرتی' تمہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس کب ہوگا؟ بڑی اماں دیکھ تو رابعہ آنی کو رہی تھیں' لیکن یہ کڑکتا برستا جملہ بیا کو عطا ہوا تھا۔''

کمرے میں واضح بے چینی محسوس کی جا سکتی تھی۔

''اظہر انکل تو باقاعدہ اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر صوفے کے کنارے سے ہوتے فوراً باہر نکل گئے۔ توپوں کا رُخ اگر اچانک ان کی جانب ہو جاتا تو ان کا فوراً سے بچنا محال ہو جاتا۔''

اس لئے ان کو وہاں سے نکلنا ہی بہتر لگا۔

رابعہ آنی کے ماتھے پر واضح لکیریں تھیں۔

''اماں مجھ سے کوئی غلطی ہوئی؟''

سدا کی تابعدار اور بے حد صلح جو نے پریشانی سے ماں سے پوچھا کہ ''آخر اُس سے کہاں غلطی ہوئی ہے۔''

''نہ تم روید کی تربیت پر دھیان دیتی ہو' وہ ہر وقت ہنسی مذاق میں لگا رہتا ہے' نہ ہی تم رواق پر توجہ دے رہی ہو' خیر سے شادی کی یہی عمر ہوتی ہے' کب اسے بیاہو گی؟''

''جتنی دیر سے بیاہ ہوگا' اتنی ہی دیر سے بچے آئیں گے۔'' (ظاہر ہے اسلامی ملک میں شادی کے بعد ہی بچے آ سکتے ہیں!) روید' اے ڈی کے ساتھ اندر داخل ہوا اور اس نے خاصی بڑی سرگوشی کی تھی۔

رابعہ آنی روید کی بات پر ایک دم سے مسکرائی تھیں' ان کے چہرے کا تناؤ کم ہوگیا تھا۔

''پھر یہ اے ڈی......اس بیچارے کا بیاہ کب ہوگا؟''

''خیر سے یہ بھی جوان ہوگیا ہے!''

بڑی اماں کے کہنے پر روید کی ہنسی کسی فوارے کی طرح پھوٹی تھی' جبکہ اے ڈی شرم سے سر جھکائے جھکائے چائے سب کو بنا کر دے رہا تھا۔

''میرا لال پیلا جوان ہوگیا ہے تو؟ اب تیرے جوؤں والے تیل سے چپڑے سر پر سہرا سجنے کی عمر آ گئی ہے۔''

''روید نے پیار سے اے ڈی کو پچکارا۔ اے ڈی اس بار روید کے جملوں کو نظر انداز کئے مسلسل شرمانے میں مصروف تھا۔''

اس کو چپ کراؤ' مجھے تم سے سنجیدہ بات کرنی ہے! بڑی اماں نے مصنوعی خفگی سے روید کو دیکھا۔

''حسینہ ماہ جبین مجھ سے کچھ روٹھی روٹھی ہے! ہوں!''

''میں نے آپ کا ہریالی کھانا نہیں کھایا تھا کل شام' لگتا ہے اس کی ناراضگی ہے؟'' روید

نے بڑی اماں کے کان میں سرگوشی کی۔

''ارے ہٹو......!''

''رات تم میرا کتھا لینے گئے تھے اور اب میں نے تمہاری شکل دیکھی ہے۔ اُس کم بخت
کے لئے تیرے پاس بڑا وقت ہے۔''

''بڑی اماں کو سب خبریں ہوا کرتی تھیں۔ رات اظہر انکل کے ساتھ وہ تھیٹر چلا گیا تو
بڑی اماں کا کام بیچ میں رہ گیا تھا۔''

''سوری کرلوں تو کام چلے گا، یا پھر باقاعدہ پاؤں پکڑوں!''

روید نے کان میں سرگوشی کی۔

''تم خالی اپنے کان پکڑلو اور وعدہ کرو کہ تم اظہر کے ساتھ آئندہ تھیٹر نہیں جاؤ گے۔''
اماں نے فوراً اُس سے وعدہ لیا۔

''اوکے یار اب مطلع صاف ہونا چاہیے!''

بڑی اماں بے اختیار مسکرائی تھیں۔

''کمرے میں موجود ہر شخص اس مسکراہٹ سے بے حد سکون محسوس کر رہا تھا' ورنہ بڑی اماں
کا خراب موڈ حالات بھی خراب کر دیتا تھا۔''

''ہاں تو میں تم سے کیا کہہ رہی تھی......؟''

''ہاں......!''

''تم اپنی ذمہ داریوں کی جانب اب توجہ دو۔''

''تم رواق کی شادی کب کرو گی؟''

''بڑی اماں شاید آج یہ معاملہ مکمل طور پر نمٹانے آئی تھی۔''

''اماں یہ سامنے بیٹھا ہے' پوچھیں اس سے جس لڑکی کی تصویر دکھاتی ہوں' یہ بالکل چپ
ہر بات کو نظر انداز کر دیتا ہے۔''

''بیبا بھی دل سے چاہتی تھیں کہ اب رواق شادی کر لے۔''

بڑی اماں نے نگاہیں رواق پر مرکوز کیں، تو رواق نے بے اختیار گہرا سانس بھرا تھا۔

توپوں کا رُخ اُسی کی جانب تھا۔

''یا اللہ خیر' آج توپوں کا رُخ میری طرف ہے!'' رواق نے مسکرا کر کہا۔

''بڑی اماں' بیبا اور آنی......دیکھ لیں' بھائی صاحب آپ کو توپ کہہ رہے ہیں۔''

روید نے لڑاکا عورتوں کی طرح چنگاری بھڑکائی۔

''بڑی اماں نے روید کی جانب بالکل نہ دیکھا' وہ روید کی باتوں میں لگ کر مرکزی موضوع
سے ہٹنا نہیں چاہ رہی تھیں۔''

''بولو اگر کوئی لڑکی پسند ہے تو بتا دو!''

کڑے اور سخت ججوں کی طرح ملزم سے اُس کی خواہش پوچھی گئی تھی۔

''بیبا پلیز......!'' رواق نے خواتین کے سخت گھیرے کو دیکھ کر ماں کی مدد مانگی۔

''خبردار جو اس کی طرف دیکھا۔''

''تم سے جو پوچھا ہے' اس کا جواب دو۔'' بڑی اماں نے ڈاکٹر رواق کو گھورا' آج وہ ٹلنے
والی نہ تھیں۔ یہ امپاسبل ٹاسک انہیں ان کے بھائی (باؤ جی) نے سونپا تھا' جس میں وہ سرخرو ہونا
چاہ رہی تھیں۔

''لڑکی......؟''

ڈاکٹر رواق نے گہری سانس بھری' سوال بڑا مشکل تھا۔

''ہاں لڑکی......!''

آنی نے مسکرا کر ان کے کندھے پر بازو رکھا۔

''بولو ورنہ بڑی اماں کی پسند تو ہمیں برباد کر دے گی۔''

بظاہر آنی نے بے حد سکون سے یہ جملہ کہا تھا' لیکن یہ وہ جانتی تھیں کہ ان کا اندر تک سلگ گیا
تھا۔

انہوں نے ڈاکٹر رواق کو ڈرایا تھا۔

''ہوں......!'' ڈاکٹر رواق نے گہرا سانس بھرا' ساتھ ہی ایک پل کو آنکھیں بند کیں' ذہن
کے پردے پر دو روتی آنکھیں لہرائیں' تو ڈاکٹر رواق ایک دم سے چونک گئے۔ واقعی یہ چہرہ
کتنے دنوں اور کتنی راتوں سے ان کے دل و دماغ پر سوار تھا۔

وہ ابھی تک اس احساس کو سمجھ نہ پائے تھے۔

لیکن آج بڑی اماں کے یوں اچانک پوچھنے پر صرف اس چہرے کا ان کے دماغ میں
لہرانے کا مطلب' ان کو ایک دم سے سمجھ آ گیا تھا اور وہ اسی پر چونکے تھے۔

"مطلب......؟"

"کیا! رامین عبدالقدیر ہی ہماری زندگی میں آنے والی وہ رائٹ پرسن ہے جس کا
عرصے سے انتظار تھا؟"

ان کے اندر کسی نے سوال کیا تھا۔

"ہاں ہاں ہاں......دل نے شور مچایا۔"

"بھائی صاحب......لڑکی کے متعلق پوچھا گیا تھا۔"

"آپ تو یوں مراقبے میں چلے گئے ہیں جیسے لمبا چلہ کاٹنے کے موڈ میں ہوں۔" راب
رواق کو چونکایا تھا جو خود میں مگن تھا۔

"بولو رواق......اتنا کیا سوچتے ہو؟"

"کیوں ہماری برداشت کو آزماتے ہو؟"

بڑی اماں بے حد بے چین تھیں بلکہ کمرے میں موجود ہر نفوس کی یہ ہی حالت تھی۔
ڈاکٹر رواق تو سوچنے پر بھی آمادہ نہ ہوتے تھے لیکن آج ان کے چہرے کے تاثرات بتار
کہ آج ان کے من میں کچھ تھا۔

اور اس کچھ کا نام سننے کے لئے سب بے چین تھے۔

"دیپا پروانی......؟" روید نے قریب آ کر بوجھنے کی کوشش کی۔

"لیکن اس میں ایک مشکل ہے کہ آپ کے بچوں کے نام آئندہ دھرمندر ہیمامالن
ہوں گے۔"

"نہیں ایک اور مشکل ہے یہ ہمارے بزرگ یہ شادی ہونے ہی نہیں دیں گے......!"

"نہیں......نہیں......" روید نے دکھی ہونے کی اداکاری کی۔

"میرا بھائی تو کنوارہ رہ جائے گا۔"

"اگر بھائی کی شادی نہ ہوئی تو میری شادی نہیں ہوگی۔"

"میری نہ ہوئی تو آنی کے تینوں بچوں کی نہیں ہوگی۔"

"اگر ان کی نہ ہوئی تو اے ڈی کی بھی نہ ہوگی۔" روید نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"رواق باؤ بتاؤ نہ کوئی نام ورنہ میں کنوارہ رہ جاؤں گا۔" اے ڈی نے بے حد فکر
لہجے میں کہا۔

"لاحول ولاقوۃ......!"

"تم کو یہاں اپنی پڑی ہے صرف......اور ہمارا خاندان جو کنواروں کا بسیرا بننے جا رہا ہے
اس کی تم کو کوئی فکر نہیں" روید نے پھر سے ٹانگ اڑائی۔

"رواق اگر تم کو کوئی پسند نہیں تو باجی آسیہ کی بیٹی صائمہ ہم سب کو پسند ہے۔ بس تم ہم پر
سب کچھ چھوڑ دو۔" بڑی اماں کی بات پر ڈاکٹر رواق نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"اب تو میاں تم کو منہ کے تالے کھولنے ہی چاہیے!" آنی نے کچھ ناراضگی سے رواق کو
دیکھا۔

"بڑی اماں وہ......ایک لڑکی ہے!"

"ڈاکٹر رواق جو بہت قابل ڈاکٹر تھے ان کے لہجے میں جھجک بہت تھی۔"

"کمرے میں موجود ہر شخص نے بے چینی سے ان کو دیکھا۔"

"کون؟"

بڑی اماں سے پہلے بیبا نے پوچھا۔

"ان فیکٹ میں اُن لوگوں کو اتنا نہیں جانتا۔"

ڈاکٹر رواق نے بے حد سچائی سے جواب دیا۔

"ہیں؟"

"تو پھر لڑکی کیسے پسند آ گئی جب تم ان کو ٹھیک سے جانتے بھی نہیں۔"

بڑی اماں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ محبت ہے......بڑی اماں سمجھا کریں۔"

"یہ جو کچھ بھی ہے سب محبت کا پھیلاؤ ہے۔"

روید گنگنایا۔

"ایکچوئلی......میں نے اسے ایک مرتبہ دیکھا ہے۔"

ڈاکٹر رواق کا کیس بے حد کمزور تھا۔

"بس......؟"

آنی نے حیرت سے اپنے ریز رو اور شرمیلے بھانجے کو دیکھا۔

"کیا نام ہے اس کا؟"

سب سے پہلے بیبا نے پوچھا۔

''انہوں نے اپنے بیٹے کی آنکھوں کی تحریر پڑھ لی تھی۔ اس کے دل میں کتنی شدت سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔''

ایک ماں کو بہت پہلے خوشبو آ جاتی ہے کہ اس کی اولاد کے من میں کیا پک رہا ہے۔

''رامین!''

ڈاکٹر رواق اتنا کہہ کر چپ ہو گئے۔

''کہاں رہتے ہیں وہ لوگ؟''

''اقبال ٹاؤن میں۔''

''والد کیا کرتے ہیں؟''

''معلوم نہیں!''

''گھرانہ کیسا ہے؟''

''بظاہر تو بے حد شریف ہے!'' ڈاکٹر رواق نے سچائی سے کہا۔

''کون کون ہے اس کے گھر میں؟'' بڑی اماں نے پوچھا۔

''معلوم نہیں...... ٹھیک سے اندازہ نہیں ہے۔''

''حد ہو گئی لڑکے! اتنی اُدھوری معلومات!'' بڑی اماں کو مزہ نہیں آیا تھا۔

''لڑکی کیا کرتی ہے؟'' بیبا نے پوچھا۔

''پڑھ رہی ہے!''

''کون سی کلاس میں؟'' آنی نے پوچھا۔

''معلوم نہیں......!''

ڈاکٹر رواق واقعی بری طرح پھنسے تھے۔

''تو پھر اتنا کچھ جو ''معلوم نہیں'' وہ کون معلوم کرے گا؟''

آنی نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

''آپ لوگ...... آپ لوگ کس مرض کی دوا ہیں۔''

''کیا ست الوجود خواتین کی طرح بیٹھے بٹھائے بہو چاہیے۔''

''جائیے، جائیے، تیار شیار ہو کر اپنے جوتے بھابی کی دہلیز پر گھسائیے اور ہماری بھابی آیئے۔

''اب وہ بچاری خود تو دلہن بن کر نہیں آئے گی۔''

''اب بس...... بہت ہو گئی سستی، کچھ ہاتھ پاؤں ہلائیں۔ میرا بھائی آخر کیا کیا کرے گا۔ یہ سب تو آپ کو ہی کرنا پڑے گا۔''

''یہ تو بس اب صرف شادی کرے گا محترمہ رامین صاحبہ سے۔''

روید نے بڑے بوڑھوں کی طرح تقریر شروع کر دی تھی۔

لیکن بات کا اختتام حسب معمول اس کی شرارتی باتوں پر ہوا تھا۔

''ہوں...... کہتے تو تم ٹھیک ہو! ہمیں ہی جا کر گھرانہ دیکھنا چاہیے۔'' بڑی اماں شاید زندگی میں پہلی بار روید سے متفق ہوئی تھیں۔

''رواق تم مجھے ان کا ایڈریس دو۔'' بیبا نے پوچھا۔

''ہر رے......!'' روید نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

''ساڈے گھر آئی بھرجائی''

''اسی خوشیاں نال وہیائی''

''دیئو ودھائی''

اے ڈی نے خوشی سے گانا گانا شروع کر دیا۔

''لوکر لوگل......!''

''بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ...... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اللہ دتہ دیوانہ......!'' روید نے شرارت سے کہا۔

''ارے ایسے ہی یہ کوئی بیگانہ نہیں ہے، ہمارا تو یہ بیٹا ہے۔'' بیبا نے پیار سے اے ڈی کو کہا، تو وہ پھول کر کپا ہو گیا۔

''تو مسٹر رواق احمد...... کیا آپ کو رامین قبول ہے؟'' روید نے ڈاکٹر رواق کے کان میں گھس کر پوچھا۔

''تم پٹو گے مجھ سے۔'' ڈاکٹر رواق نے دھیمی مسکراہٹ سے کہا۔

روید ہنستے ہوئے پرے ہٹ گیا، جبکہ ڈاکٹر رواق کے دل کے اندر بے اختیار شور اٹھا تھا۔

''ہاں...... قبول ہے، قبول ہے! قبول ہے!''

***

''کیسے ہو شہزاد میاں؟''

سونیا بھابی کے سوال اور فون سے حیران ہو کر شہزاد نے فون کو حیرت سے دیکھا تھا۔

کیا اُن کو سننے میں کچھ غلطی لگی ہے، یا واقعی بھابی نے اُسے ہی فون کیا تھا۔

''ٹھیک ہوں بھابی' آپ سنائیے آپ کیسی ہیں؟''

''شہزاد میاں نے مروت نبھائی۔ آج سے پہلے کبھی بھی سونیا بھابی نے ان کو یوں نہ کیا تھا۔''

''اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے! تم کو فون کیا تھا کہ ہم ڈیفنس والے گھر میں شفٹ ہوگئے اسی خوشی میں بس کچھ اپنے خاص خاص لوگوں کو بلایا ہے۔ تم ضرور آنا۔''

''بھابی...... میں کہاں ایسی تقریبوں میں آتا جاتا ہوں۔ آمنہ اور امی آجائیں گی۔ طرف سے تو معذرت قبول کریں۔'' شہزاد میاں واقعی تقریبات سے گھبراتے تھے۔

''نہ...... بہانہ تو بالکل بھی نہیں چلے گا۔ سونیا بھابی نے بے حد مان سے کہا۔''

''بھابی...... پلیز مجھے فورس نہ کریں' میں تقریبات میں نہ صرف خود بور ہوتا ہوں دوسروں کو بھی بور کر دیتا ہوں۔''

''شہزاد میاں نے انہیں ڈرانے کی کوشش کی' کہ شاید وہ اپنے ارادے سے باز آجائیں

''تم کو ہم بور ہونے ہی نہیں دیں گے۔ یہ گارنٹی ہے!''

''سونیا بھابی جانے کس بات پر اس قدر خوش ہو رہی تھیں۔''

''لیکن...... شہزاد میاں نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔''

''لیکن ویکن...... کچھ نہیں جناب' آپ کو آنا ہی پڑے گا۔ تمہیں تو ایک خاص شخص سے بھی ملوانا ہے۔''

''سونیا بھابی بے حد پرجوش تھیں' جبکہ شہزاد میاں ان کے اس خاص پروٹوکول پر حیران تھے۔''

''ان کی بیوی کی بھابی' وہ بھی اس قدر مزاج دار بھابی جس کی ناک کے نیچے تھا۔''

''بولو ناں شہزاد پھر پکا وعدہ...... تم آ رہے ہو ناں؟''

وہاں سے لاڈ بھرا اصرار ہوا تو شہزاد کو منع کرنا مشکل ہو گیا۔

''ٹھیک ہے بھابی!''

''شہزاد نے آخر کار ہتھیار پھینک دیئے تھے۔''

''تو ٹھیک ہے پھر کل شام ٹھیک سات بجے' بھابی چہکی تھیں۔ تمہارے لئے میرے پاس ایک سرپرائز بھی ہے!'' بھابی نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

''شہزاد میاں نہیں جانتے تھے کہ اُن کے لئے واقعی ایک بہت بڑا سرپرائز تیار تھا۔''

''جو آنے والے دنوں میں بہت سارے لوگوں کی زندگیاں بدلنے والا تھا۔''

***

''دماغ ٹھیک نہیں ہے تمہارا' ورنہ تم اس قدر ضد کیوں کرتی۔'' پھوپھو خدیجہ نے غصے سے پاندان بند کرتے ہوئے کہا۔

''میری چھالیہ کدھر ہے روین؟'' انہوں نے کہاں کا غصہ کہاں نکالا۔

ان کے لہجے کی تپش رامین کے لئے وارننگ تھی کہ وہ اس موضوع پر مزید بات نہ کرے۔

لیکن رامین یہ موقع گنوانا نہیں چاہتی تھی۔

اس کی زندگی کے خواب پھوپھو نے ایک ایک کر کے چکنا چور کئے تھے' لیکن وہ اپنے اس خواب سے دستبردار ہونے کو ہرگز تیار نہ تھی۔

''''پھوپھو بس ایک یہ آخری خواہش ہے' اس کے بدلے میں اگر آپ میری باقی زندگی اور اس کی تمناؤں کو گروی رکھنا چاہیں تو رکھ لیں۔ میں چوں بھی نہ کروں گی!''

رامین نہ جانتی تھی کہ وہ کتنی بڑی بات بول گئی تھی۔

غالباً وہ اپنی اس خواہش کے لئے اپنی زندگی بیچنے جا رہی تھی۔

پھوپھو نے بے اختیار اسے چونک کر دیکھا۔

اس لڑکی کی شدتیں کہیں آئندہ زندگی میں اسے بے حد نقصان نہ پہنچا دیں۔

پھوپھو نے بے حد فکر مند ہو کر سوچا۔

رامین بھی کسی چیز کے لئے میانہ روی اختیار نہ کرتی تھی۔

''بہت تھوڑا'' اسے کبھی بھی نہیں چاہیے تھا۔

''مناسب'' کے لئے اس نے کبھی بھی کمپرومائز نہ کیا تھا۔

اُسے تو زندگی میں بس سب سے بہترین درکار تھا اور اُس کے لئے وہ کچھ بھی کرنے کو تیار ہو جاتی تھی اور پھوپھو کو اُس کی یہ ہی شدت پسندی بے حد ناپسند تھی۔

"پھوپھو پلیز......!"

رامین نے ایک بار پھر مچل کر کہا۔

"رامین ابھی تو تم کچھ دیر کے لئے مجھے اکیلا چھوڑ دو!"

پھوپھو نے پریشان ہو کر کہا۔

آخر اس شعلہ لڑکی کا کس طرح کسی مرد سے گزارا ہو گا؟

"ٹھیک ہے! لیکن پلیز میری درخواست پر غور کر کے اسے قبولیت کا شرف بخشیں" رامین اپنے نام کی ایک ہی تھی۔

"تم ابھی تو یہاں سے جاؤ!"

پھوپھو نے بے اختیار ماتھا مسلا تھا۔ ان کے سر میں واقعتاً درد شروع ہو چکا تھا۔

"یا اللہ! اس کو کوئی ٹھنڈے میٹھے جھرنے جیسا شخص عطا کرنا' ورنہ جس قدر اس لڑکی کے مزاج میں آگ ہے' وہ گھر جلا تو سکتی ہے' لیکن گھر کو بنا نہیں سکتی۔"

پھوپھو کو رامین کی فکر نے اس قدر پریشان کیا کہ وہ بیٹھے سے لیٹ گئیں۔

اُسی پل فون کی گھنٹی بجی' تو پھوپھو ڈر کر اُٹھ بیٹھیں۔

"موئے کا گلا کتنا زیادہ ہے!"

"کیسے دل دہلا کر رکھ دیتا ہے!"

پھوپھو نے فون کی گھنٹی کی آواز کو کوسا۔

"ارے لڑکیو! کوئی اس کی بھی سن لے' ورنہ اس نے چیخ چیخ کر سارا گھر سر پر اٹھا لینا ہے۔"

پھوپھو بے جان اشیاء سے بھی یوں ہی گفتگو فرمایا کرتی تھیں کہ جیسے کوئی جاندار شئے سامنے موجود ہو اور ایک ان فون کرنے والوں کو بھی رتی بھر صبر نہیں آتا' مسلسل گھنٹی بجائے جاتے ہیں۔

پھوپھو فون کی آواز سے بے حد گھبراتی تھیں۔

اس گھبراہٹ میں وہ نان سٹاپ بولے جاتی تھیں' جب تک کوئی فون نہ اٹھا لیتا۔

روین اور رامین دونوں شاید لان میں موجود تھیں' بالآخر پھوپھو کو خود ہی اٹھنا پڑا۔

"جی......جی......جی!"

"ٹھیک ہے!"

"اچھا تو پھر اللہ حافظ" پھوپھو نے ایک لمبی چوڑی گفتگو کے بعد اختتام کیا تھا۔

اندر آ کر رامین اور روین نے حیرت سے پھوپھو کے خوشگوار موڈ کو دیکھا۔

ان کا غصہ' بیزاری سب ختم تھی۔

"ارے بھائی صاحب کدھر ہیں؟" پھوپھو نے اپنا بھاری بھرکم وجود دوبارہ صوفے پر ڈالتے پوچھا' وہ بے حد مطمئن تھیں' ڈیڈی تو کسی کام سے باہر گئے ہیں۔

روین نے کہہ کر اپنے لائے ہوئے پھول سارے کے سارے گلدان میں ڈال دیئے۔

"پھوپھو آپ نے میری درخواست پر غور کیا؟"

رامین کی سوئی تو ایک ہی جگہ ٹکی ہوئی تھی۔

"ہوں......!"

پھوپھو ایک دم سے چونکی تھیں۔

"اگر میں تم کو ریڈیو پر کام کرنے کی اجازت دے دوں' تو کیا تم آئندہ کبھی ہماری بات سے انکار کرو گی؟"

پھوپھو نے بغور اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل بھی نہیں کروں گی!" رامین کو ایک دم سے آس ہوئی کہ شاید پھوپھو مان جائیں۔

اتنے دنوں کی ڈانٹ پھٹکار کے باوجود وہ اپنی اس خواہش سے دستبردار نہ ہوئی تھی۔

"جو ہم کہیں گے وہ کرو گی؟"

پھوپھو جانے کیا منوانے جا رہی تھیں۔

"پھوپھو جو کہیں گی مانوں گی......بس مجھے ریڈیو پر کام کی اجازت دے دیں۔" رامین نے ان کے کندھے پر سر رکھ کر کہا۔

"تمہارا یہ کہنا میں مان لوں گی' لیکن تم کو اپنا کہا پورا کرنا ہو گا۔ آئندہ کے فیصلے ہم کریں گے اور تم کو کوئی اعتراض بھی نہ ہو گا۔"

پھوپھو نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

رامین ان کے پیچھے کھڑی تھی۔ اس کا چہرہ ان کے کندھے پر تھا۔ وہ پھوپھو کا چہرہ دیکھ نہیں سکتی تھی۔

ورنہ وہ پھوپھو کے چہرے کے تاثرات سے اُن کی سنجیدگی پر کچھ تو چونکتی۔

مجھے بھلا کس بات پہ اعتراض ہو سکتا ہے؟

اپنی مرضی کے کالج میں پڑھ رہی ہوں!

ڈیڈی مجھے یونیورسٹی سے ماسٹر کروانا چاہتے ہیں۔

اپنی پسند کے کپڑوں، کتابوں اور شاپنگ پر پھوپھو کو کبھی بھی اعتراض نہیں ہوا تو پھر ایسی بات کیونکر ہوگی، جو مجھے پریشان کر سکتی ہے!

رامین بی بی آنکھیں بند کر کے پھوپھو کی شرط مان لے ابھی تو وہ کچھ دیالو ہوئی ہیں، اجازت ملنے کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو بعد میں ان کا موڈ ہی بدل جائے۔

رامین نے دل ہی دل میں سوچا۔

"اوکے پھوپھو! آپ جو کہیں گی، جیسا کرنے کو کہیں گی، بندی ماننے کو تیار ہے!"

رامین نے بے حد بے صبری سے جواب دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے، تم اپنی بات نہ بھولنا، میں اپنی بات پوری کر دیتی ہوں۔ تم کرلو ریڈیو کا کام۔"

پھوپھو کی بات پر رامین نے خوشی سے اور روین نے حیرت سے دیکھا۔

"ہیں یہ انقلاب کیسے آ گیا؟"

ان کی پھوپھو جو آدھے گھنٹے کے لئے بھی کبھی ان کو باہر نہ جانے دیتی تھیں، کیسے ریڈیو کے لئے اجازت دے رہی تھیں۔

"پھوپھو آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

روین نے اپنی حیرت بالکل نہ چھپائی تھی۔

"ارے تم کیوں رنگ میں بھنگ ڈال رہی ہو؟"

رامین نے اسے ڈانٹا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور انشاء اللہ آئندہ بھی سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" پھوپھو مطمئن انداز میں کہتی ہوئیں باہر نکل گئیں۔

"ہررے...... ہررے......" رامین نے خوشی سے جھومتے نعرے لگائے۔

جبکہ روین ہاتھ میں پھول پکڑے حیرت سے پھوپھو کو جاتے دیکھ رہی تھی۔

"کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے!"

روین کی چھٹی حس اسے الارم کر رہی تھی۔

***

"چندا تم فیکٹری کیوں نہیں چکر لگاتے؟"

آمنہ آپا نے عادل کے سر میں تیل ڈال کر ہولے ہولے ہاتھوں سے اس کے سر کی مالش کرتے ہوئے کہا۔

"آپا میں بھلا وہاں جا کر کیا کروں گا؟ بھائی میاں ہوتے تو ہیں وہاں" عادل نے بیزاری سے کہا۔

"ڈرتی ہوں عادل کہ یہ تمہاری بیزاری، لاپروائی اور بے خبری تم کو کہیں پائی پائی کا محتاج نہ کر دے!"

آپا کے ہاتھ مالش کرتے کرتے رُک گئے تھے اور وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

"آپا...... آپ بھائی میاں پر شک کر رہی ہیں؟"

"وہ میرے بھائی ہیں!"

"عادل کے لہجے کا مان آمنہ کو اندر تک لرزا گیا تھا۔ اتنے معصوم لوگوں کا مال کھانا تو واقعی کبیرہ گناہ ہے۔ جن کے دلوں میں اتنی اچھائی ہو، ان کا دل تو کبھی ٹوٹنا نہیں چاہیے۔"

آمنہ آپا دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں۔

"بے شک وہ تمہارا بھائی ہے!"

"لیکن...... لیکن تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ وہ تمہارا سوتیلا بھائی ہے!"

"اور سوتیلے رشتے کبھی کبھی دشمن بن جاتے ہیں۔ آمنہ آپا دھیرے دھیرے اسے کچھ سمجھانا چاہ رہی تھیں۔"

"آپا پلیز...... آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟"

"کل کو آپ اپنے آپ کو بھی برا بھلا کہنے لگیں گی۔"

"بہن بھائی، ماں باپ کبھی سوتیلے نہیں ہوتے۔ عادل نے بے حد اعتماد سے کہا۔ ابا کا دیا ہوا اعتماد آج اُسے صرف اچھا ہی اچھا دکھا رہا تھا۔"

"مانتی ہوں کہ رشتے سوتیلے نہیں ہوتے، بلکہ ہمارے رویے ہی ہر بات کی خرابی کا باعث

بنتے ہیں، لیکن بیٹا زندگی کا سفر ہو یا پھر عام سڑک کا فاصلہ، ہمیں آنکھیں کھول کر ہی تو طے کرنا ہے۔"

"بند آنکھوں کے ساتھ فاصلے طے نہیں ہوتے، منزلیں نہیں ملتیں۔ یہ ہی تو ابا بھی کہا کرتے تھے ناں؟"

آپا اسے دھیرے دھیرے قائل کر رہی تھیں۔

"آپا...... آں...... اوکے!"

عادل بالآخر قائل ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے! میں جاؤں گا۔"

"لیکن...... مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا۔"

عادل نے بے حد معصومیت سے کہا۔

"تم دفتر جانے لگو گے تو پھر ہی تو کچھ سیکھو گے۔"

"بس کل سے تم دفتر جاؤ گے" میں کلیم انکل کو فون پر کہہ دوں گی، وہ تمہیں سب کچھ دھیرے دھیرے سکھا دیں گے۔

کلیم صاحب ابا کے زمانے سے ان کی فیکٹری میں منیجر کا کام کر رہے تھے۔ بے حد ایمان دار اور قابل انسان تھے۔

بے شک مرزا انڈسٹری کی ریڑھ کی ہڈی تھے۔ ابا کو اُن پر بے حد اعتماد تھا اور یہ اعتماد کبھی بھی نہ ہوا تھا۔

"انہوں نے ہمیشہ فیکٹری کو فائدہ ہی پہنچایا تھا۔"

"آپا اب تو آپ خوش ہیں ناں؟"

عادل نے بے حد معصومیت سے پوچھا۔

اس کے دل کی سادگی اس کے چہرے کا حسن تھی۔ بے حد شفاف آنکھیں اسے بے حد پرکشش بناتی تھیں۔

"میرا بھائی تو شہزادہ ہے، شہزادہ!"

"آمنہ نے بھائی کو غور سے دیکھ کر اس کی دل ہی دل میں بلائیں لی تھیں۔"

"اب اللہ کرے تم کام جلد از جلد سیکھ لو، تا کہ تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکو۔"

"لاحول ولا قوۃ......!"

"آپ کا کیا خیال ہے کہ میں کسی اور کے پیر استعمال کرتا ہوں، کھڑے ہونے کے لئے؟"

عادل نے شرارتی انداز میں کہا۔

"آمنہ آپا بے اختیار مسکرائی تھیں۔"

"چلو شکر ہے کہ میرے بھائی کے چہرے کی مسکان تو واپس آئی، ورنہ ابا کے بعد عادل نے ہنسنا مسکرانا بالکل بند کر دیا تھا۔"

"آپا یوں مسکراتی رہا کریں۔"

"آپ کی وہ دلکش ہنسی شادی کے بعد جانے کہاں کھو گئی ہے!"

"شہزاد بھائی بھی کچھ بدل سے گئے ہیں ناں آپا؟"

"عادل نے آخر وہ بات کہہ ہی دی تھی، جو وہ اتنے دن سے محسوس کر رہا تھا۔"

"آمنہ آپا کا چہرہ ایک دم سے پھیکا پڑ گیا تھا۔"

"وہ جو محرم دل تھا، کیسے ایک دم اجنبی بن گیا تھا، کہ ساری دنیا اس کی اس اجنبیت کو محسوس کرنے لگی تھی۔"

"بولیں نہ آپا!"

"کیا بولوں...... آپا نے گہری سانس لی، پھر تیل کی شیشی بند کر کے اُٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے پاس آ کھڑی ہوئیں۔ آئینے میں اُن کا عکس لہرا رہا تھا۔ آج بھی وہ اس قدر حسین اور دلکش تھیں کہ ہر کوئی چند پل کے لئے ٹھٹک کر رُکتا ضرور تھا۔"

"جب دل ہی بدل جائیں تو انسان اور رویے بدلتے کتنی دیر لگتی ہے۔"

آپا کا لہجہ بے حد سلگ رہا تھا۔

"کیوں؟"

"کیوں، آپا ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

عادل نے بے حد بے چینی سے پوچھا۔

"درخت اگر پھل نہ دے تو کس کام کا؟"

آپا کا لہجہ رو رہا تھا۔ "اپنی اس بے بسی پر، کیا وہ قدرت کے اس فیصلے کو بدل سکتی تھیں۔"

"کیا سایہ دار درخت اہم نہیں ہوتے؟"

"آپ کا وجود بھی تو ایک ٹھنڈا سا سایہ دار درخت جیسا ہے، جس سے ہمیشہ راحت ملتی ہے"

عادل نے بے حد سچائی سے کہا۔

"سایہ......؟"

"انسان بڑا بے صبرا ہے۔ اسے تو پھل ہی ہمیشہ درکار ہوتا ہے۔ اس میں اتنا شہر... قصور نہیں ہے۔"

"آمنہ آپا اپنے اس بھائی پر اپنی فکر نہیں لادنا چاہتی تھیں، اس لئے انہوں نے کہا۔

"آپا آپ بہت اچھی ہیں! اور......"

"اور آپ ہی تو کہا کرتی تھیں کہ اچھے لوگوں کے ساتھ اللہ اچھا ہی کرتے ہیں۔"

"انشاء اللہ! آپ کو اللہ بہت پیارے پیارے بچے دے گا۔ میرے ڈھیر سارے بھا... بھانجیاں ہوں گے، جو مجھ سے فرمائش کر کر کے مجھے پاگل کر دیں گے۔"

عادل نے ان کو خوش رنگ وہ تصویر دکھائی جو ان کی کمزوری تھی۔ کچھ پل کو وہ بھی بہل گئیں

"دور کہیں بچوں کی قلکاریاں سنائی دے رہی تھیں۔"

"سچ عادل کیا ایسا بھی ممکن ہے؟"

آمنہ آپا نے بچوں کی طرح پوچھا۔

"اللہ تو سب کچھ کر سکتے ہیں، کوئی سسٹم اللہ کی مرضی کو رد نہیں کر سکتا۔"

"آپ اللہ سے مانگیں......وہ ہی دے گا۔"

عادل نے بے حد پر یقین ہو کر کہا۔

"جب صحراؤں میں بارش کی چند بوندیں ہریالی لا سکتی ہیں تو پھر آپ پر رحمت کی ایک... آپ کے صحرا آنگن میں پھول کیوں نہیں کھلا سکتی۔ بس......بس اپنا یقین نہ ٹوٹنے دیجئے گا۔"

"جس سمندر کے طوفان میں آپ گھری کھڑی ہیں، اللہ پر یقین ہی ایک ایسی کشتی ہے... آپ کو کنارہ دلا سکتی ہے!"

عادل کی باتیں آپا میں کسی توانائی کی طرح سرائیت کر رہی تھیں۔

"عادل تم کیسے......میرا مطلب ہے کہ تم نے اتنی بڑی بڑی باتیں کہاں سے سیکھیں؟"

آپا نے حیرت و خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ پوچھا۔

"ابا سے......!"

آپا آپ بھول گئیں، ابا ہی کی شخصیت تو میری تربیت کا ادارہ تھی۔ یہ اللہ پر یقین کرنا اور ...ف اس کے بھروسے پر جینا اور اس کی رضا حاصل کرنے کے جتن کرنا، سب ابا ہی کی تو عادتیں ہیں۔

عادل کسی سحر میں کھو گیا تھا۔

"ابا تھے ہی ایسے کہ وہ پل پل انہیں یاد کر کے مس کرتا تھا۔"

"آج......آج مجھے پھر سے اپنا آپ بے حد بھاری لگ رہا ہے۔"

"ابا کی وفات کے بعد یوں لگا تھا کہ میرا میکہ ختم ہو گیا ہے۔"

لیکن آج میں فخر سے کہہ سکتی ہوں کہ یہ میرا بھائی میرا میکہ ہے۔ میری مضبوطی اور میری ...ہے! آمنہ آپا نے پیار سے عادل کا ماتھا چوما تھا۔

"کون کہتا ہے کہ رشتے کبھی سوتیلے بھی ہوتے ہیں!"

بس یہ تو رویے ہوتے ہیں جو کسی سیاہی چوس کی طرح خوشیاں چوس بھی لیتے ہیں اور کبھی کبھی ...وہ میں شکر کی طرح مل کر زندگی میں مٹھاس بھی بھر دیتے ہیں۔

***

"مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے کہ تم ہماری ٹیم کا حصہ بننے جا رہی ہو۔"

سدرہ گیلانی نے رامین کو مبارکباد دی۔

"یہاں ہم سب ایک فیملی، ایک یونٹ کی طرح کام کرتے ہیں۔"

"ویلکم ٹو آور فیملی!"

یہ اندر داخل ہوتے ہوئے عمر نے کہا۔

رامین کی اُس سے ملاقات ہو چکی تھی۔ وہ بھی یہاں کام کرتا تھا اور غضب کا بولتا تھا۔ ایک ...یا اس کی آواز کی دیوانی تھی۔ خود رامین کی کئی دوستیں اس کی بے حد فین تھیں۔

"عمر شاہ......تم ان سے مل چکے ہو؟"

سدرہ گیلانی نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں یہ کل آئی تھیں، ساتھ ان کے والد صاحب بھی تھے۔ چونکہ کل آپ چھٹی پر تھیں، ...سا لئے ہماری خوش قسمتی نکلی کہ ہم اس حسینہ سے مل سکے۔"

عمر نے سدرہ گیلانی کی سیٹ پر جھکتے ہوئے کہا۔

”رامین کو ان کی یہ بے تکلفی ذرا نہ بھائی۔“

”سدرہ گیلانی پینتالیس سے اوپر کی خاتون تھی جبکہ عمر شاہ بمشکل بائیس یا تئیس سال کا تھا۔“

ان کے درمیان ماں بیٹے کی عمر کا فرق بے حد واضح تھا۔

”اب تم پروفیشنل فیلڈ میں آ گئی ہو‘ تمہیں خود کو بچا کر رکھنا ہو گا۔“ رامین نے خبردار کیا۔

عبدالقدیر کا خون اور پھوپھو کی تربیت اثر دکھا رہی تھی۔

***

”معاف کر دو یار......!“

بشریٰ منمنائی۔

”تم کیسے اس قدر غلط بیانی کر سکتی ہو؟“

رامین کا غصہ کم ہونے کو آ ہی نہ رہا تھا۔ بشریٰ اس کے ساتھ جی سی کالج گئی تھی‘ لیکن اس کے گھر والوں کے سامنے غلط بیانی کر کے اس کی ساری ریپوٹیشن خراب کر دی تھی۔ اس کے بعد سے لے کر اب تک رامین اور بشریٰ کی بول چال بند تھی۔ آج بھی بشریٰ آئی تھی دوبارہ معافی مانگنے۔

”تم اب غصہ تھوک بھی دو!“

بشریٰ نے اسے سب کچھ بھلانے کو کہا۔

”رامین نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا‘ جہاں شرمندگی نام کی کوئی شئے نہ تھی۔“

”سوری بشریٰ‘ اب ہم میں پہلے جیسی بات نہیں رہے گی۔“

رامین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”سوچ لو......دوست دنیا میں کم ہی ملتے ہیں۔“

بشریٰ نے کہا۔

”ایسے دشمن نما دوستوں کی دوستی ہمیں نہیں چاہیے۔“

رامین نے بے حد اکھڑے لہجے میں جواب دیا۔

”بشریٰ کو ایک دم بے حد توہین کا احساس ہوا۔“

”تم نا صرف میری دوستی ٹھکرا رہی ہو‘ بلکہ میری توہین بھی کر رہی ہو۔“

بشریٰ نے تیز لہجے میں کہا۔

”کچھ بھی سمجھو‘ اب مجھے تمہاری کوئی پروا نہیں۔ رامین نے منہ موڑ لیا۔“

”رامین میں جا رہی ہوں......لیکن یاد رکھنا‘ میرا نام بھی بشریٰ اصغر علی ہے۔“

”تم نے میری دوستی ٹھکرا کر بہت برا کیا ہے۔“

”بہت برا کیا ہے! تم نے میری دوستی کو دشمنی کہا ہے نا؟“

”اب تم میری دشمنی دیکھنا۔“

وہ دھمکی دے کر بے حد تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

”ہونہہ ایسے ہوتے ہیں دوست‘ جو ہر طرح کا بھرم مان توڑ دیں اور اپنی غلطی پر شرمندہ تک نہ ہوں۔“

رامین نے سر جھٹکا۔

”چلو ایک فیصلہ تو تم نے اچھا کر لیا۔“ روین نے اس سے کہا‘ وہ چائے لے کر اندر آئی تھی‘ لیکن ان دونوں کی گفتگو سن کر رک گئی تھی۔

بشریٰ ان کے گھر میں کسی کو پسند نہ تھی۔ رامین کی وجہ سے سب اسے برداشت کرتے تھے۔

آج رامین نے بھی عقلمندانہ فیصلہ کر کے اس دوستی کو انجام تک پہنچا دیا تھا۔

تعلق اور رشتے تو چلتے ہی اعتبار پر ہیں اور رامین عبدالقدیر کی زندگی میں اعتبار نہایت اہم تھا۔ اس کا ایک بار کسی پر سے اعتبار اٹھتا تھا تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس شخص کو چھوڑ دیتی تھی۔

”وہ تھی ہی اس قدر شدت پسند‘ اس کی زندگی میں ایسے شخص کی گنجائش تھی ہی نہیں۔“

”اعتبار اگر ایک بار ٹوٹ جائے تو کبھی جڑتا نہیں ہے۔“

”رشتہ بھی ایک بار ٹوٹ جائے تو کبھی جڑتا نہیں ہے۔“ رامین نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

روین نے چونک کر رامین کو دیکھا تھا۔ اس کی بہن ایسی ہی تھی‘ بے حد اصول پسند‘ روین نے بے اختیار ایک طویل سانس بھرا تھا۔

***

”زہے نصیب!“

شہزاد میاں کو اپنی پشت پر بہت ترنم سی آواز سنائی دی تھی۔

"آپ......؟"

شہزاد میاں کو وہ چہرہ شناسا سا لگا تھا۔

"سونیا آپی کی چھوٹی بہن رانیا ہوں!"

حوالہ اس کا بہت مضبوط تھا۔ شہزاد میاں کے سنجیدہ چہرے کو ایک مدھم سی مسکراہٹ نے چھوا۔

اس کی شکل سونیا بھابی سے بہت ملتی تھی۔ اسی لئے تو شہزاد میاں کو اس کی شکل کچھ شناسا سی لگی تھی۔

وہ آمنہ کے ساتھ آئے تھے' لیکن کچھ عرصے سے وہ دلی اور جسمانی طور پر اس سے بے نیاز رہنے لگے تھے۔ شاید یہ ہی وجہ تھی کہ تقریب میں پہنچ کر وہ آمنہ سے بالکل بے نیاز ہو گئے تھے۔ آمنہ نے بھی سبکی سے بچنے کے لئے کچھ دیر کے لئے ادھر ادھر ہونا مناسب سمجھا' ورنہ شہزاد علی کا رویہ تو اب بے حد واضح تھا کہ کوئی اندھا بھی ان کے درمیان فاصلے کو دیکھ سکتا تھا۔

"میں نے جیسا سنا تھا' آپ بالکل ویسے ہی ہیں۔"

رانیا کی آواز بہت خوبصورت تھی' لیکن جب اس کے چہرے کی جانب دیکھا جاتا تو بے حد مایوسی ہوتی تھی۔ اگر سونیا بھابی اُجالا تھیں' تو رانیا اندھیرا۔

"ان کے نین نقش بے شک آپس میں ملتے تھے' لیکن رنگت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔"

"مطلب؟"

"کیا سنا تھا آپ نے میرے متعلق؟" شہزاد میاں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ ہی کہ آپ بے حد کم گو اور اچھے انسان ہیں۔"

صرف عورت ہی نہیں ہر مرد تعریف چاہتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عورت کا دل سمندر کو سیراب کر سکتا ہے اور مرد کو ایک گلاس پانی بھی کافی ہوتا ہے۔ اسے تو بس یہ اچھا لگتا ہے کہ اسے اہم سمجھا جائے اور......

"اور سامنے کھڑی عورت ان کو بے حد اہم بنا رہی تھی۔"

"صرف چند ہی منٹ میں رانیا ان سے بے حد بے تکلف ہو چکی تھی۔"

"ارے تم ملے رانیا سے؟" سونیا بھابی مختلف مہمانوں سے ہوتی ہوئی ان تک آئیں۔

"جی......!"

شہزاد علی نے دھیما سا مسکرا کر کہا۔

سونیا بھابی نے بغور شہزاد علی کا چہرہ دیکھا۔

"اوں...... ہوں...... نشہ نہیں چڑھا اور جب تک دوسری عورت کے وجود کا نشہ مرد پہ نہ چڑھے' پہلی کا اثر کب زائل ہوتا ہے! پھر......"

"پھر کم بخت آمنہ ہے بھی تو بے حد حسین' سونیا بھابی نے دل ہی دل میں کہا۔"

"میں تمہیں جس شخصیت سے ملوانا چاہ رہی تھی' وہ میری چھوٹی بہن رانیا ہی تو ہے۔ ابھی کچھ روز پہلے ہی یہ اس شہر میں آئی ہے۔ ابا کی وفات کے بعد رانیا نے ان کی جگہ کمپنی میں جوائن کر لیا تھا۔ اب اس کا ٹرانسفر بھی ہمارے شہر میں ہو گیا ہے۔ اس لئے یہ اور اماں یہاں آ گئے ہیں۔ سمجھو برسوں بعد میکہ قریب آیا ہے۔ سونیا بھابی جذبات کو شدت دینا خوب جانتی تھیں۔

میری بہن بہت قابل ہے۔ ایم بی اے کیا ہے اس نے' سونیا بھابی کی بات پر شہزاد میاں خاصے متاثر نظر آئے تھے۔ یہ وہ وقت تھا، جب بی اے کی ڈگری کی بھی بہت اہمیت ہوا کرتی تھی۔

شہزاد صاحب پلیز کبھی ہمارے غریب خانے پر بھی تشریف لائیے گا۔ رانیا کی آواز کی لچک اس کی خود کی پیدا کی ہوئی تھی' جو کسی بھی انسان کو مولڈ کرنے کے لئے بہت کافی تھی۔

"جی میں......؟"

"لیکن......؟"

"شہزاد میاں تو ان کی اتنی توجہ پر باقاعدہ بوکھلا گئے تھے۔"

"پلیز آپ آئیں گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔" رانیا نے بہت مان سے کہا۔

"بہت اچھا......!" شہزاد میاں اس کے اس واری صدقے رویے پر ڈھینے لگے تھے۔

"تو پھر کل رات کا کھانا ہماری طرف پکا!"

"جیسے آپ کہیں!"

"جادو چلنے لگا تھا۔" سونیا بھابی مطمئن ہو کر مسکرائی تھیں۔

"شہزاد صاحب میں بہت شدت سے آپ کا انتظار کروں گی۔" رانیا نے ادا سے مسکرا کر کہا۔

جواباً شہزاد علی بہت کھل کر مسکرائے تھے۔

دور کھڑی آمنہ جو دو عورتوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھی' اچانک اس کی نظر شہزاد میاں پر

پڑی تھی۔

''اور پھر وہ یک دم چونکی تھی۔''

''کمال ہے' ہر وقت منہ پر بارہ بجا کر رکھنے والا شخص آج کیسے ہنس سکتا ہے۔''

''کیا سورج مشرق میں غروب ہوا تھا؟'' آمنہ نے جل کر سوچا' لیکن وہ نہ جانتی تھی زندگی میں واقعی بہت اہم چیزوں کی ترتیب بدلنے والی تھی۔

***

''یہ...... یہ کیا ہے؟''

رابعہ نے ڈریسنگ پر پڑی زنانہ بالوں کی وگ اٹھا کر اظہر سے پوچھا۔

''بال ہیں!''

وہاں سے بے نیازی سے جواب آیا۔

''مگر......!''

''مگر کس کے؟''

رابعہ رو دینے کو تھی۔

''میرے......!''

اور یہاں تمہارے کمرے تک کس کی پہنچ ہو سکتی ہے۔ اظہر کہہ کر خود ہی ہنسنے لگا' جیسے اُس نے کوئی لطیفہ سنایا ہو۔

''تو تم اب یہ چیزیں بھی استعمال کرنے لگے ہو؟''

رابعہ کی آواز دکھ اور غصے سے پھٹنے لگی تھی۔

''رابعہ میں آرٹسٹ ہوں!''

''اور...... اور ایک آرٹسٹ کا میک اپ کرنا کون سا کوئی خرابی ہے۔''

''پہلے گھنگھرو' لپ اسٹک پاؤڈر اور اب یہ...... یہ بالوں کی وگ......!''

رابعہ باقاعدہ رو دی تھی۔

''اگر تم ایک مکمل مرد بن کر نہیں رہ سکتے تھے تو تم نے مجھ سے شادی کیوں کی؟''

رابعہ کی آواز غیرت سے پھٹنے لگی تھی۔

''کیا ہوا ہے میری مردانگی کو؟''

اظہر نے لاپروائی سے پوچھا۔

''تمہاری یہ بے نیازی نہیں ہے' یہ تمہارے بے حسی ہے۔''

رابعہ بڑبڑائی۔

ایک عورت کے لئے اس سے بڑا دکھ اور شرمندگی کیا ہوگی کہ اس کا شوہر چوبیس میں سے بس گھنٹے عورتوں کے گیٹ اپ میں رہتا ہو۔ ان کی طرح ناچتا ہو۔

''میرا دل مرجانے کو کرتا ہے' جب میں تم کو گھنگھرو باندھے گھنٹوں ناچتے دیکھتی ہوں۔''

رابعہ کے لہجے میں واضح نفرت موجود تھی۔

''تمہارے اس میک اپ سے لتھڑے چہرے میں میں تمہارا اصلی چہرہ تلاشتی رہ جاتی ہوں۔''

رابعہ سسکتی بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''میں تمہارے پاس نہیں گیا تھا' شادی کرنے کے لئے۔''

''تمہاری ماں کی مرضی سے یہ شادی ہوئی ہے۔''

''اور ہاں یہ عورتوں کا خاص سٹائل ٹسوے بہانا مجھے قطعی پسند نہیں ہے۔''

''بند کرو یہ ڈرامہ میں مزید بور نہیں ہو سکتا۔'' اظہر نہایت بے حسی سے کہتا باہر نکل گیا۔

''اظہر......!''

رابعہ نے بے بسی سے اسے پکارا۔

''جس حلیے میں وہ باہر نکلا تھا' وہ اس کے لئے نہایت شرمناک تھا۔''

''میک اپ سے لتھڑے چہرے کے ساتھ وہ بے حد مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔''

لیکن اظہر نے مڑ کر نہ دیکھا۔

''یا اللہ یہ کس گناہ کی سزا ہے؟''

وہ بے اختیار روئی تھی۔

کچا سونا ہی — بنتا ہے کندن
اک دن نکھرے گا — سچا ہے گر فن!
کیسے روک سکے! — خوشبو کو گلشن

اظہر باہر تیز آواز میں گنگنا رہا تھا۔

جبکہ رابعہ کے اندر آگ ہی لگ گئی تھی۔

"تم......تم خوشبو ہو؟"

"ارے تم اور تمہارا پیشہ تو ایسا بدبودار گٹر ہے' جہاں سوائے گندگی کے کچھ بھی نہیں"

رابعہ اندر سے چلائی تھی۔ اس کی آواز پھٹ رہی تھی۔

"ہا......ہا' ہا۔"

اظہر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگا۔

سارے خاک سمان تن اور من اور دھن
اپنوں ہی سے تو ہوتی ہے ان بن

وہ ہنستے ہنستے بولا۔

"رابعہ نے تھاڑ سے دروازہ بند کر دیا' لیکن وہ مسلسل گنگنا رہا تھا۔"

سارے خاک سمان تن اور من اور دھن
اپنوں ہی سے تو ہوتی ہے ان بن

***

"اس نے مجھ سے کہا"
"مرے ساتھی!"
"تم کو مجھ سے جو ہے گلہ......کیا ہے!"
کبھی فرصت ملے تو یہ سوچو'
منزلیں کیوں ہے؟ فاصلہ کیا ہے؟
اپنے اپنے سفر پہ نکلے لوگ
مشترک راستوں پہ چلتے ہیں
ہمراہی کے حصار میں جتنے
دن نکلتے' چراغ جلتے ہیں!
سب کی آنکھوں میں جھلملاتے ہیں
اپنی اپنی امید کے در و بام
زندگی کے سفر میں ملتے ہیں

مستقل درد عارضی آرام!
تم میرے ہم سفر تو ہو لیکن
ہم کہیں سے بچھڑ بھی سکتے ہیں!
دیر تک اک طویل رستے پر
ساتھ تو اجنبی بھی چلتے ہیں!!
ساتھ تو اجنبی بھی چلتے ہیں!!

"وہ سفید کرتے پاجامے میں ملبوس آنکھیں موندھے راکنگ چیئر پر جھول رہی تھی۔"

"اس کی گوری رنگت اس کے لباس سے مل رہی تھی۔ گھنے سیاہ بالوں کی لمبی چٹیا سینے پہ آن گری تھی' جبکہ دوپٹہ ڈھلک کر گود میں آ گرا تھا۔"

"وہ اس پل میں جڑی ایک خوبصورت تصویر دکھائی دے رہی تھی۔"

"کون ہے یہ؟"

ضیا نے اپنے قدموں میں اپنا سفری بیگ رکھتے ہوئے سوچا۔ وہ اسے مسلسل دیکھ رہے تھے' شاید! اسی لئے وہ چونک کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"آ......آپ......؟"

"ضیا چچا؟"

"وہ اسے پہچان گئی تھی' لیکن وہ خود ضیا کے لئے معمہ تھی۔"

"بھابی بیگم کی تو اکلوتی اولاد شہزاد میاں ہی ہیں' پھر یہ جل پری کون ہے؟"

انہوں نے ایک بے باک نظر اس پر ڈالی تو وہ بے اختیار سمٹ گئی۔ عورت کے اندر خاص قسم کا ریڈار لگا ہوتا ہے۔ وہ خود پر پڑنے والی نگاہوں کی بولی جان جاتی ہے۔

"کون ہو تم؟"

ضیا نے بے اختیار ہو کر پوچھا۔

"میں......میں آمنہ ہوں۔"

"شہزاد کی بیوی' اس نے سر پر آنچل لے کر کہا۔"

"وہ یقیناً انہیں تصویروں میں دیکھ چکی تھی۔ اسی لئے تو وہ ان کو پہچان گئی تھی۔"

"تمہارا تعارف خاصا تکلیف دہ ہے!" انہوں نے دل ہی دل میں کہا۔

"اتنے برسوں بعد ہمارا بھنورا اور بے قرار دل اگر کہیں ٹھہرا تو وہ شادی شدہ نکلی۔" پہلی ملاقات میں ضیاء کو خاصا بڑا دھچکا لگا ہے۔ وہ خود ہی سے تو بولے تھے۔

"ارے ضیاء؟"

"یہ تم ہو؟"

پھوپھو جو اچانک ہال کمرے میں داخل ہوئیں تو ضیاء کو دیکھ کر خوشی سے چلائیں۔

ضیاء سیدھا ان کے گلے سے جا لگے۔

"بھابی صاحبہ کیسی ہیں؟"

"جیتے رہو' سکھی رہو۔" تم کو کیسے اپنی بھابی صاحبہ کا خیال آ گیا۔

پھوپھو نے ان کے کندھے پر ہاتھ پھیر کر کہا۔

"نگری نگری آوارہ مسافر بالآخر گھر کو ہی آ پہنچا۔"

بھابی میں تھکنے لگا تھا۔ اب بس واپس آ گیا ہوں۔

ہمیشہ کے لئے' آپ سب کے پاس' ضیاء نے بھابی صاحبہ کو کندھوں سے تھام کر اپنے قریب ہی بیٹھا لیا۔

"کدھر چلے گئے تھے تم؟"

"تم جانتے ہو' شہزاد کی شادی پہ تم کو کتنا میں نے یاد کیا۔"

"تم اس کے چچا ہی نہیں' بڑے بھائی جیسے تھے' صرف چھ سال کا فرق ہے تم دونوں میں' میں جب دلہن بن کر اس گھر میں آئی تھی' تو تم صرف پانچ سال کے تھے۔"

"تمہارا گھر بسانے کا میرا کتنا ارمان تھا' لیکن تم کیسے بے حس نکلے' سالوں اپنا پتا نہیں دیا۔"

پھوپھو ان سے شکوہ کر رہی تھیں' جبکہ وہ دھیرے دھیرے مسکرا رہے تھے۔ انہوں نے پھوپھو کے ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگا لئے۔

"یہاں ویسا ہی سکون ہے جیسا میں چھوڑ کر گیا تھا!"

انہوں نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"پھوپھو چائے......!"

آمنہ ٹرالی میں پانی' چائے اور کافی سارے لوازمات سجائے لے آئی۔

"آپ کے پاس کیا جادو کی چھڑی ہے' جو اتنی جلدی سب کچھ لے آئی ہیں۔"

ضیاء نے شگفتہ لہجے میں کہا۔

"جواباً آمنہ کے پاس بس ایک بے ضرر سی مسکراہٹ تھی۔"

"اب تم یہاں ہمارے ساتھ ہی رہو' اب نہ کہیں نکل جانا۔"

پھوپھو نے بہت پیار بھری نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھابی صاحبہ' میرا بھی یہ خیال ہے کہ مجھے اب یہیں رہنا چاہیے۔"

ضیاء نے کن انکھیوں سے دور بیٹھی آمنہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے کہ میرے پیروں میں یہاں آ کر بیڑیاں سی پڑ گئی ہیں۔"

ضیاء نے پھوپھو سے کہا۔

"بیڑیاں تو میں ڈالوں گی تمہارے پاؤں میں' تمہاری شادی کر کے' سمجھے؟"

پھوپھو اپنی طبیعت خرابی کے باوجود خاصی پر جوش نظر آ رہی تھیں۔

"سمجھ گیا!"

"بالکل سمجھ گیا!"

ضیاء کی نگاہ چوری چوری آمنہ کا ہی طواف کر رہی تھی۔

آمنہ نے ایک دم اپنے اندر بے چینی محسوس کی تھی۔ اس کے اندر کچھ مختلف قسم کا الارم بجنے لگا تھا۔

***

"آوارگی میں حد سے گزر جانا چاہیے
لیکن کبھی کبھار تو گھر جانا چاہیے
اس بت سے عشق کیجئے لیکن کچھ اس طرح
پوچھے کوئی تو صاف مکر جانا چاہیے"

ضیاء مسلسل گنگنا رہے تھے' جبکہ آمنہ بے حد بے چین تھی۔

ضیاء چچا اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا کرتے تھے۔

"دلہن......کھانا تیار نہیں ہوا؟"

انہوں نے پھوپھو کی طرح اسے دلہن کہنا شروع کر دیا تھا' لیکن جس چاؤ اور پیار سے "دلہن" وہ پکارا کرتے تھے۔ وہ آمنہ کو اچھا محسوس نہ ہوتا تھا۔

"چچا ٹیبل پر آ جائیں، کھانا لگ گیا ہے!"

آمنہ نے سپاٹ لہجے میں آ کر کہا۔

"کہاں......؟"

"میز پر؟"

آمنہ نے حیرت سے انہیں دیکھا، وہ اکثر اس طرح کے بے تکے سوال کر کے گفتگو کرتے تھے۔

"بھابی صاحبہ کھانا نہیں کھائیں گی؟"

وہ رات کو بہت کم کچھ لیتی ہیں، عموماً دودھ کا ایک گلاس، اس لئے وہ نہیں آ رہیں۔

آمنہ نے نہایت صبر سے ساری بات ایک بار پھر دہرائی، جانے چچا کی کیسی یادداشت اتنے دنوں سے میں پھوپھو کا معمول بتاتی ہوں، لیکن یہ ہمیشہ بھول جاتے ہیں۔

"اور شہزاد میاں کہاں ہیں؟"

انہوں نے بغور اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

آمنہ کا پھیکا پڑتا چہرہ ان سے ہرگز چھپا ہوا نہ تھا۔

"وہ کھا کر آئیں گے۔" آج ان کا بزنس ڈنر تھا کہیں۔

آمنہ نے دھیرے سے بتایا۔

"اچھا!"

"واقعی......؟"

انہوں نے نہ ماننے والے انداز میں پوچھا۔

"مجھے تو یہ ہی بتا کر گئے ہیں!"

آمنہ کہہ کر پلٹی۔

"حیرت ہے، اتنا حسین اور دلکش ساتھی چھوڑ کر وہ کہاں مارا مارا پھرتا ہے۔"

ضیاء چچا کی بے باکی آمنہ کو نہایت ناپسند تھی۔

آمنہ کے ماتھے پر واضح ناگواری کی تیوریاں دیکھی جا سکتی تھیں۔

"ارے سنو!"

انہوں نے اسے پھر روکا۔

"تم......تم ہی ہمارا ساتھ دے لو۔"

"ہم اکیلے کہاں کھائیں گے۔"

(کیوں اتنے برس کیا اکیلے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ آمنہ نے دل ہی دل میں کہا)

"چچا میں کھا چکی ہوں۔ میں بہت جلدی کھا لیتی ہوں۔"

آمنہ کہہ کر تقریباً وہاں سے بھاگ گئی تھی۔

آمنہ کی گھبراہٹ پر ضیاء چچا نے قہقہہ لگایا، جو آمنہ کے پیچھے تک آیا تھا۔

آمنہ کا دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

کانوں کی لویں سرخ ہو چکی تھیں، وہ مسلسل اپنا دوپٹہ درست کر رہی تھی۔

"وہ میرے ساتھ ایسے کیوں پیش آتے ہیں؟"

آمنہ نے پریشان ہو کر سوچا۔

"کیوں؟"

اور ابھی تک وہ اس کیوں کا جواب حاصل نہ کر پائی تھی اور دل بے حد پریشان تھا۔

***

رانیا نے ہلکے گلابی اور مسٹرڈ شیڈ کی ساڑھی باندھ رکھی تھی۔ بلاؤز کا گلا اس قدر گہرا تھا کہ سارے راز افشاں کر رہا تھا۔

سلیولیس بازو، سانولے بازو، ویکس کروا کر مساج کروا کر چمکائے گئے تھے۔ بازو میں نازک سا بریسلیٹ چمک رہا تھا۔

رانیا نے آئینے میں اپنا بھرپور جائزہ لیا تھا۔ اس کا سڈول بدن ساڑھی میں قیامت خیز لگ رہا تھا۔

"کیسی لگ رہی ہوں؟"

اس نے مسکرا کر آئینے سے پوچھا۔

"قیامت......!"

آئینے نے جواب دیا۔

رانیا قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

"صورت تو ڈھل جاتی ہے، نوخیز بدن مرد کو صرف اپنی طرف متوجہ کرتا ہے" وہ بولی۔

''تو میں قیامت لگ رہی ہوں؟''

اس نے آئینے سے پوچھا۔

''ہاں......لیکن''

''لیکن یہ قیامت کس پر ڈھانے والی ہو؟''

جواباً رانیا کے چہرے پر بڑی مختلف سی مسکراہٹ در آئی تھی۔

باہر بیل بج رہی تھی۔

''لو وہ آ گیا!''

جس پر یہ قیامت برپا ہونی تھی۔ رانیا کے قدم تیزی سے بیرونی دروازے کی جانب تھے۔

***

''داغ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیئے جلانے لگے
کچھ نہ پا کر بھی مطمئن ہیں ہم
عشق میں ہاتھ کیا خزانے لگے

رامین کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی

یہی رستہ ہے اب یہی منزل
اب یہیں دل کسی بہانے لگے''

رامین کے گرد بیٹھی عائشہ' توبی' ثمینہ' یشا بالکل دم بخود تھیں۔ رامین کی آواز ان کو جکڑے بیٹھی تھی۔

''اس بدلتے ہوئے زمانے میں
تیرے قصے بھی کچھ پرانے لگے
رُخ بدلنے لگا فسانے کا
لوگ محفل سے اُٹھ کے جانے لگے
ایک پل میں وہاں سے ہم اُٹھے
بیٹھنے میں جہاں زمانے لگے
اپنی قسمت سے ہے مفر کس کو
تیر پر اُڑ کے بھی نشانے لگے
شام کا وقت ہو گیا ہے باقی
بستیوں سے شرار آنے لگے

واہ......واہ بھئی واہ!''

تالی کی گونج پر رامین نے چونک کر سامنے دیکھا۔

سامنے دروازے پر عمر شاہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''کیا خوبصورت آواز ہے!''

میں تو سمجھتا تھا کہ آپ صرف بولتی ہی خوبصورت ہیں یا دیکھتی ہی خوبصورت ہیں' لیکن آپ کی آواز......آپ کی آواز تو سب چیزوں کو مات کر جاتی ہے۔

عمر شاہ بے باکی سے تعریف کرتے اندر داخل ہوا۔

رامین اتنے دنوں سے اُس کی عادت کو اچھے سے جان گئی تھی' لیکن پھر بھی اس کی اتنی بیباک تعریف پر بے اختیار شرما گئی تھی۔ واقعی رامین تم بہت خوبصورت گاتی ہو! ایشا نے کہا۔

تم جیسا میں نے ابھی تک نہیں دیکھا۔ مزید عائشہ گویا ہوئی۔ رامین کو ایک دم اپنا آپ ماؤنٹ ایورسٹ پہ محسوس ہوا' لیکن وہ نہ جانتی تھی کہ یہاں کے ماحول کی تربیت ہی کچھ ایسی تھی کہ وہ اپنے وی جیز اور کولیگ کی تعریف ہمیشہ اس قدر کرتے کہ اکثر مبالغہ لگتی تھی۔

ایک دوسرے کی بڑھ چڑھ کر تعریف کرنا اور پیچھے سے ٹانگیں کھینچنا' یہاں کی ریت سی بن گئی تھی۔

رامین چونکہ ان سب میں نئی تھی' اس لئے وہ اُن سب کی چالاکیاں کبھی سمجھ نہ پائی تھی۔

''آپ ریڈیو کے لئے کیوں نہیں گاتیں؟'' عمر شاہ نے تو حد ہی کر دی۔

کیا میری آواز اس قدر اچھی ہے کہ پلے بیک سنگر کے طور پر استعمال کی جا سکے۔

رامین نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ بے یقینی سے پوچھا۔

''بے شک......!''

''کیوں فرینڈز......؟''

عمر شاہ نے باقی خواتین سے گواہی لی۔

''سب نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی تھی اور کس دل سے ملائی تھی' یہ ان کے دل ہی جانتے تھے۔''

رامین واقعی بہت اونچائی پر بیٹھی تھی' جہاں پر اس کا جوش سے تنفس بے ترتیب ہو گیا تھا۔

''لیکن کیا فائدہ؟''

میری تو پھوپھو یہ ینگ ترنگ کی میزبانی کا پروگرام اس قدر باقاعدگی سے سنتی ہیں کہ کہیں میں کچھ غلط تو نہیں کرنے جا رہی۔ ان کی انسپکشن اس قدر سخت ہے کہ وہ مجھے کبھی گانے کی طرف نہیں آنے دیں گی۔

رامین نے کچھ مایوسی سے کہا۔

''ارے تم بالغ ہو' پڑھی لکھی ہو' تمہیں تو فیصلہ کرنے کا پورا پورا حق ہے۔'' عائشہ نے کہا۔

اس کے انداز اور لہجہ بالکل ورغلانے والا تھا۔

''بالکل......!''

''آج کی عورت تو آزاد ہے۔''

عمر شاہ گنگنایا۔

رامین نے سب پر ایک نگاہ ڈالی اور گہری طویل سانس بھری۔

''نہیں مجھے خود بھی کوئی خاص شوق نہیں ہے۔''

جہاں پھوپھو نے پروگرام کی میزبانی کی اجازت دے ڈالی تھی' وہاں ان کو میری اتنی سی آزادی پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔

رامین اپنی پہلی بات پر شرمندہ تھی' اس لئے اس نے کمزور سے لہجے میں یہ بات کہہ کر اپنا بھرم رکھنے کی کوشش کی۔

''ساتھ ہی اس نے اپنی فائل اٹھائی اور باہر جانے کے لئے قدم اٹھائے۔''

''اوکے فرینڈز!''

میرے پروگرام کا وقت ہو رہا ہے۔

وہ فوراً وہاں سے باہر نکل آئی' باہر آ کر اس نے لمبے لمبے سانس لئے' جانے کیوں جب جب اس کی کوئی خواہش پوری نہ ہوتی' اسے مایوسی سے شدید گھٹن کا احساس ہونے لگتا تھا۔

وہ سب کو کیا بتاتی کہ اپنی ایک خواہش کو پورا کرنے کے لئے وہ اپنے زندگی کے ہر فیصلے کو پھوپھو کے پاس گروی رکھوا چکی ہے۔

ان کی زندگی کی ڈور تو بہت پہلے ڈیڈی پھوپھو کو تھما چکے تھے۔ کبھی کبھار رامین پھوپھو کی اس سخت ڈور کے ساتھ الجھ الجھ کر اپنی چند چھوٹی چھوٹی باتیں منوا لیتی تھی' لیکن اب تو یہ بھی ممکن نہ تھا اور رامین ہرگز نہ جانتی تھی کہ پھوپھو نے واقعی بہت بڑا گیم اس کے ساتھ کھیلا تھا۔

***

باہر تیز بارش ہو رہی تھی۔ موسم میں ٹھنڈک کا احساس بڑھ گیا تھا۔ جانے بارش کے قطروں میں کیسی آگ چھپی بیٹھی ہوتی ہے' جو تن پہ پڑتے ہی من کو سلگا دیتی ہے۔ کسی ساتھی کی ہوک کی طرح من میں اٹھتی ہے۔

"آمنہ بھی اس وقت بے حد مشکل میں تھی۔"

"اپنے محبوب کی نرم گرم پناہ کی اسے شدت سے طلب محسوس ہوئی تھی' لیکن وہ جانے کل کدھر ہوتا تھا۔"

"دن تو پہلے بھی پرائے تھے' لیکن اب تو اکثر راتیں بھی اجنبی ہو گئی تھیں۔"

"تم کہاں ہو شہزاد؟"

آمنہ کا دل تڑپا تھا۔

"اس کا دل' کمرہ' بستر سونا تھا۔"

"اس سونے پن سے اسے وحشت ہو رہی تھی۔"

مولا اب کے ساون رُت میں
پیار کی برکھا برسا دینا
جس کی رم جھم دھن میں
دھرتی پیار کے گیت بنائے
جس کا پانی اتنا برسے
دل کی ہر رنجش ڈھل جائے
جس کی سوندھی سوندھی خوشبو
سب کے تن من میں بس جائے
نفرت کا ہر کالا بادل
پیار کی کرنوں میں ڈھل جائے

آمنہ نے شدت دل کے ساتھ دُعا کی۔

"دروازے پر گھنٹی بجی تھی' لگتا ہے شہزاد آ گئے!"

آمنہ گلے میں دوپٹہ لئے کمرے سے باہر نکلی۔ پورچ سے گیٹ تک جاتے جاتے

طرح بھیگ گئی تھی' لیکن شہزاد کے آنے اور بروقت آنے کی اس قدر خوشی تھی کہ اس نے پروا نہ کی اور فوراً دروازہ کھول دیا۔

آمنہ کا چہرہ ایک دم سے مایوسی میں گھر گیا۔

"آپ؟"

باہر ضیاء چچا تھے۔

"کیا بات ہے دلہن' ہمیں دیکھ کر آپ ہمیشہ ناخوشی کیوں محسوس کرتی ہیں؟"

ضیا چچا کی بے باک نظریں اس کے وجود کا بھرپور جائزہ لے رہی تھیں۔

آمنہ کو اپنے حلیے پر ایک دم بے حد حیا آئی۔ اس نے گیلے دوپٹے کو پھیلانے کی ناکام کوشش کی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں ہے چچا!"

آمنہ کہہ کر تیزی سے اندر کو بھاگی تھی۔ اسے لگا کہ کچھ اور دیر وہ ضیاء چچا کے سامنے رک گئی' تو ان کی نگاہیں اس کے وجود کو چھلنی کر دیں گی۔

کمرے میں آ کر اس نے جلدی جلدی کپڑے بدلے' اک عجیب سی کپکپی کی لہر اس کے تن من میں دوڑ گئی تھی۔ وہ بیاہتا تھی۔

نگاہوں کے خاص مطلب وہ اچھے سے جانتی تھی۔

"دلہن...... دلہن...... دلہن وہ باہر پکار رہے تھے' لیکن آمنہ نے کان لپیٹ لئے تھے۔ وہ ان کا سامنا کسی طور پر نہ کرنا چاہ رہی تھی۔

"دلہن......!"

اب ان کی پکار میں اصرار تھا۔

"دلہن باہر آؤ......!"

ان کی آواز میں کوئی راز تھا' جسے بتانے کو وہ بیتاب تھے۔

"ہونہہ......!"

آمنہ نے شال نکال کر خود کو اُس میں لپیٹا۔

"میں نہیں جا رہی!"

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"دلہن......!"

"تمہیں ہم کتنی ہی دیر سے باہر بلا رہے ہیں، تم آخر سنتی کیوں نہیں؟"

وہ بڑی بے باکی سے اس کے کمرے میں بلا اجازت داخل ہوئے، تو آمنہ کے ما بلوں میں بے حد اضافہ ہوگیا۔

"آپ میری اجازت کے بغیر میرے کمرے میں نہیں آسکتے۔"

آمنہ نے سخت لہجے میں ان کو وارن کیا۔

"چھوڑو ان باتوں کو...... باہر آ کر دیکھو کہ تمہاری اجازت کے بغیر تمہاری زندگی کو بد دیا گیا ہے۔"

انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر کھینچا، آمنہ نے راستے میں ہی اپنا ہاتھ جھٹک سے چھڑا لیا۔

وہ ان کو مزید کچھ سخت سنانے والی تھی، لیکن سامنے کا منظر ایسا تھا کہ بے یقینی سے اُ دل رُکتا محسوس ہوا۔

پھوپھو صوفے پر بیٹھی سسک رہی تھیں۔

سامنے شہزاد دلہے کے لباس شیروانی اور سہرا سر پر سجائے کھڑے تھے۔ ان کے پہلو ایک عورت کھڑی تھی۔ مکمل دلہن کے روپ میں۔

"یہ تم نے کیا کیا؟ شہزاد یہ......!"

پھوپھو نے روتے ہوئے پوچھا۔

جواباً شہزاد بے حد مطمئن انداز میں آگے بڑھے، اپنے سر سے سہرا اُتار کر سائیڈ ٹیبل اور اپنی ماں کے پہلو میں جا بیٹھے۔

"اماں میں لاولد نہیں مرنا چاہتا تھا۔"

انہوں نے پھوپھو کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"یہ عورت اس گھر میں سوائے ویرانی کے کیا لائی۔"

"میرا حق تھا کہ میں اپنی جائز خواہش کے لئے نکاح ثانی کر لیتا۔"

شہزاد کے الفاظ آمنہ کو اندر تک توڑ گئے، اس کا دل کہیں گہرائی میں ڈوب رہا تھا۔ پھٹی نگاہوں سے اُن سب کو اس سب کو دیکھ رہی تھی۔

"لیکن آمنہ؟"

پھوپھو ایک دم سے بحث کرنا بھول گئی تھیں۔ شہزاد کی اولاد کا اس قدر ان کو ارمان تھا کہ وہ مزید لڑائی بھول گئیں، لیکن پھر بھی ان کو بھتیجی کی فکر تھی۔

وہ اگر چاہے گی تو وہ میری زندگی کا حصہ بن کر رہے گی۔ شہزاد نے فیصلے کا سارا بوجھ اُس پر ڈال دیا تھا۔

یہ اس کا محبوب کہہ رہا تھا۔

اس کا بے حد چاہنے والا شوہر کہہ رہا تھا۔

اس پر واری صدقے جانے والا شوہر کیسے اس قدر بدل سکتا ہے۔ اس کا سادہ دل ماننے کو تیار نہ تھا۔

آمنہ ہمارے ساتھ رہے گی۔ میں آمنہ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ پھوپھو نے فیصلہ سنایا۔

"ادھر آؤ رانیا......!"

"اماں سے پیار اور دُعا لو۔" شہزاد نے جن میٹھی نظروں اور لہجے میں رانیا کو اپنے پاس بلایا تھا۔ آمنہ کے دل پر آری چلی تھی۔

دُکھ، بے یقینی، بے اعتباری، بے وفائی کی چوٹ کی شدت اس قدر تھی کہ وہ برداشت نہ کر سکی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دم اندھیرا چھا گیا۔ وہ لہرا کر گری تو ضیاء چچا نے تیزی سے اُسے اپنے بازوؤں میں لے لیا تھا۔

"دلہن...... دلہن کیا ہوا؟"

وہ اُسے پکار رہے تھے۔

"شہزاد بھی ایک دم بوکھلا گئے۔" پھوپھو بھی اُس کی طرف بڑھیں۔

"الٰہی خیر کرنا...... آخر اتنا بڑا طوفان بچی کا دل کیسے اکیلے جھیل سکتا تھا۔ پھوپھو کو دل ہی دل میں پہلی بار شرمساری ہوئی۔"

"میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔" ڈاکٹر نرگس تو اپنی ہی کالونی میں کلینک کرتی ہیں۔

ضیاء چچا نے فون کیا تو تقریباً پندرہ بیس منٹ میں ڈاکٹر نرگس اپنی گاڑی میں ان کے گھر کے باہر موجود تھیں۔ وہ گھر مریض دیکھنے کی چار گنا فیس لیتی تھیں۔ اس لئے وہ کبھی گھر کا مریض دیکھنے سے انکار نہ کرتی تھیں۔ ڈاکٹر نرگس نے ڈرپ منگوا کر اُس میں کچھ انجکشن ڈال کر آمنہ کو لگا دیئے۔

آمنہ غنودگی میں تھی۔

''ڈاکٹر صاحبہ میری بچی ٹھیک تو ہے ناں؟''

پھوپھو نے فکرمندی سے پوچھا۔

اس سارے دورانیے میں نئی دلہن کی جانب کسی کا دھیان نہ گیا تھا جو بے حد بے چینی میں بیٹھی تھی۔

''ہونہہ ڈرامہ کر رہی ہے!''

میں بھی دیکھ لوں گی کب تک یہ ڈرامہ چلتا ہے۔ رانیا نے غصے سے پھنکارتے ہوئے

''ارے فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔''

''پہلا بچہ ہے ناں!''

''پھر کمزور بھی کتنی ہے۔ اس کو مسلسل ڈرپس لگوائیں، انشاء اللہ ٹھیک ہو جائے گی۔''

''اچھی خوراک ماں اور بچے دونوں کے لئے بے حد ضروری ہے۔''

''ابھی تو پریگنینسی شروع میں ہے۔ بس یہ میں'' فولک ایسڈ کی گولیاں لکھ رہی ہوں۔ ابھی تو بس یہ ہی استعمال کروایئے گا۔''

ڈاکٹر کاغذ پر لکھتے ہوئے بولی۔

''کا...... کیا؟''

''کیا کہہ رہی ہیں ڈاکٹر؟''

''آمنہ دوسرے جی سے ہے؟'' پھوپھو مارے حیرت وخوشی کے بول نہ پا رہی تھیں۔

''جی ہاں!''

ڈاکٹر نرگس ابھی تک کچھ لکھنے میں مگن تھی۔ یہ میں ڈائیٹ چارٹ لکھ رہی ہوں۔ اس پر عمل کروایئے گا۔

''لڑکی غیر معمولی کمزور ہے، جس سے اس کی اپنی جان اور بچے دونوں کو خطرہ ہو سکتا ہے۔''

ڈاکٹر نرگس نے نسخہ اور ڈائیٹ چارٹ کا کاغذ بت بنے شہزاد کی جانب بڑھایا۔

''ڈاکٹر آر یو شیور کہ آمنہ واقعی اُمید سے ہے؟''

شہزاد نے جس بے یقینی سے ڈاکٹر نرگس کو پوچھا، وہ انداز ڈاکٹر نرگس کو بالکل اچھا نہ لگا۔

''بیٹا جی جتنی تمہاری عمر ہے، اتنا تو میرا تجربہ ہے۔''

''اگر پھر بھی یقین نہ آئے تو ٹیسٹ کروالو۔'' ڈاکٹر نرگس نے خشک لہجے میں کہا۔

شہزاد علی کی خوشی، شرمندگی میں بدلنے لگی تھی۔

''یہ میں نے کیا کیا؟''

''پہلی بار ان کو اپنی جلد بازی کا احساس ہوا۔''

''یہ لڑکی جو باہر بیٹھی عورت سے آدھی عمر کی تھی...... شکل وصورت میں پری، حوروں جیسی تھی۔

اس نے آج اپنے ساتھ لگا بنجر ہونے کا داغ بھی مٹا ڈالا تھا۔''

''یا اللہ میں نے اس کی اس قدر ناقدری کی ہے، میں اس کا کیسے سامنا کر پاؤں گا؟''

شہزاد علی نے نیم غنودگی میں لیٹی آمنہ کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

''دل ایک بڑے بوجھ تلے آ گیا تھا۔''

''کیا ہوا؟''

''خیریت ہے ناں؟''

''آمنہ ٹھیک تو ہیں ناں؟'' رانیا نے باہر آتے شہزاد علی سے پوچھا۔

''آ...... ہاں!''

شہزاد سے بولنا دشوار ہو رہا تھا۔

اسے اپنے سامنے موجود عورت ایک دم بے حد بری لگنے لگی۔ اپنی جلد بازی پر ایک دم پچھتاوا ہونے لگا۔

رانیا نے ایک سیکنڈ میں محسوس کیا کہ شہزاد علی کی نگاہوں کا رنگ بالکل تبدیل ہو چکا ہے۔

''تو پھر کیا بات ہے؟''

رانیا نے بے صبری سے پوچھا۔

''آمنہ امید سے ہے!''

شہزاد علی نے عین اس کے سر پر بم پھوڑا تھا۔

''کیا؟''

رانیا کی سیاہ رنگت مزید گہری پڑ گئی تھی۔

اسے یوں لگا کہ وہ یہ بازی کھیلنے سے پہلے ہی ہار چکی ہو۔

***

"بوا یہ سب کیا ہے؟"

رامین نے ڈرائینگ روم میں داخل ہوتے ہوئے بوا سے پوچھا' جو میز پر برتن لگا رہی تھیں۔

"بیٹا مہمان آ رہے ہیں!"

بوا نے سادگی سے جواب دیا۔

"خیریت ہے' بوا آج کل ہمارے گھر اتنے مہمان کیوں آ رہے ہیں؟"

رامین نے سرسری سے انداز میں پوچھ کر قریب پڑی پھلوں کی ٹوکری سے کینو اُٹھا کر چھیلا۔

"یہ کوئی عام مہمان تھوڑی ہیں' یہ تو بہت خاص الخاص مہمان ہیں۔"

اندر آتی روین نے معلومات میں اضافہ کیا۔

"مطلب؟"

رامین کا دھیان ابھی تک کھٹے میٹھے کینوؤں کی طرف تھا۔ جن پر اب وہ نمک چھڑک رہی تھی۔

"مطلب یہ کہ یہ تمہاری متوقع سسرال سے مہمان ہیں۔" روین نے واقعی بم دھماکہ کیا تھا۔

رامین کو بہت زور کا اُچھو لگا تھا۔ کھٹاس گلے کو جا لگی تھی اور اب وہ کھانسے جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے ڈھیروں پانی رواں تھا۔

"ارے دھیان سے بیٹا کھاؤ۔"

بوا نے رامین کی کمر سہلاتے ہوئے کہا۔

"تم کو کس نے بتایا کہ یہ مہمان میرے سلسلے میں آ رہے ہیں۔" ذرا طبیعت سنبھلنے پر رامین نے بیٹھی بیٹھی آواز میں روین سے فوراً سوال کیا۔

"تم گھر میں رہو تو تمہیں پتا چلے ناں کہ دنیا اور خاص کر تمہاری دنیا میں آج کل کیا ہو رہا ہے۔"

روین نے اُلٹا اسے سخت سست سنائیں۔

"روین پلیز کہہ دو یہ اُلٹی سیدھی بات ایک جھوٹ ہے۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو بیٹا' بھلا یہ خوشی کے کام بھی اُلٹی سیدھی بات ہو سکتے ہیں۔"

"ارے میری بیٹی اتنی اچھی جگہ جا رہی ہے کہ ہم سب بہت خوش ہیں۔"

بوا کی بات پر رامین کے تو ایک دم سے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

بوا کی باتوں سے تو لگ رہا تھا کہ رشتہ تقریباً پکا ہو چکا تھا۔

"میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اور مجھے ہی بے خبر رکھا گیا!"

رامین دکھ کی شدت سے رو دینے کو تھی۔

"میں...... میں ایسے کسی فیصلے کو نہیں مانوں گی۔" رامین نے غصے سے چلا کر کہا۔

"ماننا پڑے گا تمہیں!"

پھوپھو اپنا بھاری بھرکم وجود لئے اس کے سامنے آئیں۔

"میں نہیں مانتی!"

رامین نے دوبارہ غصے سے کہا۔

"مت بھولو تم آئندہ زندگی کا ہر فیصلہ کرنے کا حق ہم کو دے چکی ہو۔"

پھوپھو نے اُسے اس کی بات یاد دلائی۔

"آپ میرے ساتھ اتنا بڑا کھیل نہیں کھیل سکتیں۔ آپ...... آپ......!"

رامین شاید پھوپھو کو برا بھلا کہنا چاہتی تھی' لیکن لاکھ وہ بے حد ضدی اور منہ زور تھی' لیکن پھوپھو کے ساتھ منہ در منہ بدتمیزی نہ کر سکتی تھی۔

"وہ بے بسی سے رو دی اور تیزی سے باہر کو بھاگی۔"

"پھوپھو...... اگر رامین نے عین وقت پر شادی سے انکار کر دیا تو؟"

روین نوے فیصد صرف نیگیٹو باتیں سوچتی تھی۔ اس نے اپنی شخصیت کا میک ہی ایسا بنا لیا تھا کہ اسے صرف دس فیصد باتیں درست لگتی تھیں۔

"ہمارے خاندان میں لڑکیاں اپنے بڑوں کے فیصلے مانتی ہیں اور وہیں شادی کرتی ہیں' جہاں ان کے بڑے کہتے ہیں۔ رامین کو ہمارا فیصلہ ماننا ہی ہوگا' کیونکہ یہ فیصلہ رامین کے ڈیڈی لے رہے ہیں۔"

پھوپھو نے سرد لہجے میں کہا۔

"پھر بھی پھوپھو......!"

روین کو یہ سب کچھ اتنا آسان ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ تم بالکل فکر نہ کرو' میں پیر صاحب سے ایسا تعویذ لاؤں گی کہ رامین بنا ضد کے اس رشتے پر مان جائے گی۔

پھوپھو نے ہمیشہ کی طرح تعویذوں پر یقین کرتے ہوئے کہا۔انہوں نے دھیرے دھیرے روبین کو بھی اپنا ہم خیال بنالیا تھا۔

"ہاں پھوپھو یہ ٹھیک ہے!" روبین نے کچھ پرسکون ہوتے ہوئے کہا۔

روبین کا عقیدہ پھوپھو نے اس قدر خراب کر دیا تھا کہ وہ بھی کبھی یہ نہ کہتی تھی کہ سب کچھ اللہ سے مانگنا چاہیے' بلکہ وہ آخری حل تعویذ گنڈوں کو ماننے لگی تھی۔

"بس تم بے فکر ہو کر دیکھتی جاؤ۔"

پھوپھو مسکرائیں۔

"اے بوا......! اے اصغری!"

پھوپھو اکثر بوا کو بچوں کے پیچھے لگ کر بوا کہہ دیتی تھیں' جس پر بوا کو ہمیشہ اعتراض ہوتا تھا۔

"دیکھو بی بی......اللہ جھوٹ نہ بلوائے' تم مجھ سے چار پانچ برس بڑی ہی ہوگی' کیوں بوا بوا کہہ کر ننھی بنتی ہو۔" بوا اس گھر کی بے حد پرانی ملازم تھیں اور ان کو گھر کے افراد خانہ میں شامل کیا جاتا تھا۔وہ اپنے اسٹیٹس سے فائدہ اٹھا کر اکثر خدیجہ پھوپھو سے الجھتی رہتی تھیں۔

"توبہ ہے' اصغری اس عمر میں تم نے چھوٹا بن بن کر کس کو دکھانا ہے؟"

"تمہارا نام ہی اصغری ہے! لیکن کیا تم نے ساری عمر ننھا ہی رہنا ہے۔" سچی بات ہے ناموں کا زندگی میں بڑا اثر ہوتا ہے۔خدیجہ پھوپھو بڑبڑائیں۔

خدیجہ پھوپھو کیوں حساب رکھتیں' انہوں نے بوا سے فوراً حساب بے باق کیا۔

"بات صرف اصول کی ہے بی بی!"

بوا بھی اپنے مؤقف پر پکی تھیں۔

"اچھا چھوڑ ان باتوں کو' تم ڈرائیور سے کہو گاڑی باہر نکالے۔مجھے مہمانوں کے آنے سے پہلے واپس آنا ہے۔" پھوپھو کو پیر صاحب کے پاس جانے کی بے حد جلدی تھی۔

"ارے بی بی کدھر کو نکل رہی ہو؟"

"گھر میں بٹیا کی سسرال آ رہی ہے۔" بوا کو پھوپھو کا اس وقت باہر جانا مناسب نہ لگا۔

"بوا جلدی آ جاؤں گی۔تمہاری بٹیا کا ہی بندوبست کرنے جا رہی ہوں۔"

پھوپھو نے اپنے بھاری بھرکم وجود کو صوفے سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

بوا اصغری نے برا سا منہ بنایا تھا۔

یہ برا سا منہ انہوں نے پھوپھو کے بوا کہنے پر بنایا تھا۔

"پھوپھو میں بھی آؤں......!"

روبین نے یوں فرمائش کی' جیسے بچے کسی بڑے کے باہر جانے پر ساتھ جا کر ٹوفی لانے کے لیے مچلتے ہیں۔

"اوں......!"

"اچھا آجا!"

پھوپھو کہہ کر باہر نکل گئیں۔

روبین بھی خوشی خوشی اپنے کمرے میں کپڑے چینج کرنے کو بھاگی۔

"توبہ ہے!"

"جانے اس خدیجہ کو کب عقل آئے گی۔ ہر وقت تعویذ گنڈوں میں الجھ کر ساتھ میں چھوٹی بچی کو بھی توہم پرست کر ڈالا ہے۔"

"اپنی مشکل کا حل اس جعلی پیر کے پاس لینے کے بجائے یہ سب سے بڑے پیر' بڑی رحمان ذات سے کیوں نہیں رجوع کرتی؟"

بوا بے حد پرہیز گار خاتون تھیں۔

انہیں پھوپھو کا یہ کام بے حد ناپسند تھا۔

"اچھا......!" انہوں نے گہری سانس بھری۔

"اللہ کبھی تو اسے ہدایت دے گا ناں!"

وہ بڑبڑاتی ہوئی کچن میں چل دیں' جہاں ڈھیروں کام ان کے منتظر تھے۔

***

"کینا سوہنا تینوں رب نے بنایا
جی کرے دیکھدا رواں تینوں"

اے ڈی مسلسل گنگناتے ہوئے اپنے تیل سے چپڑے بالوں کو کوئی دسواں ہیئر سٹائل دے رہا تھا۔پورچ میں لگے شیشے میں وہ گزشتہ آدھے گھنٹے سے کنگھی کر رہا تھا۔

روید جم سے واپس آیا تو وہ کنگھی کر رہا تھا۔اب وہ نہا دھو کر تیار ہو کر باہر نکلا تو بھی اے ڈی کو اسی کام میں مشغول پایا۔

روید کے اندر گدگدی ہوئی۔

''خیریت ہے ناں؟''

''کدھر کی تیاریاں ہیں؟ یہ بھاؤ (باؤ) بن کر کہاں جا رہے ہو؟''

روید نے لان چیئر قریب گھسیٹ کر اس سے پوچھا۔

''لے آپ کو نہیں پتا؟''

اے ڈی نے حیرت سے پوچھا۔

''اوں...... ہوں!'' روید نے نفی میں سر ہلایا۔

''وہ باؤ رواق کا رشتہ پکا کرنے جا رہے ہیں۔''

اے ڈی نے دانت نکال کر کہا۔

''ہیں کس سے؟''

''گوند سے یا پھر ایلفی سے؟''

روید نے معصوم سی شکل بنا کر کہا۔

''لے باؤ روید آپ کو اتنا بھی نہیں پتا۔ رشتہ تو کڑی ہی سے پکا ہوتا ہے۔'' اے ڈی نے شرماتے ہوئے کہا۔

''اوہو! اچھا...... اچھا!''

روید نے اپنی مسکراہٹ ضبط کر کے کہا۔

''لیکن کڑی تو بھائی صاحب کے لئے بک ہونے جا رہی ہے' تم کس چکر میں تیار ہو رہے ہو؟''

(بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ) روید منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

''لے یہ بھی کوئی بات ہے' میرے بغیر بھلا ویاہ ہو سکتا ہے!''

اے ڈی نے سینہ تان کر کہا۔

''کیوں تم لڑکی کے باپ ہو؟''

''نہیں؟''

''تو پھر لڑکی کے بھائی ہو؟''

''نہیں جی......'' یہ کیسی باتیں پوچھ رہے ہیں۔

''آں...... تو اچھا تم وہ نکاح خواں ہو' جو نکاح پڑھوائے گا!''

''او...... نہیں جی!'' اے ڈی باقاعدہ زچ ہو گیا'' تو پھر جناب اے ڈی صاحب بلکہ عزت مآب اے ڈی صاحب آپ اپنی تشریف کا ٹوکرا کیوں اٹھا کر لے جا رہے ہیں؟'' میں پوچھنے کی گستاخی کر سکتا ہوں۔

''کر لیں بھی گستاخی' آگے بھی بڑی اماں کہتی ہیں کہ باؤ روید بڑا ہی گستاخ ہے!'' اے ڈی نے کہا تو بے حد معصومیت سے تھا' لیکن روید کو واقعی اے ڈی کی یہ گستاخی بالکل پسند نہ آئی۔

''تیری تو ایسی کی تیسی!'' روید بڑبڑایا۔

''تم ہمارے ساتھ جاؤ گے؟''

''ہاں جی!'' اے ڈی نے دانت باہر نکالے۔

''بھابی کے ہاں جاؤ گے؟''

''ہاں جی!''

''اپنی یہ نمونہ شکل لے کر جاؤ گے؟''

''کیا مطلب ہے جی؟'' اے ڈی نے برا منہ بنا کر پوچھا۔ ''یار مطلب یہ کہ تمہارا ہیر سٹائل اتنا بھیانک ہے کہ بھابی اگر تمہیں دیکھ لیں گی' تو تم کو دیکھ کر ڈر جائیں گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ ڈر کے مارے انکار ہی کر دیں اور...... اور اگر انہوں نے تمہاری وجہ سے انکار کر دیا تو سوچو بڑی اماں تمہاری درگت کیا بنائیں گی!''

روید نے اسے دہلایا۔

''تو پھر میں نہ جاؤں جی؟''

اے ڈی بے چارے کا منہ ہی لٹک گیا۔

''ارے نہیں یار میں یہ تھوڑی کہہ رہا ہوں۔''

''بھلا تمہارے بغیر بھی کوئی مزہ آئے گا!''

روید کے جملے نے اے ڈی کے اندر دوبارہ توانائی بھر دی۔

''تو پھر باؤ روید میں کیا کروں؟''

اے ڈی نے پریشانی سے پوچھا۔

''تمہاری شکل......!''

روید نے اس کا چہرہ ہاتھ سے اٹھا کر کہا۔

''اس کا تو آخری حل...... میرا مطلب ہے کہ تمہارے چہرے پر ٹپکتی ہوئی حماقت کا صرف پلاسٹک سرجری ہے۔ وہ تو فی الحال ممکن نہیں ہے۔''

''ہاں......!''

''ہاں البتہ تمہارے بالوں سے تمہاری شخصیت میں کچھ نکھار لایا جاسکتا ہے!''

روید نے کچھ سوچ بچار کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر کچھ کریں نہ آپ...... باقی سب لوگ کچھ ہی دیر میں جانے کو تیار ہو جائیں گے''

اے ڈی نے بے حد فکرمندی سے کہا۔

''نہیں...... نہیں' اگر میں تمہارے بالوں کے ساتھ کچھ کروں گا تو تم بڑی اماں اور بہار سے کہہ دو گے۔''

''نہیں...... میرے پیارے بھائی باؤ روید آپ میرے بالوں کو ٹھیک کر دو' میں کسی سے نہیں کہوں گا۔''

اے ڈی نے خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے!''

''تم اگر اس قدر مجبور کر رہے ہو تو میں ٹھیک کر دیتا ہوں۔'' روید نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے لیکن بظاہر بے حد سنجیدگی سے کہا۔

''اچھا تم اس کرسی پر بیٹھ جاؤ' میں کچھ کرتا ہوں۔''

روید نے اندر سے قینچی لا کر اے ڈی سے کنگھی پکڑتے ہوئے کہا۔

''اوہ مائی گارڈ!''

روید اچانک بولا تھا۔

''کیا ہوا باؤ روید؟''

اے ڈی نے پوچھا۔

''نہیں تم مجھے برا بھلا کہو گے۔'' روید نے ڈرنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں باؤ روید' بتاؤ تو سہی کیا ہوا؟''

''یار تمہارے بال ایک جانب سے تھوڑے سے زیادہ کٹ گئے ہیں۔'' روید نے ہوئے کہا۔

''کوئی بات نہیں' آپ دوسری طرف سے برابر کر دو۔'' اے ڈی نے دل بڑا کر کے کہا۔

''ٹھیک ہے' تم کہتے ہو تو کر دیتا ہوں۔''

روید کا لہجہ بے شک بے حد سنجیدہ تھا' لیکن اے ڈی روید کا چہرہ نہ دیکھ پا رہا تھا' جہاں بے حد شرارت موجود تھی۔

''آپ کو بڑی...... اماں بلا رہی ہیں!''

بہار نے باہر آ کر کہا۔

ساتھ ہی اس کی چیخ بلند ہوئی تھی۔

''یہ...... یہ کیا کیا تم نے اپنے بالوں کا؟''

بہار بیگم کا لہجہ صدمے سے چور تھا۔ آخر اے ڈی اس کا ہونے والا منظور نظر تھا۔

''کیا ہوا؟''

اے ڈی جو آنکھیں بند کئے' اپنی ہیر کٹنگ کروا رہا تھا' آنکھیں کھول کر بولا۔

''وے ٹوٹ پینیا!''

''یہ تو کیا کر رہا ہے؟''

''نظر نہیں آ رہا' اپنے بال ٹھیک کروا رہا ہوں!''

''بال......؟''

''کون سے بال؟''

''یہ والے؟'' بہار نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اے ڈی کو ایک دم دائیں جانب کچھ خالی پن کا احساس ہوا۔

وہ پورچ کے دیوار گیر شیشے کی جانب باقاعدہ دوڑا۔ ''باؤ روید یہ کیا کیا آپ نے؟''

اے ڈی کی آواز صدمے سے چور تھی۔

''تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ جس طرف سے کم ہوں' دوسری طرف سے برابر کر دوں۔ بس وہ برابر کرتے کرتے یہ حال ہو گیا۔'' روید نے نہایت معصوم شکل بنا کر کہا۔

''ہائے میرے بال!''

اے ڈی نے دہائی دی۔

''ارے وہ تو بہار بیگم ہاں کرے گی تو آئیں گے ناں!''

روید نے بال (بچے) والا استعمال کیا۔

بہار بیگم ایک دم شرما کر اندر چلی گئی۔

جبکہ روید کو اب اپنی ہنسی چھپانی بے حد مشکل ہوگئی تھی۔

اس کی ہنسی کسی فوارے کی طرح پھوٹی تو اے ڈی بھاں بھاں کرتا روتا ہوا اندر کو... لگانے کو دوڑا۔

اب اس آدھے گنجے ہیر سٹائل کے ساتھ تم جاؤ بھائی صاحب کی سسرال' روید کو اپ... ضبط کرنے مشکل ہو رہے تھے۔

***

دروازے پر ہوتی مسلسل دستک کی وجہ سے رامین کو آخر دروازہ کھولنا ہی پڑا۔

وہ جو دروازہ کھول کر پھاڑ کھا جانے کو دوڑی تھی۔ باہر ڈیڈی کو دیکھ کر ایک دم دھیمی... تھی۔

''السلام علیکم بیٹا!''

ڈیڈی نے اسے اسلام کرنے میں خود پہل کی۔

رامین شرمندہ شرمندہ نظر آنے لگی تھی۔

''ہم سب باہر تمہارا کھانے پر انتظار کر رہے ہیں بیٹا!''

''جلدی جلدی تیار ہو کر آجاؤ۔''

ڈیڈی نے اسے یوں کہا جیسے وہ اس کے انکار اور ضد سے مکمل طور پر انجان ہوں۔

''ڈیڈی میں باہر نہیں آؤں گی۔''

رامین نے دھیرے سے جواب دیا۔

''کیوں بیٹا؟''

''ڈیڈی مجھے آپ کے مہمانوں سے نہیں ملنا!''

رامین کا لہجہ مزید مدھم ہوگیا۔

''کیا آپ ان مہمانوں کے آنے کا مقصد جانتی ہیں؟'' ڈیڈی نے اسے بغور دیکھتے پوچھا۔

''جی!''

رامین نے نگاہیں جھکا کر اقرار کیا۔

''اوہ!''

''کیا خرابی ہے اسے رشتے میں؟''

''میں...... میں تو نہیں جانتی!'' وہ گڑبڑائی۔

رامین واقعی میں کچھ نہ جانتی تھی۔

''بنا جانے آپ کیسے کسی بات کے متعلق رائے دے سکتی ہیں؟'' ڈیڈی بے حد سکون سے بولے جیسے رامین کا ردعمل ان کے لئے کوئی معانی نہ رکھتا ہو۔

''ڈیڈی پلیز میں...... میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی!''

رامین نے اپنی ساری ہمت اکٹھا کی۔

''کیوں؟''

''کوئی وجہ؟''

جواب میں رامین نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو پھر؟''

ڈیڈی نے اس کی جانب سے نگاہ ہٹا کر سامنے پڑی کتابوں میں سے ایک کتاب اٹھا کر پوچھا۔

ان کے رویے سے ہرگز نہیں لگ رہا تھا کہ باہر میز پر مہمان کھانے پہ ان کا انتظار کر رہے ہیں۔ انہیں اس وقت صرف رامین کے مسئلے سے سروکار تھا۔

''ڈیڈی......!''

رامین سے کوئی بات نہ بن پڑ رہی تھی۔

''میں...... ابھی مزید پڑھنا چاہتی ہوں'' رامین نے کہا۔

''نو پرابلم! وہ ساری فیملی بے حد پڑھی لکھی ہے۔ ان کو شادی کے بعد تمہارے تعلیم کے جاری رکھنے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔''

''ڈیڈی......!''

''میرے کچھ خواب ہیں' میں کچھ بننا چاہتی ہوں۔ میں اپنی پہچان بنانا چاہتی ہوں' جو

کہ...... جو کہ شادی کے بعد ممکن نہیں ہے۔'' رامین کا ضدی لہجہ بے حد واضح تھا۔

''ایک لڑکی کی اچھی پہچان صرف یہ ہی ہے کہ وہ ایک اچھی مسلمان بیٹی' بہن اور بیوی

''لڑکی کی ایک اچھی زندگی کی یہ ایک مکمل Defination ہے!''

ڈیڈی نے اسے کچھ باور کروانے کا سوچا۔

وہ ایک بار پھر ایک لڑکی کی ضد کا سامنا نہیں کرنا چاہتے تھے۔

''ڈیڈی میرے کچھ خواب ہیں! اور ہر انسان کو حق ہے کہ وہ اپنے خواب پورے کرنے کے لئے کوشش کرے' پھر مجھے یہ بنیادی حق کیوں نہیں مل رہا؟''

''تمہارے سب حقوق میں بفضل خدا پورے کرتا آیا ہوں۔ اب مجھے میرا اب فرض ادا کرنے دو۔'' ڈیڈی کو رامین نے دوٹوک لہجے میں یوں کبھی بات کرتے نہ دیکھا تھا۔

''اگر شروع میں بہترین رشتہ مل جائے تو آئندہ وقت کا انتظار کرنا فضول ہے۔''

''یہ رشتہ ہر لحاظ سے نمبرون ہے۔ تم بھی ان سے مل لو' اگر تمہیں کوئی ایسی خامی نظر آ جائے جو مجھے نظر نہیں آئی' تو پھر اس رشتے کو روکا جا سکتا ہے۔''

ڈیڈی اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھے اور پھر ایک دم رک کر واپس پلٹے۔ ''لیکن بات کہ یہ وجہ جینوئن ہو!'' ڈیڈی کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئے۔

رامین نہایت بے بسی سے صوفے پر گرنے کے انداز میں گری تھی۔

اب بچنے کا کوئی راستہ نہ تھا!

***

''ارے جناب مبارک ہو!''

ڈاکٹر سلیمان نے ڈاکٹر رواق کے کیبن میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر رواق جو ڈاکٹر دیپا پروانی کے ساتھ کسی مریض کا ایکسرے ڈسکس کر رہے تھے دم چونکے' ساتھ ہی ان کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ در آئی تھی۔

ڈاکٹر سلیمان کے دادا' باؤ جی کے بہت اچھے دوست تھے۔ شاید یہ ہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر سلیمان کو ڈاکٹر رواق کی بات پکی ہونے کی سب سے پہلے خبر ہوئی تھی۔

''اب بنا مٹھائی اور ٹریٹ کے میں تو تمہاری جان نہیں چھوڑنے والا'' ڈاکٹر سلیمان دوسری کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر دیپا پروانی نے دلچسپی سے ڈاکٹر سلیمان اور ڈاکٹر رواق کے چہروں کو دیکھا۔

''وہ کون سی خبر تھی' جس کی مبارک باد دی اور لی جا رہی تھی۔''

''ارے شری مان کس بات کی مبارکیں ہیں؟''

ڈاکٹر دیپا پروانی نے بھی دلچسپی سے پوچھا۔

''مجھے معلوم تھا کہ یہ گھنا جو ہے ناں' ضرور منہ بند کر کے رکھے گا۔ منہ کھولا تو جیب کھولنی پڑے گی۔'' ڈاکٹر سلیمان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس کی بات پکی ہو گئی ہے! پرسوں شام جناب کے قید ہونے کے پورے پورے بندوبست اس کے گھر والے کرنے والے ہیں۔ پرسوں جناب ڈاکٹر رواق کی منگنی ہے!''

ڈاکٹر سلیمان نے بم دھماکہ کیا۔ ڈاکٹر دیپا پروانی کو لگا کہ اس کے وجود کے پرخچے اڑ گئے ہوں۔

اسی پل سپیکر پر اناؤنسمنٹ ہوئی تھی۔ ڈاکٹر سلیمان کو ریسپشن پر بلاوا آیا تھا۔ شاید ان کا کوئی فون آیا تھا۔

''اچھا یار آ کر دوبارہ بات کرتے ہیں۔ دوبارہ بات یعنی ٹریٹ کے متعلق......!'' ڈاکٹر سلیمان ہاتھ کی انگلی اٹھا کر اصرار کرتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئے۔

ڈاکٹر رواق' ڈاکٹر دیپا پروانی کا چہرہ دیکھ کر بے اختیار گھبرا گئے تھے۔

''دیپا!''

ڈاکٹر رواق نے اسے پکارا۔

''کیوں؟''

''کیوں رواق؟''

''کیا میری تپسیا میں' میری وفا میں کوئی کمی نظر آئی تھی؟''

''کیوں......؟''

''کیا تم نہیں جانتے تھے کہ صرف تمہاری خاطر میں اس پرائے دیش' پرائے لوگوں میں آن بسی۔''

''پانچ سالوں سے میں اپنے ماتا پتا' اپنے بھائیوں سے دور صرف...... صرف اور صرف تمہارے لئے اس دیش میں ہوں۔''

"تم نے میری قدر ہی نہ جانی!"

"تم نے میرا دل اپنے پیروں تلے روندھ دیا!"

وہ بلک بلک کر رو دی۔

ڈاکٹر رواق نے بے حد دکھ سے اسے دیکھا۔

"دیپا! بھول جاؤ مجھے‘ میں تمہارے کسی کام کا نہیں۔"

"میں ایک الوژن ہوں‘ میں تم کو اتنے سالوں سے یہ ہی سمجھا رہا ہوں۔ تمہارا مذہب ہمارے مذہب سے مختلف ہے اور میں اپنے والدین اور اپنے اللہ کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ تمہارا میرا جوڑ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ بات میں تمہیں شروع دن سے سمجھا رہا ہوں۔" ڈاکٹر رواق نے ڈاکٹر دیپا پروانی کے قریب آ کر کہا۔

"میں...... میں کچھ نہیں جانتی!"

"تم صرف میرے ہو!"

ڈاکٹر دیپا نے ڈاکٹر رواق کا گریبان پکڑ کر روتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں بچوں کی طرح ضد تھی۔

"دیپا پلیز‘ ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ!"

"تم اس طرح نہ رو‘ مجھے تمہارے رونے سے بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ تم جانتی ہو کہ اگر تم میری زندگی میں ہمسفر کا مقام نہیں لے پائی تو تم ہی وہ واحد لڑکی اور انسان ہو‘ جو ڈاکٹر رواق کی بہترین دوست ہے۔"

"میں تم کو جس قدر اپنے دل میں مقام دیتا ہوں‘ وہ کسی کا نہیں ہے۔ تم ہمیشہ میری سب سے قریبی دوست رہی ہو‘ لیکن...... لیکن میں اپنے آپ سے مجبور ہوں۔ میں خود کو تمہارے لئے پابند پاتا ہوں۔"

ڈاکٹر رواق اس کے سر کو سہلاتے ہوئے دھیرے دھیرے سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔

جواباً وہ ڈاکٹر رواق کے چوڑے سینے میں منہ چھپائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

ڈاکٹر رواق کو اس طرح کی سچویشن سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

"دیپا پلیز......!"

"سنبھالو خود کو کیوں کوئی سکینڈل بنوانا ہے۔" ڈاکٹر رواق نے دیپا کو خود سے الگ کرنے

کی کوشش کی۔

"نہیں...... تم صرف میرے ہو!"

"کوئی تم کو کیسے اپنا بنا سکتا ہے؟"

"کوئی اور لڑکی کیسے تمہارے ساتھ اپنا نام جوڑ سکتی ہے؟"

"کوئی...... کوئی لڑکی......!"

"کوئی لڑکی تمہیں کیسے چھو سکتی ہے؟"

ڈاکٹر دیپا پروانی نے جنونیوں کی طرح کہا۔

"کوئی...... لڑکی!"

"کوئی......!" ساتھ ہی دیپا ڈاکٹر رواق کے بازوؤں میں جھول گئی۔

"اوہ مائی گاڈ!"

ڈاکٹر رواق نے بے حد پریشانی سے کہا اور دیپا کو کیبن میں موجود اسٹریچر پر لیٹا کر بیل دے کر نرس کو بلوایا۔

کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر دیپا پروانی کو ایمرجنسی میں منتقل کر دیا گیا۔

"میرے اللہ! اس دیوانی کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔" ڈاکٹر رواق نے تہہ دل سے ڈاکٹر دیپا پروانی کے لئے دعا کی۔

ڈاکٹر رواق کا دل کسی بات میں نہ لگ رہا تھا۔

اپنے کیبن میں آ کر بھی وہ چپ چاپ تھے۔

"ڈاکٹر......!"

"چائے یا کافی؟"

نرس نے اپنے مخصوص وقت میں آ کر پوچھا۔ اس وقت ڈاکٹر رواق فارغ ہو کر چائے یا کافی لیتے تھے۔ ایسے میں عموماً دیپا بھی آ جاتی تو وہ گھنٹوں ان کے ساتھ رہتی‘ خود تو وہ مارننگ میں ایک جگہ ریگولر کام کرتی تھی۔ دوپہر میں جب وہاں سے آف ہوتا تو وہ یہاں ان کے پاس آ جاتی‘ پھر صرف ان کے ساتھ رہنے کے حرص میں وہ ان کے ہسپتال کے ڈھیروں مریض بھی دیکھتی اور اکثر کی سرجری بھی کرتی تھی۔

اس قدر قابل اور ذہین لڑکی نے خود کو ان کے لئے روگ لگا لیا تھا۔ یہ بات ان کے لئے

خاصی تکلیف دہ تھی۔

''ڈاکٹر......!'' نرس نے ان کو دوبارہ پکارا۔

''ہوں؟''

ڈاکٹر رواق نے غائب دماغی سے اس سے پوچھا۔

''چائے یا کافی؟''

نرس ڈاکٹر رواق کے رویے پر بے حد حیران تھی کہ کڑے سے کڑے امتحان میں بھی یہ کبھی پریشان نہ ہوا تھا' تو پھر آج کیا ہوا؟

اسی پل ڈاکٹر رفعت اور ڈاکٹر نازش دونوں ان کے کیبن میں داخل ہوئیں۔

''جی ڈاکٹر کیا صورتحال ہے؟'' ڈاکٹر رواق نے ہاتھ کے اشارے سے نرس کو کچھ بھی لانے سے منع کیا اور سوال ڈاکٹرز سے کیا۔

''اسے برین ہیمرج ہو گیا ہے!'' ڈاکٹر رفعت نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''مائی گاڈ!''

ڈاکٹر رواق کا دل دکھ اور ہمدردی سے بھر گیا۔

''خطرے کی کوئی بات؟''

ڈاکٹر رواق نے پوچھا۔

''نہیں بروقت ٹریٹ منٹ دینے سے وہ کافی سٹیبل ہو گئی ہے۔'' ڈاکٹر نازش بولی۔

''میرا خیال ہے کہ شام تک وہ ہوش میں آ جائے گی۔''

ڈاکٹر رفعت نے کہا۔

''ہوں!''

ڈاکٹر رواق نے ہنکارا بھرا۔

''او کے ڈاکٹر ہمیں وارڈ میں کام ہے۔'' ڈاکٹر رفعت اور ڈاکٹر نازش باہر نکل گئیں' جبکہ ڈاکٹر رواق نے بے اختیار اپنا دکھتا سر دبایا تھا۔

پھر انہوں نے ایک دم سیدھے ہو کر فون سنبھال لیا۔ اب وہ انگلینڈ کے لئے ٹرنک کال ملا رہے تھے۔

دیپا کی طبیعت کا انہیں بتانا تھا۔ یہاں تو دیپا اکیلے ملازمہ کے ساتھ رہتی تھی۔

ڈاکٹر رواق نے ایک گہری طویل سانس خارج کی۔ وہ مختلف لفظ اور جملے ترتیب دے رہے تھے' جو ان کو دیپا کے والدین کے گوش گزار کرنے تھے۔

''یا اللہ......!''

''اللہ کہاں پھنسا دیا!''

بے اختیار ان کا دل چیخ اٹھا تھا۔ دیپا کے معاملے میں قصور نہ ہوتے ہوئے بھی وہ قصوروار بن گئے تھے۔ ان کا دل بے حد بوجھ تلے دب گیا تھا۔

***

''منظروں سرابوں کی
شدتوں سے گھبرا کر
راہ تو بدل لی ہے
پر یہ دل پہ سودائی......
روک روک لیتا ہے
ڈوب ڈوب جاتا ہے''

آمنہ آنکھیں بند کئے جانے کتنی دیر سے چپ چاپ کرسی پر بیٹھی تھی۔

شہزاد علی کی بے وفائی اس کا رستا ہوا زخم بن چکا تھا' جو ہر پل بس دکھتا ہی رہتا تھا۔

''آمنہ بیٹا......!''

''یوں اندھیرا کئے نہ بیٹھا کرو' نہ یوں اداس اداس پھرا کرو' بچے پر برا اثر پڑتا ہے۔'' پھوپھو نے کمرے میں داخل ہو کر کھڑکیاں کھولیں' تو دودھیا روشنی سے آمنہ کی آنکھیں ایک دم چندھیا گئیں۔

''ہر وقت ماں کا بیٹھے رہنا بھی ٹھیک نہیں ہے' تم کو ڈاکٹر نے بھاری کام منع کئے ہیں' لیکن ہلکی پھلکی چہل قدمی ضرور کیا کرو۔'' پھوپھو نے دودھ میں اوولٹین کا چمچ بھر کر ڈالا اور چمچ ہلانے لگیں۔

آمنہ نے ان کے چہرے کی جانب دیکھا' ایک طویل گہری سانس بھری۔ ابھی اسے یہ دودھ کا سارا گلاس پینا پڑتا تھا' جسے پیتے ہوئے اسے بے حد متلاہٹ ہوتی تھی' لیکن پھوپھو کا جذبہ قابل دید تھا۔ وہ سارا دن ماہر نرسوں کی طرح اس کی خوراک اور دوائی کا بے حد خیال کرتی تھیں۔

"پھوپھو پلیز میں یہ نہیں پیوں گی۔ مجھے ابکائی آتی ہے۔" آمنہ نے گھبرا کر کہا۔

"ایسے ہی...... چلو پیو۔" پھوپھو نے فوراً حکم صادر کیا تھا۔

"پھوپھو ابھی میں نے سیب کھایا تو تھا۔"

"وہ دو گھنٹے پہلے کھایا تھا۔ روٹی سالن کھاتے تمہیں الٹی ہو جاتی ہے۔ کم از کم تم یہ چیزیں مسلسل لو' تاکہ تمہاری کمزوری ختم ہو۔"

پھوپھو نے آخر زبردستی اسے تھوڑا سا دودھ پلا ہی دیا۔

جسے پیتے ہی اسے زور کی متلی ہوئی اور وہ واش روم کی جانب دوڑی۔

پھوپھو نے نہایت فکرمندی سے اسے جاتے دیکھا۔

"السلام علیکم بھابی بیگم!" ضیاء سیدھے آمنہ کے کمرے میں چلے آئے۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو!"

پھوپھو نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"خیریت؟"

"آپ کچھ پریشان دکھائی دیتی ہیں!"

ضیاء نے بیڈ کے سائیڈ پر تسلی سے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"آمنہ ہی کی جانب سے پریشان ہوں۔ کوئی چیز اندر نہیں ٹھہرتی ہے۔ پھر وہ پہلے کمزور ہے۔"

پھوپھو نے کہا۔

"اوہ......! اچھا!"

ضیاء چچا نے منہ گول کر کے کہا' ان کا چہرہ ہمیشہ تاثرات سے بھرپور ہوتا تھا۔

اسی پل آمنہ بنا دوپٹے کے باہر نکلی' اس کی رنگت غیر معمولی حد تک پیلی ہو رہی تھی۔ ضیاء دل کو ایک دم کچھ ہوا۔

بے شک وہ ان کے لئے نامحرم تھی' لیکن اس کی محبت ان کے دل میں خوشبو کی طرح بسی تھی' جسے وہ نکالنے سے بھی نہ نکال سکتے تھے۔

وہ خود حیران تھے کہ یہ لڑکی اور بے حد پرائی لڑکی ان کو کیسے اتنی عزیز ہو گئی تھی۔

"پھوپھو!"

آمنہ نے دو قدم پر ہی کمزور آواز میں بھابی کو پکارا' ساتھ ہی وہ لہرائی تھی۔

ضیاء نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے تھاما' اور بمشکل اسے زمین پہ گرنے سے بچایا۔

"بھابی بیگم اسے دیکھیں' یہ تو بالکل ہلدی کی طرح پیلی پڑ گئی ہے۔" ضیاء نے بے حد فکرمندی سے کہا۔

"اس کے ہاتھ کس قدر ٹھنڈے ہیں" ضیاء نے آمنہ کے نازک ہاتھوں کو ہاتھ میں لے کر کہا۔

"یا اللہ خیر کرنا......!"

"میں ابھی اس کی چادر وغیرہ لے کر آتی ہوں۔ بیٹا تم اس کو ڈاکٹر نرگس کے ہاں میرے ساتھ لے چلو۔"

پھوپھو جوڑوں کے درد کے باوجود اپنے کمرے کی جانب تیزی سے بڑھیں تاکہ پرس وغیرہ لے سکیں۔

"آمنہ!"

"آمنہ چندا اٹھو!"

ضیاء اسے بازوؤں میں لئے دیوانوں کی طرح پکار رہے تھے۔

آمنہ کی رنگت ان کو دہلا رہی تھی۔ پرائی ہی سہی لیکن نظروں کے سامنے زندہ تو تھی۔

آمنہ کی تکلیف پر ان کا دل بری طرح کٹ رہا تھا۔

آمنہ میری جان آنکھیں کھولو' وہ خود میں نہ تھے۔

اس کا ہاتھ تھام کر انہوں نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو لگایا۔

بیچاری آمنہ ہر بات سے بے خبر بے ہوش تھی۔

"اوہو......!"

"تو اندر ہی اندر یہ سب کچھ پک رہا ہے!"

رانیا دروازے پر کھڑی مسکرائی۔

"آمنہ بی بی......!"

"تمہارے عاشق نامدار صاحب ہی میرا سارا کام آسان کر دیں گے۔"

"اب دیکھنا میں کیسے تمہیں ہیرو سے زیرو کرتی ہوں۔"

’’جس بچے کی وجہ سے تم کو ہر کوئی خاص کر شہزاد آنکھوں پر بٹھاتے ہیں‘ دیکھنا اس
کی وجہ سے میں تمہیں ان کی آنکھوں سے ایسا گراؤں گی کہ ساری عمر اٹھ نہ پاؤ گی۔‘‘

رانیا دل ہی دل میں ہنسی تھی اور اس کے چہرے کی شیطانی مسکراہٹ اور آنکھوں کی
رہی تھی کہ وہ اس گھر میں طوفان لانے والی تھی‘ جس میں وہ آمنہ کی گرہستی ہی نہیں‘ اس کی
بھی برباد کرنے والی تھی۔

’’رانیا نام ہے میرا!‘‘

’’کوئی میرے سے بچ کر دکھائے!‘‘

رانیا کی شیطانی مسکراہٹ بے حد گہری ہوگئی تھی۔

***

کسی نامکمل تصویر کی طرح
کسی ادھوری نظم کی مانند
میرا وجود بھی ادھورا ہے
میرا خالق ....
میرے وجود کا مجسمہ تراشتا تراشتا
سو گیا
میری سوچ کو تو اس نے تراش دیا
پر میں زبان سے محروم
کیسے اسے جگاؤں؟
کہ اٹھ میرے خالق
میرے وجود کی تکمیل کر
ورنہ.....شاید کسی ادھوری نظام کے
کھوئے ہوئے اوراق کی طرح
میں بھی.....
دنیا کی تیز ہواؤں میں......
سرگوشیوں میں......
صداؤں میں......
گم ہو جاؤں گی
اور تو.....سوتا رہ جائے گا

پھر جب جاگے گا...... مجھے نہ پائے گا

ڈھونڈ تا رہ جائے گا

رات کے آخری پہر میں آمنہ بیقراری سے لان میں چکر کاٹ رہی تھی، حالانکہ ... نقاہت سے اس کا سانس پھول رہا تھا، لیکن وہ خود میں اس قدر بے بس تھی، کہ بے اختیار ... آئی تھی۔

ڈاکٹر نے اسے آرام کرنے کی سخت تاکید کی تھی، لیکن شہزاد کی اچانک بے رخی نے اسے بے حد ڈسٹرب کر دیا تھا، اللہ جانے اسے کیا ہوا تھا، جب سے وہ ہسپتال سے ... تھی، وہ اس سے بات کرنا کیا ملنے سے کترانے لگا تھا۔

جب سے اس نے آمنہ کی خوشخبری سنی تھی، وہ پہلے کی طرح اس کے گرد بھنورے ... چکر لگانے لگا تھا، اس نے باقاعدہ رو کر آمنہ سے دوسری شادی کی معافی مانگی تھی، اور اعتراف ... تھا کہ وہ جلد بازی میں ایک بڑی غلطی کر بیٹھا ہے، اس لئے آمنہ اسے معاف کر دے ورنہ ... جی مر جائے گا اور آمنہ...... اس کے اس رویے پر فوراً پگھل گئی تھی۔

"بیچاری عورت" مرد کی ذرا سی میٹھی نگاہ پہ سب نقصان بھول کر ایک بار پھر اپنا دل ... لیتی ہے۔

آج وہ اسی غلطی کے ساتھ شام سے بیڈ روم میں بند تھا، سوکن تو مٹی کی بھی بنی ہو تو ... آگ میں جلتی ہے، پھر وہ تو زندہ حقیقت کو لئے کمرے میں بند تھا۔

صرف چار دنوں کا شہزاد کا رویہ، نگاہ اس قدر اجنبی ہو چکی تھی، کہ آمنہ کو سانس لینا تک ... ہو چکا تھا۔

"دلہن......! تمہارا دماغ ٹھیک ہے، کیا تم نے مرنا ہے؟"

ضیاء چچا جانے کب وہاں آئے تھے، اسے خبر ہی نہ ہوئی تھی۔

"میری تو قسمت ہی خراب ہے ضیاء چچا، اور میں اتنی ڈھیٹ ہوں، کہ اتنی آسانی ... مرنے والی بھی نہیں۔" آمنہ نے کھوکھلی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"اللہ نہ کرے" ضیاء چچا نے دہل کر کہا۔

سامنے کھڑی لڑکی ان کو اس قدر عزیز ہو گئی تھی، کہ اس کا دکھ ان کو اپنا دکھ لگتا تھا۔

"چلو تم اندر...... ابھی ابھی اتنی بیماری سے اٹھی ہو، پھر سے بیمار پڑنے کا ارادہ ہے؟"

چچا نے اس کا بازو پکڑ کر اسے اندر کی جانب کھینچا۔

خلاف معمول آمنہ نے ان سے اپنا بازو نہ چھڑایا۔ وہ اندر سے اس قدر خالی ہو رہی تھی، کہ اسے اپنا وجود تنکے کی طرح بکھرتا اڑتا محسوس ہو رہا تھا۔

"اس قدر سردی ہے باہر، پھر تم خود اتنی کمزور ہو، اوپر سے تمہاری یہ کنڈیشن...... کیا خودکشی کرو گی؟"

ضیاء چچا فکرمندی سے بڑبڑاتے اسے اندر لے آئے تھے، اندر کے گرم ماحول نے جہاں آمنہ کے وجود کو سکون دیا تھا، وہاں اسے فوراً چھینکیں آنے لگی تھیں۔

"کہا تھا ناں میں نے تم کو ٹھنڈ لگ جائے گی۔" ضیاء چچا نے اپنی گرم شال آمنہ کے کندھوں پر ڈال دی۔

"بیٹھو یہاں پر میں تمہارے لئے گرم دودھ لاتا ہوں۔" ضیاء چچا اس کے قریب کھڑے ...

"اوہو" رانیا کی آواز سے دونوں چونکے تھے۔

ضیاء چچا نے اس کی حرکت کو بے حد ناگواری سے دیکھا تھا، جب کہ آمنہ خالی خالی نظروں سے رانیا کا سراپا دیکھ رہی تھی، مسلا ہوا لباس، مٹا مٹا کاجل...... ساری داستان سنا رہے تھے، آمنہ نے یوں دیکھا جیسے بچے اپنے حصے کی چیز کسی کے کھا جانے پر رو پڑنے کو تیار کھڑے ہوتے ہیں۔

رانیا نے غور سے آمنہ کی آنکھیں اور چہرہ دیکھا، اور وہاں لکھی تحریر پڑھ کر بے اختیار مسکرا ...

"اف بہت تھک گئی ہوں۔" وہ جانے کیا سنانے والی تھی، آمنہ تیزی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

ضیاء چچا نے بھی رانیا کو ایک بے حد سخت اور ناگوار نظر سے نوازا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔

"ہونہہ...... حاسد اور خود کیا کر رہی تھی، رات کے ساڑھے تین بجے چچا جان کے ساتھ؟ تو ان کو رنگے ہاتھوں پکڑوانا ہی پڑے گا۔ یہ لیلیٰ مجنوں کا کھیل تو اب راتوں کو بھی چلنے لگا ہے۔" رانیا نے کافی میکر میں کریم اور کافی ڈال کر بٹن آن کیا۔

گرم گرم دودھ میں جب وہ کافی مکس کر رہی تھی، تو اس کے چہرے کی گہری مسکراہٹ سب ...

راز کھول رہی تھی، وہ کسی فیصلے پر یکسو ہو چکی تھی۔

"اب کوئی چوری کرے گا، تو چور تو کہلائے گا ناں، چور کو سامنے لانا ہی ہوگا۔"
ہوئی دونوں کپ ٹرے میں رکھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھی تھی، جہاں ایک انسان
بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

***

"آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟"

عادل نے غصے سے سونیا بھابی سے پوچھا۔

جب وہ گھر میں داخل ہوا تو سونیا بھابی کو آنگن کے بنے جھولے پر بیٹھے دیکھ کر
سے تنفس درہم برہم ہو گیا تھا۔

"ارے...... ارے...... تم تو جلتے توے پر کھڑے ہو، اور یہ تم کس انداز سے
سے بات کر رہے ہو؟" سونیا بھابی نے بھی کمال بے نیازی سے پوچھا۔

"اس جلتے توے پر آپ ہی نے مجھے کھڑا کیا ہے۔" عادل نے غصے سے کہا۔

"دیکھو میاں تم اپنے آپے سے باہر ہو رہے ہو۔" سونیا بھابی کو واقعی عادل کے
عادت نہ تھی، اس لئے وہ بری طرح عادل کا رویہ محسوس کر رہی تھیں۔

"میری بہن پر اپنی بہن سوکن بٹھا کر آپ ہمارے اخلاقیات پر اعتراض کر
آپ تو بھابی ہیں ہماری، پھر آپ نے آپا کا خیال نہ کیا۔ ارے بڑی بھابیاں تو ماں
آپ نے تو کسی دشمن کی طرح میری بہن کی گرہستی کا بٹوارا کروا دیا۔"

عادل کا دل بے حد دکھا ہوا تھا اس کا بس نہ چل رہا تھا کہ سونیا بھابی کو کیا سزا دے،
خیال میں ان کا جرم اتنا بڑا تھا، کہ وہ ان کی شکل تک دیکھنا نہ چاہ رہا تھا۔

"تو کیا تمہارا بہنوئی دودھ پیتا بچہ تھا، جس کو زبردستی پکڑ لیا ہے۔ ارے وہ اپنی
رانیا کے پاس گیا تھا، اور شادی کیلئے اصرار بھی اس نے ہی کیا تھا۔ میری رانیا میں آخر کیا
ایک بیاہے ہوئے مرد کے ساتھ شادی کرتی، لیکن وہ شہزاد میاں کی دیوانگی کے آگے ہار
بھابی نے اپنی آواز میں درد پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"میری بہن کا قصور نہیں ہے۔"

"ماشاءاللہ...... کیا سٹوری ہے اگر شہزاد بھائی دودھ پیتے بچے نہیں ہیں، اور

زبردستی نہیں کر سکتا، تو کیا آپ کی بہن دودھ پیتی بچی ہے؟ اس لئے وہ مجبور ہو گئی اور آپ...... کیا
آپ ان کو نہ روک سکتی تھیں؟"

"میں کیا کرتی؟ مجھے تو خود نکاح کے بعد خبر ہوئی" سونیا بھابی صاف مکر گئیں، اگر ان کے
عادل سے کچھ مفادات نہ جڑے ہوتے، تو وہ کبھی اس طرح کی وضاحتیں نہ دیتیں۔

"ہونہہ...... آپ اور بے خبر...... ارے آپ کو تو دس گھر چھوڑ کر کیا ہو رہا ہے، سب پتا ہوتا
ہے، آپ اور بے خبر......!" عادل کا غصہ کم ہونے کو نہ آ رہا تھا۔

"اچھا میاں، ہم چلتے ہیں تم تو اس وقت غصے میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھوئے بیٹھے ہو،
جب تمہارا دماغ ٹھنڈا ہوگا، تب آؤں گی۔" سونیا بھابی نے پرس سنبھال کر کہا۔

"بھابی بیگم دوبارہ آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، جو آگ میری بہن کی زندگی میں لگا چکی
ہیں، اس کے بعد سے آپ کی جگہ ہماری زندگیوں میں سے ختم ہو چکی ہے۔" عادل کہہ کر تیزی سے
اندر داخل ہو گیا۔

"بشیر...... بشیر! خاتون چلی جائیں، تو باہر کا دروازہ بند کر دینا۔" عادل کی آواز نے سونیا
بھابی کا گیٹ تک پیچھا کیا تھا۔

سونیا بھابی کے غصے کا پیمانہ ایک دم اوپر ہوا تھا۔

"دیکھ لوں گی تم کو میں...... ارے تم تو ابھی پوری طرح زمین سے نہیں اگے، اور آئے ہو
میری ساتھ پنگا لینے، یہ میں تم کو دکھا دوں گی، کہ سونیا بیگم سے پنگا لینا کتنا برا ہے۔" سونیا بھابی بھی
پھوں پھوں کرتی گیٹ باہر کو کراس کر گئیں۔

***

"دیپا" ڈاکٹر رواق نے جھک کر اس کے ماتھے کو چھوا اور اسے پکارا۔

ڈاکٹر دیپا پروانی کی بند آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"آنکھیں تو کھولو یار!"

اس مرحلے کو موت بھی کہتے ہیں دوستو
اک پل میں ٹوٹ جائے جہاں عمر بھر کا ساتھ

"مرے ہوئے لوگ آنکھیں نہیں کھولا کرتے۔" دیپا نے روئی روئی انداز میں کہا۔

"اچھا تو کیا مرے ہوئے لوگ بولتے ہیں؟" ڈاکٹر رواق نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ

کہا۔

"جاؤ میں تم سے بات نہیں کروں گی۔"

"ارے...... یار سہیلی یہ ظلم نہ کرنا۔" ڈاکٹر رواق نے پاس پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے بات کرنا، تم کو دیکھنا نہیں چاہتی۔ تم کو دیکھتی ہوں، تو میرے ارادے کا بند ٹوٹنے لگتا ہے۔" ڈاکٹر دیپا نے نہایت بے بسی سے کہا۔

"دیپا!" ڈاکٹر رواق نے بہت نرمی سے اسے پکارا تھا۔

سنہرے خواب دے دیں گے حسیں تعبیر دے دیں گے
محبت سے جو مانگو گے تو ہر جاگیر دے دیں گے

ایسے نہ پکارو......
نہ میرے حوصلے کو آزماؤ
مجھے تم سے ناراض رہنے دو!
میری محبت کو اتنا تو حق رہنے دو!
میری محبت کو اتنا تو حق رہنے دو!

دیپا نے منہ موڑ کر کہا۔

"دیپا پلیز حقیقت کو سمجھو، مجھے بنا قصور مجرم نہ ٹھہراؤ۔" ڈاکٹر رواق نے پیار سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔

"بھگوان کی سوگند! تم اگر کسی کے ہوئے، تو تمہارے سامنے خود کو آگ لگا کر مر جاؤں گی۔" دیپا نے ایک دم آنکھیں کھول کر اس کے ہاتھوں پر سر ٹکا دیا۔

"دیپا...... دیپا ٹرائی ٹو انڈرسٹینڈ" ہم دونوں سمندر کے دو کنارے ہیں، ہمارے بیچ صرف فاصلے کا ہی رشتہ بن سکتا ہے۔" ڈاکٹر رواق نے اس کی ذہنی ابتری کو دیکھتے ہوئے پیار سے سمجھایا۔

"تم کو اگر میرے دھرم پر اعتراض ہے تو میں...... میں تمہاری خاطر اپنے دھرم کو چھوڑ دوں گی۔ اب تو بھگوان کے لئے ان فاصلوں کے رشتے نہ بناؤ۔" دیپا نے تڑپ کر کہا۔ ڈاکٹر رواق نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑایا، اور دور جا کر کھڑے ہوئے۔

"تمہارے والد اور والدہ آج شام کی فلائیٹ سے پاکستان آ رہے ہیں۔" ڈاکٹر رواق

اسے وہ خبر دے دی، جس کیلئے وہ آئے تھے۔

"کیا؟ تم نے میری ماتا پتا کو خبر کر دی؟" دیپا حیرت سے اچھلی۔

"ظاہر ہے، ان کی باؤلی لڑکی موت کو چھوڑ کر واپس آئی ہے، اس کا کارنامہ بتانا بے حد اہم تھا۔" ڈاکٹر رواق نے اسے محسوس کروانے کی کوشش کی، کہ اس کی حرکت ٹھیک نہ تھی۔

"تم پورے مورکھ ہو! تم کو پتا ہے کہ میرے پتا جی ہارٹ کے مریض ہیں، ان کے دل کو چھوٹی سی خبر بھی بہت بڑی ہو کر جا لگتی ہے۔ بھگوان نہ کرے اگر ان کی طبیعت خراب ہو گئی ہو۔"

اس وقت دیپا اپنی ہر بیماری، اپنی ہر تکلیف اور ضد بھولے ماں باپ کی فکر میں تھی۔

ڈاکٹر رواق نے اسے بغور دیکھا، واقعی وہ بہت اچھی لڑکی تھی، اس کی خاطر وہ اپنا سب کچھ بھولے بیٹھی تھی۔ لیکن کاش وہ ان کے دل کے اس خاص حصے تک بھی رسائی حاصل کر لیتی، جہاں محبت اگتی ہے۔

"سنو ڈاکٹر......" دیپا نے ان کو پیچھے سے آواز دی۔

"ہاں کہو" ڈاکٹر رواق نے رکتے ہوئے پوچھا۔

"اب اتنی جگ ہنسائی کروائی ہے تمہاری خاطر...... اب تم کو میں کبھی نہ چھوڑوں گی۔"

ڈاکٹر دیپا کی آواز میں اک جنون سا تھا۔

ڈاکٹر رواق اس کے اس غیر معمولی رویے پر بے اختیار چونکے تھے، ڈاکٹر دیپا کی محبت بھری آنکھوں میں ڈاکٹر رواق نے پہلی بار ایک طوفانی قسم کا پاگل پن دیکھا تھا۔

"تم بھی ٹیڑھی دم ہو، سمجھتی ہی نہیں ہو۔" ڈاکٹر رواق بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"تم میرے ہو! صرف میرے!" ڈاکٹر دیپا پروانی نے ان کے جانے کے بعد باآواز بلند ہنستے ہوئے کہا تھا۔

***

"آنی کہاں ہوتی ہیں آپ آج کل؟" روید نے آنی کو بے باکی کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے پوچھا۔

"بس...... وہ تمہارے انکل کی اماں آئی ہوئی تھیں" آنی نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔

"آپ اظہر انکل کو کنٹرول میں رکھیں ابھی دوپہر میں، میں نے ان کو ایک اداکارہ کے ساتھ لنچ فرماتے ہوئے دیکھا تھا"۔ روید نے آنی کو تازہ اطلاع دی۔

"چھوڑو...... میرے علاوہ ان کو کوئی عورت جھیل نہیں سکتی۔" آنی نے لاپروائی سے کہا۔

جب سے شوہر کو میں نے سر پہ چڑھا رکھا ہے
لا کے سوکن کو میرے گھر میں بٹھا رکھا ہے
بیویو! شوہروں سے ڈرتی کیوں ہو؟
کہاں بیلن اور چمٹا چھپا رکھا ہے!

روید نے حسب عادت لہرا لہرا کر کہا۔

"ارے لڑکے کبھی تو زبان استعمال کرنے سے پہلے سوچ لیا کر، اپنی ہی خالہ کے تو اول فول بک رہا ہے۔" اندر سے آتی بڑی اماں نے نہایت برا مناتے ہوئے کہا۔

"لو ہٹلر آ گئیں، اب ہم جیسی معصوم رعایا پر اللہ ہی رحم کرے۔" روید نے آنی کے کان میں منہ کر کے کہا۔

"چپ ان سے پنگا نہ لیا کرو وہ برا مان جاتی ہیں۔" آنی نے اسے سمجھاتے ہوئے سرگوشی میں کہا۔

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے، لیکن یہ ہر وقت میرے پیچھے کیوں پڑی رہتی ہیں؟" روید نے بیچارگی سے کہا۔

"کیوں کہ تم گھر کے سب سے چھوٹے ہو، ان کا خیال ہے کہ تمہاری تربیت ہونا ابھی ہے۔" آنی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ایک غریب میں ہی ان کو ملتا ہوں، اپنی ہر نصیحت ٹھونسنے کیلئے۔ دیکھنا آنی کسی دن اوورلوڈ ہو کر پھٹ جاؤں گا۔" روید نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"پورے ڈرامے ہو تم" آنی نے اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"ڈرامہ تو وہ آپ کے شوہر نامدار ہیں۔" روید نے مذاق میں بات کی تھی، جب کہ آنی کے چہرے کی رنگت ایک دم بدل گئی تھی۔

"آنی...... کیا میں نے کچھ برا کہا ہے؟" روید نے فکرمندی سے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں تم دیکھو یہ رامین کا غرارہ کیسا ہے؟" آنی نے اپنا اور اس کا دھیان بٹاتے ہوئے

"ارے...... میں کیا بتاؤں گا یہ تو خالص زنانہ پارٹی کا مسئلہ ہے۔" روید نے ہنستے ہوئے

کہا۔ بڑی اماں اور بیبا اپنی ہی باتوں میں الجھی ہوئی تھیں، غالباً دلہن کا زیور زیر بحث تھا۔ بڑی اماں دلہن کو اپنے خاندانی روایات کی طرز کا ست لڑا ڈالنا چاہ رہی تھیں۔

بیبا کا خیال تھا کہ لڑکی نئے خیالات کی لگتی ہے، سارا زیور پرانی طرز کا نہ بنوایا جائے، کچھ اپنی مرضی اور کچھ اس کی مرضی کا بنوایا جائے۔

"ارے رہنے دو، چھوٹوں کا کیا کام بڑوں کی باتوں میں؟" بڑی اماں نے ماتھے پر بل ڈال کر کہا۔

"بڑی اماں آپ شاید بھول رہی ہیں کہ وہ دلہن ہیں، اور آپ ان کی ہی جیولری خریدنے جا رہی ہیں۔" روید پھر ٹانگ اڑانے سے باز نہ آیا۔

"لو اس کو ابھی سمجھایا تھا، لیکن جب تک اماں سے الجھ نہ لے اس کا بھی کھانا ہضم نہیں ہوتا۔" آنی نے دل ہی دل میں کہا۔

"تو کیا ہوا؟ ساری عمر وہ اپنے مرضی کا پہنے گی، اوڑھے گی، لیکن ایک بار وہ ہماری مرضی کا پہنے گی، ارے یہی تو موقع ہوتا ہے، لڑکے کی ماں بہنوں کا اپنا شوق، اپنے ارمان نکالنے کا۔" بڑی اماں نے جواباً لمبی چوڑی تقریر کر ڈالی۔

"بڑی اماں آپ نے کیا نوجوان نسل کی پسند ضبط کرنے کی خاص ٹریننگ لے رکھی ہے۔" روید بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔ خود ہی جا کر کانٹوں میں الجھ رہا تھا۔

"بیبا اس کو روکا کرو، اس کی بک بک میرے خون کو بڑھا دیتی ہے۔"

"بڑی اماں خون کا بڑھنا تو اچھی بات ہے" روید نے نچلا ہونٹ دبا کر شرارت سے کہا۔

"ارے میں نامعقول بی پی کی بات کر رہی ہوں" بڑی اماں کو آخر بی پی کا لفظ یاد آ ہی گیا۔

"اماں آپ اس کو چھوڑیں پہلے میری بات سنیں" بیبا نے بڑی اماں کو اپنی جانب متوجہ کیا تھا۔

"ہاں بولو؟"

"اماں میرے دو ہی بیٹے ہیں، میں اپنے بیٹوں کی شادی دھوم دھام سے کرنا چاہتی ہوں، لیکن اللہ جانے رواق کو کیا ہو گیا ہے، کہ کل رات سے وہ مسلسل ضد کر رہا ہے، کہ شادی بے حد خاموشی سے ہو گی۔" بیبا نے پریشانی سے کہا۔

"ارے رہنے دو، آج کل کے لڑکے تو جانے کیا کیا کہتے رہتے ہیں، خاموش
شادی...... لاحول ولا! ارے ہم لڑکی بیاہ کر لا رہے ہیں، ہم کیا لڑکی بھگا کر لا رہے ہیں؟"
اماں کو بھی رواق کی بات اچھی نہ لگی تھی، خود بیبا کو اعتراض تھا کہ بیٹے کی شادی اس قدر چھپ کر خاموشی سے ہو۔

"لیکن وہ ایسا کیوں کر رہا ہے؟" آنی نے پوچھا۔

"ڈاکٹر دیپا پروانی کی وجہ سے۔" روید نے اطلاع دی۔

اس کا مطلب تھا کہ روید ہر بات سے باخبر رہتا تھا۔

"محترمہ آپ کے ہینڈسم پوتے پر ریجھ گئی تھیں، بھائی صاحب کی خاطر پردیس بھی آ رہی ہیں، گزشتہ مہینے بھائی کی بات پکی ہونے کا سن کر محترمہ کو برین ہیمبرج ہو گیا تھا، اور ہمارے نرم دل ہمدرد بھائی صاحب جن کے دل میں سارے جہاں کا درد ہے، وہ اس حسینہ سے چھپ کر شادی کرنا چاہتے ہوں گے، کہ لڑکی ہرٹ نہ ہو جائے۔" روید کی بات سولہ آنے درست تھی۔

بیبا کو بھی ڈاکٹر رواق کا غیر معمولی رویہ سمجھ میں آ گیا تھا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔" وہ بے اختیار بولیں۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس گھر کے پہلے پوتے اور میرے پہلے نواسے کی شادی ہو، اور خاموشی اور راز داری برتی جائے، نہ بابا ہم تو دھوم دھام سے کریں گے۔" بڑی اماں نے تو فیصلہ سنا دیا۔ وہ ویسے بھی کب کسی کی بات سنتی تھیں۔

"اماں میں رواق سے ایک دفعہ پھر بات کر لوں، انشاء اللہ کوئی نہ کوئی حل ضرور نکلے گا۔" بیبا نے نرمی سے کہا۔ بیبا کا مزاج ہی ایسا تھا کہ سامنے والے فریق کا مزاج کتنا ہی شدت لیے ہوتا ہمیشہ اپنے دھیمے پن سے حالات اور بات کو نارمل کر لیتی تھیں۔

***

"جاؤ بے وفا لڑکی میں تم سے نہیں بولتی۔" رابعہ نے آمنہ کی آواز سنتے ہی شکوہ کیا۔

"میرے تو ستارے ہی گردش میں ہیں، کہ کوئی مجھ سے بات ہی نہیں کرنا چاہتا، سب پیارے ایک ایک کر کے میرا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔" آمنہ کی روہانسی آواز پر رابعہ ایک دم چونکی تھی۔

"ارے...... ارے! میں نے تو ایسے ہی کہا تھا، تم تو سنجیدہ ہوئے بیٹھی ہو، خیریت تو

ہاں؟ شہزاد بھائی ٹھیک ہیں؟ تم ٹھیک ہو؟" رابعہ نے فکرمندی سے کہا۔

"سچ کہتے ہیں کہ جب تک ماں باپ زندہ ہوتے ہیں، تو ان کی دعائیں اولاد کے گرد ڈھال کی طرح رہتی ہیں، ہر بلا ٹلتی رہتی ہے، جب سے ابا گئے ہیں، تم کو کیا بتاؤں میری زندگی کی خوبصورت مالا ایک دم ٹوٹ کر بکھر گئی ہے۔ اب یہ ٹوٹی مالا کے یادوں کے موتی ہر طرف بکھرے پڑے ہیں، بالکل میرے وجود کی طرح۔"

آمنہ لحہ بھر کو سانس لینے کی رکی تو رابعہ ایک دم درمیان میں بول پڑی۔

"یا خدایا...... آخر کیا ہو گیا ہے؟ تم سیدھے سے آسان لفظوں میں بتاؤ، تمہاری پہیلیوں سے میرا جی گھبرا رہا ہے۔" رابعہ نے بے حد فکرمندی سے پوچھا۔

"رابعہ......" آمنہ سسکی تھی۔

"شہزاد نے دوسری شادی کر لی۔" ایک بم دھماکہ ہی تو تھا، جو آمنہ نے کیا تھا۔

"کیا؟ آمنہ......! شہزاد ایسا نہیں کر سکتے۔" رابعہ کی نگاہوں میں شہزاد بھائی کی آمنہ کیلئے دیوانگی گھوم گئی۔

"سچ ہے مرد کا دل اس کا مزاج، موسم کی طرح بدل جاتا ہے، مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا، کہ شہزاد بھائی تم سے ایسا کر سکتے ہیں، وہ تو تم پر جان چھڑکا کرتے تھے۔" رابعہ کی آواز میں حیرت ڈوبی ہوئی تھی۔

"تم اپنی بات کہہ رہی ہو، اور میں جس کے ساتھ یہ سب ہو چکا ہے، وہ ابھی تک اس بھیانک حقیقت کو مان نہیں پا رہی! رابعہ ابھی تک شہزاد کی قربت کا وہ نرم گرم لمس میرے وجود پر تازہ ہے، پھر کیسے شہزاد نے یہ سب کچھ کر ڈالا، اتنی جلدی وہ کیسے بدل گئے، میں حیران ہوں قسمت کی اس ستم ظریفی پر۔"

آمنہ بے اختیار رو دی۔

"آمنہ پلیز رونا مند کرو، مجھے بے حد تکلیف ہو رہی ہے۔" رابعہ نے تڑپ کر کہا۔

اسے آج تک اپنا دکھ ہی بہت بڑا لگا کرتا تھا، لیکن آمنہ کی تکلیف کے سامنے اسے اپنا دکھ بہت چھوٹا لگ رہا تھا۔

"اب تو یہ ساری عمر کا رونا ہے۔" آمنہ نے بے اختیار کہا تھا۔

"پلیز آمنہ خود کو سنبھالو" رابعہ نے فکرمندی سے کہا۔

''آہ......'' آمنہ نے جواباً سسکی بھری۔

''لیکن شہزاد بھائی نے ایسا کیوں کیا؟'' رابعہ نے پوچھا۔

''اولاد کیلئے۔'' آمنہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''اوہ'' رابعہ نے بے اختیار کہا۔

''اگر مرد کے اندر کوئی خامی ہو تو کیا عورت کو یہ معاشرہ اجازت دیتا ہے کہ وہ بھی اس طرح کا قدم اٹھالے؟ بولو آمنہ'' رابعہ نے جل کر کہا۔

''ہوں'' آمنہ شاید ابات پر مزید بحث نہ کرنا چاہ رہی تھی اس لئے'' ہوں'' کہہ کہ خاموش ہو گئی کیوں کہ بذات خود یہ دلیل ہی غلط اور بے ہودہ تھی۔

''اچھا تم ٹھیک تو ہو، تمہاری آواز اتنی نحیف ہے کہ مجھے پریشانی لگ گئی ہے۔''

''ہاں ٹھیک ہوں'' آمنہ کہہ کر چپ ہوگئی۔

''آمنہ میں نے تو تمہیں دعوت کیلئے فون کیا تھا، میرے بھانجے کی شادی ہے، اور تم میری واحد دوست ہو، میری بہت خواہش ہے کہ تم شرکت کرو۔''

''کس کی شادی کر رہے ہو، رواق کی؟'' آمنہ نے پوچھا۔

''ہاں ان شاءاللہ!'' رابعہ نے جواب دیا۔

''بہت بہت مبارک ہو۔ کب کیا رشتہ؟'' آمنہ نے پوچھا۔

''دو ماہ پہلے رواق نے ایک لڑکی سے ہماری ملاقات کروائی تھی، بہت ہی پیاری بچی ہے اور خاندان بھی بہت اچھا ہے، تم ملوگی تو تم کو بھی وہ لوگ بہت اچھے لگیں گے۔'' رابعہ نے ایک دم خوش ہوتے ہوئے بتایا۔

''اچھا اللہ تم لوگوں کیلئے وہ لڑکی بے حد مبارک کرے'' آمنہ نے دل سے دعا دی۔

''تم نے شادی پر ضرور آنا ہے، میں کوئی بہانہ نہ سنوں گی، تمہارا دعوت نامہ میں نے پوسٹ کر دیا ہے، آج کل تم تک آجائے گا۔'' رابعہ نے اصرار کیا۔

''پلیز رابی مجھ سے وعدہ نہ لو، آج کل میرا کہیں جانے کو جی نہیں چاہتا۔'' آمنہ نے بے چارگی سے کہا۔

''میں کچھ نہیں سنوں گی، تم کو آنا ہے ہر صورت۔'' رابعہ نے مزید کچھ کہنے سنے بغیر فون رکھ دیا۔

''میں تم کو کیسے بتاؤں کہ میرا دل ہر چیز سے اوب گیا ہے، جب جب کسی کا اعتبار ٹوٹتا ہے، تو وہ دل اسے بھی اندر تک توڑ دیتا ہے۔'' آمنہ بھی اس قدر بکھری ہوئی تھی، کہ وہ زندگی سے آہستہ آہستہ دور ہوتی جا رہی تھی۔

***

''تمہیں میڈم بلا رہی ہیں، کہاں کھوئی ہوئی ہو؟'' عائشہ نے روم میں آ کر رامین سے کہا، جو جانے کتنی ہی دیر سے اپنے خیالوں میں مگن بیٹھی تھی۔

''اچھا تم چلو میں آ رہی ہوں۔'' رامین نے اپنا دوپٹہ دوبارہ سے درست کیا، اور سدرہ گیلانی کے دفتر پہنچ گئی۔

''مے آئی کم آن۔'' وہ دروازے پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔

''ارے آؤ ناں، اور یہ کیا تم ہر وقت فارمیلٹیز میں پڑی رہتی ہو، بغیر اجازت کے اندر آیا کرو، مجھے اچھا لگے گا۔'' میڈم سدرہ گیلانی نے کہا۔

''اور کیا میں بھی اجازت لے کر آیا ہوں ان کے روم میں، دیکھو نا ان کو میرا آنا کتنا اچھا لگا ہے۔'' عمر شاہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''تو اب یہ محترم آ گئے ہیں، اب تو مشکل ہی ہے کہ کوئی کام کی بات ہوگی۔'' سدرہ گیلانی نے ہنستے ہوئے کہا۔

عمر کو دیکھ کر ان کے چہرے پر حسب عادت بے حد رونق آ ئی تھی۔

''ارے بھئی رامین آپ کی شکل پر ساڑھے تیرہ کیوں بجے ہیں۔'' عمر شاہ نے نہایت سنجیدگی سے پوچھا۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' رامین نے پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

''اوں......ہوں میں نہیں مانتا جناب آپ کی آنکھوں کی چمک جو مقابل کو خیرہ کر دیتی تھی، جانے کس کنویں جا کھوئی ہے۔'' عمر شاہ نے کہا تو رامین نے بے اختیار اسے سر اٹھا کر دیکھا، کہ وہ اس کے دل کا حال کیسے جان گیا؟''

''تو جناب ابھی ان کی آنکھوں کی چمک واپس لے آتے ہیں۔'' سدرہ گیلانی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''یہ لو رامین'' انہوں نے ایک فائل اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

"جی کیا ہے؟" رامین نے پوچھا۔

"روشن اور چمکدار مستقبل کی نوید۔" سدرہ گیلانی مسکرائیں۔

"کیا مطلب؟" رامین نے نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

"تم کو پروگرام منیجر بنا دیا گیا ہے، اتنے کم عرصے میں اتنی بڑی کامیابی بہت کم لو حاصل ہوتی ہے، بہت بہت مبارک ہو۔" سدرہ گیلانی نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔

رامین کا ایک دم سے دم گھٹا تھا، ابھی اڑنے کیلئے اس نے پر ہی پھیلائے تھے، کہ ان کاٹ لئے گئے تھے۔

"اس فیلڈ میں کچھ کرنے کی اس کی بے حد خواہش تھی، نام، شہرت اور مقام! لیکن پھر ڈیڈی نے فوراً ہی اس کے پر کاٹ دیئے تھے، ایسا صرف اس شخص رواق کی وجہ سے ہوا تھا، گھر میں بھیجتا اور نہ اس کے گھر کی خواتین اس کے گھر کی دہلیز پکڑتیں اور نہ ہی ڈیڈی کا رجحان اس طرف جاتا۔

میرے خوابوں کو چکنا چور کرنے والا یہی شخص ہے۔ رامین کا دل ڈاکٹر رواق سے متنفر تھا۔

"ہیلو مس رامین" عمر شاہ نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرا کر اسے چونکایا۔

"مانا کہ آپ کی کامیابی واقعی قابل ذکر ہے، لیکن خوشی سے کسی کی یوں زبان بند ہونا بار دیکھی ہے۔" عمر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو رامین اک دم واپس حقیقت میں آ گئی۔

"تم کیا خوش نہیں ہوئی؟" سدرہ گیلانی نے اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھ کر پوچھا۔

"وہ میڈم......" رامین سوچ میں تھی کہ حقیقت ابھی بتا دے، ورنہ کچھ روز بعد بہر حال جلد کھل جانی تھی۔

"کیا؟" سدرہ گیلانی مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ تھیں۔

"او ہو" سدرہ گیلانی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"حد کرتی ہیں مس رامین، شادی ہو رہی ہے ناں، کالے پانی تو نہیں جا رہی کہ آپ ریڈیو چھٹ جائے گا۔" عمر شاہ نے تیوری پر بل ڈال کر کہا، ویسے بھی رامین کی شادی کی خبر اسے کچھ خاص اچھا نہ لگا تھا۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے عمر۔" سدرہ گیلانی تو ہمیشہ عمر کی رائے سے متفق ہوتی تھیں۔

بھلا وہ کیسے پیچھے رہتیں۔

"شادی کا مطلب یہ تھوڑی ہے کہ آپ کی اپنی ذات بالکل ختم ہو گئی ہے، شادی ایک زندہ انسان کی ہوتی ہے ناں، تو پھر لڑکی کی زندگی کی ہر ایکٹیویٹی شادی کے بعد ختم کر دی جاتی ہے، اس سے اس کا ہر عمل اس کی ہر خوشی چھین کر اسے مردوں میں کیوں شامل کر دیا جاتا ہے؟" عمر شاہ بے حد جلالی ہو رہا تھا۔

"رامین خبردار جو تم نے اپنی زندگی کو، اپنے ٹیلنٹ کو ختم کیا۔" عمر شاہ رامین سے خالی رامین اور آپ سے تم پر آ گیا تھا، لیکن رامین کو بالکل برا نہ لگا تھا، بلکہ اسے یہ سب کچھ سننا اچھا لگ رہا تھا، البتہ سدرہ گیلانی نے اپنے دل میں بے حد ناگواری محسوس کی تھی، وہ عمر شاہ پر ہمیشہ اپنی ہی ملکیت جتاتی تھیں، ایسے میں عمر شاہ ان کے ہی سامنے کسی اور کی فکر میں گھلے ان کو بالکل پسند نہ تھا۔

"لیکن میں کیا کر سکتی ہوں؟" رامین نے بے چارگی سے سوال کیا۔ وہ انجانے میں ہی عمر کو اپنے راز میں شریک کر کے تکلف کی دیوار کو گرا بیٹھی تھی۔

"تم بہت کچھ کر سکتی ہو تم اپنے حق کیلئے لڑو۔" عمر نے اسے ورغلانے کے انداز میں کہا۔

"لیکن کیسے؟" رامین کچھ بھی نہ سوچ پا رہی تھی۔

"یہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔" عمر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رامین کا سارا وجود کان بن کر اس کی باتیں سن رہا تھا، جب کہ سدرہ گیلانی غصے سے مسلسل پہلو بدل رہی تھی۔

***

"السلام علیکم باؤ جی" ڈاکٹر رواق نے سر جھکا کر باؤ جی سے پیار لیا۔

"جیتے رہو، شاد رہو، اللہ تمہارا بخت بلند کرے" باؤ جی نے ایک ہی سانس میں اسے ڈھیروں دعائیں دے ڈالی تھیں۔

"تم صبح جلدی نکل جاتے ہو، اور رات کو تاخیر سے واپس آتے ہو، کتنے ہی دن سے میں اپنے بیٹے کی شکل دیکھنے سے بھی محروم ہوں" باؤ جی نے میٹھی اور پیاری بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"باؤ جی گزشتہ ہفتے ہسپتال میں ایک حادثے کا شکار بہت سے مریض لائے گئے تھے، یہ بس کسی گاؤں سے آئی تھی، غالباً شادی کیلئے جا رہے تھے، بہت سارے لوگوں کی موت واقع ہو

گئی، اور کچھ ہمارے ہسپتال میں ابھی تک موجود ہیں، اسی حادثے میں ایک جوان لڑکی بھی
تھی، وہ اپنی یادداشت بھول چکی تھی، وہ اور اس کی ماں، بس میں بیچ راستے میں چڑھی تھی، کوئی
جانتا کہ لڑکی کا تعلق کہاں سے تھا، افسوس ناک بات یہ تھی کہ اس کی ماں حادثے میں مرگئی، ا
میں کوئی بھی اس کا والی وارث نہ تھا۔

لڑکی جوان اور خوبصورت تھی، اگر غلط ہاتھوں میں پہنچ جاتی، تو اس کی زندگی تباہ ہوجاتی،
لڑکی کے سلسلے میں میں اتنے دنوں سے اس کے گھر، گاؤں، رشتے داروں کی تلاش میں مصروف
تھا۔ صد شکر ہے آج صبح اس کی دادی اور والد اسے لینے آگئے تھے، میرے اتنے دنوں کی محنت
وصول ہوگئی۔ لڑکی اپنوں میں درست ہاتھوں میں پہنچ گئی، میں اس لئے گھر میں موجود نہ تھا۔"

رواق نے لمبی چوڑی بات کر کے وضاحت دی۔

"پیارے بیٹے میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا تھا۔" باؤجی نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

"باؤجی آپ حکم کریں۔" رواق نے تابعداری سے کہا۔

"تم جب چھوٹے سے تھے، تب بھی تمہاری یہ غیر معمولی حساسیت سب کو چونکا دیا کرتی
تھی، گھر کا اگر کوئی جانور نہ کھانا کھاتا تم بھوکے بیٹھے ہوتے تھے۔ تمہارے اندر لوگوں کا احساس،
ہمدردی غیر معمولی ہے، بعض اوقات تم خود کو تکلیف میں ڈال کر دوسروں کی مدد کرنے چل دیتے
ہو۔ ایک حد تک تو ٹھیک ہے، لیکن اپنے آپ کو مشکل میں ڈالنا عقلمندی نہیں ہے۔ تم جانتے ہو ہر
کوئی تمہارا اس لڑکی کے ساتھ اسکینڈل بنا رہا تھا، تمہاری اس پر غیر معمولی توجہ سب کو شک میں مبتلا
کر رہی تھی، مجھے ہسپتال سے شکیل کا فون آیا تھا، لوگ طرح طرح کی باتیں کر رہے تھے۔"

باؤجی نے فکرمندی سے کہا۔

"باؤجی کیا آپ کو اپنے پوتے پر یقین نہیں ہے؟ کیا میں ایسا ویسا کام کر سکتا ہوں، جس
سے آپ کو کوئی شرمندگی ہو" رواق نے بہت مان سے سوال کیا تھا۔

"تم پر مجھے خود سے بھی زیادہ یقین ہے تم نہ صرف میری امیدوں کا مرکز ہو بلکہ تم میرا فخر بھی
ہو۔" باؤجی نے پیار سے جواب دیا۔

"لیکن پیارے بیٹے دنیا دو اجنبی مرد اور عورت کو اسی نگاہ سے دیکھتی ہے اور سوچتی ہے۔"
اجنبی لڑکا اور لڑکی چاہے ان میں بہن، بھائی جیسا رشتہ ہو، لوگ ان کو کپل ہی سوچتے ہیں، یہ ان کا
قصور نہیں ہے۔ ہمیں اسی لئے تو معاشرے میں کچھ حدود میں رہ کر چلنا ہوتا ہے، تم نے ایک

لڑکی کو اس کے گھر والوں کے ہاتھ میں محفوظ طریقے سے پہنچایا، مجھے بہت خوشی ہے، لیکن
اگر تم اس نیک کام میں کسی اور کو بھی شامل کر لیتے تو بہت اچھا ہوتا۔ اس طرح خالی تمہاری ذات
تجسس کا باعث نہ بنتی۔" باؤجی نے بہت پیار سے اہم نقطے کی جانب ڈاکٹر رواق کی توجہ دلائی
تھی۔

"نہ جانے کیوں...... اکثر......! مجھے میری چھٹی حس کہتی ہے کہ تم پر جو یہ ہمدردی کا جذبہ
سوار ہوتا ہے اور ایسے معاملات کو تم باریک بینی سے بھی نہیں دیکھتے، تو کسی دن تم کسی مسئلے میں، کسی
مشکل میں نہ گرفتار ہو جاؤ، تمہارا سب کو بے خبر رکھ کر سارا بوجھ اٹھانا بھی، تمہاری یہ عادت تمہاری
خامی ہے۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ ہمدردی کے جذبے کو آئندہ خود پر اتنا ہرگز سوار نہ کرنا کہ تم
معاشرتی مصلحتیں تک بھلا دو۔"

باؤجی نے اس بار نہایت سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"جی باؤجی" ڈاکٹر رواق نے نہایت فرمانبرداری سے جواب دیا۔

"اب تم نئی زندگی میں قدم رکھنے جا رہے ہو۔ کنوارے پن میں زندگی یوں ہی ہوتی ہے،
جیسے آپ کسی سواری پر اکیلے سفر کر رہے ہو، تب آپ گاڑی صرف من مرضی سے چلاتے ہو، کبھی
تیز، کبھی مدھم اور کبھی نہایت خطرناک انداز میں، لیکن کوئی آپ کو کبھی کچھ نہیں کہتا کیوں کہ وہ سب
کچھ آپ کی اپنی زندگی تک محدود ہوتا ہے۔

آئندہ تم اپنی گاڑی میں اپنی شریک سفر کو لے کر سفر پر نکلو گے، تو تمہیں اس کی خاطر اپنی
ڈرائیو میں توازن رکھنا ہوگا، اور کوئی کام ایسا نہیں کرنا ہوگا جس سے وہ ہرٹ ہو۔" باؤجی نے بہت
ہی پیار سے ان کو زندگی کا نہایت اہم گر سمجھایا۔

"زندگی کی گاڑی میں لائف پارٹنر ہو تو احتیاطیں مصلحتیں لازم و ملزوم ہو جاتی ہیں، امید
ہے تم آئندہ کیئرفل رہو گے، ورنہ دنیا کی زبان سے جو نکلتا ہے عموماً وہ سچ ہی گردانا جاتا ہے۔"

"باؤجی آپ فکر نہ کریں آئندہ سے اس معاملے کو لے کر آپ کو کبھی میں شکایت کا موقع نہ
دوں گا" ڈاکٹر رواق نے ان کے ہاتھ کا بوسہ لے کر وعدہ کیا۔

"اللہ تمہارا بخت بلند کرے۔" باؤجی نے اس کی تابعداری پر بے اختیار دعا تھی۔

یہ ان کا پوتا تھا ہی اس قدر پیاری عادتوں کا کہ ہمیشہ پیار اور دعا لیتا تھا۔

"اللہ تمہیں ہر مشکل سے بچائے۔" باؤجی نے اپنی چھٹی حس کو رد کرتے ہوئے اسے ایک بار

پھر دعا دی تھی۔

***

"بتاؤ تو سہی ہم کہاں جارہے ہیں؟" روین نے کوئی دسویں بار رامین سے سوال کیا تھا۔

"تم تھوڑی دیر کو چونچ بند نہیں رکھ سکتی۔" رامین نے زچ ہو کر کہا۔

"میں ہی بیوقوف ہوں، جو ان وسوسوں اور سوالوں کی پٹاری کو اپنے ساتھ لے آئی ہوں" رامین نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"رامین تم پھپھو سے شاپنگ کا کہہ کر آئی تھی، لیکن یہ رستہ شاپنگ سنٹر کا نہیں ہے۔" روین نے پھر پریشان ہو کر پوچھا۔

"یا اللہ اس کو میں کیسے چپ کراؤں؟" رامین نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"باجی جی یہ ہی ایڈریس ہے" ڈرائیور نے گاڑی روکتے ہوئے مطلوبہ منزل پر لا کر کہا۔ رامین جان بوجھ کر اس نئے والے ڈرائیور کو ساتھ لے کر آئی تھی، جس کو ڈیڈی نے اپنی گاڑی پر رکھا تھا۔ رامین کو اس سے مخبری کا خدشہ نہ تھا۔

"یہ...... یہ تم کہاں آئی ہو؟" روین نے حیرت سے پوچھا۔

"سامنے آزر ہسپتال کا بڑا سا بورڈ چمک رہا تھا۔

"تم...... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" روین ہسپتال کا بورڈ دیکھ کر پریشان ہوگئی۔

"ارے نہیں بدھو میں ٹھیک ہوں، اور یہ تم اپنے چہرے کو فوراً ٹھیک کرو، جس پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ ورنہ ہسپتال کا عملہ تم کو ایمرجنسی کیس سمجھ کر زبردستی اسٹریچر پر لٹا کر ایڈمٹ کرنے لے جائے گا۔" رامین نے کوریڈور میں تیز تیز چلتے ہوئے کہا۔ وہ روین کا ہاتھ پکڑے تقریباً بھاگ رہی تھی۔ پھپھو کو دیئے ہوئے ٹائم کے مطابق ان کو ابھی گھر بھی پہنچنا تھا اور کچھ خرید کر لے جانا بھی ضروری تھا، ورنہ پھپھو کو شک ہو سکتا تھا، اس لئے رامین کچھ پل بھی ضائع کرنے پر تیار نہ تھی۔

"رامین...... رامین ہم کہاں جارہے ہیں؟" روین نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

پھر رامین جس کمرے میں جا کر کھڑی ہوئی، تو یہ دیکھ کر روین کی حیرت سے آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ ڈاکٹر رواق کا نام انگریزی میں بے حد خوبصورتی میں لکھا ہوا آویزاں تھا۔

"تم...... تم جیجو سے ملنے شادی سے پہلے آئی ہو؟" روین کو رامین کی یہ روشن خیالی ذرا پسند نہ آئی تھی۔

"ہاں......" رامین نے بے حد سکون سے کہا۔

"پھپھو جان تمہارا خون پی جائیں گی۔" روین نے اسے ڈرایا۔

"کیوں پھپھو نے یہ نیا ڈرنک کب سے استعمال کرنا شروع کیا۔"

"جب سے تم نے نافرمانی اور بغاوت کی حرکتیں شروع کی ہیں۔" روین نے جل کر کہا۔

"اول تو ایسا کچھ نہیں ہوگا، کیوں کہ ان کو کوئی نہیں بتائے گا، اور اگر تم نے ان کو کچھ بتایا تو پھپھو چاہے میرا خون پئیں یا نہ پئیں میں ضرور تمہارا خون پی جاؤں گی۔" رامین نے روین کو دھمکاتے ہوئے اندر کی جانب قدم بڑھایا۔

"ایکسکیوزمی میڈم آپ ڈاکٹر صاحب سے بغیر وقت لئے نہیں مل سکتیں۔" دروازے کے ساتھ چھوٹے سے کیبن میں بیٹھی نرس نے اس کو روکا۔

"تمہارے ڈاکٹر صاحب کی زندگی کا آئندہ سارا وقت میرا ہونے جارہا ہے، اس لئے مجھے اجازت کی ضرورت نہیں۔" رامین دھڑلے سے آگے بڑھی۔

"ارے...... رکیے! ارے لڑکیو! رکو ڈاکٹر صاحب ناراض ہوں گے، وہ مریض کو دیکھ رہے ہیں۔" لڑکی ان کے پیچھے بھاگی، لیکن رامین روین کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہوگئی تھی۔

آئی تو وہ بہت دھڑلے سے تھی، لیکن ڈاکٹر رواق کی اونچی لمبی شخصیت دیکھ کر رامین کا سارا جوش اور ولولہ کہیں جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

"آپ......؟" ڈاکٹر رواق نے حیرت سے ان دونوں کو دیکھا۔

"وہ...... ہمیں آپ سے بات کرنی تھی" رامین نے سر جھکا کر یوں کہا، جیسے بچے پرنسپل کے کمرے میں سزا کے لئے کھڑے ہوتے ہیں۔

روین نے غصے سے دانت پیس کر اسے دیکھا تھا۔ آئی تو شیرنی بن کر تھی، اب بھیگی بلی بن گئی ہے۔

"اوکے......" ڈاکٹر رواق نے سنجیدگی سے کہا۔

"سر یہ زبردستی اندر آگئیں، میں نے منع بھی کیا تھا" نرس نے منمنا کر اپنی صفائی پیش کی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ باہر جائیں، اور شیخ صاحب کو ڈاکٹر عالیہ کے پاس بھیج دیں، ان سے کہیں کہ ان کو میں نے ریفر کیا ہے۔" ڈاکٹر رواق نے نرس سے کہہ کر ان کی جانب رخ موڑا۔

"آپ کھڑی کیوں ہیں، بیٹھ جائیں۔" ڈاکٹر رواق نے ان سے کہا۔

"تھینکس" رامین نے زبان ہونٹوں پر پھیر کر کہا۔

"جی فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں؟" ڈاکٹر رواق کے سنجیدہ لہجے پر رہی سہی ہمت بھی ختم ہوگئی۔

وہ جو کہنے آئی تھی، سارے الفاظ گڈمڈ ہوگئے تھے۔

"اب بکو بھی کیا آفت آئی، جو تم یوں سارے زمانے کا خطرہ مول لے کر آئی ہو" نے سرگوشی میں اسے ڈانٹا۔

"وہ......وہ میں آپ سے کچھ کہنا...... کہنے آئی تھی۔" رامین کو سمجھ نہ لگ رہی تھی، کہ بات شروع کرے۔

"سب کہہ رہے تھے کہ لڑکے نے اپنی پسند کا رشتہ کیا ہے، لیکن یہ اتنا منہ بنا کر بیٹھا جیسے اس کو مجھ سے کوئی تعلق ہی نہ ہو" رامین کو ڈاکٹر رواق کی بے نیازی بھی کھل رہی تھی۔

"میں منتظر ہوں۔" ڈاکٹر رواق نے اپنی مسکراہٹ بمشکل روکتے ہوئے پوچھا، انہوں نے فون اٹھا کر باہر کسی کو کولڈ ڈرنک لانے کا کہا۔

"آپ......آپ مجھ سے شادی کررہے ہیں؟" رامین نے نہایت بے تکے انداز کو شروع کیا۔

"ظاہر ہے آپ کے گھر والوں کے ساتھ میرے گھر والے رشتے طے کرکے آئے لیکن آپ کیا آپ مجھ سے یہ پوچھنے آئی ہیں؟" ڈاکٹر رواق نے دلچسپی سے رامین کے چڑھتے رنگ دیکھ کر پوچھا۔

"وہ......وہ میرا مطلب ہے کہ میں ویسی لڑکی نہیں ہوں جیسی......جس کے ساتھ جائے۔" رامین نے مزید حماقت بھرے انداز میں کہا۔

"مطلب......؟ کیا شادی کیلئے لڑکیاں مختلف ہوتی ہیں؟ ویری سٹرینج۔" رواق ہلاتے ہوئے کہا۔

"میں......میرا مطلب ہے کہ میں گھریلو لڑکی نہیں ہوں، میں کھانا پکا نہیں سکتی، ہونا، استری کرنا جانتی ہوں" رامین جو کچھ سوچ کر آئی تھی، سب کچھ بھول چکی تھی، اس پٹانگ باتیں کرنے میں مشغول تھی۔ رواق کے چہرے پر مسکراہٹ بے اختیار تھی، روین

اس کے پاؤں پر پاؤں مارا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے۔" سرگوشی میں بولی۔ رامین دکھتے پاؤں پرسی کرکے رہ گئی۔

"کھانا پکانے کیلئے اور دوسرے کاموں کیلئے ہمارے گھر میں ملازمہ موجود ہے، میرا خیال ہے یہ ایسا کوئی فالٹ نہیں ہے۔" رواق نے اپنی ہنسی کو بمشکل روکا۔

"میں بہت ضدی ہوں۔"

"اکثر مرد بھی ہوتے ہیں، ہوسکتا ہے میں آپ سے بھی زیادہ ضدی ہوں، اور آپ سے یہ شادی کرکے رہوں گا۔" رواق نے کہا۔

"میرا مطلب ہے میں اپنی ایک خواہش کیلئے بے حد ضدی ہوں، اور اگر آپ میرے خوابوں کے بیچ میں آئے تو میں آپ کا جینا حرام کردوں گی۔" رامین نے اسے مزید دھمکایا۔

"کیا خواب ہیں؟ کیا پوچھ سکتا ہوں" رواق نے اس بار بے حد سنجیدگی سے پوچھا۔

"چھوڑیئے ناں رواق بھائی یہ تو ایویں ہی لگی ہے۔" روین نے بات کو پلٹنا چاہا۔

"نہیں روین بیٹا ان کو کہنے دو یہ کیا کہنا چاہتی ہیں، اور پلیز آپ بیٹھ کر سکون سے بات کریں، میں آپ کو کچھ نہیں کہوں گا۔" رواق نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

دونوں بیٹھ گئیں۔ رامین دل ہی دل میں مختلف لفظوں کا جوڑ توڑ کرنے میں مشغول تھی، کہ اسے بات کس طرح شروع کرنی ہے۔

"بولیے رامین میں آپ کی بات سننے کیلئے منتظر ہوں۔"

"میں ریڈیو پر تعریف کرتی ہوں، مجھے شروع سے ہی کمپیئرنگ اور سنگنگ کا شوق تھا، میری آواز کی سب ہی تعریف کرتے ہیں، میں نام، شہرت اور مقام حاصل کرنا چاہتی ہوں، میری بھی کوئی پہچان ہو، میں صرف ایک عام سی گھریلو وائف بن کر جینا نہیں چاہتی جس کی کوئی پہچان نہیں ہوتی۔"

"سوری رامین میں آپ کی بات کاٹتا ہوں، ہر اچھی ہاؤس وائف کا پرسکون گھر اور اس کے قابل بچے اس کی پہچان ہوتے ہیں۔" رواق نے بے حد نرمی سے کہا۔

"لیکن ان سب سے ہٹ کر بھی خود کو نمایاں رکھنا چاہتی ہوں، اور ظاہر ہے کوئی مرد عورت کو نمایاں ہوتے دیکھ نہیں سکتا، آپ لوگوں کا گھرانہ بھی روایت پسند ہے، مجھے جاب کی اجازت بھی نہیں ملے گی، اور اس طرح میں کبھی بھی آپ کیلئے سکون کا باعث نہ بنوں گی، اس لئے بہتر ہوگا کہ

آپ کسی گھریلو لڑکی کا انتخاب کرلیں، یہ اپنی روین سے ہی کرلیں، یہ بڑی گھریلو ہے۔" رامین نے ساتھ ہی اپنی رائے دے ڈالی۔

"پاگل ہوگئی ہو کیا؟" روین چیخی۔

"مشورے کا بے حد شکریہ لیکن میں پھر بھی آپ سے شادی کروں گا۔" رواق نے بات غور سے سن کر بے حد سکون سے کہا۔

"میں نے کہا ناں کہ اگر میرے خواب پورے نہ ہوئے تو میری ذات آپ سب کیلئے بن کر ہمیشہ چبھے گی۔" رامین ایک بار پھر بیچ میں بولی۔

"چپ، بہت بولتی ہیں آپ!" رواق نے اس کی کرسی کے بازو پر اپنے ہاتھ جما کر زور دے کر کہا۔

رواق کے لباس سے اٹھتی ہلکی سے خوشبو رامین کا دل دھڑکا گئی تھی۔

"اور اگر میں آپ کے خواب پورے کرنے میں مدد کروں، تو وعدہ کریں کہ آپ کسی پھول کی خوشبو بن کر ہمیشہ کیلئے میرے اندر سما جائے گی۔" رواق نے عین اس کے کان کے قریب کر سرگوشی کی۔

رامین کی کانوں کی لویں بے حد سرخ ہوگئیں، اس کی جھکی نگاہ اٹھ نہ پا رہی تھی۔

"بولیں منظور ہے؟" وہ پوچھ رہا تھا، اور رامین کے ہونٹ سل گئے تھے، جب کہ دل کر اقرار کر رہا تھا۔

"قبول ہے! قبول ہے۔"

"اٹھو روین گھر چلیں......" وہ گھبرا کر دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

"ارے جواب تو دیتی جائیں" رواق نے گہری مسکراہٹ لئے پوچھا۔ جواباً رامین بے اختیار مسکرا کر باہر نکل گئی۔

روین نے ہونقوں کی طرح دونوں دیکھا اور پھر چپ چاپ رامین کے پیچھے نکل گئی کہ رواق بے اختیار ہنسا تھا۔

"ہوں تو مس رامین عبدالقدیر صاحبہ آج اپنے نقائص بیان کرنے آئی تھیں، اب بتاؤں کہ محبوب کا تو نا ٹھیک بھی ٹھیک لگتا ہے۔"

***

"رواق تم نے اچھا نہیں کیا، میرے ماتا پتا کو انفارم کرکے" ایئر پورٹ پر کھڑی دیپا پروانی نے کہا۔

"اب وہ تب تک شانت نہیں ہوں گے، جب تک میں ان کے پاس نہ پہنچ جاؤں۔" دیپا کو دیکھنے اس کی خیریت کا پتا لینے اس کا چھوٹا بھائی آیا تھا، کیوں کہ دیپا پروانی کی طبیعت کی خرابی کا سن کر اس کے پاپا کی اپنی طبیعت بھی بگڑ گئی تھی، جس کی وجہ سے اس کی ماتا جی بھی نہ آ سکی تھیں۔ اب وہ دونوں دیپا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے، اور دیپا کو نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے پاس جانا پڑ رہا تھا۔

"اچھا میری ساری خطائیں معاف کرکے جانا۔" رواق نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں۔" وہ گھبرا کر بولی۔

"کیوں کیا، تم اتنی ظالم ہو" رواق بولا۔

"نہیں تم تو یوں کر رہے ہو، جیسے تم ہمیشہ کیلئے مجھ سے دور ہونے والے ہو، میں تم کو کبھی اپنے سے دور ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔" دیپا نے دیوانگی سے کہا۔

"ایسی باتیں تو دور جانے والے کرتے ہیں۔" دیپا نے سہم کر کہا۔

"کم آن یار...... ہر وقت ایک ہی بات۔" رواق نے اسے ٹالا۔

"سیارہ اپنے مرکز میں نہیں گھومے گا تو کیا کرے گا؟ اچھا سنو میرے پیچھے کوئی چوری نہ کرنا" وہ اسے یک ٹک دیکھتے ہوئے بولی۔

"مطلب؟" رواق نے نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

"مطلب یہ کہ ہمیشہ میرے ہی رہنا، خبردار جو تم نے شادی کی۔ یاد رکھنا اگر تم نے شادی کی تو اسی رات میں زہر کھا کر آتما ہتیا کرلوں گی۔" وہ جنونیوں کی طرح بولی۔

"اچھی زبردستی ہے۔" رواق نے زچ ہو کر کہا۔

"ہاں صرف تم سے۔"

"دیدی فلائیٹ کی یہ آخری اناؤنسمنٹ ہے۔" پیچھے سے اس کا بھائی بولا۔

"اوکے رواق اپنا خیال رکھنا میرے لئے، میں جلد آنے کی کوشش کروں گی۔" وہ اندر جاتے ہوئے بولی۔

ڈاکٹر رواق نے اس کے جاتے ہی ایک سکون بھرا سانس لینے کی کوشش کی، لیکن وہ ایسا نہیں

کر پایا تھا کیوں کہ ڈاکٹر دیبا پروانی کی آواز اس کے اعصاب پر ہتھوڑے بن کر برس رہی
"اگر تم نے شادی کی، تو میں اس رات زہر کھا کر مر جاؤں گی، میں تمہاری خاطر
بدلنے والی ہوں، تم اب صرف میرے ہو گے، تم صرف میرے ہو۔"
یہ جملے بھوت بن کر ڈاکٹر رواق کو ڈرا رہے تھے۔
"مجھے فوراً ہی کچھ کرنا ہوگا۔" ڈاکٹر رواق نے سر جھٹکتے ہوئے گاڑی کی رفتار بڑھا
اس کا رخ گھر کی جانب تھا۔
"ارے بھائی میاں آگئے، آج اتنے بے وقت آئے خیریت۔" روید جو بڑی اماں
اور بیبا کے ساتھ بیٹھا مہمانوں کی لسٹ تیار کروا رہا تھا، اس نے پوچھا۔
رواق سلام کر کے سب کے بیچ بیٹھ گیا۔
"بیبا شادی کی ڈیٹ جو مہینے بعد تھی وہ بدلنا ہوگی۔" ڈاکٹر رواق نے اچانک کہا۔
"لیکن کیوں بیٹا؟" کچھ کارڈ تو جا بھی چکے ہیں۔" بیبا نے کہا۔
"اگر آپ چاہتی ہیں کہ یہ شادی ہو تو، آپ کو یہ شادی اگلے ہی ہفتے کرنا ہوگی، ورنہ یہ
شادی ہمیشہ کیلئے ملتوی سمجھئے۔" ڈاکٹر رواق کہہ کر رکے نہیں۔
جب کہ وہاں بیٹھے سارے لوگ حیرت سے ڈاکٹر رواق کو جاتے دیکھ رہے تھے، کبھی
بات سے ضد نہ کرنے والے بیٹے ایک دم کیسی ضدی ہو گئے تھے، ضرور کوئی اہم ہی بات ہوگی
بیبا نے سوچا۔
"اگر میرا بیٹا ایسا چاہتا ہے، تو ایسا ہی ہوگا۔" بیبا نے باآواز بلند کہا۔ سب نے حیرانگی سے
کی جانب دیکھا۔
"لیکن کیا لڑکی والے ہماری بات مان جائیں گے؟" آنی نے فکر مندی سے پوچھا
سوچ میں پڑ گئیں۔
"انشاء اللہ ضرور مانیں گے، جاؤ روید فون ادھر اٹھا کر لاؤ، میں بات کروں گی۔" بڑی اماں
نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو بیبا کو ایک دم توانائی کا احساس ہوا۔
"ان شاء اللہ شادی اگلے ہفتے ہوگی۔" بیبا نے بے حد پُرامید لہجے میں کہا۔

***

"اللہ کی قسم میں تم کو بتا رہی ہوں کہ میرا انتقال ہونے والا ہے!"
رامین نے مسلسل ادھر ادھر چکر کاٹتے ہوئے کہا۔
"کیوں تم کو عزرائیل نے فون کیا ہے؟"
روین نے نہایت معروف انداز میں جواب دیا۔
"وہ......وہ ڈاکٹر رواق کسی عزرائیل سے کیا کم ہیں، جنہوں نے میرے سارے خوابوں کا
خون کر ڈالا، رامین کا موڈ بے حد خراب تھا، ہمارے خواب، ہماری ذات، اس کے آگے بھی کچھ
سوچ لیا کریں رامین۔"
"ہر وقت کا سیلفش ہونا اچھی بات نہیں ہے!"
"ایسا انسان دھیرے دھیرے ایسا فٹ بن جاتا ہے، کہ اپنوں کے دلوں کے خانے کیا اپنے
سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے نکل جاتا ہے۔"
"اب برائے مہربانی اس برے وقت سے بچیں۔" روین نے جوڑے کو نہایت سلیقے سے
پیک کر کے سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے کہا۔
"یہ......یہ تمہیں کیا ہوا ہے؟"
"تم کیوں اس قدر بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو؟" رامین نے چڑ کر پوچھا۔
"جب بڑے بچوں جیسی حرکتیں اور باتیں کریں، تو چھوٹوں کو میدان میں اترنا ہی پڑتا
ہے۔" روین نے دوسرے سوٹ کی پیکنگ شروع کر دی۔
"روین میں اتنی جلدی جلدی شادی کیلئے بالکل تیار نہیں ہوں۔" رامین رو دینے والی ہو گئی
تھی۔
"تم نے کیا تیاری کرنی ہے؟ تم بس پیلا جوڑا پہن کر کونہ سنبھالو ہم ہیں ناں کام کرنے

کیلئے۔'' روین نے نہایت معصومیت سے کہا۔

''لاحول ولا میں...... میں کیا کہہ رہی ہوں، اور تم کیا سمجھ رہی ہو۔ میرا مطلب ہے ذہنی طور پر بالکل تیار نہیں ہوں۔ رامین جانتی تھی، کہ روین کو اس سے اس معاملے میں رتی بھر ہمدردی نہ ہوگی، لیکن پھر بھی وہ اپنے دل کا بوجھ اس سے شیئر کرنا چاہتی تھی۔

''رامین......!''

''اب پھپھو اور ڈیڈی نے بھی حامی بھرلی ہے، ان کی ہی خاطر اپنے دل و دماغ کو راضی کر لو۔ جب سے رشتہ ہوا ہے، تم نے جو کل کل ڈالی ہوئی ہے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے، بڑی بدشگونی ہوتی ہے۔ آغاز اچھا ہو کسی کام کا، تو انت بھی اچھا ہوتا ہے۔ تم اپنی شادی کے متعلق اتنا برا سوچو گی تو آگے کا کیا ہوگا؟''

روین نے بے حد فکرمندی سے بڑی بوڑھیوں کی طرح کہا تو رامین نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ارے......! تم تو آج اپنے جامے سے نکل کر اتنی بڑی باتیں کر رہی ہو، سچ ہے بڑی شادی ایک ایسا حادثہ ثابت ہوئی ہے، کہ میری اور تمہاری سوچوں میں بس فکریں ہی فکریں آن ٹکی ہیں۔'' رامین نے تھک کر صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا، ''اللہ تمہیں عقل دیں تو ہی تم کو بھی عقل آئے گی، ہم جیسے عام بندوں کے بس کی بات نہیں ہے۔''

روین نے سوٹ کیس بند کیا، اور اپنا دامن ٹھیک کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

پیر صاحب کا تعویذ اثر ختم کر رہا ہے، پھپھی کو اس کی تازہ ترین کیفیت سے آگاہ کرنا بے حد ضروری ہوگا۔ دل ہی دل میں روین سوچتی باہر نکل گئی، تاکہ پھپھی سے بات کر سکے۔

اسی پل ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تھی۔

''ہیلو کون بات کر رہا ہے؟''

رامین کے لہجے میں بیزاری بے حد نمایاں تھی۔

''آپ رامین بات کر رہی ہیں؟''

''جی...... ہاں۔''

''جی میں اشفاق بات کر رہا ہوں!''

رامین نے حیرت سے فون کو دیکھا۔

''کون اشفاق؟''

''ارے آپ کا ایک سچا چاہنے والا۔'' اس کی آواز میں موجود بے باکی سے رامین کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''میں کسی اشفاق کو نہیں جانتی رونگ نمبر۔'' رامین نے کہہ کہ کھٹاک سے فون رکھ دیا۔

اللہ جانے کون لفنگا تھا، جو میرا نام تک جانتا تھا۔

رامین کو کچھ فکر لاحق ہوئی تھی۔

فون دوبارہ بج رہا تھا۔

''کیا مصیبت ہے!'' رامین نے غصے سے کہا۔

''ارے...... ریڈیو پر اس قدر چہکنے والی آواز آج کیوں غصے میں ہے؟'' وہ بھی ایک نمبر کا ڈھیٹ تھا۔

''دیکھو مسٹر! اگر تم نے دوبارہ فون کیا، تو میں تمہارا نمبر ٹریس کروا کر تمہیں پولیس کے حوالے کر دوں گی۔'' رامین نے اسے بہت بڑی دھمکی دی۔

''ارے جناب ہم خود کو آپ کے خود ہی حوالے کر دیں گے، یہ پولیس وغیرہ کو کیوں زحمت دیتی ہیں۔'' اس نے لوفرانہ انداز میں کہا۔

رامین کے اندر مزید بکواس سننے کا حوصلہ نہ تھا۔

اس نے فون بند کر کے تار نکال دی، ہونہہ کمینہ!

''جانے کون بدمعاش ہے!''

وہ غصے سے بڑبڑائی۔

***

''کیسی رہی؟''

اشفاق نے ہنستے ہوئے بشریٰ سے پوچھا۔

''زبردست، لیکن اصل مزہ تو تب آئے گا، جب ڈاکٹر رواق ان لوگوں سے فون کر کے اشفاق میاں کا قصہ پوچھیں گے۔'' بشریٰ نے خوشی سے کھلتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہوتے ہیں، بعض لوگ ایسے بھی کہ کسی کا دکھ ان کے اندر خوشی بھر دیتا ہے، ایسے نفسیاتی سازشی لوگوں کو چھوٹی چھوٹی باتیں اپنی انا کا مسئلہ لگتی ہیں، اس لئے وہ اپنے اردگرد کے

لوگوں کے ساتھ کبھی درگزر سے کام نہیں لیتے، بلکہ ہر بات کے بدلے کے لیے تیار ہوجاتے
ایسے لوگوں کی دوستی جتنی خطرناک ہوتی ہے، اتنی ہی دشمنی بھی خطرناک ہوتی ہے۔"

بشریٰ کے اندر رامین کے کہے لفظ ہر وقت آگ لگاتے رہتے تھے، اب وہ رامین کو
میں ایسی آگ لگانا چاہتی تھی، کہ ساری عمر رامین کو اس کی جلن کا احساس ہوتا رہے۔

"تو تم واقعی میں ڈاکٹر رواق کو فون کروانا چاہتی ہو؟"

اشفاق جو اس سارے معاملے کو بشریٰ کا وقتی کھیل سمجھتا تھا، ایک دم کچھ سنجیدہ ہوگیا۔

"بالکل!"

بشریٰ نے لاپروائی سے کہا۔

"بشریٰ یہ کچھ زیادہ ہو جائے گا، ان کے اندر یہ بات صرف خالی غلط فہمی نہیں، بلکہ
ہونے کا سبب بھی بن سکتی ہے۔" اشفاق نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"رامین کے ساتھ جتنا برا ہو، اتنا کم ہے! ہر وقت غرور سے تنا سر کچھ تو جھکے گا۔" بشریٰ
اندر جانے کن کن باتوں کو لے کر غصہ بھرا ہوا تھا۔

"مجھے تو کچھ ڈر سا لگ رہا ہے!"

اشفاق کو یہ ڈر معاشرے سے نہیں، اللہ سے لگ رہا تھا، جس کو وہ سمجھ نہ پا رہا تھا۔

"اشفاق اگر تم کو میرا ساتھ دینا ہے، تو دو ورنہ، یہ خوامخواہ کی نصیحتیں مجھے نہ کرو۔" بشریٰ
بیزاری سے کہا۔

"ہمارا ساتھ تو دینا میری مجبوری ہے، کیونکہ تم ہی تو میرے اچھے مستقبل کی سیڑھی ہو!"
اشفاق نے دل ہی دل میں کہا۔

وہ بشریٰ کا ایک غریب کزن تھا، جو اس سے شادی کا خواہاں تھا، تاکہ بشریٰ کے ذریعے
غریب سے امیری کا سفر شارٹ کٹ میں طے کرسکے، وہ اس کی ہر بات مانتا تھا۔

"نہیں مجھے تو صرف تمہاری خوشی سے مطلب ہے، ٹھیک ہے تم کو میرا ساتھ جہاں جہاں
درکار ہوگا، میں حاضر ہوں۔" اشفاق نے نہایت خود غرضی سے کہا تو بشریٰ کے چہرے کی مسکراہٹ
مزید گہری ہوگئی۔

***

میرے پیارے بندے!

خود کو یوں پگھلاؤ مت
مجھ کو دینے والوں پر جان گھلاؤ مت
میں خالق، مالک، رازق ہوں......... اور ہادی بھی ہر دور ابد تک میرا ہے۔
میں ہر انکاری کے دل میں
ہر کافر کے امکان میں ہوں
مجھے کھو کر رہنا کب انسان یہ سہتا ہے
ہر منزل سے مجھ تک آتا اک رستہ ہے۔

"ماموں میری برداشت کی ساری حدیں ختم ہوگئی ہیں!"

رابعہ نے روہانسی ہو کر باؤ جی سے کہا، جو تسبیح ہاتھوں میں لئے مسلسل ذکر میں مصروف تھے،
لیکن اب رابعہ سے مزید انتظار کرنا مشکل ہوگیا تھا۔ بالآخر وہ بول ہی پڑیں۔

"تم تو میری بہت صبر والی بیٹی ہو، اور میں تم کو بار بار اس خوشخبری کو بتاتا ہوں، کہ صبر کرنے
والوں کے ساتھ اللہ کی ذات موجود ہے۔"

باؤ جی نے حسب عادت اس کے جلتے تڑپتے دل پر دلاسے کے چھینٹے مارے تھے!

"ماموں...... اس کو دیکھنے اور پرکھنے کے بعد بھی آپ کیسے کہہ سکتے ہیں، کہ وہ سیدھے
راستے پر آجائے گا۔"

رابعہ نے آہ بھرتے ہوئے پوچھا۔

"اس لئے رابعہ بیٹا کیونکہ اللہ نے کہا ہے کہ "ناامیدی" کفر ہے! اور...... اور نعوذ باللہ ہم
اس کفر کے مرتکب کیوں ہوں؟"

"تم اللہ سے امید کا دامن کبھی نہ چھوڑنا۔" باؤ جی نے اس کے جھکے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

باؤ جی اظہر کا اسٹیج پر ایکٹنگ کرنا، تو قابل برداشت تھا، لیکن ہیجڑوں کی عورتوں کے لباس
پہن کر گھنگرو باندھ کر ناچنا......

وہ جب گھنگرو باندھ کر ناچتا ہے، تو میرا دل ایسے پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے، کہ میں خود کو بے
بس محسوس کرنے لگتی ہوں۔

ایک عورت کا فخر ہوتا ہے، اس کے شوہر کی مردانگی، ایک عورت کی موجودگی میں خود کو محفوظ
تصور کرتی ہے، لیکن ایک ایسے مرد کے ساتھ رہنا جو...... اپنی شناخت ہی بھول جائے، ایسی زندگی

تو لعنت بھری لگنے لگتی ہے!''

رابعہ کو باؤ جی نے بولنے دیا تھا، یہاں تک کہ وہ اپنے اندر کا غبار نکال کر ایک تھی، اور اب سر جھکائے بیٹھی تھی۔

''تم خود کو اس کے ساتھ ہی کیوں دیکھتی ہو؟ خود کو ایک مکمل انسان کے طور پر دیکھو شخص کی قبر اعمال الگ الگ ہوتے ہیں۔ ہمارا گناہ، تمہاری نیکی اور تمہارا شکر ہماری ذات ساتھ جڑے ہیں۔ پہلے اپنی ذات کے ساتھ، جو اللہ رحیم نے تم کو آسانیاں دی ہیں، ان کرو پھر دیکھ لینا، اپنی زندگی کے اس حصے کو......!''

باؤ جی نے اس بار کچھ سختی سے کہا۔ ان کو رابعہ کا لفظ ''لعنت'' استعمال کرنا بے حد برا

''اس کے لیے دعا کیا کرو، اپنے لیے دعا کیا کرو، اس کے راہِ مستقیم پر آ جانے کی لئے راہ مستقیم پر رہ جانے کی دعا۔''

''رابعہ بیٹا صبر کرو گی، خوش دلی سے کرو گی، تو اللہ تمہارا ساتھ دیں گے، تم کو اپنے الگ اجر ملے گا۔ لیکن اگر صبر اور اللہ کا ساتھ بھی نہ ملے گا، تو آسانیوں کی امید تک ختم ہو جا اس لئے اظہر کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دو!

جو بوجھ خود نہ اٹھائے جائیں، ان کو اٹھانے کا پنگا نہیں لینا چاہیے، چپ چاپ بوجھ اس بڑی ذات رب کریم پر ڈال دینا چاہیے۔ انتظار کرو، دعا کرو، اللہ ایک دن ضرور دعا قبول کریں گے۔'' باؤ جی نے سمجھانے کے ساتھ ساتھ رابعہ کو دلاسہ بھی دیا۔

رابعہ کے اندر ایک نئی توانائی بھر گئی تھی۔

''انشاء اللہ باؤ جی میں ضرور کوشش کروں گی، کہ میں اس امتحان کا مقابلہ کروں۔'' رابعہ باؤ جی سے وعدہ کیا، تو باؤ جی بھی دھیمے سے مسکرا دیئے۔

گھر کے بڑے بالکل چھتنار درخت کی طرح ہی تو ہوتے ہیں، جب نا امیدی کی دھوپ ہوتی ہے، وہ اپنی خیر بھری دعاؤں کی چھاؤں فوراً چھوٹوں پر کر دیتے ہیں۔ اسی لئے تو جن میں بزرگ موجود ہوتے ہیں، وہاں رحمتوں کے سائے کچھ زیادہ ہوتے ہیں۔

***

میرے مالک!
زمیں پر تو نے جتنے مرسلیں جتنے نبی بھیجے

وہ سارے مرد تھے لیکن
دکھی مخلوق پر تیری
وہ یکساں ابر رحمت بن کر برسے تھے
کوئی عورت نہیں ملتی زمانوں کے کھنڈروں میں
جو کہتی......
اے خدا! تیرا نبی کوئی
ہماری صنف سے ہوتا تو اچھا تھا......
نہیں مردانگی عورت کے پنہاں درد کے ادراک
سے کب روکتی تھی
اور پھر وہ بھی تو آئے تھے
جنہیں یہ طعنہ ملتا تھا
محمدؐ جب سے آئے ہر طرف عورت ہی عورت ہے
مرے مالک!
اب ان کے بعد تو کوئی نبی آنا نہیں ہے
اور مرے خطے میں جتنے مرد ہیں
اپنے غرور جنس کی بھاری چٹانوں میں دبے ہیں
ان گنت صدیوں کی ژولیدہ رواجی گرد
سینوں پر سلیں بن کر پڑی ان کے جماؤ میں اضافہ کر رہی ہے، کون آئے گا۔
چٹانوں میں دبے آثار کے کانوں میں ان کا آخری خطبہ انڈیلے گا، بتائے گا۔
کہ سب انسان برابر ہیں۔
جہالت کی سبھی عصبیتیں پائے مبارک کے تلے ہیں، اور نصیحت ہے
''کہ عورت سے بنا ہی کے قرینوں میں خدا سے ڈرتے رہنا ہے!''

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

شہزاد میاں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی آمنہ کو اپنے کمرے میں دیکھ کر غصے سے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

"اپنا قصور پوچھنے آئی ہوں!"

"میری خطاؤں میں کون سی نئی خطا آشامل کھڑی ہوئی، کہ میرے محرم دل نے ایک بار مجھ سے منہ موڑ لیا ہے!" آمنہ نے تڑپ کر پوچھا۔

شہزاد نے اس کے سلگتے ہوئے لہجے کو پوری طرح محسوس کیا تھا، اس کی سلگن کی آنچ اپنے دل پر محسوس ہوئی تھی، تبھی تو اس نے بغور اسے دیکھا تھا۔

اس پر نگاہ ڈالنے، اسے دیکھے اسے کتنے ہی دن ہو گئے تھے۔

سرسوں کی طرح پیلی پڑی رنگت، بڑی بڑی آنکھوں کے نیچے خون کی کمی کی وجہ سے حلقے پڑے ہوئے تھے۔ اس کی حالت دیکھ کر بے اختیار شہزاد کا دل تڑپا تھا، اتنے دنوں کی ناراضگی بدگمانی کچھ دیر کو مکمل کہیں جا سوئی تھی۔

محبوب کی نگاہ کب سرد اور کب نرم ہوتی ہے، عورت کا دل فوراً جان لیتا ہے، شہزاد کی آنکھوں کی نرمی نے آمنہ کو حوصلہ دیا تھا، یعنی اس کا خود سے آ کر بات کرنا ٹھیک فیصلہ تھا، آج رانیا اپنی بہن سونیا بھابی سے ملنے گئی تھی، آمنہ نے اس کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا، تاکہ وہ اپنے ناکردہ گناہوں کا پوچھ سکے، ورنہ شہزاد تو کسی طور پر قابو ہی نہ آ رہے تھے، اور ان کی بے رخی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔

"تم بہت کمزور ہو گئی ہو!" شہزاد نے پوچھا۔

"مجھے آپ کی محبت کی عادت ہے شہزاد! میری روح کے نخل پر آپ کی محبت کی پھوار تو زندگی بن کر پڑتی ہے! آپ کی محبت کے بغیر یہ نخل تو سوکھنا ہی ہے۔" آمنہ کی شدتوں کے آگے شہزاد کا دل بالکل پگھل کر رہ گیا تھا۔

یہ...... عورت کیونکر مجھ سے بے وفائی کر سکتی ہے، اور شخص کو اپنی جان اپنا بچہ پیارا ہوتا ہے
اگر یہ جھوٹی ہو، تو یہ اپنی ذات سے کیسے کھیل سکتی ہے؟

آج رانیا کی پرچھائی شہزاد کے وجود سے ہٹی تھی، تو شہزاد کو حقیقت نظر آئی تھی۔

"شہزاد......! آپ کی بے رخی مجھے مار دے گی!"

آمنہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ آج وہ یہ آنسو اس کے سامنے بہانا چاہتی تھی۔

شہزاد نے ایک قدم بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔

شہزاد کو ایک دم محسوس ہوا، اتنے دن سے جو ان کے اندر بے چینی اور بے کلی تھی، وہ ایک دم

ختم ہو گئی تھی، کتنے ہی لمحے وہ چپ چاپ اس کو محسوس کرتے رہے، آمنہ کے وجود سے اب بھی وہی مہک آتی تھی، جس سے ان کا دل ہمیشہ سے مانوس تھا۔

یہ آمنہ کی وفا کی خوشبو تھی!

کوئی ان کے اندر سے بولا

"تم...... تم......!"

شہزاد کچھ پوچھتے پوچھتے رہ گئے۔

"کیا پوچھنے جا رہے تھے؟ اس کے کردار کی گواہی مانگنے؟ نہیں کیا ان کا دل جھوٹا ہو سکتا ہے، جو اس عورت کو گلے لگائے بے حد شانت ہے۔"

"نہیں شہزاد یہ سچی ہے!"

اسے کچھ پوچھ کر اس نے مزید کوئی اور دکھ نہ دینا۔ انہوں نے خود سے کہا۔

اتنے دن سے رانیا کی پڑھائی پٹیاں سب آمنہ کے آنسوؤں میں دھل گئی تھیں۔

"ادھر آ کر بیٹھو! کھڑے کھڑے تھک جاؤ گی۔" وہ دروازہ بند کر کے اس کے پاس آ بیٹھے۔

آمنہ گہرے گہرے سانس لیتی تھک کر بیڈ کی کمر ٹیک لگا کر بیٹھ گئی، لیکن آنسو اب بھی اس کی آنکھوں سے رواں ہی تھے۔

"میں...... تم سے ہر خطا کی پھر سے معافی مانگتا ہوں! تم پلیز یہ رونا بند کرو، دیکھو کس قدر ویک ہو گئی ہو۔"

شہزاد کے اردگرد سے بدگمانی کی دھند چھٹی تھی، تو اسے ہر بات محسوس ہونے لگی، اپنی بدسلوکی اپنا ہر برا رویہ اس نے خوامخواہ کسی کی باتوں میں آ کر بغیر ثبوت کے اپنی پیاری بیوی پر شک کیا، ان کو دل سے شرمندگی ہوئی تھی۔

"آئی ایم سوری۔ پلیز رونا بند کرو۔"

وہ پھر سے پہلے والے شہزاد بن گئے تھے، آمنہ نے بے یقینی سے شہزاد کو دیکھا۔ وہاں پھر سے وہی اپنائیت تھی، اتنے دنوں کی بے رخی کاٹنے کے بعد اسے یقین نہیں آ رہا تھا، کہ واقعی شہزاد دوبارہ سے اس کے لئے ٹھیک ہو گئے ہیں۔

"ہاں یہ سچ تھا!"

آمنہ نے بے حد پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں، اور شہزاد کے کندھے پر سر ٹکا دیا۔
شہزاد نے ان کو اپنے حصار میں لے کر بے پناہ پیار کیا، تو آمنہ کی جلتی تڑپتی روح کو
مل گیا۔

اس نے بے اختیار ضیاء چچا کا شکریہ ادا کیا تھا، جنہوں نے آج شہزاد کو بہانے سے گھر بلوایا، اور آمنہ کو اس سے ملنے پر مجبور کیا، تاکہ وہ کھل کر آپس میں اپنی رنجش کو ڈسکس کر کے سکیں۔

"تھینک یو ضیاء چچا! میں تو آپ کو کچھ اور ہی سمجھتی تھی، لیکن آپ تو بہت اچھے دوست ہوئے!"

آمنہ کی روئی روئی آنکھوں کے ساتھ چہرے پر مدھم سی مسکراہٹ در آئی تھی۔

وہ بہت تھکی ہوئی تھی، اسے خبر ہی نہ ہوئی، کب وہ کچھ سوچتے سوچتے شہزاد کے بازو میں ہی نیند کی وادی میں جا سوئی تھی۔

شہزاد نے بہت احتیاط سے اس کا سر تکیہ پر رکھا، اور اس کے اوپر کمبل دے کر خود بھی اس قریب لیٹ کر اس کے بالوں کو سہلانے لگے تھے۔

ایسا کرنے میں وہ خود بھی بہت راحت محسوس کر رہے تھے، آمنہ کا وجود ان کا پسندیدہ تھا۔ وہ بے حد حسین عورت تھی، ان کی آنکھیں حسن کی عادی تھیں، ان کے ہاتھ آمنہ کے وجود لمس کے عادی تھے، جب جب وہ رانیا کی قربت میں رہے، بے حد ان ایزی رہے تھے۔

وہ پکے رنگ کی بھدے نقوش کی مالک عورت تھی۔

جس کو ان کا دل سراہتا نہیں تھا، ان کی آنکھیں اس کو دیکھ کر اپنی پیاس نہیں بجھا سکتی تھیں ہاں رانیا کے اندر خاص طرح کی ادائیں تھی، جو مرد کو اپنی طرف متوجہ کرتی تھیں، کھیلا لیکن بہت دیر تک نہیں، جب کہ آمنہ کے وجود کا جادو بنا اداؤں کے بھی ان پر ہمیشہ رہتا تھا۔

آج وہ آمنہ کے ساتھ بہت ایزی محسوس کر رہے تھے، تب ہی ان کو بند ہوئی آنکھوں گہری نیند میں جاتے بالکل یاد نہ رہا، کہ وہ دونوں رانیا کے کمرے میں ہیں، اور وہ بند دروازہ دیکھ کر کیا سوچے گی اور کیا کرے گی۔

اور اگر شہزاد جان لیتے کہ رانیا کیا کیا سوچ سکتی تھی، اور کیا پلان کر چکی تھی، تو وہ شاید بھوت نما عورت کے سائے سے ہمیشہ کیلئے جان چھڑا لیتے، لیکن انسان کو اپنی کی ہوئی غلطی

خمیازہ تو بھگتنا پڑتا ہے، رانیا بھی شہزاد کی ایسی ہی ایک غلطی تھی۔

****

چپکے، چپکے جل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے!
پروا سنگ نکل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
آنکھوں، آنکھوں چل پڑتے ہیں تاروں کی قندیل لئے
چاند کے ساتھ ہی ڈھل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے!
دل میں پھول کھلا دیتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے!
آگ میں راگ جگا دیتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے!
پانی بیچ بتاشہ صورت خود کو گھلتے رہتے ہیں
سم کو شہد بنا دیتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے!
زخم دلوں کے دھو جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے!
تتلی تتلی لہراتے ہیں پھولوں کی امید لئے
اک خوشبو سی ہو جاتے ہیں لوگ محبت کرنے والے!
بن جاتے ہیں نقش وفا کا
لوگ محبت کرنے والے
جھونکا ہیں بے چین ہوا کا
لوگ محبت کرنے والے
جلی ہوئی دھرتی پہ جیسے بادل گھر کر آئیں

بستی پر ہیں فضل خدا کا

لوگ محبت کرنے والے

عمر شاہ نے بے حد جذب سے یہ نظم پڑی تھی، اس کی نگاہوں کا حصار رامین ہی تھی۔

رامین جو چھٹی کی درخواست لئے سدرہ گیلانی کے کیبن میں آئی، تو وہاں عمر شاہ نے اس کا راستہ روک کر اپنی گمبھیر آواز میں یہ نظم سنائی تھی۔ کتنے ہی پل وہ چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔

ایک کی نگاہوں میں الجھن تھی، حیرت تھی، جب کہ دوسرے کی نگاہوں میں جذبوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

"عمر صاحب! آپ میرا راستہ چھوڑیں!" رامین کی آواز بے حد کمزور تھی۔

مرد جب جب اظہار کرتا ہے، وہ فتح کرتا ہے، اور عورت نا چاہتے ہوئے بھی اس کو اہمیت دے بیٹھتی ہے، کیونکہ یہ اظہار اس کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے، کہ کوئی اسے زندگی میں اہمیت دینے لگا ہے!

عورت اپنی اہمیت کے اظہار کو بے حد پسند کرتی ہے اور یہیں سے خود کو کمزور پاتی ہے۔

"میں نے تم سے کچھ کہا ہے!"

رامین کی کمزور آواز نے عمر کی ہمت بڑھائی تھی، اس لئے تو وہ اگلا سوال کرنے کیلئے تیار تھا۔

"آپ میرے ساتھ فلرٹ کر رہے ہیں؟"

رامین نے عمر شاہ کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں، فلرٹ کرنے کو اور خواتین مرگئی ہیں کیا؟"

وہ مسکرایا۔

"تو کیا میں خاتون نہیں ہوں؟"

"نہیں!"

"آپ عام خواتین میں تو بالکل شامل نہیں ہوسکتیں، آپ تو بہت خاص ہیں، ہمارے چمکتے ستاروں میں چاند خاص ہوتا ہے۔"

عمر شاہ کا لہجہ بے حد گمبھیر تھا۔ وہ رامین کو ایسی شدت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا،

اسے نگاہوں ہی نگاہوں میں پی جائے گا۔

"اچھا تو آپ کے خیال میں میں چاند ہوں!"

رامین نے اس کی بات کا مزا لیتے ہوئے کہا، جانے اس شخص کی باتوں میں کیسا شہد ہوتا تھا، کہ ہر لڑکی یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ بے باک ہی نہیں، خاصا دل پھینک بھی واقع ہوا تھا، اس کی باتوں پر مکھی کی طرح چپکنے سے خود کو روک نہ پاتی تھی۔

"ہاں ایسا چاند جس کی چاندنی میں نہانے کو میرا دل بہت بے قرار ہے!"

"تو مسٹر عمر شاہ میں کیا کہوں، آپ سے کہ آپ لیٹ ہیں یا پھر یہ کہوں آپ جانتے بوجھتے اس پرائے چاند پر نظریں تو نہ رکھیں۔" رامین نے اس بار سنجیدگی سے کہا وہ اس وقتی ٹرانس سے بہت جلد باہر نکل آئی تھی۔ اس کی عمر کچی تھی، ایسا ٹرانس اکثر کچی عمر میں آ ہی جاتا ہے، لیکن اگر انسان باشعور ہو تو، جلد ہی اس سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے، ورنہ یہ ٹرانس کسی دلدل کی طرح اپنے اندر کھینچ لیتا ہے، جہاں سوائے کیچڑ کے کچھ نہیں ہوتا ہے۔

"میں اپنے دل کا کیا کروں، جو بے شک حقیقت جانتا ہے، لیکن پھر بھی آپ سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہے۔"

"مسٹر عمر شاہ!"

"مجھے کوئی افسوس نہیں ہے کہ آپ میری زندگی میں نہیں آئے، کیونکہ میں آپ کیلئے ایسا کچھ محسوس کرتی ہی نہ تھی۔

بہر حال یہ میرا شادی کا کارڈ ہے، آپ بھی ضرور آیئے گا" رامین کارڈ اور چھٹی کی درخواست میز پر رکھ کر مڑی۔

"اور وہاں مسٹر عمر شاہ...... پرایا چاند پرائے آنگن میں اترے، تو اس کو قسمت کا لکھا جان کر قبول کرنا چاہیے نہ کہ یہ سوچا جائے کہ اس کو چھین لیا جائے۔"

رامین نے عمر شاہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا، جو کہ ابھی تک دیوانگی سے اسے تکے جا رہا تھا۔

"محبت...... ضروری نہیں ہے، کہ محبت دو جسموں کا ملاپ ہو۔ محبت...... محبت کا تعلق تو روحوں سے ہوتا ہے، میں بھی بنا طلب کے، آپ کو ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا۔"

عمر شاہ کے بیان پر رامین نے کچھ کوفت زدہ انداز میں اسے دیکھا۔

"مسٹر عمر شاہ میں ان ڈائیلاگز کے لئے رائیٹ پرسن ہرگز نہیں ہوں۔ میڈم سدرہ
آتی ہوں گی، آپ کے ان ڈائیلاگز سے وہ نہ صرف خوش ہوں گی، بلکہ ممکن جواباً کوئی ریمارکس
دے دیں۔"

رامین کے لبوں سے نہ چاہتے ہوئے بھی طنز نکلا تھا۔

"اوہ!"

"تو آپ کو اس بات کا غصہ ہے۔"

عمر شاہ نے یوں کہا کہ جیسے وہ رامین کی بے رخی کی وجہ جان گیا ہو۔

"عمر صاحب......! میں زندگی میں پیوریٹی کو بہت زیادہ کاؤنٹ کرتی ہوں، اگر میرے ہونے والے شوہر کی زندگی میں کوئی لڑکی ہوگی تو وہ صرف میں ہوں گی، اگر میرے علاوہ کوئی ہوئی تو پھر اس کی زندگی میں نہیں رہوں گی۔ لیکن آپ کا دل و دماغ کتنے ہی حصوں میں بٹا ہے۔ اور میں تو دوستی تک کے لیے پیوریٹی کی قائل ہوں، اس لئے اپنا وقت مجھ پر تو کبھی نہ کریں، کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔"

"پھر......پھر فائدہ جملوں اور جذبوں کو ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟"

رامین کہہ کر بہت اعتماد سے باہر نکل آئی۔

وہ ایسی ہی تھی، اس زندگی میں پیوریٹی بہت عزیز تھی، شاید یہی وجہ تھی، اس کی زندگی میں درگزر اور کمپرومائز جیسے لفظ نہ تھے۔

"ہونہہ......! رامین تم کیسے اس فلرٹ کی باتیں سننے کھڑی ہوگئی؟" رامین نے باہر آ کر خود کو ڈانٹا۔

"اتنا مت بھولنا کہ...... جو سب کا ہوتا ہے وہ دراصل کسی کا نہیں ہوتا۔"

اس کے اندر سے کوئی بولا۔

جب کہ عمر شاہ ڈھیٹوں کی طرح کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تم میں کچھ خاص بات ہے ناں! تب ہی تو تم اتنی ساری لڑکیوں میں اکیلی مختلف ہو، واقعی بہت سارے ستاروں میں بالکل چاند ہی جیسی نمایاں نظر آتی ہو۔"

***

ڈاکٹر رواق کتنی ہی دیر سے چپ چاپ اکیلے بیٹھے تھے، ورنہ تو عموماً وہ گھر آ کر

تبدیل کر کے اپنے افراد خانہ کے ساتھ بیٹھنا پسند کرتے تھے، لیکن وہ آج چپ چاپ کمرے میں بیٹھے مختلف سوچوں میں غلطاں تھے۔

باہر بہت رونق تھی، شادی والے گھر کی مخصوص چہل پہل ان کے گھر میں بھی شروع ہو چکی تھی، ان کو تو اس سب سے خوش ہونا چاہیے تھا، یہ ان کی شادی کی تقریبات کا آغاز تھا۔

یہ شادی ان کی خود کی پسند اور وقت پر ہو رہی تھی، لیکن وہ پھر بھی پریشان تھے۔

آج ہسپتال میں مسلسل ایک شخص کے فون نے ان کو ڈسٹرب کر دیا تھا، پہلے تو انہوں نے اسے بکواس جان کر اگنور کر دیا، لیکن مسلسل فون کالز نے آخر ان کو ڈسٹرب کر ہی دیا۔

"بھائی میاں آپ ادھر ہیں، اور آپ کی تلاش سارے گھر میں ہو رہی ہے۔" روید نے دھڑ سے دروازہ کھول کر کہا۔

"روید کتنی بار کہا ہے کہ دستک دے کر آیا کرو۔"

رواق نے اسے ہمیشہ کی کہی بات پھر سے کہی تھی۔

"بھائی میاں......! جب آپ کی بیٹر ہاف تشریف لے آئیں گی، تو یہ احتیاط میں ضرور کر لوں گا، فی الحال تو آپ کمرے میں اکیلے پائے جاتے ہیں۔ تب تو......!"

بہر حال پر اس میں ہمیشہ ناک کر کے کباب میں ہڈی بنا کروں گا۔" روید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم کبھی بولنے سے پہلے سوچو گے؟" ڈاکٹر رواق ہمیشہ اس کی باتوں پر زچ ہو جایا کرتے تھے۔

"سوچ کر بتاؤں گا، ابھی تو میرے پاس وقت بہت کم ہے، مجھے مہندی کی تیاری کرنی ہے۔" روید نے مصروف انداز میں کہا۔

"میں مہندی کی تیاری؟ لیکن تم کیا کرو گے، غالباً لڑکیوں کی تقریب ہوتی ہے!" ڈاکٹر رواق نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

"ہاں لیکن لڑکے کی اگر بہن نہ ہو تو وہ یہ نیک کام لڑکے کے بھائی کو ہی کرنا پڑتا ہے۔ ورنہ آپ کے دل میں رہ جائے گا۔ کہ میری مہندی کا فنکشن ماٹھا رہا۔" روید نے کہا۔

"لیکن تم کرو گے کیا؟"

"یہ تو آپ دیکھتے جائیں، ٹھمکے، ٹپے اور گلے پھاڑ کر گانا صرف لڑکیوں کو ہی آتا ہے، ارے

جناب جب لڑ کے میدان میں اتر آئیں تو......!''

''تو وہ کسی ہیجڑے سے کم نہیں لگتے!'' اے ڈی نے اندر آکر روید کا باقی ما
کیا۔

''یہ کیا بکواس ہے؟'' روید نے اس کی جانب آنکھیں نکالیں۔

''یہ میں نہیں بڑی اماں فرما رہی ہیں، لو بھلا ہم بھائی میاں کی شادی میں بھنگڑا
کیا خراب بات ہے؟'' اے ڈی نے بھی احتجاج کیا۔

''بھائی میاں اس ہٹلر کی جانشین کو آپ پلیز روکیں، میں بھی اسی واسطے آپ کے
تھا، ہر کام میں ٹانگ اڑاتی ہیں۔ حالانکہ بڑھاپے میں ٹانگیں اڑانے سے پرہیز کرنا
خوامخواہ کوئی انجری وغیرہ ہوگئی تو......!''

''روید!'' ڈاکٹر رواق نے اسے فوراً ٹوکا۔

''تم کب بولنے سے پہلے سوچو گے؟'' روید اور اے ڈی نے یک زبان ہوکر ڈاکٹر
ڈائیلاگ دہرایا، تو سنجیدہ چہرے والے ڈاکٹر رواق کے چہرے پر بھی مسکراہٹ در آئی۔

''دیٹس لائیک اے گڈ بے بی!''

اب اسی طرح مسکراتے ہوئے ہماری سفارش کردیں، ایک ہی تو بار آپ کی شادی
ہے، روز روز تو یہ فنکشن تھوڑے ہی کرنے ہیں۔'' روید نے حسب معمول سوچے بنا کہا۔

''اچھا بھائی چلو، میں آتا ہوں۔'' ڈاکٹر رواق نے زچ ہوکر اسے چلنے کو کہا۔

''جلدی آیئے اور ہمیں ہٹلر سے آزادی دلایئے۔'' وہ کہہ کر باہر نکلا۔

ڈاکٹر رواق بھی کمرے سے نکلنے لگے تھے، تب ہی ان کے کمرے میں رکھا فون بولا۔

حیرت سے ڈاکٹر رواق نے اپنے کمرے میں موجود فون کو دیکھا۔ یہ ان کے کمرے
لئے خاص طور پر باؤ جی نے الگ نمبر لگوایا تھا۔

عموماً گھر کے افراد میں سے کوئی باہر ہوتا، تو اس نمبر پر فون کرتا تھا، لیکن آج تو سب گ
تھے، پھر یہ کس کا فون تھا۔

''ہیلو؟''

''جی ڈاکٹر صاحب! آپ نے میری بات پر کچھ غور کیا؟''

''کیوں ہم دونوں پریموں کو الگ کر رہے ہیں، آپ کا ایک شادی سے انکار ہم د

زندگی کو بنادے گا۔'' اشفاق نے بشریٰ کے بتائے ہوئے ڈائیلاگ بولے۔

''تم کون ہو؟ اور تمہاری بکواس کا مقصد۔'' ڈاکٹر رواق اپنی برداشت چھوڑ بیٹھے تھے۔

''میرا کیا مقصد ہوگا؟''

''ارے جناب ہمارے تو دل کو چونکہ لگی ہوئی ہے، اس لئے ہم بے بسی سے فون کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب ہم رامین کے بغیر نہیں رہ سکتے اور کچھ یہی حال اس کا ہے، وہ بھی ہمارے بنا رہ نہیں سکتیں، اسی نے تو ہمیں آپ کا پرسنل نمبر دیا ہے بات کرنے کو!''

''شٹ اپ!''

ڈاکٹر رواق نے غصے سے فون بند کردیا تھا۔

ان کے اندر پہلی بار عجیب سی کشمکش جاگی تھی۔

واقعی ان کا پرسنل نمبر کیسے کسی اجنبی کے پاس رہ سکتا ہے، ڈاکٹر رواق نے فون اٹھایا اور رامین کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگے۔

''ہیلو کیا میں رامین سے بات کرسکتا ہوں؟''

''جیجو تین دن کی ہی تو بات ہے۔ تھوڑا صبر کرلیں۔''

روین نے اس کی آواز پہچان کر چہکتے ہوئے کہا۔

''روین بیٹا بہت اہم بات کرنی ہے!'' ڈاکٹر رواق کی اپنی کوئی بہن نہ تھی، اس لئے روین انہیں اپنی بہنوں کی طرح عزیز ہوگئی تھی۔

''جیجو، پھپھو بہت ماریں گی۔''

روین نے ڈرایا۔

''کس کو تمہیں؟''

''ظاہر ہے میں ہی تو ان کی کمزور رعایا ہوں، اور پھر وہ قریب ہی تو نماز پڑھ رہی ہیں۔''
روین نے سرگوشی میں کہا۔

''اوہ!''

ڈاکٹر رواق روین کی مجبوری سمجھ سکتا تھا۔ پہلی بار ڈاکٹر رواق نے ہی یہ رائے دی تھی، کہ وہ ایک امپاسبل خاتون ہیں، اور آج بھی وہ اپنے بیان پر قائم تھا۔

''اچھا روین بیٹا تم میرا ایک کام کرو۔'' اب وہ روین کو کچھ سمجھا رہا تھا۔

جواباً روین نے اچھا جی کہہ کر فون رکھ دیا تھا۔

***

''آپی یہ شاپنگ جیسا بور کام آپ اپنے شوہر نامدار کے ساتھ کرلیں۔'' عادل نے آہستہ سے
کہا۔

''وہ تو بہت ضروری کام سے اسلام آباد گئے ہیں، اور مجھے اپنی سہیلی کے بھانجے کی شادی کا
گفٹ خریدنا ضروری تھا۔''

آمنہ کو بہت جلد نقاہت ہوجاتی تھی، وہ وہیں شاپ پر موجود ایک کرسی پر بیٹھ گئیں۔

''آپی سہیلی کے بھانجے کا گفٹ؟''

''سبحان اللہ! محلے والوں کے لیے بھی کچھ خرید لیں، کہیں وہ آپ کی محبت سے محروم نہ ہو
جائیں۔'' عادل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''عادل چندا میرا دل گھبرا رہا ہے، میں گاڑی میں بیٹھتی ہوں، تم گفٹ خریدنے جاؤ۔'' آمنہ
نے عادل سے کہا۔

''چلیں آپی پہلے میں آپ کو کچھ پلوا دیتا ہوں۔'' عادل نے گاڑی کی طرف جانب مڑتے
ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے! آمنہ کا دل گھبرا رہا تھا، کہ اس نے بالکل بھی انکار نہ کیا۔'' عادل ان کو گاڑی
میں بٹھا کر خود جوس کارنر کی جانب بڑھا۔

''کمال آدمی ہیں، جب میں کہہ رہی ہوں کہ میں نے ابھی یہاں پرس رکھا تھا، تو آپ کیسے
مکر سکتے ہیں؟''

''کوئی سوئی، دھاگہ تھا جو غائب ہوگیا؟''

دو لڑکیاں کاؤنٹر پر موجود شخص سے الجھ رہی تھیں۔

عادل نے دونوں لڑکیوں کو دیکھا، جن میں سے ایک مسلسل دکاندار سے الجھ رہی تھی، جب
کہ دوسری بھی رفتار سے آنسو بہا رہی تھی۔

''دیکھو میں تم جیسی لڑکیوں کو اچھی طرح سے جانتا ہوں، اپنا بل دو ورنہ میں پولیس کو بلاتا
ہوں۔'' دکاندار نے بدتمیزی سے کہا۔

''تمہاری ایسی کی تیسی، دو برگر اور ملک شیک کے بل کے لئے تم پولیس بلاؤ گے۔ شوہ

انسان! کیا ہزاروں کا بل تھا تمہارا؟'' لڑکی نے غصے سے کہا۔

''آرام سے پیسے نکالو ورنہ......!''

''ورنہ کیا......؟''

وہ غصے سے بولی۔

''ایک تو تمہاری دکان سے ہمارا پرس چوری ہوا، جس میں ہمارے پیسے ہی نہیں، بلکہ جیولری
کی رسیدیں تھیں، تم کیا پولیس کو بلاؤ گے، میں بلاتی ہوں پولیس کو......!''

لڑکی نے غصے سے پاگل ہوتے ہوئے کہا۔

''رامین......وہ اگر سچ میں پولیس کو بلالے گا تو کیا کروگی؟''

روین نے دوپٹے سے اپنی ناک رگڑتے ہوئے کہا۔

عادل نے دلچسپی سے اس روتی ناک رگڑتی لڑکی کو دیکھا۔

سفید رنگ پر سرخ سرخ ناک ٹماٹر......!

عادل کے ذہن میں جملہ گھوما۔

''تو بلالے پولیس......میں ڈرتی ہوں؟

''تم تو اللہ سے نہیں ڈرتی تو یہ پولیس تو چھوٹی موٹی شے ہے تمہارے لیئے!'' روین نے روتے
روتے غصہ دکھایا۔

''واہ ملٹی ایموشنل لڑکی!''

عادل کے ذہن میں ایک اور جملہ گھوما۔

''تم یہ اپنا آنسوؤں کا نلکا تو بند کرو، مجھے ٹھیک سے بات بھی نہیں کرنے دے رہی۔'' رامین
کو لڑکی کے بیچ میں روین کی مداخلت بہت بری لگ رہی تھی۔

''کتنے پیسے ہیں تمہارے بھائی؟'' عادل نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''جی دو سو نوے روپے۔'' دکاندار نے کہا۔

''یہ لو تین سو روپے اور دس روپے کی تمیز کہیں سے سیکھ لینا، کہ خواتین سے کیسے بات کرتے
ہیں، کیونکہ تم اتنے تھڑدلے ہو کہ تمہارے لئے تو دس روپے کی تمیز بھی ساری عمر کے لئے کافی ہو
گی۔'' عادل نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

رامین کو وہ نوعمر لڑکا پر اعتمادی سے بولتا بے حد بھلا لگا تھا۔

جب کہ روین ہونقوں کی طرح اسے دیکھ رہی تھی۔

"آپی کیا میں آپ کی مزید کوئی مدد کرسکتا ہوں۔ آئی مین گھر جانے کے لیے میرے پاس گاڑی ہے، اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ وہ سامنے بلیک گاڑی میں میری آپا بیٹھی ہیں۔ آیئے میں آپ کو ان سے ملواتا ہوں۔"

عادل روانی سے مسلسل بولتا روین کو دیکھ رہا تھا، جو اپنے آنسو اور ناک دوپٹے سے صاف کر رہی تھی۔

"شکریہ بھائی آپکا!" رامین نے اس کا شکریہ ادا کیا۔

"میرا خیال ہے کہ ہر انسان کا فرض بنتا ہے، کہ وہ ہر مشکل کے وقت دوسروں کے کام آئے۔" عادل نے خوش دلی سے کہا۔

"ہاں! لیکن آج کل کا دور کچھ مختلف ہے، ہر جانب لوگ اپنی خاطر دوڑتے اور بھاگتے پھرتے ہیں، ایسے میں کسی کو کسی سے کیا تعلق؟"

رامین نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"آپ کی آواز......آپ کی آواز کتنی جانی پہچانی سی لگ رہی ہے، جیسے یہ لب و لہجہ میرے لئے اجنبی نہ ہو۔"

عادل نے آخر وہ بات کہہ دی، جس کو وہ مسلسل محسوس کر رہا تھا۔

"جی میں رامین عبدالقدیر ہوں، اور یہ میری بہن روین عبدالقدیر ہیں۔" رامین نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ ہی رامین عبدالقدیر جو ینگ ترنگ کی میزبان ہیں؟" عادل کے لہجے کا جوش بے حد نمایاں تھا۔

یہ وہ دور تھا جب آواز کا میڈیا بھی بے حد مقبول اور اہمیت کا حامل تھا۔

ریڈیو پر کام کرنے والے بھی سٹار مانے جاتے تھے۔

"جی ہاں!"

رامین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے، آپ سے مل کر، میں آپ کا بہت بڑا فین ہوں، آپ کی باتیں، اور باتوں باتوں کے ذریعے جوش پیدا کرنا، سب کچھ مجھے بے حد پسند ہے۔" عادل نے

بے حد پر جوش ہوتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" رامین نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

اسے یوں لوگوں کا پہچان لینا بے حد پسند تھا۔ آخر وہ اسی طرح کی شہرت اور پہچان چاہتی تھی، کہ لوگ ہزاروں میں بھی اس کو پہچان لیں۔

"رامین جیولر سے جیولری کیسے لیں گے؟ رسیدیں پرس میں تھیں، اور پرس گم ہو گیا تھا۔"

روین کی پریشانی بھی بجا تھی۔

"پھپھو نے ان کو اکیلے بازار جانے کی اجازت دے دی تھی۔" رستے میں ڈرائیور نے بڑی منت سے ان سے درخواست کی تھی کہ اس کا بچہ بیمار ہے۔ کیا وہ بچے کو گاڑی میں لے جا کر ڈاکٹر کو دکھا سکتا ہے؟

جتنی دیر میں وہ فارغ ہوں گی، تو وہ اتنی دیر میں واپس آجائے گا۔ اور روین نے ہمیشہ کی طرح ہمدردی دکھاتے ہوئے اسے اجازت دے دی تھی، بازار میں داخل ہوتے ہی وہ برگر اور کھانے پینے کے موڈ میں آگئیں۔

"میں تو انار کا جوس پیئوں گی۔" روین نے کہا۔

"اور میں اسٹرابیری شیک پینا چاہوں گی۔" رامین نے کہا اور پھر دونوں بے فکری سے باتیں کرتیں برگر ہٹ میں گھس گئیں جو سٹوڈنٹس کی بزی اور فیورٹ ترین جگہ تھی۔

اور یہاں پہنچ کر ان کو پتہ ہی نہیں چلا، کب کوئی ان کا پرس اٹھا کر لے گیا۔ دراصل رامین پرس میز پر رکھ کر واش روم گئی تھی۔ جب وہ گئی تو روین کے خیال میں بھی نہ تھا، کہ پرس یہاں چھوڑ گئی ہے۔ اس کی نظر تو مسلسل ایک نئے کھیل پر ٹکی ہوئی تھی۔ اسکے ساتھ ہمیشہ سے مسئلہ تھا کہ وہ جب بھی کچھ دیکھتی یا سوچتی بالکل ہی گم ہو جاتی تھی۔

رامین نے پرس غائب دیکھ کر شاک کی کیفیت میں اسے دیکھا تھا۔

"کسی دن کوئی بھرے بازار میں ہمیں اغواء کر کے لے جائے گا تو بھی تم کو دو تین دن بعد خبر ہو گی۔"

"ایسا بھی انسان کیا بے ہوش ہو کہ اپنے ارد گرد کی خبر سے بالکل کٹ آف ہو کر رہ جائے۔" رامین نے بے بسی سے اپنی بہن کو دیکھا تھا، جو فوراً سے رونا شروع ہو گئی تھی۔

"یہ تم بچوں کی طرح ہر بات پر رونا کب بند کرو گی!"

رامین نے زچ ہوکر اسے کہا تھا۔

روین پرس رکھتی نہیں تھی، اس کا اپنا پرس میڈیم روین گما چکی تھیں، اب وہ باقاعدہ
پا کھڑی تھیں، دکانداران کی بات پر یقین کرنے کو تیار نہ تھا، ایسے میں رامین کو عادل کسی
فرشتہ کی طرح لگا تھا۔

''رامین جیولری کا کیا کرنا ہے؟''

''روین نے دھیرے سے پھر اپنی بات دہرائی تھی۔

''میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں بھائی۔''

رامین نے روین کی بات سن کر عادل سے پوچھا۔

''جی میرا نام عادل ہے۔''

''ایسا ہے عادل بھائی ہم کو جیولر کی طرف جانا تھا، وہیں اسی شاپ پر ہمارا ڈرائیور ہمیں
لینے آئے گا، میں آپ کی مدد کی بے حد مشکور ہوں۔''

''پلیز آپ ہمیں اپنا ایڈریس بھی دے دیں تاکہ آپ کا ادھار بھی چکایا جاسکے۔'' روین نے
پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا تھا۔

''میں نے کب آپ کو ادھار دیا؟''

عادل کی رگ شرارت پھڑکی تھی۔

''وہ پیسے جو آپ نے ہمارے بل کے لیے دیئے تھے۔'' روین نے معصومیت سے
دلایا۔ ساتھ ساتھ وہ حیران ہو رہی تھی، کہ یہ لڑکا ابھی کی بات کیسے بھول گیا۔

''بالکل دیئے تھے، لیکن میں نے کب کہا تھا، کہ وہ پیسے میں نے ادھار دیئے ہیں۔'' عادل
نے مسکرا کر کہا۔

''روین!''

روین نے حسب معمول رامین کا پلو پکڑا تھا۔

وہ کب کوئی معاملہ سلجھا سکی تھی، عادل تو ویسے بھی اسے عجیب وغریب لگ رہا تھا۔ بغیر
پہچان کے وہ ایسے باتیں کر رہا تھا، جیسے وہ برسوں سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔

''ہاں عادل بھائی آپ پلیز اپنا ایڈریس ضرور دیں۔'' رامین نے بھی کہا۔

''ہرگز نہیں...... آئی مین میں آپ کو ایڈریس چائے پینے کیلئے آنا ہو تو دے دیتا ہوں

یہ ادھار وغیرہ کے لئے زحمت نہ کیجئے گا۔'' عادل نے بے حد شائستگی سے کہا۔

''لیکن بھائی اچھا نہیں لگتا کہ یوں......'' رامین بھی جھجکی تھی۔

''ادھار اتر سکتا ہے، اگر آپ لوگ کسی روز ہمارے ساتھ چائے پئیں۔'' عادل نے دلچسپی
سے روین کے ماتھے پر ناگواری کے بل دیکھے تھے۔

''رامین خبردار کوئی حامی بھری تو خوامخواہ چیونگم ہو رہا ہے۔ تم تو شادی کر کے سسرال چلی جاؤ
گی، اور پھپھو بعد میں میرا خون پی جائیں گی۔'' روین نے رامین کے قریب ہو کر سرگوشی میں کہا۔

''عادل بھائی چلیں، کسی روز آپ کے ساتھ چائے بھی پئیں گے، فی الحال ہمیں جیولر کے
ہاں جانے کے لئے دیر ہو رہی ہے۔'' رامین نے عادل کی بات بھی رکھ لی اور اسے ٹال بھی دیا۔

''یہ میرا کارڈ رکھ لیجئے۔''

عادل نے کچھ روز سے فیکٹری جانا شروع کیا تھا، اب اس نے اپنے وزٹنگ کارڈ بھی بنوا
لئے تھے۔

''ٹھیک ہے عادل بھائی۔'' رامین نے شکریہ کہہ کر کارڈ تھام لیا اور روین کو یوں کھینچ کر وہاں
سے لے گئی، جیسے کسی سے جان چھڑاتے ہیں۔

''کتنی عجیب سی لڑکی ہے ناں؟''

روین!

عادل نے کہا، اور ایک دم کھلا کر ہنس دیا۔

واقعی اسے یہ بدھو سی حسینہ بہت اچھی لگی تھی۔

***

''السلام علیکم! رامین بی بی۔''

شیخ مجیب نے بے حد شائستہ انداز میں ان کو دیکھ کر سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام انکل جی، کیا ہمارے سیٹ تیار ہیں؟''

روین نے پرجوش انداز میں پوچھا۔

''رامین کے لئے گہنے کپڑے، جس طرح ثانوی حیثیت رکھتے تھے۔'' روین کیلئے یہ سب
کچھ بہت اہم تھا۔

''جی بیٹا آپ بیٹھیں، بس ایک سیٹ جس کے اندر میچنگ نگینے لگنے تھے، وہ مکمل ہو رہا

ہے۔ میں آپ کے لئے جوس منگواؤں یا ملک شیک چلے گا۔''

''نہیں......نہیں انکل کچھ بھی نہیں!''

دونوں ایک دم سے یک زبان ہو کر بولیں، وہاں شیخ صاحب گھبرا گئے، کہ انہوں نے ایسی کون سی بات کہہ دی، جس سے وہ دونوں پریشان ہوگئی تھیں۔

اب ان کو کیا معلوم تھا، اس ملک شیک پینے کے چکر میں ان کا کتنا شیک بنا تھا۔

''ٹھیک ہے بیٹا! اگر ٹھنڈا نہیں پینا تو گرم منگواؤں؟''

شیخ صاحب کے سر سے میزبانی کا بھوت نہیں اترے گا، جب تک کچھ منگوا نہ لیں۔ آخر اتنے قیمتی سیٹ خرید رہے ہیں۔ وہ کسٹمر کو اوبلائیج کئے بغیر کیسے چین لیں گے۔ روین نے رامین کے کان میں کھسر پھسر کی تھی۔

''ٹھیک ہے چائے منگوا لیں!'' کسی نے پیچھے سے کہا تھا۔

''یہ آواز تو......''

رامین کا دل بری طرح دھڑکا تھا، اس نے ذرا سی گردن موڑ کر دیکھا، تو واقعی ڈاکٹر رواق تھے۔

''یہ یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

رامین نے روین سے غرا کر پوچھا۔

''مجھے کیا پتہ، خود پوچھ لو۔'' روین صاف مکر گئی۔

''السلام علیکم!'' ڈاکٹر رواق نے ان کی برابر والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

رامین کو لگا کہ وہ دوبارہ نظریں اٹھا نہ پائے گی، بولنا تو بہت دور کی بات تھی۔

''وعلیکم السلام!''

روین نے فوراً اسے جواب دیا تھا۔

شیخ صاحب چائے کا آرڈر کام والے بچے کو دے کر خود دوسرے کسٹمر کی جانب متوجہ ہوگئے تھے، کیونکہ ان کے سیٹ کو تیار ہونے میں کچھ وقت باقی تھا۔

''کیسی ہیں آپ؟''

ڈاکٹر رواق نے بالکل ساتھ بیٹھی رامین سے پوچھا۔

جو تقریباً سجدہ ریز ہونے والی تھی۔

''دلہا نکاح سے پہلے دیکھ لے تو دلہن کو روپ نہیں آتا!''

پھپھو کی باتیں اس کے دماغ میں گونج رہی تھیں۔

اب وہ منہ نیچے کئے روین کو گالیاں دے رہی تھی۔

کیونکہ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی، کہ ڈاکٹر رواق کی آمد اور ڈرائیور کی اچانک روانگی اتنی اتفاق نہ تھی۔

''اے پاگل منہ پر نقاب کرلو، لیکن اپنا سر تو اٹھاؤ۔ پہلے ہی سر میں کچھ نہیں ہے، اوپر سے اس طرح سجدہ ریز رہیں تو تھوڑی بہت عقل بھی نیچے کو بہہ جائے گی۔'' روین نے اس کے کان کے پاس آکر کھسر کر کہا۔

رامین نے فوراً روین کے مشورے پر عمل کیا۔ واقعی کبھی کبھی روین بھی عقل کی بات کر لیتی ہے، میں کب تک ہونقوں کی طرح سر جھکائے بیٹھی رہوں گی۔

''آپ جیجو یہاں کیسے؟''

روین نے اپنی پوزیشن رامین کے سامنے کلیئر کرنے کیلئے پوچھا۔

''ظاہر ہے آپ لوگوں سے ملنے آیا ہوں، جیولری خریدنا تو لڑکیوں اور عورتوں کا کام ہے!''

ڈاکٹر رواق نے جس معصومیت سے سچ اگل دیا تھا، روین کا دل چاہا تھا، کہ سامنے والی دیوار میں جا کر اپنا سر ٹکرائے۔

''روین!''

رامین کی غراہٹ پر روین کا سانس سوکھ گیا۔

''میں کیا کرتی ان کو جانے ایسی کون سی بات آئی ہوئی تھی، جو زبردستی مجبور کیا ملاقات کے لئے!'' روین نے اٹکتے ہوئے کہا۔

''تم گھر چلو......تمہارا حشر تو میں پھپھو سے کراؤں گی۔'' رامین کی دھمکی روین کا خون سکھا گئی تھی۔

''نیکی برباد گناہ لازم!''

''جیجو......اب بول بھی چکیں کہ سارے قصور میرے ہی کھاتے میں ڈالنے ہیں۔'' روین نے زچ ہو کر کہا۔

''نہیں بھئی یہاں نہیں کہیں چل کر بیٹھتے ہیں!'' ڈاکٹر رواق نے دکان میں آتے جاتے

لوگوں کو دیکھ کر کہا۔

''سوری جیجو......اتنی زیادہ فیور نہیں مل سکتی، پھپھو تو واقعی ہم کو قتل کر دیں گی۔'' روینہ

بار صاف انکار کر دیا تھا۔

''ٹھیک ہے تو ہم یہاں ہی بات کر لیتے ہیں۔''

''رامین میں زندگی کو ہمیشہ صاف شفاف دیکھتا آیا ہوں، میرے نزدیک منافقت

زندگی گزارنا کسی گناہ سے کم نہیں ہے۔'' رواق کی اتنی سنجیدہ تمہید پر دونوں ہی ٹھٹکی تھیں۔

''میں آپ سے کسی قسم کی وضاحت کے لئے آپ کو کٹہرے میں کھڑا نہیں کروں گا

صرف آپ سے سیدھا سیدھا سوال کروں گا۔''

''کیا آپ کسی اشفاق نامی شخص کو جانتی ہیں؟''

''کیا آپ کسی اور میں انٹرسٹڈ ہیں؟''

''اگر ہیں تو میں آپ کو زبردستی کسی بندھن میں نہیں باندھوں گا۔

اور اگر آپ کو انکار کرنے سے ڈر آ رہا ہے، تو آپ اشفاق کا سہارا نہ لیں، بلکہ مجھ

ڈائریکٹ بات کریں۔ رواق کی باتیں رامین کے دل پر کسی بجلی کی طرح گری تھیں اور اس کے

کو بھسم کر گئی تھیں۔

''کیا اس کی زندگی تباہ ہونے جا رہی ہے؟''

بہت بہادر بننے کے باوجود اس کا وجود دل اس سوال پر بہت بری طرح ڈرا تھا۔

کسی لڑکی کی منگنی ٹوٹے یا شادی قصور ہمیشہ لڑکی کے کھاتے میں ڈالا جاتا ہے۔

''رامین پلیز چپ رہیں، میں کسی قسم کی منافقت نہیں کر سکتا۔ آپ کے دل میں جو ہے

کھل کر کہیں۔''

رواق رامین کو بولنے پر مجبور کر رہا تھا، جب کہ وہ سر جھکائے آنسو پی رہی تھی، جب کہ

ہونقوں کی طرح کبھی رواق اور کبھی رامین کو دیکھ رہی تھی، جو کچھ اس کے کانوں نے سنا تھا

یقین نہ آ رہا تھا۔

''رامین کیا میں آپ کی خاموشی کو مثبت سمجھوں؟''

ڈاکٹر رواق کی بات پر رامین نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔

''آپ اتنے بڑے ہو گئے ہیں، کیا آپ کو غلط اور درست کی پہچان نہیں ہے؟''

''کیا آپ کو اپنے فیصلے پر اعتماد نہیں ہے؟''

''کیا جس کو پسند کیا جائے، یا چاہا جائے، اس کی آنکھوں کی سچائی جاننے کے لئے کسی اور کی نگاہ کی عینک درکار ہوتی ہے؟''

رامین نے مزید کچھ نہ کہا اور بنا جیولری لئے روبین کا ہاتھ پکڑا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

ڈاکٹر رواق پہلے تو ہکا بکا ان کو جاتے دیکھتے رہے۔ فوری طور پر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا لیکن اگلے ہی پل وہ رامین کی باتوں سے جواب اخذ کر چکے تھے۔

ایک بے حد جاندار مسکراہٹ ان کے لبوں پر آن کر ٹھہر گئی۔

''لڑکی کی باتوں میں جان ہے......!''

''بلکہ یہ لڑکی تو پوری کی پوری مکمل زندگی ہے!''

زندگی کو گرماتی ہلچل مچاتی......تب ہی تو ہمارے دل نے اسے پسند کیا تھا۔

ڈاکٹر رواق کے جلتے سلگتے اعصاب ایک دم دھیمے پڑ گئے تھے۔

***

ساری عمر اس رامین کی بچی نے مجھے ڈی گریڈ کیا ہے، کم بخت سکول سے کالج تک ہر شخص کی پسندیدہ شخصیت رہی ہے۔

اگر میں کسی تقریری مقابلے میں حصہ لیتی، تو وہ بھی ضرور لیتی، اور پھر کبھی میرے حصے میں کامیابی نہ آتی۔

وہ کامیابی کا جھنڈا لیے ہمیشہ مجھ سے دور بھاگتی، اور میں اس کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تھک

کالج کی لٹریری سوسائٹی کی صدر، اور تو اور میگزین ایڈیٹر بھی منتخب ہو گئی۔

کیوں وہ ہر کامیابی چھین لیتی تھی، جو میں چاہتی تھی۔

لیکن نہیں اب نہیں، میں اس کی زندگی میں ایسا زہر گھولوں گی، کہ وہ اپنی زندگی میں کبھی رس محسوس کر ہی نہ سکے گی! بشریٰ غصے سے بولتی مسلسل ٹہل رہی تھی۔

''رامین عبدالقدیر......!

''تم کو میں کسی سے ملنے کے قابل نہ چھوڑوں گی!''

بشریٰ نے تپتے دل سے سوچا۔

زندگی...... زندگی میں تم نے ہر طرح کی خوشی مجھ سے چھین لی۔

بشریٰ...... کو تم نے ایک لوزر بنا کر رکھ دیا۔

تمہارا چہرہ ہی کم نہ تھا، کہ تمہاری آواز بھی میری ہر خوشی میں حائل ہو گئی۔

بشریٰ جنونی ہو رہی تھی۔

''بشریٰ تم کمرے میں بند ہو کر کیا کر رہی ہو؟'' بشریٰ کی آپی نے اندر داخل ہو کر پوچھا۔

''کک...... کچھ نہیں؟''

بشریٰ نے گھبرا کر اپنے ہاتھ میں پکڑی تصویر فوراً اپنے پیچھے کی۔

یہ تصویر ان کے کالج کے فن فیئر کی تھی۔ اس تصویر میں اس کی سب دوستیں تھیں پر تصویر میں بھی رامین بے حد نمایاں تھی، میرا دل چاہتا ہے، کہ تمہارا منہ نوچ لوں۔

وہ تصویر دیکھ کر ہمیشہ کہا کرتی تھی۔

''بشریٰ آر یو او کے؟''

آپی نے اسے ہلا کر پوچھا۔

بشریٰ کے چہرے کے تاثرات بے حد عجیب قسم کے تھے، آپی کا چونکنا بے جا نہ تھا۔

''آ...... آں...... ہاں!''

''میں ٹھیک ہوں!'' بشریٰ کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

وہ جس جنونی کیفیت سے نکل کر آئی تھی، ابھی تک اس کی باڈی لینگویج نارمل نہ ہوئی تھی۔

''آپی کوئی کام تھا؟''

بشریٰ نے ان کی کھوجتی نگاہوں سے گھبرا کر پوچھا۔

''تم نے چلنا نہیں؟''

''رامین کی مہندی ہے۔ اماں تو پچھلے آدھے گھنٹے سے تیار ہو کر بیٹھی ہیں۔'' آپی نے تبدیل کر رکھا تھا۔ بس کچھ میک اپ باقی تھا۔''

''مہندی؟''

''رامین کی مہندی اب بھی ہو رہی ہے؟'' بشریٰ نے ایک دم سے کہا۔

''کیوں...... کیا پروگرام ملتوی ہو گیا ہے؟'' آپی نے حیرت سے پوچھا۔

''نا...... نہیں؟''

''میرا مطلب ہے کہ......!''

''اچھا آپ چلیں میں تیار ہو کر آتی ہوں۔'' بشریٰ نے ان کو فوراً کمرے سے باہر بھیجا۔

''اشفاق کے بچے کیا جھک مار رہے ہو؟''

''وہاں تو کوئی آگ کیا، کوئی چنگاری تک نہیں بھڑکی۔'' بشریٰ فون پر اشفاق سے لڑ رہی تھی۔

''تم فوراً رواق کو فون کرو، اور جو کچھ میں نے تم کو بتایا تھا وہ کہو۔''

''ہاں...... ہاں!''

بشریٰ نے جنونیوں کی طرح کہا اور فون واپس رکھ دیا۔

''اب دیکھتی ہوں کہ شادی کیسے ہوتی ہے!''

بشریٰ کے شیطانی دماغ میں جو پلان تھا، وہ اتنا خطرناک تھا، کہ رامین کی خوشی کی بہتی کشتی میں بیچ سمندر میں سوراخ ہونے والا تھا۔

اسے یقین تھا، کہ یہ سوراخ تو ضرور کشتی ڈبونے کے لیے کافی ہوگا۔

اس بار اس کا یقین بے وجہ نہ تھا۔

***

"اتنی دیر کردی تم لوگوں نے تیار ہوتے ہوتے!"

"کنواری لڑکیاں اتنا لمبا چوڑا سنگھار نہیں کرتیں، بھلا خدیجہ کیا کہے گی، کہ کیسی دوست... کہ اجنبیوں کی طرح عین وقت پر گھر آئی ہیں!"

بشریٰ کی امی کا موڈ گھر سے ہی خراب تھا، وہ مہندی میں پہنچ کر بھی مسلسل بڑبڑا رہی تھیں۔

"ارے اگر میری دوستی خدیجہ سے ہے، تو تمہاری دوستی بھی تو رامین سے خوب ہے، کچھ... کا ہی خیال کر لینا تھا۔"

بشریٰ کی امی تقریبات میں آنے جانے کی بے حد شوقین تھیں، ان کو ہمیشہ یہ دکھ ہوتا تھا... اگر ہم دیر سے پہنچے تو تقریب کا کوئی حصہ مس نہ ہو جائے۔

"وہ پہلے میری دوست تھی، اب نہیں ہے!"

بشریٰ نے پھولے پھولے منہ کے ساتھ کہا۔

"توبہ ہے یہ لڑکی تو سارے زمانے سے ہی ناراض رہتی ہے۔" بشریٰ کی امی کو ہر... بشریٰ کا منہ بنا کر گھومنا نہایت ناپسند تھا۔

"ارے لگتا ہے، کھانا شروع ہو گیا!"

بشریٰ کی امی نے نہایت صدمے سے کہا کہ وہ واقعی خاصی دیر سے پہنچی تھیں۔

"صبح نکاح کے وقت تمہارا ابا اور ان کے دوست آگئے، تب نہ میں شرکت کر سکی، اب اپنی... بیٹیوں نے اپنے سولہ سنگھار میں اتنا وقت برباد کر ڈالا" بشریٰ کی امی نے جل کر کہا۔

"کا...... ک...... کیا نکاح بھی ہو گیا ہے؟"

بشریٰ کو اپنی لاعلمی پہ رونا آ رہا تھا۔

"ہاں ناں!"

"جمعہ کا دن مبارک تھا، عبدالقدیر نے کہا کہ صبح نکاح ہو جائے، شام میں مہندی، اگلے دن بارات آنے پر جلدی جلدی کام نمٹ جائیں گے۔" بشریٰ کی امی کے پاس اپ ٹو ڈیٹ نالج ہوا کرتی تھی۔

"امی میری طبیعت کچھ خراب ہے۔"

"مجھے گھر جانا ہے!" بشریٰ کی اچانک فرمائش پر بشریٰ کی امی کا موڈ مزید خراب ہو گیا۔

"کیوں تمہیں کیا ہوا ہے؟"

انہیں اردگرد پھیلی کھانے کی خوشبو مسلسل متوجہ کر رہی تھی۔

"میرا سر درد سے مسلسل پھٹا جا رہا ہے۔" بشریٰ کے چہرے پر بہت تکلیف دہ تاثرات بھرے تھے۔

"گھر تو کوئی نہیں ہے، پھر تم گھر اکیلی کیسے رہو گی۔" بشریٰ کی امی تقریب چھوڑ کر نہ جانا چاہتی تھیں۔ "آپی کو ساتھ لے جاؤ۔" بشریٰ کی امی نے کہا۔

"نہیں امی آپ اکیلی بور ہو جائیں گی، میں اوپر والی آنٹی حرا کو بلا لوں گی۔" بشریٰ نے فوراً کہا۔

حرا لوگ ان کے کرایہ دار تھے۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں خدیجہ سے کہتی ہوں، کہ وہ تمہیں اپنے ڈرائیور کے ساتھ بھیج دے، اب لڑکی ذات کو اکیلے گھر کیسے بھیجوں۔" وہ کہتی ہوئی خدیجہ پھپھو کی جانب بڑھیں، جب کہ بشریٰ بے حد خراب موڈ میں سامنے اسٹیج پر گھونگھٹ نکالے رامین کو دیکھ رہی تھی۔

واقعی حسد کی آگ انسان کو لکڑی کی طرح جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ بشریٰ کا دل بھی جل کر راکھ ہو رہا تھا، اور وہ غصے اور نفرت سے پاگل ہو رہی تھی۔

"تم لوگوں نے کیا ساری رسمیں پوری کر لیں، جو کھانا اتنی جلدی کھول دیا۔" بشریٰ کی ماں نے خدیجہ پھپھو کے قریب پہنچتے کہا۔

"ارے بہن ابھی لڑکے والوں نے مہندی لے کر آنا ہے۔" دراصل بھائی صاحب کے کچھ دوست اور ان کی فیملی کو جلد جانا تھا، ان کو کھانا پہلے کھلا دیا۔ لیکن ساتھ ہی بہت سارے مریض بھی سامنے آ گئے، جن کو جلد کھانا کھا کر دوائی کھانی تھی، بھائی عبدالقدیر نے کہا کہ سب مہمانوں کو کھانا کھلا دیں۔"

"دلہے والوں کو بعد میں کھلا دیں گے، میرے بھائی کا دل اس قدر بڑا ہے، کہ وہ اس نے کھانے پلانے اور بیٹھانے کا انتظام کیا ہے، جس جس کو دوبارہ کھانا ہوا، اسے وہ کھلا دیں گے۔"

خدیجہ پھپھو نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا، اتنے بھاری بدن کے ساتھ ان سے مسلسل کھڑے ہونا مشکل تھا۔

"اچھا!"

بشریٰ کی امی کے چہرے کی رونق دوبالا ہوگئی۔

یعنی انہوں نے کچھ خاص مس نہ کیا تھا۔

"اچھا اپنے ڈرائیور کے ساتھ بشریٰ کو گھر واپس ڈراپ کرنا ہے، نگوڑی کے سر میں درد ہے۔"

بشریٰ کی امی نے بے تکلفی سے کہا۔

"ٹھیک ہے کہلوا دیتی ہوں۔" خدیجہ پھپھو آج تو ویسے بھی بے حد خوش اخلاق ہو رہی تھیں۔ آخر کو ان کی بیٹیوں جیسی رامین کی مہندی تھی، اور وہ بے خوش تھیں۔

***

"سوچ لو یہ بہت سے زیادہ ہے!"

اشفاق نے بشریٰ سے کہا۔

"جب تمہارے فون اٹر کر سکے تو کچھ ثبوت تو پیدا کرنے ہوں گے، تا کہ بات بنے"

بشریٰ نے جل کر کہا۔

"میں مسلسل فون کر رہا تھا، لیکن شومئی قسمت فون مسلسل انگیج جا تا رہا۔" اشفاق نے سے کہا۔

"اچھا جلدی کرو، کچھ تصویریں ہی تو لینی ہیں!" بشریٰ نے بے حد بے باکی سے کہا۔

اس کے کہنے پر اشفاق ایک مینول کیمرہ لایا تھا۔ جس سے بشریٰ پلان کے مطابق تصاویر اتروانا چاہتی تھی۔

بشریٰ اس وقت سلیولیس بلاوز میں صرف پیٹی کوٹ باندھے کھڑی تھی، اشفاق کی نظریں مسلسل بھٹک رہی تھیں، وہ اپنے خشک لبوں پر مسلسل زبان پھیر رہا تھا۔

"تم تیار ہو؟" اشفاق نے کیمرہ سیٹ کر کے پوچھا۔

"ہاں۔" بشریٰ بالکل گھبرائی ہوئی نہ تھی۔

"بدلہ، غصہ، حسد انسان کے نارمل احساسات ختم کر دیتا ہے۔" بشریٰ کچھ دیر ہانپتی ہانپتی دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

دو پتھر بھی آپس میں جب ٹکرا کر رگڑ کھاتے ہیں، تو آگ تو ضرور لگتی ہے۔

وہ دونوں سازش مکمل کرنے کے لیے ایسے گلاس میں سے ایک گھونٹ بھر چکے تھے، جس کی پیاس آگ لگا دیتی ہے۔

اشفاق کا بھی تنفس بشریٰ کی طرح بے ترتیب تھا۔

دونوں کچھ فاصلے پر کھڑے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، وہ اپنی مرضی کے پوز کھینچ چکے تھے، صبح ان کے چہرے بدل کر یہ تصاویر ڈاکٹر رواق کو پہنچ جانی تھیں۔

دونوں کا کام تو ہو چکا تھا، لیکن دونوں انجانے میں بھس میں چنگاری لگا چکے تھے، اور اب ان کے اندر اس آگ میں جل جانے کی شدت کی خواہش منہ زور لہروں کی طرح بپھر رہی تھی......

کچھ پل...... بعد ہی......!

ڈرامہ کرتے کرتے وہ حقیقت میں رنگ بھر رہے تھے۔

دونوں کے دماغ اس وقت اپنی طلب اور خواہش کے آگے ہار چکے تھے، بھول چکے تھے کہ

"دو پتھر ہوں یا بدن جب جب قریب آتے ہیں، قربت کی رگڑ آگ لگاتی ہے، اندر باہر سے جلاتی ہے۔"

***

میں تے میرا دلبر جانی!
بلیاں تے پیار کہانی
موسم ہویا بے ایمان......!
میں تے میرا دلبر جانی!

اے ڈی حسب معمول اپنی پسندیدہ گلوکارہ کا گیت گا رہا تھا، اور آج تو اسے کوئی روک بھی نہیں سکتا تھا، آج تو ہر کوئی حسب توفیق اپنے اپنے گلوں کے سر آزما رہا تھا۔ ڈاکٹر رواق کی مہندی تھی، اور اے ڈی کی آج سج دھج ہی الگ تھی۔ آخر بیبا نے اسے زبردست سی شلوار قمیض، واسکٹ،

جوتے دلوائے تھے۔ اس نے اپنے سر میں اپنا ازلی ابدی سنگھار یعنی تیل اور آنکھوں میں
سرمہ لگایا تھا، جو اسے ہمیشہ کی طرح سب سے الگ کر رہا تھا۔

اے ڈی سارے رستے بہار بیگم کو دیکھ دیکھ کر گانے گاتا آیا تھا، جو بار بار اپنا پرانا
کر عجیب وغریب مسکراہٹ کے ساتھ شرما رہی تھی۔

"یار اے ڈی!"

روید نے گاڑی سے اتر کر وین کے پاس آ کر کہا۔ جس میں سے اے ڈی کے ساتھ
کے ملازمین اور ہسپتال کے کچھ سٹاف ممبر اتر رہے تھے۔

"ہاں جی باؤ روید!"

اے ڈی مٹھائی کے ٹوکرے اٹھواتے ہوئے بولا۔

"یار ایک درخواست کرنی تھی، اگر برا نہ مانو۔" روید کا چہرہ شرارت سے جگمگا رہا تھا۔

"ہاں جی!"

"یار ابھی ابھی پتہ چلا ہے کہ دلہن کے ہاں رسم ہے، کہ گھر کا سب سے وفادار ملازم ان
گھر کی ساری خواتین کے پیر چھو کر دعا لیتا ہے، اور سب خواتین خوش ہو کر اس ملازم کو انعام
پیسے وغیرہ دیتی ہیں۔ میں نے کسی اور سے اس رسم کا ذکر نہیں کیا، کہ ایک تم تو ہمارے سب
وفادار ملازم ہو، اور دوسرا میں چاہتا ہوں کہ پیسے بھی صرف تم کو ملیں، تا کہ ہماری کچھ پاکٹ
جائے۔" روید نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"پر باؤ روید...... وہاں تو اتنی ساری کڑیاں اور عورتیں ہیں۔ اتنی ساری کے پاؤں چھو
چھوتے تو میری کمر میں کب (خم) نکل آئے گا۔"

اے ڈی نے فکرمندی سے پوچھا۔ مطلب وہ یہ کام کرنے کو اندر سے تیار ہو چکا تھا۔

"تم یوں کرنا کہ پانچ چھ لڑکیوں اور پانچ چھ بڑی عورتوں کے پاؤں چھو لینا، رسم بھی
ہو جائے گی، اور تمہاری رقم بھی کھری ہو جائے گی۔" روید نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"پھر یہ تھال...... یہ تھال کون پکڑے گا؟"

موم بتیوں اور چراغوں سے بھرا یہ بڑا سا تھال اے ڈی نے بے حد ضد کر کے حاصل کیا
کیونکہ یہ تھال بہار بیگم پکڑنا چاہتی تھی، لیکن اے ڈی کا خیال تھا کہ اس نمایاں تھال کو پکڑنے
اس کا پروٹوکول بڑھے گا، اب بھی اس کو اس تھال سے دستبردار ہوتے ہوئے بے حد دکھ ہو رہا

"اس کی فکر تم نہ کرو، بہار بیگم ہے ناں!"

"تمہارے ہونے والے بچوں کی اماں!"

روید کی بات پر اے ڈی اور پیچھے کھڑی باتیں سنتی بہار بیگم دونوں اکٹھے شرماتے تھے۔

"ٹھیک ہے باؤ روید!"

اے ڈی نے کمر کس لی تھی۔

"تو چلو ابھی سے شروعات کر دو۔"

روید نے بھنگڑا ڈالتے ہوئے لڑکوں کے گروپ میں جاتے ہوئے اے ڈی سے کہا۔

اے ڈی نے گیٹ پر استقبال کے لیے کھڑی لڑکیوں کو دیکھا، اور تیزی سے آگے بڑھا۔

لڑکیاں خواتین کے استقبال کے لئے کھڑی تھیں۔ مرد حضرات کے لیے الگ سے بیٹھنے کا
انتظام تھا۔

"روین......!"

سدرہ باجی جو کہ انکل آفاق کی بیٹی تھیں، انہوں نے روید کو پکارا، جو استقبال کے سب سے
پیچھے کھڑی تھی۔

"جی باجی!"

روین کی شکل اتری ہوئی تھی، اور وہ بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔

"تم آگے کھڑی ہو ناں! آخر دلہن کی اکلوتی بہن ہو۔"

سدرہ باجی نے اسے زبردستی بازو سے پکڑ کر سامنے لا کھڑا کیا۔

"نہیں باجی میں پیچھے ہی ٹھیک ہوں۔" روین واپسی کے لئے مڑی۔

"ارے......ارے......!"

"خبردار جو اپنی جگہ سے ہلی!" سدرہ باجی نے اسے دوبارہ پکڑ کر اسے ساتھ لا کھڑا کیا۔

"باجی...... پلیز مجھے مجبور نہ کریں!"

روین رو دینے والی تھی۔

"آخر تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے، صبح سے اکھڑی اکھڑی گھوم رہی ہو، تمہاری بہن کی
شادی ہے، اور تم بالکل نا خوش ہو۔" سدرہ باجی نے سامنے آتی خواتین پر پھول نچھاور کرتے
ہوئے کہا۔ پھپھو نے آگے بڑھ کر بیبا اور بڑی اماں کو پھولوں کے ہار ڈالے تھے۔ آفاق انکل کی

مسز نے رابعہ آنٹی اور ان کے ساتھ موجود کچھ بزرگ خواتین کو ہار ڈالے تھے۔ یہ دلہن خواتین کے لیے سپیشل پروٹوکول تھا۔

"باجی...... آج کے اخبار میں صاف صاف لکھا تھا، کہ میرے ستارے کے حال ساتھ بہت برا ہو سکتا ہے!"

سب خواتین اندر جا چکی تھیں، استقبال کے لیے کھڑی بس کچھ ہی لڑکیاں دروازے کھڑی خوش گپیوں میں مصروف تھیں، جب کہ روین اور سدرہ باجی آپس میں مگن گفتگو میں تھیں۔

"کیا برا ہونے والا ہے؟"

سدرہ باجی روین کی عادت جانتی تھی، اس لیے چڑ کر سوال کیا۔

"برا......؟"

"مطلب میرے ساتھ آج کوئی جان لیوا حادثہ ہو سکتا ہے!"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا!"

سدرہ باجی نے اسے ڈانٹا۔

"زندگی موت اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور کب آئے گی، یہ بھی اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے۔ خدا کے لیے اب ان بچگانہ باتوں سے باہر نکل آؤ، اب تم بڑی ہو رہی ہو۔"

سدرہ باجی نے اسے کھڑے کھڑے لتاڑ ڈالا۔

اسی پل اے ڈی تیزی سے خواتین کے حصے کی جانب بڑھا۔

وہ روین کو جانتا تھا، کہ وہ بھابی کی بہن ہیں، یقیناً میرے پاؤں چھونے پر بہت خوش ہو گی۔

اس نے ایک دم آگے بڑھ کر روین کے پاؤں چھونے چاہے، روین جو سدرہ باجی کے ساتھ بات کرنے میں مشغول تھی، وہ اس بات سے بے خبر تھی، اے ڈی کے یوں آگے بڑھ کر سے وہ ایک دم گھبرا گئی، اور چیخ مار کر پیچھے کو گری، جہاں راہداری میں بڑے بڑے پیالوں دیئوں کو جلا کر سجاوٹ کی گئی تھی۔

روین کے ریشمی دوپٹے نے فوراً آگ پکڑ لی۔

یہ قیمتی بھاری کام والا دوپٹہ روین نے جانے کتنی سیفٹی پنوں سے جگہ جگہ سے پن اپ کر کیا ہوا تھا۔

روین آگ دیکھ کر ایسی حواس باختہ ہوئی، کہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر زور زور سے چیخنے لگی۔

سدرہ باجی نے لپک کر دوپٹہ کھینچنے کی کوشش کی، لیکن دوپٹہ اتر ہی نہیں رہا تھا۔ بلکہ آپا دھاپی میں آگ تیز ہو گئی تھی، پاس کھڑی لڑکیوں کی بھی چیخیں بے اختیار تھیں، لڑکیوں کی چیخیں سن کر روین نے مزید چیخنا شروع کر دیا۔

"بیوقوف لڑکی دوپٹہ اتار دو!"

سدرہ باجی نے جھنجلا کر کہا۔

"جبکہ روین کچھ سننے کے بجائے مسلسل رو اور چیخ رہی تھی۔

اسی پل ایک لمبا ترنگا لڑکا تیزی سے ان کے قریب آیا، اور اپنی گرم شال سے آگ بجھانے لگا، آگ بجھاتے بجھاتے اس کے ہاتھ بھی جل گئے۔

آگ بجھ چکی تھی، لیکن روین کی چیخ پکار میں کوئی کمی نہ ہوئی تھی۔

"محترمہ آگ بجھ چکی ہے، چپ ہو جائیں۔" لڑکے نے زچ ہو کر روین سے کہا جو کہ بے سود رہا۔

"روین چپ ہو جاؤ، آگ بجھ گئی ہے!" سدرہ باجی نے آگے بڑھ کر روین کو ہلا کر کہا، لیکن روین کی چیخ و پکار پر کوئی اثر نہ ہوا۔

"توبہ کتنا بڑا ساؤنڈ باکس ہے!"

"بی بی چپ ہو جا!" لڑکے نے چلا کر کہا۔

جب کہ روین مسلسل آنکھیں بند کیے رونے اور چیخنے میں مصروف تھی۔

"چپ!"

"چپ!"

لڑکے نے دو بار زور سے کہا، اور تیسری بار چپ کہتے ہوئے روین کو زور کا تھپڑ لگا دیا۔

تھپڑ پڑتے ہی روین کی بریک لگ گئی، اور وہ منہ پر ہاتھ رکھے رکھے حیران و پریشان نظروں سے سامنے کھڑے لڑکے کو دیکھنے لگی۔

"آپ......آپ نے مجھے کیوں مارا؟"

اب روین سب بھولے لڑنے کو تیار تھی۔

"لو......نیکی برباد گناہ لازم!"

لڑکا بڑبڑایا۔

"کیونکہ محترمہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے!"

"آپ چپ ہی نہیں ہو رہی تھیں، سارا گھر سر پر اٹھا رکھا تھا۔" لڑکے نے شرار کہا۔

"اس کا......اس کا مطلب ہے، کہ آپ کسی کو مارنے لگیں!"

روین کو تھپڑ سے بے حد شرمندگی کا احساس گھیرے ہوا تھا۔ لڑکے کا ہاتھ تھا، بھی بہت ، لے کہ سر گھما ڈالا تھا۔

"میری بچی!"

پھپھو کو کسی نے اندر اطلاع دی تھی، تبھی وہ بھاگتی ہوئی آئیں، اور پھولی سانسوں کے آتے ہی روین کو سینے سے لگا لیا۔

"تمہارا اتنا صدقہ دیا تھا، تب ہی تو کسی برے حادثے سے بچ گئی ہو۔" پھپھو نے ا دیتے ہوئے کہا۔

"پھپھو......!"

"اس لڑکے نے مجھے مارا ہے۔"

روین نے جھٹ لڑکے کی شکایت لگا دی۔

"عجیب احسان فراموش لڑکی ہیں آپ! میں آپ کو ہر بار مشکل میں مدد دیتا ہوں، اور آ مجھ پر ہی الزام لگا رہی ہیں۔" لڑکے نے جل کر کہا۔

"اور کیا پھپھو! انہوں نے روین کے کپڑوں سے آگ بجھائی ہے!" سدرہ باجی نے گواہی دی، تو روین کو چپ ہونا پڑا، اس کا ہاتھ ابھی ابھی اپنا گال سہلا رہا تھا۔

"بہت بہت شکریہ بیٹا تمہارا۔"

پھپھو نے شکر گزار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ کیسا......!"

"کسی بھی مشکل میں گرفتار شخص کو بچانا دوسرے انسان کا فرض ہے اور (اگر کوئی حسین لڑکے کا عین فرض تو ضرور ہے!)" وہ دل ہی دل میں مسکرایا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا بیٹا، اور تم کس کے ساتھ ہو؟"

پھپھو نے کھڑے کھڑے انٹرویو شروع کر دیا۔

"میں رابعہ باجی کی سہیلی آمنہ کا بھائی ہوں۔"

"اور میرا نام عادل ہے!"

وہ بتا تو پھپھو کو رہا تھا، جب کہ اس کی نظریں مسلسل روین کے پھولے پھولے چہرے پر بھٹک رہی تھیں۔

"بہت بہت شکریہ بیٹا! اللہ تمہیں خوش رکھے!"

پھپھو نے اسے دعا دی، اور اس کے کندھے پر پیار دے کر اندر کو بڑھیں۔

"چلو تم جا کر دوسرا لباس پہن کر فوراً آؤ، رامین کی رسم شروع ہونے والی ہے۔" وہ جاتے جاتے روین کو حکم دیتی گئیں۔

"آپ کے ہاں تو شکریے کا رواج نہیں ہے!" عادل نے روین کے پاس آتے ہوئے کہا۔

"دو دن پہلے انارکلی میں آپ میرے پیسے خرچ کر چکی ہیں، اور آج آپ کی جان بچانے کا احسان! دونوں شکریے آپ پر ڈیو ہیں۔"

"ارے......!"

"یہ تو وہی لڑکا ہے، جو اس روز انارکلی میں ملا تھا۔"

روین کو اب یاد آیا، کہ کیوں اس کی شکل اور آواز جانی پہچانی لگ رہی تھی۔

"شکریہ!"

روین نے لٹھ مار انداز میں کہا۔

"ارے ایسا شکریہ!"

سیدھا ڈنڈے کی طرح میرے سر پر جا لگا ہے!" عادل نے شرارت سے کہا۔

"ذرا مسکرا کر کہیں۔"

وہ مزید پھیلا!!

"مسٹر بہت شکریہ، اور پلیز زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے، میں انجان لڑکوں کے ساتھ نہ فری ہوتی ہوں، نہ زیادہ بات کرتی ہوں۔"

روین کہتے ہوئے اندر کو چلی گئی۔

جب کہ عادل طویل سانس لے کر رہ گیا۔

انجان لڑکوں سے اگر آپ بات نہیں کرتیں، تو پہچان والے سے تو ضرور بات کریں گی نا!

اب عادل میاں پہچان تو پیدا کرنی ہی ہوگی!

وہ گنگناتا ہوا مردانے کی طرف بڑھا۔

***

"زندگی تو بیٹا جی یقین پر چلتی ہے!"

خود اللہ تعالیٰ کی ذات کہتی ہے، کہ میرا بندہ جس طرح مجھ سے گمان رکھے گا، میں اس کے ساتھ بالکل اسی طرح پیش آتا ہوں!"

ڈیڈی کانپتی ہوئی روین کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے، تو روین کے اندر تک سکون و ٹھنڈک اتر آئی تھی۔

"پر ڈیڈی اگر ستارے قسمت کا حال درست نہیں بتاتے تو......! تو پھر ہمارے ساتھ ویسا کیوں ہوتا ہے، جیسا کہ ستاروں کا حال بتایا جاتا ہے۔ روین کے ساتھ تو خود یہ ہوتا تھا، کہ جب جب وہ اپنے ستارے سے متعلق الٹ کام کرتی، تو نقصان اٹھاتی تھی۔ اس لیے دھیرے دھیرے اس کا ان ستاروں کا علم پر بھروسہ بے حد پکا ہو گیا تھا۔

باہر مہمان بیٹھے ہیں، بات لمبی ہوتی ہے، کسی دن میں تم کو تفصیلی جواب دوں گا۔ بات! وہی ہے، کہ جس چیز کا ہم یقین کر لیتے ہیں، وہ ہو جاتی ہے۔"

"گمان یقین اچھے رکھو، تمہارے ساتھ اچھا ہو جاتا ہے!"

"اب دیکھو اکثر ہندو اپنی منتیں مرادیں لے کر بتوں کے پاس جاتے ہیں ناں!"

"اور وہ اپنی مراد پا بھی لیتے ہیں، اللہ ان کو ہمیشہ دے دیتا ہے، حالانکہ وہ کافر ہیں، اللہ کے منکر ہیں، لیکن اس دنیا میں اللہ رحمان ہے، سب کو دے کر آزماتا ہے، اس دنیا میں صرف اس کی رحمانیت ہوگی، یعنی صرف ان کو ہی جنت اور جزا ملے گی، جنہوں نے نیک عمل اور اللہ کا کہا مانا ہو گا۔ تو جب ہم غیر اللہ اور اس طرح کے ستاروں وغیرہ پر یقین کرتے ہیں، کہ جو وہ کہتے ہیں وہ درست ہے، تو اللہ ان کے گمان کی وجہ سے عملی زندگی میں بھی ان کے ساتھ ویسا ہی معاملہ رکھتا جیسا وہ سوچتے ہیں۔"

"اب دیکھ لو، جس بات سے تم ڈر رہی تھی، بچ رہی تھی، وہ ہو ہی ہو گئی۔ کیونکہ تم پہلے ہی سے منتظر تھی، کہ جو ستاروں میں جو لکھا ہے، وہ سچ ہے۔"

"یہ تمہارا گمان ہی تم کو حادثے کی جانب لے کر گیا تھا۔" ڈیڈی نہ نہ کرتے مسلسل بول رہے تھے۔ تسلی دے رہے تھے، اس کو روشنی کی جانب لا رہے تھے، تاکہ وہ اپنی زندگی نارمل ہو کر گزار سکے۔

روین پر وقتی طور پر ٹھیک ٹھاک اثر ہو رہا تھا۔

"جی ڈیڈی میں آئندہ کوشش کروں گی، کہ میں ان چکروں سے باہر نکل آؤں۔"

روین نے وعدہ کیا، تو ڈیڈی کے چہرے پر ایک دم سے رونق آ گئی تھی، ورنہ وہ تو روین کی بد اعتقادی سے خاصے خفا تھے۔

"شاباش! چلو میرے بچے اب چل کر مہمانوں کو دیکھو۔ یوں میزبانوں کا تقریب سے غائب ہونا، کوئی اچھی بات نہیں ہے۔"

ڈیڈی اسے پک اپ کرتے ہوئے باہر نکلے۔

روین نے ایک گہرا طویل سانس بھرا تھا۔

"ڈیڈی میں کیا کروں، میں جانے کیوں نہ نہ کرتے، ان چکروں میں ہمیشہ پھنس جاتی ہوں۔"

اس نے بے اختیار بے بسی سے کہا تھا۔

دل و دماغ کو اگر بانٹ دیا جائے، تو انسان کسی فیصلے کے قابل نہیں رہتا۔

کسی بھی مقصد کو حاصل کرنا ہو، تو دل و دماغ کی پوری قوت درکار ہوتی ہے، جو کہ روین کے پاس بالکل نہ تھی۔

***

"کیا لگ رہے ہیں بھائی میاں آپ!" روبینہ نے رواق کے ساتھ بیٹھتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر رواق اس وقت لڑکیوں کے جھرمٹ میں پھنسے ہوئے کچھ نروس دکھائی دے رہے تھے۔

"اے ڈی نہیں دکھائی دے رہا؟"

ڈاکٹر رواق نے اتنی بھیڑ میں بھی اے ڈی کی کمی کو محسوس کیا تھا۔

''وہ!''

روید کے ہونٹ سیٹی بجانے کی طرح گول ہوئے تھے، ساتھ ہی ایک بڑی مسکراہٹ اس کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔

''بھائی میاں آج کچھ لڑکیوں اور معزز خواتین کو چھیڑنے کی سزا میں بیاہ کے کرسیوں پر بیٹھا تھا۔ روید کو بہت مزہ آیا تھا، اے ڈی کے پروگرام میں رنگ میں بھنگ ڈال کیونکہ وہ مسلسل اے ڈی کے نور جہاں کے گائے گانوں سے تنگ رہتا تھا، گزشتہ سے اسے گھر والوں کی وجہ سے آفیشلی گانا گانے کی اجازت بھی تھی، اے ڈی اپنے جیسی آواز میں گا گا کر روید کو مسلسل کوفت میں مبتلا کر کے بے حد خوش تھا۔

آج روید نے بدلہ چکا دیا تھا، اس کے پروگرام میں رنگ میں بھنگ ڈال کر۔

''تم نے کچھ شرارت کی ہوگی!''

ڈاکٹر رواق نے روید سے پوچھا۔

''توبہ کریں......! بھائی وہاں!''

''ہر شخص اپنے اعمال کی سزا ہی بھگتتا ہے، اب اے ڈی صاحب نے اتنے دنوں سے گائے ہوئے گانوں سے ایک اذیت بھرا سماں جو قائم کیا تھا، آخر اس کی سزا بھی تو ضروری تھی۔''

روید نے مزے سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے یقیناً تم نے ہی کوئی گڑبڑ کی ہے!'' ڈاکٹر رواق نے سنجیدگی سے...

''او...... دلہے میاں کبھی تو ڈانٹ پلائے بغیر دن گزار لیا کریں۔''

''آج آپ کی شادی ہے!''

''اپنے دل میں لڈو گلاب جامن، برفی وغیرہ پھوٹنے کے احساس کو محسوس کریں اور آج ڈانٹنے سے سخت پرہیز کریں۔''

''کبھی کبھی ناغہ صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے!''

جواباً ڈاکٹر رواق اسے بس گھور کر رہ گئے۔

''بس آ رہی ہیں، وہ آپ کی سالی آدھے گھر والی، مہندی کے نام پر آپ کو لوٹنے... جگر اور جیب تھام کر رکھیں۔'' روید نے جھک کر ڈاکٹر رواق کے کان میں بلند سرگوشی کی۔

روین اور سدرہ آپی نے ڈاکٹر رواق کی ایک انگلی پر مہندی لگا کر انگلی پکڑ کر شگن کی ...

...زبان پر بے اختیار کھجلی ہوئی تھی۔

''توبہ...... توبہ...... اتنی سی مہندی لگا کر اتنے ڈھیر سارے پیسے، کیا لالچی لڑکیاں ہیں!''

روید اونچی آواز میں بڑبڑایا۔

''چھوٹے بھائی یہ کوئی عام سی مہندی نہیں، بہت خاص مہندی ہے، اس کے شگن سے ان کو دلہن ملے گی۔'' سدرہ آپی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہیں دلہن......!''

''صرف مہندی لگانے سے......!''

''تو پھر ہمیں بھی لگائیں ہم بھی پیسے دیں گے!''

روید مسکراتے ہوئے بولا۔

''جناب ہر شخص کو یہ مہندی لگوانے کے لیے کچھ خاص ہونا پڑتا ہے، پھر یہ مہندی لگتی ہے، خالی پیسوں سے یہ نصیب میں نہیں ہوتی۔'' سدرہ آپی کی بات پر روید نے بے اختیار سر کھجایا تھا۔

''اسے دولہا ہونا پڑتا ہے بدھو! اور......''

''اور آپ دلہا نہیں ہیں، اس لیے آپ اپنی چونچ بند رکھیں، اور ہمیں اپنا کام مکمل کرنے دیں۔''

لڑکیوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

روید کو پہلی بار محسوس ہوا تھا، کہ یہ مخلوق تو بڑی زبردست ہے۔ سوا سیر ہو کر پڑ جاتی ہے، اس لیے اس نے وقتی طور پر چپ رہنا ہی منظور کیا۔

''کیوں باؤ روید چپ کیوں ہو گئے، کیا کوئی جواب نہیں سوجھا۔''

روید کو اچانک اپنے پیچھے سے اے ڈی کی آواز سنائی دی تھی۔

''یار یہ کیا بلائیں ہیں!''

روید نے بے اختیار کہا تھا، لڑکیوں نے بہت چالاکی سے اپنی مطلوبہ رقم ڈاکٹر رواق سے نکلوائی تھی۔

''اور آپ نے مجھے ان ہی بلاؤں میں پھنسا کر جوتے پڑوائے ہیں!'' اے ڈی نے شکوہ کیا۔

''اب یہ تو اپنا قصور تھا، کہ تم کو نہیں پتا کہ ایسی کوئی رسم دنیا یعنی ہم لوگوں کی شادیوں میں

بالکل موجود نہیں ہے۔"

روید نے صاف مکرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے باؤ روید آپ اپنے کہے پر مکر جائیں، کبھی تو ہمارا وقت آئے گا، اور اونٹ تلے آئے گا ہی ناں!"

اے ڈی نے کچھ جارحانہ انداز میں جواب دیا۔

"اوئے! یہ اونٹ تم نے کس کو کہا؟"

روید نے غصے سے کہا۔

"ظاہر ہے میں نے اونٹ، اونٹ کو ہی کہا۔"

اے ڈی نے معصومیت سے کہا۔

"دیکھ لوں گا میں تم کو بھی!"

روید نے کہاں کا غصہ کہاں اتارا تھا۔

اسے لڑکیوں کا بدھو کہہ کر پکارنا بہت برا لگا تھا۔

"لو میں نے کیا کہا؟"

اے ڈی نے دل ہی دل میں اس کی جھنجلاہٹ کا مزہ لیتے ہوئے بظاہر معصومیت سے کہا، جب کہ روید کچھ خراب موڈ کے ساتھ فوراً اسٹیج سے اتر گیا تھا۔

***

"اظہر خدا کے لیے اپنا حلیہ تو درست کر لیں!"

رابعہ نے اظہر کو رستے میں ہی روک لیا تھا۔

"کیا......؟"

"اب کیا کیا ہے میں نے؟"

اظہر نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر پوچھا۔ آج وہ رابعہ کی کڑی ہدایت پر بنا میک اپ کے آیا تھا، ورنہ وہ تو سوتے میں بھی گیٹ اپ میں رہتا ہے، وہ رابعہ سے کہتا تھا، کہ وہ چوبیس گھنٹے کا فنکار ہے۔

"یہ...... یہ انگوٹھیاں اور کڑے اتاریں!"

رابعہ نے نہایت سخت لہجے میں کہتے ہوئے اظہر کے ہاتھ نیچے کر کے اس کی انگوٹھیاں اتار کر اپنے آنچل میں چھپا لیے۔

اظہر جواباً حسب عادت کچھ کہنے لگا تھا، پھر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

بہر حال وہ اپنا اور رابعہ کا تماشا نہ بنانا چاہتا تھا۔

وہ خلاف توقع بنا کچھ کہے اندر کی جانب بڑھ گیا۔

رابعہ نے اپنے ہاتھ میں موجود زیور کو نفرت سے دیکھا تھا، یہ زیور ان کی زندگی کی خوشی کا سارا سنگھار کھا گیا تھا۔

"رابعہ!"

بڑی اماں نے رابعہ کو پیچھے سے آواز دی۔

"جی اماں!"

"بیٹا دلہن کافی دیر سے اسٹیج پر بیٹھی ہے، اسے کمرے میں پہنچاؤ، تا کہ وہ اپنی کمر کچھ دیر کو سیدھی کر لے۔"

بڑی اماں کی پکار پر رابعہ نے اپنے تنفس کو ترتیب میں لانے کی کوشش کی۔

دلہن کو اس کے گھر سے لاتے ہی گھر میں بنے اسٹیج پر لا کر بٹھایا گیا تھا۔

ہر طرح کی لڑکیاں اور عورتیں رامین کے گرد جوش و خروش سے اسے گھیرے میں لیے بیٹھی تھیں۔

دلہے کے گھر میں رخصتی کے بعد بہت رونق ہوتی ہے، اداسی تو دلہن کے گھر میں ہوتی ہے، جہاں سے ایک فرد کم ہوتا ہے۔ اس وقت بیبا بھی خوشی سے اڑی پھر رہی تھیں۔

دلہا، دلہن کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے چڑیوں کا پورا ایک پنجرہ آزاد کیا گیا۔ کبوتر وار کر کام والی کو دیئے گئے، جب روید اچانک رامین کے سامنے ایک میں میں کرتا کالا بکرا لے آیا تو رامین کی دھیمی سی چیخ بے اختیار تھی۔ ساتھ کھڑے ڈاکٹر رواق نے تسلی دینے کے لیے رامین کا ٹھنڈا ٹھنڈا ہاتھ ہاتھوں میں تھام لیا، تو رامین کے سارے وجود میں برقی رو دوڑی تھی۔ دل انجان سی لے پر دھڑکنے لگا تھا، اک عجیب سا احساس اس کے دل پر وارد ہوا تھا۔

"یہ...... یہ کیا ہے؟"

ڈاکٹر رواق نے ماتھے پر بل سجا کر پوچھا، ان کے خیال میں یہ بھی روید کی کوئی نئی شرارت تھی۔

’’یہ بھابی بیگم کے لیے خاص طور پر بڑی اماں نے بہار بیگم سے دیسی نسل کا بکرا منگوایا ہے۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘

ڈاکٹر رواق نے نہ سمجھنے کے انداز میں پوچھا۔

’’مطلب جو حسینہ پہلے آپ کے پیچھے تھیں، وہ Vegitarian (سبزی خور) تھیں، یہ کلمہ گو، اصل مسلمان تو یہ بالکل nonveg (گوشت خور) ہیں۔ ظاہر ہے، یہ گوشت کھائیں گی، روید نے ڈاکٹر رواق کے کان میں گھس کر کہا۔

’’یہ.....اتنا زیادہ گوشت کھاتی ہیں؟‘‘

رواق کے لیے یہ انفارمیشن دہلا دینے والی تھی، یہ تو مجھے نہیں پتا، البتہ بڑی اماں نے ان کے لیے گوشت کھانے کا انتظام فوراً سے کر دیا ہے۔‘‘ روید نے نہایت سنجیدگی سے کہا، تو سمیت سب کے چہروں پر ڈاکٹر رواق کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر دبی دبی مسکراہٹ تھی۔

ڈاکٹر رواق کی تعلیم کے سلسلے میں آدھی عمر باہر کے ممالک میں گزری تھی، اس لیے رسم و رواج سے بالکل کورے تھے، اب وہ روید کی بات سن کر نہایت پریشان کھڑے تھے۔

***

’’ارے ہٹو......!‘‘

’’باؤلا ہوا ہے یہ لڑکا......!‘‘

’’اس کی زبان جب مشین کی طرح چلتی ہے، تو اسے خود نہیں پتا چلتا کہ یہ کیا اول فول بک رہا ہے۔‘‘ بڑی اماں نے آگے بڑھ کر روید سے بکرے کی رسی تھام لی۔

’’دلہن اپنا دائیاں ہاتھ اس کو لگاؤ۔‘‘ رواق تم بھی۔

انہوں نے دلہا دلہن کو حکم دیا، جو انہوں نے فوراً مانا۔

’’اب اس صدقے کے بکرے کو مدرسے دے آؤ اے ڈی!‘‘

بڑی اماں نے اے ڈی سے کہا۔

بڑی اماں کی بات پر رواق کے چہرے کے تنے ہوئے اعصاب ایک دم ڈھیلے ہوئے تھے۔

نئی نویلی دلہن کو گیٹ پر کھڑا کر کے تیل بہایا گیا، تو ڈاکٹر رواق بے اختیار بول پڑے تھے، بڑی اماں یہ تیل زمین پر کیوں پھینک رہی ہیں؟ کوئی پھسل جائے گا۔

’’چپ چاپ اماں کو اپنے ارمان پورے کرنے دیں، ورنہ سزا کے طور پر اندر داخلے کی اجازت بھی نہیں ملے گی۔‘‘ روید نے مسکرا کر ڈاکٹر رواق کے کان میں سرگوشی کی۔

’’لاحول ولا!‘‘

’’دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے، اور ہم کن چکروں میں پڑے ہوئے ہیں۔‘‘ ڈاکٹر رواق نئی دلہن کو گیٹ پر کھڑے کھڑے تکنے لگے تھے۔

’’اب یہ پیسے ان بچوں کو بانٹ دو، کب سے آس لیے کھڑے ہیں۔‘‘ بڑی اماں نے پیسوں کی تھالی بھری رامین کے سامنے کی، گھر کے باہر بہت سارے فقیر اور فقیر بچے کھڑے تھے۔

رامین نے بڑی اماں کے کہنے پر مٹھی بھر بھر کر سب کی جھولی میں سکے ڈال دیئے۔

رامین کے سر پر گھونگھٹ کی طرح سفید چادر جو رنگین پھولوں سے کڑھی ہوئی تھی، دی گئی تھی۔ وہ گھونگھٹ میں سر جھکائے جھکائے تھک گئی تھی۔

’’اماں باقی رسمیں آپ دلہن کو اندر بیٹھا کر کر لیجیئے گا، بچے کتنی دیر سے کھڑے ہیں!‘‘ بیبا نے نہایت پیار اور دھیمے لہجے میں درخواست کی۔

’’اچھا چلو ٹھیک ہے!‘‘

خلاف توقع بڑی اماں کے فوراً مان جانے پر سب نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

لیکن عشق کے امتحان اور بھی تھے۔ ڈاکٹر رواق اسٹیج پر کچھ دیر تو دلہن کے پہلو میں بیٹھے رہے، لیکن جب ان سے کہا گیا کہ دلہن کے ہاتھ پر رکھی کھیر چاٹیں تو وہ فوراً ہتھے سے اکھڑ گئے۔

’’لاحول ولا!‘‘

’’بیبا پلیز میں تھک گیا ہوں!‘‘ وہ ماں کو کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

’’لو آج کل کی یہ نسل ہر رسم کو اپنی توہین سمجھنے لگتی ہے۔‘‘ بڑی اماں نے برا مانتے ہوئے کہا۔

’’ویسے بڑے بھائی نے بالکل ٹھیک کہا۔‘‘

’’یہ کتے کی طرح چاٹنا اور وہ بھی دلہن کے ہاتھوں سے خاصا ندیدا پن لگتا ہے!‘‘ روید نے بے لاگ تبصرہ کیا۔

بڑی اماں نے جب دل کھول کر اپنی رسمیں پوری کر لیں، تو ان کو بہت دیر بعد دلہن کے تھکنے

کا احساس ہوا تھا، جب کہ رامین کو لگتا تھا، کہ وہ تھکن سے بس بے ہوش ہونے والی ہے۔
آنٹی عین ٹائم پر نیکی کا فرشتہ بن کر نازل ہوئیں، تو رامین کی جان میں جان آئی۔

"یا اللہ شادی کرنا کتنا مشکل کام ہے!" رامین نے بے اختیار با آواز بلند کہا تھا۔

"بیٹا جی شادی نبھانا، تو اس سے بھی مشکل کام ہے۔" رابعہ انٹی نے مسکرا کر پھولوں کی ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تھا۔

رامین ایک دم سنبھل کر بیٹھ گئی، اس کا خیال تھا کہ وہ کمرے میں اکیلی ہے۔

"لیکن تم فکر نہ کرو، اپنا رواق لاکھوں میں ایک ہے۔"

"ارے اس کی نرم دلی اور ہمدردی تو غیروں کے لیے بھی انتہا ہوتی ہے، پھر تم تو ہو اس کی!" رابعہ آنٹی نے ٹھوڑی اونچی کر کے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

من چاہی سہاگن تو نصیبوں والی ہوتی ہے۔

"تم ڈرنا بالکل نہ......!"

"رواق بہت پیارا انسان ہے۔"

"وہ کسی کے خوابوں کے شہزادے کی طرح من کا اور تن کا بے حد خوبصورت انسان ہے"
رابعہ آنٹی کہتے کہتے کھو سی گئی تھیں، ان کے کانوں میں گھنگھروں کی چھنچھناہٹ گونجنے لگی، تو وہ ایک دم گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

رامین نے بھی بے اختیار ان کا چہرہ نوٹ کیا تھا، کہ ان کی رنگت ایک دم سیاہ پڑ گئی تھی۔

"اچھا تم کچھ دیر آرام کر لو، تو پھر میں رواق کو آنے دوں گی، کچھ دیر لیٹ جاؤ، دو گلاس دودھ اسے تھما کر باہر جانے لگیں، اور پھر جاتے جاتے ایک دم پلٹیں۔

"یہ کوئی لڑکی تمہارے لیے خاص نصیحت کر کے تحفہ دے کر گئی تھی، شاید تمہاری کوئی دوست تھی۔ شادی پر وقت پر نہ پہنچنے پر معذرت کر رہی تھی، اس لیے وہ تحفہ یہاں دے کر چلی گئی"
رابعہ آنٹی نے خوبصورت پیکنگ میں موجود تحفہ اس کی جانب بڑھایا۔

یہ ایک چھوٹا سا پیکٹ تھا۔

رامین نے ہاتھ بڑھا کر پیکٹ تھام لیا۔

"جسٹ اونلی فار مائی ڈیئر رامین!"

رامین نے چمکتے حروف پڑھے تھے۔

"کون ہو سکتا ہے؟"

رامین نے الٹ پلٹ کر بھیجنے والے کا نام ڈھونڈا۔

لیکن باہر کوئی نام نہ تھا۔

رامین نے پیکنگ اتاری، تو ایک خط پہلے گود میں آن گرا۔

کوئی وعدہ کوئی امید خدارا دے دو
ڈوبتی کشتی کو تھوڑا سا سہارا دے دو
ساحل درد پہ مدت سے کھڑا ہوں تنہا
اے غم یار ملنے کا اشارہ دے دو
چاند چھپتا نہیں، آنکھوں میں فلک کا اب تو
اے میرے چاند مجھے اپنا نظارہ دے دو
چند لمحوں کے لیے دیکھ لوں تجھ کو جاناں
کب کہاں میں نے مجھے وقت یہ سارا دے دو
دیکھ تو در پہ تیرے کون آیا ہے دلبر
پھر اسے کوئی تسلی کا اشارہ دے دو

پیاری رامین آخر ہمیں اس ظالم سماج نے جدا کر ہی دیا۔

ہمارے تو دو دل ہی نہیں، دو بدن بھی مل چکے تھے، پھر کیوں لوگوں نے ہم پہ یہ ظلم کیا؟

تو میری روح میں ہمیشہ بسی رہو گی۔

کون کہتا ہے کہ تم اب پرائی ہو چکی ہو، تم تو ہمیشہ سے میری تھیں، اور رہو گی یہ ہی تم کہتی تھیں ناں!"

اب بھی مجھ سے اسی طرح ملتی رہنا، میری تنہائیوں کو آباد کرتی رہنا۔

دوسرے لفافے میں تمہارے ساتھ کچھ قیمتی بیتے پلوں کی یاد موجود ہے، اسے تم تب تب دیکھ لینا، جب تم مجھے یاد کرو۔

یہ ہمارے پیار کی نشانی ہے!

فقط صرف اور صرف تمہارا

اشفاق!

رامین کے تو بدن میں یوں تھا کہ کاٹو تو لہو نہیں۔

اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے دوسرا لفافہ کھولا۔

"ہر ہر تصویر رامین کی جان نکال رہی تھی۔

یہ تصویریں اس کی نہ تھی، لیکن تصویروں میں موجود بے باک نیم لباس میں موجود لڑکی بالکل ہو بہو اس کا تھا۔

رامین کے ہاتھوں سے تصویریں یوں چھٹیں جیسے کوئی سانپ ہاتھ میں آ گیا ہو۔

اس کا سارا بدن دھیرے دھیرے لرز رہا تھا، حلق خشک ہو کر کانٹوں سے بھر گیا تھا۔

"یہ...... اشفاق کون ہے؟"

بے اختیار اس نے سوچا تھا، تو ایک جھماکے سے اسے ذہن میں گزشتہ دنوں آنے والی کالز گھومی تھیں۔

آخر کون کم بخت ہے، یہ کیسی دشمنی ہے کہ اس نے اتنی گھٹیا حرکت کی ہے؟

"یہ تصویریں......!"

اگر کسی کے ہاتھ لگ گئیں تو مجھے کون سچا جانے گا؟"

رامین کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

اس پر بے انتہا گھبراہٹ بھی طاری تھی، اس کے ہاتھ مسلسل کانپ رہے تھے، اسی پل ڈاکٹر رواق کمرے میں داخل ہوئے۔

رامین کو یوں لگا، کہ وہ پتھر کی بن چکی ہے۔ اب شاید وہ کبھی بھی حرکت نہ کر سکے، اس کی نگاہیں پھٹی ہوئی تھیں، دل سرپٹ گھوڑے کی طرح بھاگ رہا تھا۔

گھبراہٹ میں رامین کے ہاتھوں سے پیکٹ چھوٹ گیا تھا۔

ڈاکٹر رواق رامین کا چہرہ دیکھتے ہوئے پیکٹ کی جانب بڑھا، تو رامین کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو رواں ہو گئے تھے۔

رواق جو چند دنوں میں اس کے دل میں کہیں بسنے لگا تھا، جس کے ساتھ نکاح کے دو بول سے دل نے ایک گہرا رشتہ قائم کر لیا تھا۔

اس کی نظروں میں گرنا، اور اس سے جدا ہونا، رامین کی برداشت سے باہر تھا۔ رواق نے جھک کر پیکٹ اٹھایا، تو رامین کو لگا کہ اس کے دل کی دھڑکن رک گئی ہو!

شاید وہ مر جانے جا رہی تھی، اس کا دم بے اختیار گھٹنے لگا تھا۔

رواق نے ادھ کھلے پیکٹ سے تصویریں نکال کر دیکھ لی تھیں، اب وہ خط پڑھ رہا تھا۔

رواق کا چہرہ اس قدر سنجیدہ تھا، کہ رامین کچھ نہ جان پا رہی تھی، کہ رواق کیا سوچ رہا ہے، ظاہر ہے وہ لعنت اور طلاق کے تین حروف ہی مجھ پر بھیجے گا۔ دل نے مزید ڈرایا۔

نہیں!

دل مزید ڈوبا!

اسی پل کمرے میں موجود فون زور و شور سے بج اٹھا۔

رامین اچھل ہی تو پڑی تھی، رواق نے ہاتھوں میں تصویریں پکڑے پکڑے فون اٹھا لیا۔

"ہیلو!"

گمبھیر خاموشی میں رواق کی ٹھہری اور سنجیدہ آواز ابھری تھی۔

پھر اگلے ہی پل اس نے فون رکھا اور تصویریں بمع خط دوبارہ لفافے میں ڈال کر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

رامین کو یوں لگا کہ رواق کے کمرے سے نکلتے ہی سارے گھر اور اس کمرے میں موجود آکسیجن بھی نکل گئی ہو۔

اس کا سانس بری طرح دبا تھا۔

اسے سانس لینے میں بے حد دشواری ہو رہی تھی، پھر اچانک ہی اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا ہوا تھا، اور وہ لہرا کر زمین بوس ہو گئی تھی۔

***

"اس وقت باہر کون گیا ہے؟"

بیبا نے رات کے بارہ بجے گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز سن کر سوچا، اور جانماز تہہ کر کے باہر آ گئیں، گھر کے سب افراد اور مہمان اپنے اپنے کمروں میں کھانا کھا کر جا چکے تھے، سب ہی بے حد تھک گئے تھے، مسلسل دو راتوں سے جاگتے مہمان دلہن لا کر اب بے حد پرسکون ہو چکے تھے۔

بیبا بے اختیار باہر آئیں۔

"بوا جی......!"

''باہر کون گیا ہے؟''

گاڑی تو اپنے گھر کی لگتی تھی۔

بڑی بیگم اپنے ڈاکٹر بیٹا بڑی جلدی میں دوڑتے باہر نکلے تھے، وہ ہی گاڑی لے کر گئے
میں بھی یہ ہی دیکھنے گئی تھی۔

''رواق......؟''

''اس وقت......!''

''اسے تو اس وقت دلہن کے پاس ہونا چاہیے تھا۔''

بیبا نے فکرمندی سے کہا۔

''بیٹا تم جانو وہ کتنا ہمدرد ڈاکٹر ہے، آ گیا ہوگا ہسپتال سے کوئی پیغام، جو یوں بھاگتا ہے
بچہ بہت سمجھ دار ہے، تم کیوں پریشان ہوتی ہو؟''

''اس وقت ہسپتال جانے کی کیا تک بنتی ہے؟ اور بہت سے ڈاکٹر وہاں ہیں ناں!''

''یہ رات تو دلہن کے خوابوں کی رات ہوتی ہے کیسے...... رواق اتنی بڑی حماقت کر
ہے؟''

بیبا نہایت فکرمندی سے ڈاکٹر رواق کے کمرے کی جانب بڑھی تھیں۔

''ارے بیبا تم کاہے کو اتنی پریشان ہو؟''

''بچہ آ رہا ہوگا! بوا ان کے پیچھے پیچھے آتے ہوئے بولیں۔''

لیکن پھر ایک دم ان کی زبان کو بریک لگا تھا۔

بیبا پریشان سی رامین کی طرف بڑھی تھیں۔

''رامین...... رامین بیٹا!''

بیبا کی آواز پریشانی سے باقاعدہ پھٹ رہی تھی، جب کہ رامین بے بالکل بے سدھ تھی۔

''بوا......!

روید کو بلائیں، اسے کہیں رواق کے ہسپتال رواق کو فون کر کے بتائے رامین کی طبیعت خراب ہے۔''

گھٹنوں پر زور دے کر اٹھ کھڑی ہوئیں، اور پھر کمر پر ہاتھ رکھ کر باہر تیزی سے لپکیں۔

''یا اللہ...... خیر کرنا!''

''ابھی تو چند گھنٹے ہوئے ہیں اسے میں بیٹی بنا کر گھر لائی ہوں، میں کیسے سب کو جواب دوں
گی، کہ میں اس کا خیال بھی نہ رکھ سکی۔''

''آخر اسے ہوا کیا ہے؟''

انہوں نے بے ہوش رامین کا چہرہ دیکھتے ہوئے سوچا۔

''اور رواق اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر کہاں گیا ہے؟''

ان کے اندر کسی انہونی کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔

''اللہ کرم کرے!''

''میرے گھر پر، میرے بچوں پر اور اس نئے آنے والے فرد پر بھی۔''

بیبا کے پاس اللہ کا واحد اور مضبوط سہارا ہمیشہ موجود رہتا تھا، اس لیے انہوں نے کبھی اپنے
دل کی بات نہ کہی، اور مدد کبھی کسی نے نہ مانگی تھی، سوائے اللہ کے۔

''رامین......!''

انہوں نے دوبارہ سے اسے ہوش میں لانے کے لیے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔

''میں بے قصور ہوں!''

رامین بے ہوشی میں سسکی۔

''میں!''

''میں بے...... بے قصور ہوں!''

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی۔

لیکن اس کی بڑبڑاہٹ بہرحال بے حد واضح تھی، جب ہی تو بیبا رامین کے الفاظ پر بے اختیار چونکی تھی۔

''ایسا کیا قصور ہو گیا ہے رامین سے؟''

بیبا نے پرسوچ نگاہوں سے رامین کا دلہن بنا خوبصورت چہرہ غور سے تکتے ہوئے سوچا۔

***

''ڈاکٹر!''

نرس نے ان کو پکارا۔

ڈاکٹر رواق خالی الذہن جانے سر جھکائے کیا سوچ رہے تھے، نرس کی آواز پر چونکے تھے۔

"ڈاکٹر چائے لاؤں؟"

وہ ان سے چائے کا پوچھ رہی تھی، حالانکہ یہ اس کی ڈیوٹی نہ تھی، لیکن ڈاکٹر [illegible] بے حد مہربان مالک تھے، سارا اسٹاف ان سے بے حد محبت کرتا تھا۔

"شکریہ سسٹر!"

"مجھے واقعی اس وقت چائے کی طلب ہے!"

وہ تھکے تھکے انداز میں بولے۔

"ابھی لائی سر!"

وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی، تو ڈاکٹر فرحت ان کے کیبن میں داخل ہوئیں۔

"تو یہ ڈاکٹر کی بھی کوئی زندگی ہوتی ہے، اب آپ کی اتنی گولڈن نائیٹ بھی برباد [illegible] ڈاکٹر فرحت کو واقعی بے حد دکھ تھا۔"

"کوئی بات نہیں ڈاکٹر صاحبہ!"

"اگر ہماری توجہ سے کسی کی زندگی بچ جاتی ہے، تو یہ سودا مہنگا ہرگز نہیں ہوتا۔"

ڈاکٹر رواق نے پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

"پھر بھی ڈاکٹر......؟"

"اب اگر ہم لوگ دن رات کو تفریق کیے بغیر صرف اور صرف مسیحا بن کر پھرتے ہ[illegible] ہماری وجہ سے ہمارے گھر والے کیا لائف ٹائم سفر نہیں کرتے؟"

ڈاکٹر فرحت کو واقعی ڈاکٹر رواق کا دلہا بنے! کپڑوں میں دوڑے آنا تکلیف دے[illegible] لیکن مجبوری تھی، یہ۔"

"اٹس او کے ڈاکٹر صاحبہ! یہ بتائیں کہ......"

"آپ چائے میں شکر کتنی لیں گے۔" سسٹر نے چائے سامنے لا کر رکھی، تو ڈاکٹر [illegible] ڈاکٹر فرحت کا بھی ایک کپ بنا کر ان کو پکڑا دیا۔

سسٹر چائے رکھ کر باہر نکل گئی۔

"ڈاکٹر آپ اگر مائنڈ نہ کریں تو ایک بات پوچھوں؟"

ڈاکٹر فرحت نے غور سے ڈاکٹر رواق کو دیکھتے ہوئے پوچھا، جو بے چارے بے [illegible] بیٹھے تھے، پریشانی ان کے چہرے سے واضح تھی۔

ڈاکٹر رواق نے طویل لمبی سانس بھر کر پوچھا۔

ان کا دل اس وقت بے حد ٹوٹا ہوا تھا، ان کے لہجے سے ان کے اندر موجود پریشانی واضح تھی۔

ڈاکٹر دیپا کا یوں نیند کی گولیاں کھا کر خودکشی کرنا، اور پھر صرف آپ کو بلانے پر ضد کرنا......!"

"کچھ ہے ناں؟"

ڈاکٹر فرحت نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"وہ عورت تھیں، اور عورت مصلحت کے بغیر صرف اور اپنا تجسس پورا کرنا چاہتی ہے! وہ ہمیشہ بول پڑتی ہے۔" ڈاکٹر رواق بنا بولے ان کی جانب دیکھتے رہے!

"سوری ڈاکٹر......!"

"اگر آپ کو برا لگا ہے، دراصل وہ اتنا کھلم کھلا آپ کو بار بار یاد کر رہی تھیں، کہ ہم سب حیران تھے۔"

"جب کوئی عورت اپنی عزت کی پروا کیے بغیر صرف اور صرف ایک مرد کا نام اپنی زبان پر رکھے، تو واقعی کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہے، یہ کوئی بہت چھوٹی بات تو ہرگز نہیں ہوتی۔"

ڈاکٹر فرحت ڈاکٹر رواق سے سوری کرنے کے باوجود اصل بات سننے کے لیے بہت پر تجسس تھیں۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں!"

"واقعی کچھ ہے!"

"دوستی سے بڑھ کر اور محبت سے کم!"

"شاید یہی وجہ ہے کہ دونوں ہی رشتے ادھورے رہ گئے! اور......اور ہم میں کوئی رشتہ بن ہی نہ سکا۔ اور جب رشتہ نہیں بنتا اور ٹوٹ جاتا ہے، تو انسان اندر سے ٹوٹ جاتے ہیں، اور اکثر ٹوٹے ہوئے انسان دیپا پروانی کی طرح خودکشی کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ ان کے پاس ایمان نہیں ہوتا، لیکن ڈاکٹر مجھے یہ بتائیں کہ وہ شخص کیا کرے جو ٹوٹا بھی ہو، اور اس کا ایمان اسے خودکشی سے منع کر چکا ہو، وہ کہاں جائے؟"

ڈاکٹر رواق کا لہجہ رو رہا تھا۔

''وہ اللہ پر بھروسہ کرے کہ اللہ اس کے ساتھ ہمیشہ اچھا ہی کریں گے۔''

ڈاکٹر رواق اور ڈاکٹر فرحت دونوں چونک کر پیچھے مڑے تھے، سامنے چھڑی کا سہارا لیے باؤ جی کھڑے تھے۔

''باؤ جی آپ؟''

''اچھا ڈاکٹر مجھے وارڈ کا راؤنڈ لینا ہے، میں چلتی ہوں۔ ڈاکٹر فرحت نے وہاں سے اٹھ جانا ہی بہتر تصور کیا۔''

''اوکے۔''

''ڈاکٹر رواق نے ان کو جانے کی اجازت دی۔

''باؤ جی آپ اس وقت...... یہاں...... ہسپتال میں؟''

''خیریت ہے؟''

''بالکل بیٹا جی!''

''صبح کے چار بجے اگر تم اپنی دلہن چھوڑ کر ہسپتال آسکتے ہو، تو میں کیوں نہیں اپنے پوتے کے لیے آسکتا۔'' باؤ جی نے چھڑی کے سہارے ادھر ادھر بے قراری سے گھومتے ہوئے کہا۔

''باؤ جی...... ایمرجنسی ہوگئی تھی۔''

رواق نے سر جھکا کر اور نظریں چرا کر کہا۔

''ایسی کونسی اتنی اہم ایمرجنسی تھی، کہ تمہارے سوا کوئی اور ڈاکٹر اسے سنبھال نہ سکتا تھا۔''

باؤ جی کچھ بھی ماننے کو تیار نہ تھے۔

ڈاکٹر رواق گہری سانس لے کر رہ گئے، وہ ذہنی طور پر اس قدر تھکے اور بکھرے ہوئے تھے کہ ابھی وہ خود کسی کٹہرے میں کھڑا کرنے کی سکت نہ رکھتے تھے۔

''میں پہلے بھی تم کو سمجھا چکا ہوں، کہ تمہاری بے جا نرم طبیعت تم کو کسی دن تمہارے پرسنل نقصان کی جانب بھی لے جاسکتی ہے۔''

''رواق اپنی زندگی اور ہسپتال کی زندگی کو اتنا نہ ملاؤ، کہ تم کسی دن نہ اچھے انسان اور نہ ہی اچھے ڈاکٹر بن سکو گے۔''

''ایک اچھے انسان اور اچھے ڈاکٹر کو زندہ رکھنے کے لیے تمہیں دونوں جانب برابر کی لکیر کھینچنی ہوگی۔''

باؤ جی نے معتدل انداز میں بے حد پیار سے ان کو سمجھایا۔

''جی اچھا!''

ڈاکٹر رواق کے اندر کسی قسم کی بحث کی طاقت نہ تھی، اس لیے وہ بے حد تابعداری سے

''اب چلو گھر!''

''مہمانوں کے اٹھنے سے پہلو تمہارا گھر ہونا ضروری ہے۔''

''پلیز باؤ جی میں ابھی گھر نہیں جا رہا!''

ڈاکٹر رواق نے ایک دم سے ہی انکار کر ڈالا۔

''کیوں کیا ہوا ہے؟''

''رات سے تم گھر سے آنے والے فون کال بھی ریسو نہیں کر رہے تھے، اور اب گھر جانے سے انکار بنا کسی وجہ کے نہیں ہے! تم مجھے فوراً اصل بات بتاؤ، کہیں کوئی تماشا نہ ہمارا لگوا دینا۔''

باؤ جی گھر سے اندازہ کر چکے تھے، کہ کوئی غیر معمولی بات ہے، جو رواق فون نہیں لے رہا تھا، لیکن انہوں نے آتے ہی رواق پر اپنی سوچ واضح نہ کی تھی، وہ اس کی اپنی زبان سے ساری حقیقت جاننا چاہتے تھے۔

''باؤ جی پلیز مجھے اس وقت گھر جانے پر مجبور نہ کیجئے گا، یہ میری آپ سے گزارش ہے۔''

ڈاکٹر رواق کے اعصاب اس وقت رامین اور دیپا پروانی کی وجہ سے تنے ہوئے تھے، دونوں لڑکیاں ان کی زندگی کا اہم حصہ تھیں، آج دونوں ایک ساتھ ہی ان کے لیے آزمائش بن کر سامنے آگئی تھیں، اور ڈاکٹر رواق مسلسل محسوس کر رہے تھے، کہ یہ آزمائش ان کی برداشت سے کئی گنا تھی، جس کو ان کا دل و دماغ اکیلے سہار نہ پا رہا تھا۔

ان کو اس وقت ایک دوست اور ایک غم خوار کی اشد ضرورت تھی، جس سے وہ اپنے دل کا بوجھ بانٹ سکتے۔

''رواق......!''

باؤ جی نے اس کے کندھے پر اپنا بوڑھا ہاتھ رکھتے ہوئے اسے پکارا۔

''جی!''

رواق کی آواز یوں تھی، جیسے کسی گہرے کنویں سے آ رہی ہو۔

"مجھے اصل بات نہیں بتاؤ گے؟" باؤ جی نے بے حد مان سے پوچھا۔

"تو میرا پوتا ہی نہیں، میرا یار بھی تو ہے۔ پھر دوستوں سے کبھی کچھ چھپایا جاتا ہے نا؟"

وہ ڈاکٹر رواق کے ضبط کی دیوار کو ایموشنل بلیک میلنگ سے کمزور کر رہے تھے۔

"باؤ جی!"

ڈاکٹر رواق کی آنکھیں شدت ضبط سے سرخ ہو رہی تھیں۔

"ہاں بول یار!" باؤ جی نے اس کے کندھے پر دباؤ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"باؤ جی...... مجھ پر ایک آزمائش آن پڑی ہے، اور اتنی بڑی ہے کہ میں اس کے آگے اپنے آپ کو اور اپنے حوصلے کو بہت چھوٹا پاتا ہوں!"

ڈاکٹر رواق نے اپنے اندر کے درد کی سسکی روکتے ہوئے کہا۔

"مولا کرم کرے گا!"

"وہ اپنے بندے کو اس کے ضبط سے زیادہ کبھی نہیں آزماتا۔" باؤ جی کی تسلی ڈاکٹر رواق کے لیے کچھ تسلی کا باعث بنی تھی۔

"باؤ جی میں ایک ایسے دوراہے پر کھڑا ہوا ہوں، جہاں وقتی طور پر میرے دل و دماغ نے کام کرنا چھوڑ دیا ہے، بس غصہ، پشیمانی، اور کچھ کھو دینے کا احساس حاوی ہے!"

"میں خود پر حیران ہوں، کہ مجھے جو اپنے دل کے شفاف ہونے پر ہمیشہ مغرور ہوتا تھا، اس کی یہی خوبی مجھ سے میری زندگی کا اہم فیصلہ بالکل درست کروائے گی آج...... آج کچھ......!"

"میں واقعی پشیمان ہوں، کہ میرے دل نے ایک ایسی لڑکی کا انتخاب کیا، جو شاید ہمارے خاندان کے قابل نہیں ہے۔ ڈاکٹر رواق کی بات کسی بم دھماکے کی طرح باؤ جی کو ہلا گئی تھی۔

"ایسا کس بنیاد پر کہہ رہے ہو؟"

"وہ نہایت ہی اچھے خاندان کی نہایت شریف بچی ہے۔"

باؤ جی نے فکر مندی سے پوچھا۔

"میرا دل تو ابھی بھی یہ ہی کہتا ہے!"

"لیکن میں...... میں ان کا کیا کروں، جو دیکھتے سلگتے کوئلوں کی طرح میرا دل بھسم

رواق نے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ لفافہ باؤ جی کے حوالے کر ڈالا۔

"کوئی قیامت سی قیامت تھی۔ باؤ جی کو خود اپنا آپ ڈولتا محسوس ہوا۔"

"یہ سب کیا ہے؟"

وہ بے اختیار بولے تھے۔

"یہ ہی تو...... میں سوچ رہا ہوں۔ اگر یہ سچ ہے تو اس سے بڑا بھیانک مذاق زندگی نے میرے ساتھ نہ کھیلا ہوگا۔" رواق رو دینے والے تھے۔

"میری غیرت میری انا میرے دماغ میں غصے کی آگ بھر رہی ہے، اور میں اپنی دی ہوئی پرورش کی تربیت کی زنجیروں میں جکڑا بلبلا رہا ہوں۔"

"میری جگہ کوئی اور ہوتا، تو فوراً طلاق دے کر آ جاتا، لیکن میں ایسی زنجیروں میں خود کو بندھا محسوس کرتا ہوں، جن کے سرے آپ کے پاس، بابا کے پاس ہیں۔"

"میں چاہ کر بھی اس بندھن سے فوراً آزاد نہیں ہو سکتا، کیونکہ خالی یہ بندھن بھی اب میرے لیے شرمندگی کا باعث ہے۔" ڈاکٹر رواق کا لہجہ سلگ رہا تھا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے جلد بازی میں کوئی غلط قدم نہیں اٹھایا، آج تم نے میری بہو کی پرورش کا حق ادا کر دیا ہے۔ شاباش بیٹے!"

باؤ جی نے اسے شاباش دی۔

"نہ دیں مجھے شاباش، مجھ سے اتنا حوصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے!"

رواق نے جل کر کہا۔

"بیٹا قصور سامنے آئے، تو کبھی بھی ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہیں سناتے۔"

"ورنہ ناانصافی ہو جاتی ہے۔"

"ہمیشہ دونوں فریقین کی بات سن کر فیصلہ ہوتا ہے، اور تم تو خوش قسمت ہو کہ تمہارا فیصلہ کرنے کے لیے تمہارے بڑے موجود ہیں۔"

"تم میرے ساتھ گھر چلو!"

"میں وعدہ کرتا ہوں، کہ تمہارے ساتھ کوئی زبردستی یا ناانصافی نہیں کی جائے گی۔" باؤ جی نے اسے یقین دلایا۔

''باؤ جی ابھی میں کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا، ہر کوئی سوال کرے گا، اور میں ابھی اتنا صبر نہیں پاتا۔'' رواق نے بے بسی سے کہا۔

''بیٹا......! یہ جو دنیا ہوتی ہے ناں!''

''اس کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی ہے، کہ کون سچا ہے، جھوٹا ہے، کون دکھی ہے، یہ تو صرف اور صرف تماشہ لگنے کا انتظار کرتی ہے، اور ہمیشہ تماشہ دیکھنے اور بنانے کو موجود رہتی ہے۔''

''اس لیے سمجھ دار لوگ اپنے گھر کی باتوں کی خوشبو تک باہر نہیں جانے دیتے، اور ان کے ہاتھوں میں تماشا لگنے نہیں دیتے۔''

''تم ابھی تو چلو......اور سب کے رخصت ہونے کے بعد ہم اس مسئلے کو تمہاری رضا ہوگی، اس کے مطابق حل کریں گے۔''

باؤ جی نے اسے گھر لے جانے پر لوجیکل طریقے سے اصرار کیا، تو ڈاکٹر رواق ان کے سامنے بے بس پایا۔

''ٹھیک ہے! لیکن میں ابھی رامین سے بالکل ملنا نہیں چاہوں گا، تا کہ میرے اندر کا اور غصہ مجھ سے کچھ غلط نہ کروادے۔'' ڈاکٹر رواق نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے!''

باؤ جی اپنی کامیابی پر دھیرے سے مسکرائے۔

وہ اس عمر میں تھے، جہاں ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھایا جاتا ہے، اور انہوں نے رواق کو کرنے پر مجبور کر ہی لیا تھا، لیکن وہ ابھی تک یہ نہ سلجھا پا رہے تھے، کہ وہ آنے والے طوفان کو جو کے گھر کی بنیادوں کو ہلا سکتا ہے، کیسے روکیں گے؟

''کیسے کنٹرول کریں؟''

یہ ایسا سوال تھا، جو واقعی بھوت بن کر ان کو ڈرا رہا تھا، ان کے سامنے شیطانی رقص ناچ رہا تھا۔

***

زندگی مختصر ہے اور سفر لمبا
یا پھر سفر مختصر ہے اور زندگی لمبی

یا پھر گلے شکوؤں کی ایسی دیوار
جو اٹھتی ہے، تو اٹھتی چلی جاتی ہے
یا پھر رات کی تاریکی
جو بڑھتی ہے تو بڑھتی جاتی ہے
تنہائی، بداعتمادی اور پھر تنہائی
اور اتنی ہی دیر میں
زندگی ختم ہو جاتی ہے
کیا قیامت کی رات تھی۔

رامین کو لگ رہا تھا، کہ اس قیامت کی رات میں جلنے والی آگ سے اس کے دل کی سرزمین جو شگفتہ تازہ پھولوں سے مہک رہی تھی، وہاں سب کچھ بھسم ہو گیا تھا۔

اب خوف اور صرف خوف کے سائے یہاں وہاں لرز رہے تھے، ایک بے حد خود اعتماد لڑکی ذہین لڑکی کی ساری ذہانت اور خود اعتمادی چند ہی گھنٹوں میں زیرو ہو گئی تھی۔

اس کی خودی کی ذات اس قدر بے مایا ہو گئی تھی، کہ رامین کو اپنا وجود اتنا ہلکا لگ رہا تھا، کہ وہ خالی ڈبے کی مانند ادھر ادھر لڑھک رہی تھی۔ جس میں سے ساری خوشیاں، خواب ارمان نکال کر ضائع کردیئے گئے ہوں، اور پھر خالی ڈبہ رہ جاتا ہے۔

خالی ڈبہ جو اِدھر اُدھر لڑھک کر کوڑے میں جانے کا انتظام کرتا ہے۔

بیا ابھی اسے بے حد تسلی دے کر نکلی تھیں کہ رواق کو ہسپتال میں ایمرجنسی تھی، اس لیے وہ رات بھر غائب تھا، ابھی آتا ہی ہوگا، پھر باہر گاڑی کا ہارن سن کر وہ باہر کو لپکی تھیں۔

یہ عورت جو اس کی ساس تھیں، حقیقت سے بے خبر تھیں، اس کا کتنا خیال کر رہی تھیں، تو کیا حقیقت جان کر ان کی نگاہیں نہ بدلیں گی؟ گیٹ کے باہر گاڑی رکی تھی۔

رامین کو یوں لگا، کہ اس کا دل ایک بار پھر چلتے چلتے رک سا گیا ہو!

***

جب جب کوئی مشکل اور دکھ سے گھبراتا ہے تو ہمیشہ اس کا دل اور آنکھ ایک مہربان آغوش ڈھونڈتی ہے، یہ آغوش دنیا میں ایک ماں کے سوا کسی کے پاس نہیں ہوتی ہے، رامین کو اس نازک وقت میں شدت سے اپنی ماں کی کمی کا احساس ہوا تھا۔

"ماں!"

ماں جو بتائے بغیر چہرہ اور آنکھیں پڑھ لیتی ہے!

ماں کو اللہ نے ولیوں سے زیادہ الہامی طاقت دی ہے، اس کی دعا کو ولیوں سے زیادہ ملا ہے، جب جب وہ اپنی اولاد کے لیے دعا کرتی ہے، تو رب کریم، رب عظیم اسے فوراً قبولیت معراج عطا کر دیتے ہیں۔

کاش میری بھی ماں ہوتی، جس کو میں اپنے دل کا حال بتا سکتی!

کاش میری ماں ہوتی تو وہ میری اچھائی کے لیے سب سے لڑتی!

رامین نے سسکتے ہوئے سوچا تھا۔

صبح کا اجالا کچھ دیر میں پھیلنے والا تھا، اور شاید اس کی بدنامی و تباہی کی خبر بھی پھیلنے والی تھی۔ رامین کو بے اختیار جھرجھری آئی تھی۔

وہ اس وقت کمرے میں تنہا بیٹھی تھی، کتنی دیر سے کوئی بھی اس کے کمرے میں نہ آیا تھا، وسوسے اور خوف بھوت بن کر اس کے ساتھ چمٹے، اس کا خون خشک کر رہے تھے۔

"اے اللہ!"

"تو ہی میری عزت رکھنے والا ہے! پلیز مجھے اس بہتان سے باہر نکال دے۔"

رامین جس نے ساری عمر خود پر غرور کرنے میں گزاری تھی، جس کو ہمیشہ بن مانگے ملا، جس نے آج تک بھی کسی ضرورت کے لیے دعا نہ مانگی تھی، آج بے اختیار اس رب عظیم

چکی تھی۔

"ہر روح بالکل اپنے اصل ہی کی جانب مڑتی ہے۔"

رامین بہت دیر سے اپنے پیاروں کے متعلق سوچ رہی تھی، کہ وہ کس سے اپنا راز شیئر کرے، کون اس کی مشکل کو حل کر سکتا ہے؟ لیکن ہر شخص اس پر کیا فوراً یقین کر لے گا؟

یہ ایسا سوال تھا، جو اس کے دل کو بے یقینی دے رہا تھا۔

آخر سوائے اللہ کی ذات کے کوئی اس کی سچائی نہ جانتا تھا۔

"اللہ میری مدد کر!"

اس کے اندر اللہ کی ذات کے یقین سے ایک دم توانائی سی بھر گئی۔ وہ فوراً بیڈ سے اتر آئی۔ کھینچ کھینچ کر زیور اتارا اور واش روم کی طرف لپکی، رو رو کر میک اپ تو جانے کب کا اتر کر بکھر چکا تھا۔

اس نے پانی کا نل کھولا، اور ٹھنڈے پانی کو اپنے ہاتھوں میں لے لے کر منہ پر چھپاکے مارنے لگی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ وضو کر کے دلہن کے لباس کے اوپر اپنی رخصتی کے وقت دی جانے والی چادر اوڑھ کر جانماز پر کھڑی تھی، پھپھو خود نماز و روزے کی بے حد پابند تھیں، اس لیے انہوں نے ان دونوں بہنوں کو بھی قاری صاحب سے نماز اور قرآن پاک کی تعلیم دلوائی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ پھپھو کے ہر وقت پیچھے لگے رہنے کے باوجود کبھی نماز کی جانب نہ آتی تھی۔

رامین نے آنکھیں بند کر کے نماز کی ترتیب کو سوچنا چاہا، لیکن سب گڈمڈ ہو رہا تھا۔ پھر وہ ایک دم بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

وہ بار بار ہاتھ باندھ کر پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن دماغ میں سوائے چند لفظوں کے کچھ نہ آ رہا تھا۔

"ایک دم شرمندگی کے گہرے احساس نے کسی آگ کی طرح اس کا دامن پکڑا تھا۔"

"اپنی ضرورت، اپنی مشکل جب آئی تو وہ اللہ کو یاد کرنے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، اچھے دنوں، نعمتوں اور سکھ کے دنوں میں اسے اللہ کبھی یاد نہ آیا تھا۔"

شرمندگی کی یہ آگ دھیرے دھیرے اس کے سارے وجود پر پھیل کر اس کو جلانے لگی، وہ ایک دم ہاتھ چھوڑ کر دھم سے بے بسی سے زمین پر بیٹھ گئی، اور سر پکڑ کر رونے لگی۔ اب...... یہ رونا

پچھتاوے کا رونا تھا!

تبھی کہیں دور اس کے کانوں میں ایک بازگشت گونجی تھی۔ یہ ڈیڈی کی آواز تھی، جیسے روشنی اندھیرے کو پھاڑ کر سامنے آتی ہے۔

حوصلہ دے فکر کو اور بارش فیضان کر
ہے ثنا تیری بہت مشکل سے آسان کر
رفتہ رفتہ کھول مجھ پر رازہائے جسم و جاں
دھیرے دھیرے مجھ پہ ظاہر تو میری پہچان کر
زیست کے تپتے ہوئے صحرا میں ہوں اس سے نکال
میرے سر پر بیکراں رحمت کی چادر تان کر
کفر آلودہ فضا میں سانس لینا ہے محال
پھر سے اس گم کردہ رہ کو صاحب ایماں کر
ختم ہو جائے بساط خاک کا سب شور و سر
بے سکونی کو عطا پھر حسن اطمینان کر
اے اللہ زیست کے تپتے صحرا میں ہوں
اس سے نکال! میرے پر بیکراں رحمت کی چادر تان کر......!

ڈیڈی کی مدھم آواز اس کے قریب آ کر روشنی پھیلانے لگی۔

اس بار جب وہ ہمت کر کے کھڑی ہوئی، تو اسے سب کچھ یاد آنے لگا۔ اب وہ آنسو آمیزش کے ساتھ اپنے رب کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

***

"اٹھ جائیں ڈاکٹر باؤ!"

باہر بہار بیگم اونچی آواز میں بول رہی تھی۔

سلگتے دل و دماغ کے ساتھ جانے رواق کی آنکھ کب لگ گئی تھی، نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے، لیکن اچھی نیند کے لیے پرسکون دل و دماغ کا ہونا ضروری ہے، لیکن اگر اس سے برعکس آپ نیند لے کر بھی بے حد تھکے اٹھتے ہیں۔

ڈاکٹر رواق کو بھی لگ رہا تھا، کہ اس کا سر درد سے پھٹ رہا ہے، جسم میں اکڑن تھی، آنکھیں

تھیں نرم ہاتھوں سے دباتا اٹھا۔ اس نے اٹھ کر دونوں کو آپس میں رگڑا اور پھر گرم ہتھیلیوں کو اپنی آنکھوں پر رکھ دیتا۔ ایسا دو تین بار کرنے سے اس کی آنکھوں کی دکھن میں خاص فرق پڑا تھا۔

"ڈاکٹر باؤ!"

بہار بیگم کا لاؤڈ سپیکر بے حد اونچا تھا، وہ مطلوبہ انسان کے علاوہ کسی کو بھی اٹھانے کا باعث بن جاتا تھا۔

"ڈاکٹر باؤ!"

اب باہر اصرار تھا۔

"اٹھ چکا ہوں!"

ڈاکٹر رواق کہہ کر اٹھ بیٹھے۔

"ڈاکٹر باؤ اندر آ جاؤں؟"

وہ دروازے پر کھڑی پوچھ رہی تھی۔

"تم اندر آئے بغیر بھی کمرے میں موجود ہو، کہو کیا بات ہے۔" ڈاکٹر رواق نے سلیپنگ گاؤن پہن کر کہا۔

"ڈاکٹر باؤ کل آپ نئی دلہن کو چھوڑ کر ادھر باؤ جی کے کمرے وچ کیا کر رہے ہو؟"

بہار بیگم کے لیے یہ بات کسی ہڈی کی طرح گلے میں پھنسی ہوئی تھی، اس لیے وہ پوچھے بنا نہیں رہی تھی۔

ڈاکٹر رواق کچھ سخت کہتے کہتے رک گئے۔ ان کے کانوں میں باؤ جی کا جملہ گونجا تھا۔ "دنیا میں کسی کو کسی کے دکھ سکھ سے غرض نہیں ہوتی ہے، لوگ بس دیکھنے کو تماشہ اور بات کرنے کو موقع چاہتے ہیں؟"

"وہ......وہ ہسپتال میں ایمرجنسی آ گئی تھی، اور رات وہاں سے آنے کے بعد میں نے سوچا، تم لوگوں کی نئی دلہن کی نیند ڈسٹرب نہ ہو، اس لیے ادھر ہی سو گیا تھا۔" ڈاکٹر رواق کبھی بھی اتنے تفصیلی بیان کے عادی نہ تھے، لیکن وہ اچھی طرح جانتے تھے، کہ بہار بیگم گھر کا بی بی سی نیوز تھی، ساری خواتین جن کو کسی بات کی ٹوہ ہوتی، ہمیشہ اس سے ہی رابطہ کرتی تھیں، اس لیے انہوں نے بے حد تسلی سے جواب دیا، تا کہ بہار بیگم کی تسلی ہو سکے پر......؟

"پر صاحب جی!"

"وہ ہٹی کیا سوچتی ہوگی؟"

بہار بیگم اتنی جلدی چھوڑنے پر راضی نہ تھی۔

"جو ہم سفر ہوتے ہیں، ان کے لیے خاص راتیں اہم نہیں ہوتیں، بلکہ ان کے ... کے احساسات اور زندگی خاص ہوتی ہے!"

ڈاکٹر رواق کہہ کر نہ رکے تھے، بلکہ واش روم چلے گئے تھے۔ ڈاکٹر رواق کا ... اس خبر کی تردید کر رہا تھا، جو بڑی اماں کی ملازمہ نے اڑائی تھی کہ نئے دلہا دلہن میں کچھ ... ہے۔

"یہ بوا بھی سٹھیا گئی ہے!"

بہار بیگم نے چائے کے کپ پر پرچ رکھ دی، تاکہ چائے ٹھنڈی نہ ہو جائے اور ... گئی۔

غالباً بہار بیگم کے پاؤں واپس نہ مڑے تھے، بلکہ ڈاکٹر رواق نے بہت سمجھداری سے ... بات کا رخ بدل دیا تھا، گھر میں موجود خاندان کی خواتین جو ہر وقت کسی بات کا چسکہ لینے کو ... بے تاب رہتی تھیں، اس نے خود کے معاملے کو بچا لیا تھا۔

لیکن جب وہ پانی کھول کر منہ دھونے کھڑا ہوا، تو بے اختیار اسے یہ سوچ آئی۔ "جو ... اس کی زندگی کو پکڑ چکی ہے، اسے کیسے بجھا پائے گا، پھر ایسے میں اس کا دل بھی جل رہا تھا۔"

"یا خدایا!"

رواق کے سر میں درد کی شدت میں مزید اضافہ ہوا تھا، جتنا وہ چاہ رہا تھا، کہ وہ اپنے ... دماغ کو پرسکون رکھے، اتنا ہی بار بار وہ منحوس تصویریں اس کی نظروں کے سامنے گھومتی اور ... مزید ڈسٹرب کر جاتی تھیں۔

"مرد محبت میں جدائی برداشت کر لیتا ہے، وہ اس جدائی کو ساری عمر کسی اعزاز کی طرح ... سے لگا کر رکھتا ہے! لیکن...... مرد بے وفائی کو کبھی برداشت نہیں کرتا، یہاں اس کی غیرت ... کچوکے لگا لگا کر مارتی ہے، اس لیے وہ کبھی بے وفائی کو معاف نہیں کر پاتا۔"

ڈاکٹر رواق کی تربیت اور ان کی غیرت دونوں ان کو اپنی اپنی جانب کھینچ کر بے بس کر ... تھیں، ایسے میں وہ مزید ڈسٹرب ہو رہے تھے۔

"یہ تو طے ہے، مس رامین عبدالقدیر تم میری خوشیوں کی قاتل ہو۔ میرے دل اور ...

زندگی کو برباد کر دیا تم نے۔ میں تم کو کبھی معاف نہیں کروں گا!"

انہوں نے کھولتے دل و دماغ کے ساتھ کہا تھا۔

***

"لٹھے دی چادر اتے سلیٹی رنگ ماہیا!"

"آ وو سامنے...... آ وو سامنے کولوں نہ رس کے لنگ ماہیا!"

اے ڈی مسلسل اونچی آواز میں گا رہا تھا، جب کہ روید پکا سا منہ بنا کر ناشتے کی میز پر بیٹھا تھا، وہ آج بھی شادی کے لحاظ سے ہیوی ناشتہ کرنے پر آمادہ نہ تھا، حلوہ پوری اور چنے کھانے سے اس نے انکار کر ڈالا تھا، اسے ہمیشہ کی طرح ابلا انڈہ فرنچ ٹوسٹ اور دودھ کا گلاس چاہیے تھا، بیبا حسب معمول اپنے لاڈلے کا نخرہ اٹھانے خود کچن میں گھسی ہوئی تھیں۔

"بہار تم روید کو اس کے فرنچ ٹوسٹ لے جا کر دو، تب تک انڈہ ابلتا ہے، تو وہ بھی دے آنا۔"

بیبا نے بہار کو ٹرے پکڑا کر بھیجا۔

بہار نے ٹرے میز پر جا کر رکھی۔

"بہار انڈہ کدھر ہے؟" روید نے ناشتے میں ایک چیز مس دیکھ کر پوچھا۔

"بیبا لا رہی ہیں۔" بہار کہہ کر دوسری ٹرے پکڑے اوپر چل دی، جہاں کچھ مہمان خواتین کو دودھ پتی درکار تھی۔

"خزاں بیگم انڈہ لے کر آؤ!" روید نے با آواز بلند کہا۔

"ابھی لاتی ہوں روید باؤ!" اس نے جاتے جاتے تسلی دی۔

"تیری ماں نے پکائے انڈے......

تیری ماں نے پکائے انڈے، اساں منگے تے پے گئے ڈنڈے!

اساں منگے تے پے گئے ڈنڈے!

لٹھے دی چادر اتے سلیٹی رنگ ماہیا......!

اے ڈی کی اونچی تان اب روید کی برداشت سے باہر ہوگئی تھی۔

"اوئے چلتے پھرتے بے سرے ریڈیو...... آج میں نے ہمیشہ کے لیے تیرا ساؤنڈ باکس مروڑ دینا ہے!" روید خطرناک تیوروں کے ساتھ اے ڈی کی جانب مڑا جو گانے گاتے ہوئے سب کے کپڑے استری کر رہا تھا، اس نے جب روید کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا، تو استری چھوڑ کر

بھاگا۔

''ٹھہر جاؤ......آج تم نہیں بچ سکتے کہ......!

روید ہاتھ میں چمچ کانٹا لیے بھاگ رہا تھا۔ آگے......آگے اے ڈی اور پیچھے پیچھے روید۔

''باؤ روید یہ چمچے کانٹے سے مجھے کھانے کو کیوں دوڑ رہے ہو، اپنی میٹھی میٹھی ڈبل روٹی کھاؤ۔'' اے ڈی فرنچ ٹوسٹ کو میٹھی میٹھی ڈبل روٹی ہی کہتا تھا۔

''میں حرام چیزیں نہیں کھاتا!''

روید نے اسے غصہ سے کہتے ہوئے کہا۔

''تو باؤ روید پھر کیوں غصہ کھاتے ہو! غصہ بھی تو حرام ہوتا ہے!'' اے ڈی نے بھاگتے خود کو بچاتے ہوئے کہا۔

''اب تم چاہے کسی مولانا کی طرح باتیں کرو یا پھر سقراط بقراط بنو، آج میں تمہارا گلا دباؤں گا۔'' روید نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''بڑی اماں، باجی رابعہ، بیبا جی مجھے بچاؤ!'' اے ڈی نے کوئی رستہ نہ پا کر اونچے سروں میں سب کو پکارا۔

لیکن پھر اچانک ہی روید اک دم سے پیچھے مڑا اور خاموشی سے پرسکون ہو کر میز پر بیٹھ گیا۔ اے ڈی کو حیرت کا جھٹکا لگا، کہ باؤ روید ایک دم کیسے چپ ہو گیا۔

''ہیں باؤ روید کیا میری بات کا اتنا اثر ہوا کہ آپ کا غصہ ختم!'' اے ڈی نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''مسٹر اے ڈی میں تمہارے گندے خون سے اپنے ہاتھ کیوں رنگوں، جب کہ تم نے اپنی موت کا خود سے سامان کر لیا ہے، اس لیے میں پرسکون ہو کر اپنا ناشتہ کرنے لگا ہوں۔''

روید کا چہرہ بے حد پرسکون تھا۔ اے ڈی کو واقعی بے حد حیرت ہوئی تھی۔

''مطلب؟''

اے ڈی نے پوچھا۔

''مطلب......!''

روید نے کانٹے میں فرنچ ٹوسٹ کا ٹکڑا پھنساتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''مطلب تو میری جان تمہیں بڑی اماں سمجھائیں گی۔'' روید نے قہقہہ لگایا، جیسے اس نے کوئی لطیفہ سن لیا ہو۔

''لو وہ آ گئیں بڑی اماں......!''

روید نے ڈائننگ ہال، کم ٹی وی لاؤنج کے دروازے میں داخل ہوتی ہوئی بڑی اماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اے ڈی نے سنبھلتے ہوئے بڑی اماں کو دیکھا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟

''اے لو یہاں تو ابھی تک ناشتے ہی ختم نہیں ہو رہے!''

بڑی اماں نے روید کو ناشتہ کرتے دیکھ کر کہا۔

''ارے تم لوگوں نے تیار کب ہونا ہے؟'' وہاں رواق کے سسرال والے پہلے ہوٹل پہنچ جائیں گے، اور میزبان وہاں نہیں ہوں گے، کیونکہ یہاں تو سب کو اپنی اپنی روٹیں پیاری ہے۔''

یعنی کہ حد ہو گئی کہ گیارہ بجے تک ناشتے چلیں گے، تو دوپہر کا کھانا وہاں کیوں پکوایا؟''

''ارے بیبا......؟ کدھر ہو تم......؟''

''یہاں تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔'' بڑی اماں نان سٹاپ بولتے ہوئے بیبا کو آوازیں دے رہی تھیں۔

روید نے مجال تھا، کہ نگاہیں اٹھا کر بڑی اماں کی کسی بات کا جواب دیا ہو، وہ بڑی رغبت سے اپنا ناشتہ ختم کر رہا تھا، البتہ اس کے چہرے پر بہت شرارتی مسکراہٹ تھی۔

یوں جیسے ابھی کچھ ہونے والا ہو، لیکن جیسے وہ پہلے سے جانتا ہو۔

''اے لو تم کیوں اتنے چپ ہو؟''

بڑی اماں نے بھی حیرت سے روید کو دیکھا، جس کی زبان پر بڑی اماں کو دیکھتے ہی کھجلی ہونے لگتی تھی۔

''آپ خود کہتی ہیں کم بولا کرو، آپ کے کہنے پر ہی چپ ہوں۔''

روید نے نہایت تابعداری سے جواب دیا تھا۔

''اچھا......!''

''لیکن میں کیسے یقین کر لوں۔ بیبا نے تو تمہاری صورت میں چوبیس گھنٹے والی مشین رکھی ہوئی ہے، جو بنا کسی وجہ کے چپ تھوڑی ہوتی ہے!'' بڑی اماں نے مشکوک انداز میں جواب دیا۔

جواباً روید بے حد خوش اخلاقی سے مسکرایا تو بڑی اماں کو سچ مچ چکر آیا تھا۔

"اللہ تیری شان ہے!"

وہ کہے بنا نہیں رہ سکیں، بہرحال روید کا ان کے کہنے پر چپ رہنے کا پروگرام کسی بم سے کم نہ لگتا تھا۔

"اے لڑکے تجھے کوئی کام نہیں؟"

"تمہیں میں نے صبح رابعہ، اظہر اور اپنے کپڑے دیئے تھے، استری کرنے کو، کر دیئے

بڑی اماں نے اے ڈی کو ان کی باتیں سنتے دیکھ کر ٹوکا۔

"کپڑے......؟"

"استری......؟"

اے ڈی کو کچھ یاد آیا، پھر اچانک اس کا رنگ فق ہو گیا، اسے ایک دم روید کی ذو معنی گفتگو کا مطلب سمجھ میں آ گیا تھا۔

"ارے یہ کیا جلنے کی بو آ رہی ہے؟"

"اے بیبا یہ کچن میں آلو تو ابلنے نہیں رکھے، ایسی بدبو تو آلو جلنے کی ہو......تی!"

بڑی اماں نے اٹھتے ہوئے کچن کی طرف آواز لگائی تھی، لیکن بیچ میں ہی ان کی زبان کو بریک لگ گئی تھی۔ سامنے ہی زمین پر تھری سوئچ کے ساتھ لگائی گئی استری پر ان کی نگاہ چلی گئی تھی۔

"ہائے میں مرگئی!"

بڑی اماں نے دو ہتھڑ سینے پر مار کر دکھ سے کہا۔

اے ڈی نے گھبرا کر استری کا سوئچ باہر نکال دیا، لیکن اس کا کیا فائدہ تھا، بڑی اماں کا سات گز کا خوبصورت سا سلک کا غرارہ......؟

غرارہ کی ایک ٹانگ بالکل درمیان میں سے جل کر بڑا سا سوراخ وہاں سے نکل آیا تھا۔

"کلموہے!"

"تجھے میں نہیں چھوڑوں گی۔"

بڑی اماں کی کڑک دار آواز نے اے ڈی کی جان ہی تو نکال لی تھی۔

"ہائے میرا غرارہ......!

بڑی اماں دہائی دیتی چھڑی لیے اے ڈی کی طرف بڑھیں۔

"با......بڑی......! اماں!"

"وہ......وہ......میں نے جان بوجھ کر تھوڑی ہی!"

اے ڈی نے تھوک نگل کر کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"اچھا......تو کیا تیری آنکھیں نہیں ہیں؟"

"کم بخت تیری آنکھیں ہیں کہ بٹن!"

"سجاوٹ کو لگا رکھی ہیں، ان کا استعمال کیوں نہیں کرتے؟"

انہوں نے اپنی چھڑی سے اے ڈی کی دھلائی شروع کر دی۔ روید بڑے مزے لے کر یہ سین دیکھ رہا تھا۔

"اما......اماں......بڑی اماں۔

"معاف کر دو!" اے ڈی نے منت کی۔

"اچھا معاف کر دوں!"

"کم بخت میں نے اتنے ارمانوں سے اپنے نواسے کی شادی پر پہننے کو نکالا تھا، کم بخت یہ تیرے میاں جی نے مجھے بنوا کر دیا تھا۔"

"ہائے میرے میاں کی نشانی جلا دی!"

بڑی اماں کا غصہ ٹھنڈا ہونے کے بجائے مزید تپ گیا تھا۔

"اماں......پلیز رکیں!" بیبا نے بھاگ کر بیچ بچاؤ کرایا۔

"آخر کیا ہوا ہے؟"

بیبا نے اے ڈی کو بسرتے دیکھ کر اور اماں کے جلال کو دیکھ کر پوچھا۔

"ہوا؟"

"ارے کم بخت نے میرا غرارہ جلا کر خاک کر ڈالا......ارے......اس نے تو میرا دل جلا ڈالا!" بڑی اماں نے اے ڈی کی سر میں ایک دھپ لگاتے ہوئے کہا۔

"ارے......کیا یہ آپ کا دل تھا؟" غرارہ......؟

روید پہلی مرتبہ بولا تھا۔

"اس کو آج میں نہیں چھوڑوں گی......!" بڑی اماں پھر اے ڈی کی جانب لپکیں۔

"بیبا......بچاؤ......! اے ڈی نے چلا کر کہا۔

"ارے......ارے اماں غصہ تھوک دیں۔"

"اب جو چیز جل گئی، وہ جب دوبارہ آ نہیں سکتی، نہ ہمارے غصے سے نہ دکھ سے تو اس کا کیا غم کرنا۔"

بیبا نے تحمل سے ان کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"ارے رہنے دو!"

"ہر وقت کم بخت بے سرے ڈھول کی طرح بجتا رہتا ہے۔" سارا دھیان اپنی گانے کی طرف رہتا ہے۔"

"لے کہ ہمارا غرارہ جلا دیا۔ اس کو تو میں ہرگز معاف نہ کروں گی۔"

"اماں...... پلیز اپنے نواسے کی شادی اس کی خوشی کے صدقے میں معاف کر دیں۔"

بیبا نے ہمت نہ ہاری۔

"ارے رہنے دو!"

"اس کو میں نہیں معاف کروں گی۔" بڑی اماں نے چھڑی پر دوبارہ اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

اے ڈی نے ڈر کر اپنا سر بغلوں میں چھپالیا۔

روید کی دبی دبی ہنسی بڑی بے ساختہ تھی۔

"اچھا اماں...... پلیز معاف کر دیں!"

بیبا ان کو کھینچ کر صوفے تک لے آئیں۔

"اس کو سزا تو ضرور دوں گی، ورنہ میرے جلتے کلیجے (جلتے غرارے) پر ٹھنڈ نہ پڑے گی۔

"آئندہ بد بخت میں نے تیرے گانے کی آواز سنی، تو تیرا گلا میں وہیں دبا دوں گی، تیرا کام میں دھیان ہی نہیں رہتا۔"

بڑی اماں کی سزا واقعی مار سے زیادہ خطرناک تھی۔

اے ڈی بلبلا کر رہ گیا۔

"بڑی اماں معاف کر دو!"

وہ منمنایا۔

"اور آج تو ہمارے ساتھ ہوٹل نہیں جائے گا، یہ ہی تیری سزا ہے۔" بڑی اماں نے سزا کا بقیہ حصہ سنایا، جس پر اے ڈی واقعی (تھاں) موقع پر مرا تھا۔

"اماں......!"

وہ بلبلایا۔

"ارے......!"

بیبا بھی اتنی کڑی سزا پر نہ رہ سکیں۔ اے ڈی کو اتنے عرصے سے اتنے زور وشور سے تیاری کرتے وہ دیکھتی آرہی تھیں، جانتی تھیں کہ اے ڈی کا کتنا دل خراب ہوگا۔

بس کہہ دیا ہم نے!

لے کہ میرا غرارہ جلا دیا!

میاں جی کی نشانی تھی!

انہوں نے مڑ کر غرارے کی اہمیت اجاگر کی۔

"اب میں کیا پہنوں گی؟"

چلتے چلتے ان کو ایک اور فکر ستائی تھی۔

"چلیں میں آپ کی مدد کرتی ہوں، ورنہ آپ کو تیاری میں دیر ہو جائے گی۔ بیبا نے ان کا بے حد خراب موڈ دیکھ کر کہا۔ اور ان کو تسلی دیتی باہر لے گئیں۔

"روید چلو چل کر تیاری کرو، اور دیکھو رابعہ سے کہو دلہن کو تیار کرنے والی لڑکی آئی کہ نہیں۔"

وہ جاتے جاتے روید کو حکم سنا گئیں۔

"جی بیبا میں کہہ دیتا ہوں!"

روید کی تابعداری بے حد عروج پر تھی۔

اے ڈی زمین پر بیٹھا یوں تھا، جیسے اس کی کوئی بھینس کھول کر لے گیا ہو۔

تیری ماں نے پکائی کھیر......

اساں منگی تے پے گئی پڑ!

لٹھے دی چادر ارے نہیں نہیں......

ململ دا غرارہ اتے استری ماہیا...... پھر...... جل گیا غرارہ!

"آ وو سامنے...... آ وو سامنے

ایسے نہ رو ماہیا!

ایسے نہ رو ماہیا!

رویدنے ترنگ سے گاتے ہوئے اے ڈی کے زخموں پر نمک چھڑکا۔ اے ڈی کی
صورت مزید رونی ہوگئی۔

ابھی کچھ دیر پہلے وہ روید کو گانے سنا سنا کر تنگ کر رہا تھا۔ اب اس کی آنکھوں سے ز
زدہ آنسو ہی نکل رہے تھے۔

"باؤ روید!"

"بڑی اماں سے کہو ہمیں جانے دیں۔"

اے ڈی نے روید کو جاتے دیکھ کر منت کی۔

"صرف ایک شرط پر......!"

رویدنے گہری مسکراہٹ سے اس کی جانب رخ کیا۔

"شرط......؟"

"وہ بھی آپ کی......؟"

"یعنی مزید کوئی اور مشکل میں سر ڈالنا......؟"

"رہنے دیں باؤ روید میں گھر میں ہی ٹھیک ہوں!"

اے ڈی نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

رویدنے اسے یوں ڈرتے دیکھ کر بہت جاندار قہقہہ لگایا۔

"پور سنگر!"

"باتھ روم سنگر!"

وہ ہنستا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا۔

"سلک داغرارہ اتے......استری اے ماہیا
جل گئی جل گئی......
اب کیا ہوگا ماہیا!

روید ترنگ میں گاتا ہوا اوپر چڑھا!

جب کہ اے ڈی نے نہایت بے بسی سے اسے اوپر جاتے دیکھا۔

اس کی شکل لنک کرز مین بوس ہو رہی تھی۔

***

"رامین کتنی پیاری لگ رہی ہو!"

ردین دوڑ کر رامین کے گلے جا لگی تھی۔ رامین گہرے کائی سبز کلر اور ہلکے لیمن کنٹراسٹ
والے سوٹ میں بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

"اللہ رامین تمہارا پشواز سوٹ کتنے خوبصورت کمبی نیشن کا ہے۔"

"تمہاری ساس کا ذوق تو بری دیکھ کر ہی ہوگیا تھا، ہماری بری بہت خوبصورت تھی۔ سدرہ
آنٹی نے بھی لقمہ دیا۔

"اے چپ کیوں ہو؟"

"اے تمہارے شہزادے نے تم پر کوئی سحر پھونک دیا ہے، جو تم کوئی بات ہی نہیں کر رہی۔"

سدرہ آپی نے رامین کے کان میں شگفتہ سی سرگوشی کی، لیکن رامین کو لگ رہا تھا کہ وہ "تو پل
صراط پر کھڑی ہے، جانے کب پاؤں پھسل جائے، کب وہ ایک نہ ختم ہونے والے جہنم میں جا
گرے۔"

"رامین......!"

سدرہ آپی نے اس کا ٹھنڈا ہاتھ پکڑ کر ہلایا۔

"آر یو آل رائیٹ؟"

انہیں سر جھکائے، نگاہیں جھکائے رامین ایک بے جان بت کی طرح لگ رہی تھی، انہیں
مدت سے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا۔

"رامین؟"

ردین نے بھی اسے بلایا۔

"آ......ہاں!"

رامین جیسے نیند سے جاگی ہو۔

"ہاں......ہاں میں ٹھیک ہوں!"

رامین نے تھوک نگلتے ہوئے اپنے گلے کو تر کرتے ہوئے کہا۔

"ارے......لڑکیو کوئی مجھے بھی تو ہاتھ دو۔"

پھپھو سٹیج کی سڑھیوں کے پاس کھڑی چلائیں تو سب ان کی جانب متوجہ ہوگئیں۔

"پھپھو!"

رامین کے لب پھڑ پھڑائے تھے، سامنے سے ڈیڈی چلے آ رہے تھے، جو
غائب ہو گئے تھے، اپنوں کو دیکھ کر رامین کو عجیب سی طاقت کا احساس ہوا، وہ کوئی ایسی بچی
تھی، یہ سب اپنے جانتے تھے کہ اس کا دامن صاف تھا۔

''وہ پاکیزہ دامن ہے!''

رامین کو فوراً آکسیجن ملی تھی۔

''میرا چاند......!''

پھپھو ہانپتی کانپتی بالآخر سٹیج پر پہنچ ہی گئیں، اب وہ رامین کا چہرہ ہاتھوں میں لے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اتار رہی تھی۔ انہوں نے ماں بن کر ان دونوں کو پالا تھا، رخصت کر کے وہ اندر سے کتنی اداس ہو گئی تھیں وہ کسی کو بتا نہ سکتی تھیں وہ ناریل کی طرح تھیں باہر سے بے حد سخت اور اندر سے بے حد نرم اور میٹھی۔

رامین کا پھپھو کو دیکھ کر دل بھر آیا اور بے اختیار آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

پھپھو اسے عام طور پر لڑکیوں کا رخصت ہو کر اداس ہونا سمجھ رہی تھیں۔ بس بچے سارا خراب ہو جائے گا۔

پھپھو نے چڑھتے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے دلہا دلہن کے لیے رکھے نرم صوفے میں دھنستے ہوئے کہا۔

''یہ جیجا جی کہاں ہیں؟''

روین نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں نے بھی خود انہیں کل رات کا دیکھا ہوا ہے، میری قسمت کا فیصلہ کرنے جانے کدھر کو گھوم رہے ہیں!'' رامین نے دل ہی دل میں کہا۔

''ارے ہاں...... داماد جی کدھر ہیں؟''

پھپھو نے سر ادھر ادھر گھما کر پوچھا۔

''السلاعلیکم! کیسی ہیں آپ؟''

رابعہ آنٹی نے سٹیج پر چڑھ کر پھپھو کو سلام کیا، اور ہاتھ میں پکڑا پھولوں کا ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔

''اللہ کا شکر ہے! بیٹی بیاہ کر جہاں دل سے ایک فرض ادا ہونے کا بوجھ اترتا ہے!

وہیں نئی زندگی کی کامیابی و خوشی کے لیے دعا و فکر کو نیا رخ مل جاتا ہے۔'' پھپھو نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''انشاءاللہ رامین یہاں راج ہی کرے گی، آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟''

رابعہ آنٹی نے روین اور سدرہ آپی سے گرم جوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے پھپھو کو بھی تسلی دی، تو رامین کا دل دھک کر کے رہ گیا۔

''کیا......؟''

''کیا یہ لوگ جو اس قدر مجھ سے پیار کرتے ہیں، اصلیت جان کر بھی کیا مجھے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے، یا پھر سو جوتے لگائیں گے؟''

''اللہ......!'' لیکن سچ یہ ہی ہے کہ میں بے قصور ہوں! یا اللہ مدد کرنا!''

''یہ کیسی آزمائش ہے؟'' رامین کے سارے وجود کو مزید نقاہت نے گھیرا تھا۔

''داماد جی کدھر ہیں؟''

پھپھو نے بے صبری و بے چینی سے پوچھا۔

''واقعی میں بے حد حیران ہوں کہ رواق، آپی اور اماں کدھر رہ گئے؟''

''ہمیں ہوٹل پہنچے ہوئے تقریباً آدھ گھنٹہ ہونے کو ہے، رستہ بھی کچھ زیادہ نہیں ہے!''

رابعہ آنٹی نے بھی پریشانی سے کہا تھا۔

''لو بڑی اماں تو آ رہی ہیں!''

سامنے سے ہی بڑی اماں چھڑی تھامے بہار بیگم کے ساتھ خراماں خراماں چلی آ رہی تھیں۔

''السلام علیکم!''

پھپھو بڑی اماں کے اعزاز میں بمشکل کھڑی ہو پائی تھیں۔

''وعلیکم السلام۔''

بڑی اماں نے بے حد گرم جوشی سے جواب دیا، اور ان کے ساتھ ہی براجمان ہو گئیں۔ رامین بے چاری تو دونوں خواتین کے بیچ میں پھنس کر رہ گئی تھی۔

''اماں...... رواق اور آپی کدھر ہیں؟ ہر مہمان ان کے متعلق پوچھ رہا ہے۔ اکیلی دلہن بیٹھی کیا اچھی لگتی ہے؟''

رابعہ آنٹی نے بڑی اماں سے فکر مندی سے دریافت کیا۔

"ارے میں تو کہتی ہوں یہ لڑکا باؤلا ڈاکٹر ہے!" کوئی ایسا بھی ڈاکٹر ہوتا ہوگا؟"

"لو بھلا کوئی اپنی شادی جیسی اہم تقریب کو چھوڑ کر ہسپتالوں کے چکر لگاتا ہے۔"

"سویرے سویرے بنا بتائے کسی کو ہسپتال چلا گیا، اب ماں اور دادا فکر مند بیٹھے تو کر اس کا فون آیا ہے، کہ وہ آ رہا ہے، ایسے بھی کیا مریض اہم ہوئے کہ رشتے غیر لگے!"

بڑی اماں کا تبصرہ ہمیشہ بے لاگ ہوا کرتا تھا، اب بھی انہوں نے بنا لحاظ کے رواز لیے تھے۔

"اماں......ذرا نرم ہاتھ رکھیں۔ نئے نئے سمدھی آئے ہیں، آپ سگی نانی ہوکر بولیں گی، تو ان کا دل تو بہت جلد میلا ہو جائے گا۔"

رابعہ آنٹی نے بڑی اماں کا کندھا دبا کر ان کے کان میں سرگوشی کی، جس پر بڑی برا سامنہ بنا کر انہیں دیکھا۔

"آپ کی صحت کیسی ہے؟"

سدرہ آپی نے ماحول میں چھائی ناگواریت کا اثر زائل کرنے کو پوچھا۔ "ارے ہو بیٹا!"

"بڑھاپا تو خود ایک بیماری ہے۔ جو وقت کے ساتھ گھٹتی تھوڑی ہے، بس بڑھتی ہے۔"

بڑی اماں کا تو یہ دل پسند موضوع تھا، واقعی ان کا موڈ تو ایک دم سے اچھا ہو گیا تھا۔

"لو بھئی وہ آ گئے جن کا تھا انتظار......!"

روین نے اندر آتے رواق کو دیکھ کر دبے دبے جوش سے کہا۔ سر جھکائے خود میں گم نے بے اختیار سامنے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ چھ فٹ کے نمایاں قد اور بے حد وجاہت چہرے اور آنکھوں میں ہمیشہ رہنے والی نرمی اور مسکراہٹ اس پر تو کوئی بھی لڑکی با آسانی تھی لیکن انہوں نے رامین کا انتخاب کیا تھا، اسے کچھ خاص جان کر اسے مان دیا تھا، لیکن ہی رات میں اس کے دل سے یہ خاص لڑکی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اتر گئی ہوگی۔"

"وہ شخص جو نکاح کے دو بولوں سے اس قدر قریب آ گیا تھا، کیا قسمت اسے اس لے گی؟"

رامین کا لرزتا دل ڈوبا تھا۔

"ماشاءاللہ......!"

"ماشاءاللہ......!"

پھپھو واری صدقے ہوتی، اٹھ کھڑی ہوئیں۔

رواق کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ کر گم ہو گئی تھی، ایسے کہ جیسے وہ بہت مشکل سے اس مسکراہٹ کو کھینچ کر لائے ہوں۔ رامین یک ٹک ان کا ہی چہرہ دیکھے جا رہی تھی، اس وقت اسے کوئی پروانہ تھی، کہ کوئی اسے دیکھ کر کیا سوچے گا، وہ جن آس بھری نگاہوں سے رواق کو دیکھ رہی تھی، لیکن مجال تھی کہ رواق نے نظر بھر کر کیا ایک سرسری نگاہ بھی رامین کی جھولی میں ڈالی تھی۔

"ارے دلہے میاں یہاں آ کر بیٹھو!"

بڑی اماں نے رامین کے ساتھ جگہ بنا کر کہا۔

"اماں میں پہلے کچھ دوستوں اور مہمانوں سے مل لوں، وہاں مردانے میں سب انتظار کر رہے ہوں گے۔"

رواق نے بے حد سہولت سے منع کر دیا۔

"تم کیوں میرے پہلو میں بیٹھو گے، جب میں ہی تمہاری نظروں سے مقام کھو چکی ہوں، تو تم میرے ساتھ بیٹھنا کیوں پسند کروں گے۔" رامین نے دکھی نظروں سے اسے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

***

"السلام علیکم!"

عادل نے ایک دم سامنے آ کر کہا۔

روین جو اپنے ہی خیال میں مگن کھڑی تھی، ایک دم سے چونک گئی تھی۔

"آپ نے سلام کا جواب نہیں دیا!"

وہ بھی ڈھیٹ بنا کھڑا تھا۔

"آپ کو کیا پرانی بیماری ہے کہ آپ زنان خانے میں گھسے رہتے ہیں۔"

"آپ لوگوں کی حد بندی کر کے غالباً انتظام سامنے کیا گیا ہے۔" روین نے سامنے کی طرف اشارہ کیا، جہاں مردوں کے بیٹھنے کا الگ سے انتظام تھا۔ مردوں اور عورتوں کی بیٹھنے کی جگہ کو

خوبصورت لکڑی کے سٹینڈوں سے الگ کیا گیا تھا۔

"مجھے زنانہ ڈبے میں گھسنے کا شوق نہیں، محترمہ میں تو اپنی آپا کو تلاش کرنے نکلا تھا
کیا پتا تھا کہ تلاش کے دوران کچھ نایاب ہیرے بھی اکثر لاٹری کی صورت میں نکل آ
عادل اس کا خوبصورت سراپا دیکھ کر بہکی بہکی باتیں کر رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

روین نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

بہت آسان لفظوں میں سلیس اردو میں پہلی بات کہ آپ نظر لگنے کی حد تک
دوسری بات جان لیوا بیماری بنی کھڑی ہیں، ذرا ادھر ادھر ہو کر کہیں تشریف رکھیں، ورنہ
پہلے تو میری ہی نظر آپ کو لگے گی۔ وہ شوخی سے کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

روین جو اس کی بات سمجھنے کی کوشش میں تھی، اس کی بات سمجھ کر ایک دم اس کے کان
گئے تھے، مجھے بات ہمیشہ دیر سے کیوں سمجھ آتی ہے، اس کا چہرہ لال گلاب ہو گیا تھا۔

"بدتمیز!"

روین نے اس کی پشت کو گھورتے ہوئے کہا۔ اور پھر جانے اس کے دل میں کیا سمائی
وہ فوراً سامنے لگی کرسیوں پر جا بیٹھی تھی۔

"کیا......؟"

"کیا واقعی میں بہت خوبصورت لگ رہی ہوں؟"

کچی عمر میں ہو یا پھر کی عمر......

لڑکی ہو یا میچور عورت......

ہر ایک کو خود کی تعریف سننا، خود کو اس کے کام کے سراہے جانا، بے حد اچھا لگتا ہے۔
روین کو بھی اچھا سا احساس چھو کر گزرا تھا، اور اسے چہرے کو ایک خوبصورت مسکراہٹ
کر گئی تھی۔

***

"لو بھلا بھائی میاں یہ کیا بات ہوئی؟"

پھپھو کا موڈ بے حد آف تھا۔

"آپا......!"

"سمجھا کروناں!" وہ ایک ہسپتال کا سربراہ بھی ہے!

"ایک ڈاکٹر کی زندگی عام آدمی کی زندگی سے بے حد مختلف ہوتی ہے۔"

"اس کے دن اور رات پر رشتوں کے علاوہ اس کے مریضوں کا بھی پورا حق ہوتا ہے۔ اللہ
نے بہت مقام دیا ہے۔ اس پروفیشن کو تو اس کے ساتھ بہت سی قربانیاں بھی شامل ہوتی ہیں، اور
ایک ڈاکٹر کی بیوی کو ہمیشہ اپنے شوہر کا خیال کرنا چاہیے۔ کہ اس کے کام کی نوعیت ہی کچھ اس طرح
کی ہے!"

ڈیڈی نے بہت تحمل اور تفصیل سے خواتین کو سمجھانے کی کوشش کی، کیونکہ رواق نے ولیمے
کے بعد دلہن کے ساتھ ان کے ہاں رات رہنے سے معذرت کر لی تھی۔

"بھائی میاں......!" پھپھو کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔

"لڑکی والے تو پہلے ہی لڑکے والوں کے ہاں جھکے ہوتے ہیں۔ آپ تو اپنے رہے سہے
تو وہ بھی بخوشی ان کے حوالے کر دیں گے تو کل کو یہ ہمیشہ اپنی ہی بات منوائیں گے۔"

پھپھو کی اپنی ہی لوجک تھی، کچھ فاصلے پر کھڑی بیبا نے یہ بات سن لی تھی، اس لیے وہ کچھ
بے چین سی ہو گئی تھیں۔

"نئی نئی رشتے داری بالکل نئی Painting کے لگے گیلے رنگوں کی طرح ہوتی ہے، تھوڑی
سی بے احتیاطی ہمیشہ کے لیے تصویر (رشتے) کی شکل بگاڑ دیتی ہے۔"

بیبا بہرحال کسی قسم کی بدمزگی نہ چاہتی تھیں۔

گزشتہ سترہ گھنٹوں سے وہ بے حد مشکل حالات کا سامنا کر رہی تھیں۔ دلہن کی بے وجہ بے
رخی، رواق کا ساری رات گھر سے غائب رہنا، عین ولیمہ کی تقریب سے پہلے دوبارہ اس کی غیر
حاضری جو راہ فرار کی طرح لگ رہی تھی، یہ سب کچھ ان کے اعصاب پر بہت بھاری گزر رہے
تھے، ایسے میں رواق نے ایک بار پھر ان کے ضبط و برداشت کا امتحان لے ڈالا تھا۔ وہ دلہن کے
ساتھ اس کے گھر جانے کو تیار نہ تھا۔

رواق جوان کا بے حد سلجھا، تابعدار اور رشتوں کی نزاکت کا خیال رکھنے والا بیٹا تھا، اس کے
بعد ان کی یہ سرد مہری ان کے لیے بے حد پریشان تھی، آخر وہ کون سی وجہ تھی، جس کی وجہ سے ان کا
بیٹا اپنے مزاج سے ہٹ کر ادائیں کر رہا تھا۔

کوئی طوفان تھا، جس کی آہٹیں وہ سن رہی تھیں، اس لیے ان کا دل بے حد بے چین تھا۔

’’آپا پلیز......!‘‘ ڈیڈی نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھاما!‘‘

’’رشتے تب ہی مضبوط بنتے ہیں جب ان کو پیار سے نبھایا جائے!‘‘

ڈیڈی کی بات ہمیشہ ٹھوس دلائل دیتے ہوئے اور وزنی ہوتی تھی، چھوٹی چھوٹی باہ تعاون سے ہمیشہ دو لوگوں کی زندگی کے بیچ بہترین پل بنتے ہیں۔‘‘

’’تعاون کرنا اچھی بات ہے!‘‘

ڈیڈی پھپھو کو سمجھاتے ہوئے دھیرے دھیرے ان کو ساتھ لیے آگے بڑھے۔

پھپھو چاہے دل سے ان کی بات مانتی ہوں یا نہ ہوں، لیکن فی الحال وہ بھائی کی بات مجبور تھیں۔

بیبا نے ایک گہرا پرسکون سانس بھرا تھا۔

بالآخر بھائی عبدالقدیر صاحب اپنی بہن کو سمجھانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

’’لیکن میرا بیٹا......؟‘‘

’’لیکن میرا بیٹا سمجھا سمجھایا بیٹا......!‘‘

’’اسے کیا ہوا؟‘‘

بیبا نے تلاشی نظروں سے ادھر ادھر رواق کو ڈھونڈنے کی کوشش، لیکن سارے ہال رواق کا نام ونشان نہ تھا۔

مہمان رخصت ہونے کو تیار بیٹھے تھے اور دولہا ایک بار پھر غائب تھا۔

’’یا میرے اللہ......!‘‘

’’یہ لڑکا......!‘‘

’’یہ آخر کیا چاہتا ہے!‘‘

’’اب میں مزید کیا بہانا بناؤں گی؟‘‘

بیبا باقاعدہ روہانسی ہو گئی تھیں۔

بیبا نے فکرمندی سے دلہن کو دیکھا، جو اپنی بہن اور سہیلیوں میں اکٹھی بیٹھی تھی، سب کو تیار ہی کھڑے تھے۔

وہ تیزی سے دلہن کی جانب بڑھیں۔

’’ارے بیبا......!‘‘

...رتے میں بڑی اماں نے بیبا کو روکا۔

’’ہاں جی!‘‘

بیبا کے چہرے پر دکھ پریشانی بے حد نمایاں تھی، کوئی ناسمجھ بھی جان لیتا کہ وہ بے حد پریشان ...اماں کے سوالات کے جوابات دینے کے خود کو قابل نہ سمجھ رہی تھیں۔

’’کدھر ہے رواق؟‘‘ بڑی اماں نے وہ ہی پوچھا، جس سے وہ بچ رہی تھیں۔ بڑی اماں رواق کی خبر لینے کو بے حد بے چین تھیں۔

’’آج کی تقریب اس لڑکے کی وجہ سے بے حد بدمزگی کا شکار ہوئی تھی۔‘‘ بڑی اماں ...بولیں۔

’’معلوم نہیں اماں!‘‘ بیبا نے بے بسی سے کہا۔

’’تو معلوم رکھا کرو نہ بیٹا جی!‘‘

’’ہمارے لاڈ پیار نے ہماری اولاد کو بے قابو کر دیا ہے۔‘‘

’’خدا کی پناہ......سمدھانے میں شرمندا کروا کر رکھ دیا ہے، اس لڑکے نے۔‘‘

بڑی اماں کی بڑبڑاہٹ خاصی بلند تھی۔

’’اماں میں آتی ہوں!‘‘

بیبا بڑی اماں کے پاس سے عجلت سے ہٹیں۔

ان کا رخ دلہن کی طرف تھا۔

’’یا خدایا!‘‘

’’کیا کہوں اس سے......؟‘‘

اس لڑکی سے جس کے دامن میں ابھی تک اس کے شوہر نے دو بول بھی اپنائیت کے نہیں ڈالے۔ کیا یہ اتنی اپنائیت ہم سے کر پائے گی، کہ یہ ہمارے گھر کی بات کو چھپا لے گی!‘‘

’’کیا یہ ہمارا بھرم رکھ لے گی؟‘‘

ایسا کیا کہوں اس کی تسلی کے لیے جو وہ گھبرا کر کچھ اپنے گھر والوں تک کچھ الٹا سیدھا نہ پہنچا ...ے۔ بیبا اپنی جگہ پر رواق کے رویے پر پشیمان تھیں۔

’’بھلا اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر یوں بھی کوئی بھاگتا ہے۔

’’بیٹا!‘‘

بیبا نے اس کے پاس آ کر رامین کا آنچل خوامخواہ سے دوبارہ درست کرتے ہوئے مخاطب کیا۔ دراصل وہ اپنے اندر الفاظ ترتیب دے رہی تھیں۔ کہ وہ رامین کو کوئی ایسی بات کہیں کہ واقعی بچی کے بے سکون دل کو سکون دے سکے۔

رامین نے خوفزدہ نگاہوں سے ان کو دیکھا۔

رامین تو اپنی جگہ پر خوفزدہ کھڑی تھی۔

''وہ......!''

انہوں نے گلا کھنکھار کر کہا۔

''ہسپتال میں کوئی بہت سیریس کیس تھا۔ غالباً رواق ہی اس مریض کو ہینڈل کر رہا تھا، جس کی حالت بے حد نازک تھی، اس لیے اسے فوراً جانا پڑا۔ دراصل جس ڈاکٹر کا مریض ہو، مریض کی ہسٹری اچھے سے جانتا ہوتا ہے، شاید اسی لیے ہسپتال والوں کے مسلسل فون پر ہم سب سے معذرت کر کے نکلنا پڑا۔'' انہوں نے اپنی بات کے اختتام پر سب کے چہرے دیکھے۔ سب کے چہرے سوائے رامین کے بتا رہے تھے، کہ انہوں نے ان کی بات کو مان لیا تھا، رامین نے اپنا سر جھکا لیا تھا، وہ بہر حال کسی خوش گمانی میں مبتلا نہ تھی۔

''اچھا آنٹی اب ہمیں اجازت دیں۔'' روین اور سدرہ آپی نے ان سے اجازت چاہی۔ پھپھو دروازے پر کھڑی، جہاں بڑی اماں بھی موجود تھیں، وہاں سے چلنے کا اشارہ کر رہی تھیں۔

بیبا نے مہمان نہایت پریشانی اور وسوسوں تلے رخصت کیے، اور تیزی سے روید کی طرف بڑھیں، جو اپنے دوستوں میں بیٹھا گپیں ہانک رہا تھا۔

''روید گھر چلو!''

بیبا نے آتے ہی کہا۔

''ابھی......!'' وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

''کیا بھائی میاں بھی رخصت ہو گئے بھابی کے ساتھ؟'' روید ان کے ساتھ چلتا ہوا خانے کی جانب آ گیا، ہال میں اِکا دُکا خواتین تھیں، وہ بھی اپنی اپنی چادریں اور برتن سمیٹنے میں مصروف تھیں، سب خواتین بڑی اماں سے اجازت لے کر رخصت ہو رہی تھیں۔

''تمہارا بھائی......!''

بیبا نے ہونٹ بھینچ کر کچھ سخت کہنے سے خود کو روکا۔

''گھر چلو......!'' مجھے......! مجھے فوراً گھر جانا ہے!''

بیبا نے اپنی سفید براق بڑی سی سفید کڑھائی اور شیشوں والی چادر اوڑھتے ہوئے کہا۔

''باؤ جی چلے گئے؟''

بیبا نے ایک دم کسی خیال تلے سوچ کر پوچھا۔

''وہ تو کھانے کے کھلنے کے دس منٹ بعد ہی ڈرائیور کے ساتھ گھر روانہ ہو گئے تھے، کہہ رہے تھے کہ ان کی کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' روید نے سنجیدگی سے بتایا اور ہال کی سیڑھیاں اترتے ہوئے ماں کا سنجیدہ چہرہ دیکھا، جو بے حد پریشان بھی تھا۔ میں نے کہا تھا کہ میں بھی ان کے ساتھ چلتا ہوں، لیکن انہوں نے منع کر دیا تھا۔

''آپ پریشان ہیں؟'' وہ بے اختیار پوچھنے لگا۔

''آ......ہاں......نہیں تو!'' بیبا نے اپنی پریشانی چھپانے کی کوشش کی۔

''بیبا......!''

''مجھ سے تو کم از کم نہ چھپائیں، آپ کے چہرے کو میں بہت آسانی سے پڑھ لیتا ہوں۔''

روید نے گاڑی کے دروازے میں چابی ڈال کر گاڑی کا دروازہ ماں کے لیے کھولتے ہوئے کہا۔

''آخر آپ میری پہلی اور آخری محبت ہیں!'' وہ کچھ شرارت سے بولا۔

''سب کچھ......میرے گمان سے بالکل مختلف ہو رہا ہے!''

''ایسا کیا ہے جو میں نہیں جانتی اور وہ میرے گھر کو اس کی خوشیوں کو گہنا رہا ہے؟'' بیبا دل ہی دل میں سوچ رہی تھیں۔

''بیبا آپ ٹھیک ہیں؟'' روید نے دوبارہ سے ماں کو دیکھا۔ آخر وہ کیا چھپا رہی ہیں۔ روید نے گاڑی گھر کی طرف موڑتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ ٹھیک نہیں ہے!''

''میری برسوں کی تربیت اور محبت داؤ پر لگی ہوئی ہے!'' بیبا بلبلا اٹھیں۔ ''تابعدار اولاد اگر اس طرح اچانک ریوڑ سے نکلی سرکش بھیڑ کی طرح ادھر ادھر دوڑنے لگے، تو ماں کا پریشان ہونا بے جا نہیں ہوتا ہے۔''

''روید......!''

کچھ ہی دور جانے کے بعد اچانک بیبا نے روید کو پکارا۔

''ہاں جی!''

روید نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا۔ ماں کا پریشان چہرہ دیکھ کر اس کی ازلی شرارت کہاں جا چھپی تھی۔

''گاڑی ہسپتال کی جانب موڑ لو۔''

انہوں نے اچانک روید کو نیا حکم دیا۔

''خیریت؟''

روید نے پوچھا۔

''ہاں......بس کچھ کام تھا!'' بیبا بے حد سنجیدہ تھیں، روید نے چپ چاپ گاڑی آزریہ ہسپتال کی جانب موڑ لی۔

''میں بھی تو دیکھوں، ایسا کونسا خاص الخاص مریض ہسپتال میں موجود ہے، جس کی رواق نے ہم سب کو رامین اور رامین کے گھر والوں کے سامنے شرمندہ کروایا ہے!''

وہ دل ہی دل میں بولی تھیں۔

ان کی چھٹی حس کہہ رہی تھی، کہ اس وقت بھی رواق ہسپتال میں موجود ہے۔

***

''ہم یونہی ہنسی ہنسی میں......

دلوں سے کھیل جاتے ہیں

کوئی چھوٹی سی تیکھی بات، کوئی چبھتا ہوا جملہ

کوئی بے ضرر سی ذو معنی بات سننے والے کے دل میں گھاؤ لگا دیتی ہے

پھر کتنی ہی تلافی کے مرہم لگاؤ

قطرہ قطرہ خون ٹپکتا ہی رہتا ہے

وہ آنسو جو آنکھ سے گرتا نہیں، اندر ہی اندر جم جاتا ہے

اور یونہی ہنسی ہنسی میں......

ہم دلوں سے کھیل جاتے ہیں۔''

''دیکھو میں خود دکھ اور پریشانی کے ایسے شکنجے میں کسا ہوا ہوں، کہ جان مشکل ہوئی ہے۔ اوپر سے تم نے الگ ستا رکھا ہے۔''

رواق نے کچھ ڈانٹنے کے انداز میں دیپا پروانی سے کہا۔

''تمہاری سہاگ رات میری سیوا (دیکھ بھال) میں گزر گئی، کیا اس کی پریشانی اور دکھ ہے تم کو؟''

دیپا پروانی نے نقاہت بھری آواز میں طنز کیا۔

''دیپا، دیپا، دیپا!''

''تم کب سمجھو گی کہ میں تمہارا نہیں ہوں!''

رواق نے ماتھا مسلتے ہوئے کہا۔

''تم تو اپنے والدین کے پاس کچھ عرصہ رہنے گئی تھی ناں، پھر یوں کیوں دوڑی چلی آئی؟''

رواق نے غصے سے پوچھا۔

''یہ غصہ، یہ اونچا بولنا رواق کی عادتوں میں تو نہ شامل تھا، پھر آج کیوں ایسے بدلے انداز میں نظر آ رہا ہے۔ کیا ایک لڑکی کے یوں زندگی میں شامل ہو جانے سے کوئی یوں بھی چند گھنٹوں میں بدل جاتا ہے؟''

دیپا نے کڑھ کر سوچا۔

''جن کے ساتھ دل کے رشتے ہوتے ہیں، تو کچھ بھی انہونی وقت سے پہلے ہی انسان کو الارم کر دیتی ہے۔''

''میرا تو سارا دھیان گیان صرف تمہارے ساتھ لگا ہے۔ میں تو اپنا جیون، اپنا تن من دھن تمہاری وجہ سے بھولے بیٹھی ہوں۔ ایسے میں تم کیسے مجھ سے دور ہو سکتے تھے۔'' دیپا زیادہ بولنے سے تھکنے سی لگی تھی۔

''دیپا......مت ایسے بولو!''

''مجھے ایسا نہ لگنے لگے کہ شاید میں نے تمہارے ساتھ کوئی زیادتی کی تھی، جس کی مجھے ایسی کڑی سزا ملی، کہ پیروں تلے زمین تک نہیں رہی! مجھے اپنا آپ تمہارا مجرم لگنے لگا ہے۔'' رواق کا بڑا آنسو آنسو ہو رہا تھا۔

''بھگوان کی سوگند! میں تمہارے لیے خود کی جان تو دے سکتی ہوں لیکن......لیکن میں نے تمہیں کبھی کوئی بددعا نہیں دی ہے!'' دیپا نے تڑپ کر کہا۔ اس کے لہجے میں سچائی موجود تھی۔

''جانتا ہوں تم میری سب سے اچھی دوست ہو۔'' رواق نے ہارے ہوئے جواری کی طرح

اس کے بیڈ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''وعدہ کرو دیپا...... !تم خود کو میرے لیے ضائع نہیں کرو گی۔تم ایک بے حد قابل
اللہ نے اتنی کم عمری میں تم کو جو کچھ عطا کیا ہے، اس کی قدر کرو اور نہ اپنی زندگی سے کھیلو
نے پیار سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کیا فائدہ...... اگر تم کو ہی میری کوئی قدر نہیں، تو میں خود کی قدر کر کے تمہارے
اچار ڈالوں گی؟'' دیپا پروانی نے چڑ کر کہا۔

''دیپا کون کہتا ہے، کہ مجھے تمہاری قدر نہیں ہے!''

''اگر مجھے تمہاری قدر نہ ہوتی، اور تمہارا خیال نہ ہوتا، تو کیا میں یہاں بیٹھا ہوتا تمہارے
پاس......؟''

''یار سہیلی آج میرے ولیمے کی تقریب تھی، جس کو تم نے کل رات کی طرح ناس کر
بیسیوں لوگوں کے سامنے جواب دہ بنا دیا ہے، اگر تم اہم نہ ہو، تو میں یہ سب مصیبت کیا
لیتا؟''

''رواق اگر میں تمہارے لیے اتنی اہم ہوں، تو تمہارے جیون کا وہ اہم حصہ کیوں نہ
جس کی میں نے اس قدر چاہت کی تھی۔''

دیپا پروانی نے دونوں کہنیوں کا سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

''آرام سے یار ابھی ڈرپ لگی ہوئی ہے!'' رواق نے اسے کندھوں سے تھام کر بیٹھنے
مدد دی۔

''رواق......!''

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟'' دیپا نے اسے پیاسی نظروں سے تکتے ہوئے پوچھا

''کیا جواب دوں تمہارے ان سوالوں کا؟'' رواق نے پھیکی سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔

''تمہارے سوال اور میرے جواب روز اول سے ایک ہی دائرے میں گول گول گھوم
ہیں، گھوم گھوم کر وہی سوال ہر بار تمہارے ہونٹوں پہ آ جاتا ہے، اور گھوم گھما کر وہی جواب
پاس ہوتا ہے، اب بتاؤ میں تمہارے سوال کا کیا جواب دوں؟''

رواق نے زچ ہو کر کہا۔

''میرے دل میں...... جانے کیوں میرے دل میں اک آس ہے، کہ کبھی تو تمہارا

لیے موم ہوگا۔'' دیپا نے نم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یار سہیلی...... اچھی سہیلیاں یوں بنا قصور کے سارے الزام اپنے دوستوں کے کھاتے میں
نہیں ڈالتی ہیں، ہر وقت تم یوں الزام لگاؤ گی، تو مجھے اپنا آپ قصوروار لگے گا ہی۔'' رواق نے اس
کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''قصوروار تو تم ہو میرے!''

''میرا دل چرایا، میرا سکون چرایا، اور چوری چوری میری آتما میں آن بسے، میں خود کی خود
کے لیے باقی نہ بچی، تو پھر پیچھے کیا بچا؟''

''قصور تو تم ہو میرے!''

دیپا نے اس کے ہاتھوں پر سر رکھ کر رونا شروع کر دیا، تو رواق کا دکھی دل مزید ہو گیا۔

''بتا لڑکی تیرا کیا کروں؟ تیرا کیا حل ہے؟ کیوں......''

''کیوں مجھے ستائی جاتی ہے، کچھ سمجھتی ہی نہیں ہے، سمجھتی ہی نہیں، کہ تیرے آنسو اور تیرا
یوں خود کو برباد کرنا مجھے کس قدر تکلیف دیتا ہے، کیوں مجھے تکلیف دیتی ہے؟ کیوں میری بات کو
میری مجبوری کو سمجھتی نہیں ہے؟'' رواق بے حد دکھی ہو کر مسلسل بولا تھا۔

''اگر تیرا دل میرے لیے، میری لیے، میری تکلیف پر دکھی ہوتا ہے تو رواق کیوں نہیں تم
مجھے اپناتے ہو؟''

دیپا اس کے کندھے سے جا لگی تھی۔

''بس اپنے جیون میں مجھے جگہ اور نام دے دو، میں تمہاری پتنی کو بھی جھیل جاؤں گی!''

دیپا خود میں اس قدر بے بس تھی، کہ وہ ہر طرح کا تعاون کمپرومائز کرنے پر تیار تھی، کہاں تو
وہ رواق کے لیے اس قدر پوزیسیو تھی، کہ اس کے ساتھ کسی لڑکی کا نام تک برداشت نہیں کرتی تھی،
کہاں اب وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی بیوی کو ذہنی طور پر قبول کر گئی تھی۔

محبت واقعی انسان کو بے بس کر دیتی ہے، یا پھر طلب کے راستے ہی بے بس ہوتے ہیں۔

''میں نہیں جانتی میری محبت میں تمہاری چاہ اور طلب بھی ختم نہیں ہو سکتی، میں...... میں
تمہارے بنا نہیں رہ سکتی...... رواق، رواق میں مر جاؤں گی۔''

''ایک ناری کی جو انا ہوتی ہے، میں نے تو تمہاری خاطر وہ بھی توڑ ڈالی، کیا میں اس لائق
بھی نہیں، کہ تمہاری زندگی میں کچھ مقام پا لوں؟''

دیپا سمجھنے سمجھانے کی سٹیج سے نکل آئی تھی۔

وہ اس قدر اندھا دھند رواق کے پیچھے بھاگی تھی، کہ عقل و نصیحت جیسے شہد (الفاظ) اب سنائی نہ دیتے تھے۔

دیپا کا لمس، اس کے آنسو رواق کو کمزور بنانے کے لیے کافی تھے، اس پر رامین کی سب اس کے پاؤں تلے سے زمین کھینچ چکی تھی۔

بار بار اس کے اندر یہ احساس ہنٹروں کی طرح آ لگتا، کہ اس نے ایک غلط لڑکی کا انتخاب تھا، اسے رامین پہ خود کے غلط انتخاب پہ بے حد غصہ تھا۔

گزشتہ چوبیس گھنٹے اس کے دل و دماغ کی دنیا تو تہس نہس کر گئے تھے، یہ رواق پر بہت اور بھاری وقت تھا۔

"درست فیصلہ اور درست حکمت عملی تب ہی اختیار ہو پاتی ہے، جب غصے سے جان چھڑ جائے!"

باؤ جی کی آواز بازگشت بن کر اس کے گرد پھیلی تھی، اور رواق جو کسی کمزور لمحے میں بہہ جا کو ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑنے جا رہا تھا۔ ایک دم جیسے نیند سے بھاگا، دیپا اس سے لپٹی رو رہی تھی اس کا مطلب بن کر اسے اپنی طرف بلا رہا تھا۔

"نہیں دیپا یہ ٹھیک نہیں ہے!" اس نے دھیرے سے دیپا کو خود سے الگ ہونے کو کہا۔

اسی پل بیبا اور روید دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تھے، رواق کے بے حد قریب بیٹھی اس کا چہرہ، رواق کے چہرے کی سرخی......! بیبا نے چند ہی سیکنڈ میں ہر بات نوٹ کر لی تھی، اور کا خون ایسے خشک ہوا تھا، جیسے سیاہی چوس سیاہی کو چوس لیتا ہے، سامنے کا منظر بھی کسی سیاہی کی طرح ہی تو تھا۔

"رواق!"

بے یقینی سے ان کے لب پھڑپھڑائے تھے۔

"مارے گئے بھائی میاں تو!"

روید نے بے اختیار زبان دانتوں تلے دبائی تھی۔

"اناڑی لوگ ہمیشہ موقع پر پکڑے جاتے ہیں، اور کھلاڑی لوگ سب کھا پی کر ڈکار اڑن چھو ہو جاتے ہیں، اپنے بھائی میاں تو اناڑیوں کے سردار ہیں، اب ان کا کیا ہوگا؟"

روید منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

رواق ہڑبڑا کر وہاں سے یوں اٹھ کھڑے ہوئے، جیسے دیپا کے بیڈ میں کرنٹ آ گیا ہو۔ اپنی ماں کے سامنے انہوں نے آواز میں کھانسی نہ کی تھی، ان کے ادب و احترام میں کبھی بلند تنفس نہ لگایا تھا، آج اس طرح وہ پکڑے گئے تھے۔

بیبا کیا سوچیں گی، یہ سوچ کر ان کو پسینے آنے لگے تھے، وہ تو بائی نیچر بے حد شرمیلے تھے۔

کمرے میں موجود ہر نفوس یوں ساکت و جامد تھا، جیسے کسی جادوگر نے ان کو پتھر کا بنا دیا ہو۔

روید نے ہی گلا صاف کرنے کی آواز سے سب کو چونکایا۔

"السلام علیکم!"

"آپ اب کیسی ہیں باجی!"

روید دیپا کی طرف یوں بڑھا، جیسے وہ دونوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے ہوں۔

دیپا نے حیرت سے روید کو دیکھا، وہ چھوٹا سا شرارتی لڑکا اسے دیکھا دیکھا لگا تھا، اس کی خاصی مشابہت رواق سے تھی۔ وہ یہ تو روید لگتا ہے، دیپا کو یاد آیا کہ وہ شاید ایک دو بار اس سے مل بھی چکی تھی۔

"باجی......آپ ٹھیک ہیں ناں؟"

روید نے پاس آ کر پوچھا۔

"آپ......ہاں......ٹھیک ہوں!"

دیپا نے سہم کر سامنے کھڑی عورت کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ وہ عورت بے حد گہری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"بیبا یہ خود بھی بہت اچھی ڈاکٹر ہیں، پرسوں رات یہ اپنا ایکسیڈنٹ کروا بیٹھیں، بظاہر تو چوٹیں نہیں ہیں، لیکن ان کے "دماغ" میں گہری چوٹ لگی، تب سے اب تک بے ہوش تھیں۔ آج ہی ہوش آیا، تو کچھ صدمے میں تھیں......وہی حادثے کے خوف والے صدمے میں ہیں......بس بھائی میاں بے چارے سب کے مسیحا......سب کا دکھ درد خاص طور پر بانٹنے والے......ان سے رہا نہیں گیا کہ وہ اکیلی لڑکی کو یوں اکیلے ہسپتال میں چھوڑ دیں......!"

روید نان سٹاپ جھوٹ بولتے بولتے ایک سیکنڈ کو رکا تھا۔ غالباً سانس لینے کو۔

"اس لیے...... وہ مجھے بتا کر یہاں آئے تھے، شکر اللہ کا بھائی کے "مسیحا ہاتھوں" چل گیا اور خاتون کومے سے واپس آ گئیں۔"

"مبارک ہو بھائی میاں!"

"واقعی آپ ایک عظیم الشان اور گریٹ ڈاکٹر ہیں!"

روید نے پوجنے والے انداز میں رواق کی تعریف کی، وہ جو سب اپنی اپنی نظر دیکھنے سے شرمندگی سے پتھر ہو چکے تھے، روید کی بے تکی باتوں سے ان کی وقتی طور پر کچھ ش ہو گئی تھی۔

"بیبا آپ پلیز بیٹھیں ناں!"

بالآخر رواق اتنی دیر میں خود کو سنبھال ہی چکے تھے، انہوں نے بے حد مشکور نظروں سے چھوٹے بھائی کو دیکھا تھا۔

پہلی بار ان کو اس کا فضول بولنا بے حد کارآمد لگا تھا، یہ بات درست ہے، کہ جن کو ہم سکے سمجھتے ہیں، جب وقت کے ہاتھوں انسان بالکل خالی ہاتھ کھڑا ہوتا ہے، اور کوئی لفظ یا بات سوجھتی تو کبھی کبھی یہ کھوٹے سکے کروڑوں کا فائدہ کر جاتے ہیں۔

بیبا چپ چاپ آگے بڑھی تھیں۔ بہت ساری باتیں اور سوال تھے، جو وہ رواق سے رہی تھیں۔ لیکن فی الحال مصلحت انہیں کچھ پوچھنے سے روک رہی تھی۔

"نہیں رواق...... گھر مہمانوں سے بھرا پڑا ہے، دور سے آئے ہوئے مہمان تو شاید تک ہی واپس جائیں۔"

"تم چلو گھر......!"

وہ اپنے اندر کے سوال، غصہ سب روک کر بولیں، لیکن ان کے چہرے کی پریشانی واضح تھی۔

ان کی نظریں بار بار دیپا پروانی کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں، لمبے سیاہ بالوں بڑی بڑی آنکھوں والی گندمی چہرے والی لڑکی بالکل بے ضرر نہ تھی۔

وہ بے حد حسین تھی، ایک خاص طرح کی کشش، اس کے سارے وجود سے پھوٹ رہی خطرے کی وہ گھنٹیاں جو دور سے سن کر یہاں تک آ پہنچی تھیں، یہاں آ کر واضح لگی تھیں۔

"اوکے دیپا ہم چلتے ہیں۔ ڈاکٹر رفعت تمہارے پاس ہی رکیں گی، اپنا خیال رکھنا۔" ڈاکٹر نے بے حد سنجیدگی سے دیپا پروانی کو مخاطب کیا تھا، لیکن ان کے لہجے کی خاص پکڑ بیبا سے چھپی نہ رہ پائی تھی۔

بیبا، دیپا پروانی سے تکلفاً بھی مخاطب نہ ہوئی تھیں۔ جو لڑکی ان کے سارے گھر کے لیے پریشانی کا باعث بن چکی تھی، اس سے ان کو بھلا کیا ہمدردی ہوتی۔

واپسی کے سارے رستے میں بے حد خاموشی رہی تھی۔

روید نے ایک دو بار کوشش کی، لیکن بیبا اور رواق اپنی اپنی جگہ پر خاموش گہری سوچ میں گم تھے گھر تک یہ خاموشی بالکل نہ ٹوٹنے دی۔

"رواق......!"

"تم میرے کمرے میں آؤ......! مجھے...... مجھے تم سے بات کرنی ہے!"

بیبا نے گاڑی سے اترتے فوراً ہی رواق کو بلا لیا تھا۔

"یعنی...... سر منڈواتے ہی اولے پڑ گئے!" روید نے سر جھکائے رواق بھائی کو بیبا کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"یہ ہندو کنیا کسی دن چاند ضرور چڑھائے گی، میری چھٹی حس ہمیشہ کہتی تھی۔" روید نے بوڑھوں کی طرح با آواز بلند کہا تھا۔

"اللہ میاں میرے انوسینٹ بھائی کو بچا لینا۔" وہ دعا کرتا ہوا خود بھی بیبا کے کمرے کی جانب چل دیا۔ آخر سن گن لینا، اس کا حق تھا۔

***

مسافر تو بچھڑتے ہیں رفاقت کب بدلتی ہے
محبت زندہ رہتی ہیں محبت کب بدلتی ہے
تمہی کو چاہتے ہیں ہم تمہی سے پیار کرتے ہیں
یہی برسوں سے عادت ہے اور عادت کب بدلتی ہے
تمہیں جو یاد رکھا ہے یہی اپنی عبادت ہے
جو پتھر پہ لکھی جائے عبارت کب بدلتی ہے
کلی کا پھول بننا اور بکھر جانا مقدر ہے

یہی قانونِ فطرت ہے تو فطرت کب بدلتی ہے
جو دل پہ نقش کر جائے اور آنکھوں میں سمٹ آئے
علامت ہے یہ چاہت کی تو چاہت کب بدلتی ہے
اسے چاہا اسے پوجا، یہی تو قیر ہے اپنی
ہمیں گمراہ مت سمجھو عبادت کب بدلتی ہے!

وہ کتنی اجنبی سی لڑکی کیسے میری روح میں آن بسی، میں خود نہیں جانتا۔

اسے دیکھتا ہوں، تو خود کو بے بس اور لاچار پاتا ہوں۔

نیچے چند روز پہلے کی تاریخ لکھی ہوئی تھی۔

رانیا نے ڈائری کے چند صفحے الٹا پلٹا کر دیکھے، لیکن کہیں بھی اس چاہی جانے والی لڑ[کی کا نام]
نہ تھا۔

ضیاء چچا کی یہ ڈائری اچانک ہی رانیا کے ہاتھ لگی تھی، اس کا خیال تھا کہ کچھ ٹھوس ثبو[ت ہاتھ لگ] جائیں گے، لیکن ضیاء چچا بھی خوب ہی نکلے، وہ تو آمنہ کو دیوی بنا کر دل ہی دل میں پوجتے تھے۔ انہوں نے ساری ڈائری پر اپنے دل کی حالت بیان کر رکھی تھی، لیکن کہیں بھی آمنہ [کا نام] استعمال نہ کیا تھا۔

نہیں رانیا بیگم یہ بھلا کیا ثبوت ہوئے۔ یہ تو خاکے ہیں۔

خاکے ان کو تصویر میں بدلنا، اور اس تصویر میں رنگ بھرنا تمہارا کام ہے۔

رانیا بیگم اس سلگتے ہوئے خاکوں میں ایسے رنگ بھرو، ایسی تصویر بناؤ، کہ ہر چیز نما[یاں ہو] جائے، پھر ہی مزہ آئے گا، اور پھر ہم تم کو وہ مقام ملے گا، جو خاتون اول کا ہے، ورنہ تو [تمہیں] خاتون دوم بن کر درجہ دوم کے ڈبے میں بیٹھ کر سفر کرنا پڑے گا!

''نہیں...... نہیں......!''

''ایسا میں ہونے نہیں دوں گی!''

''شہزاد کی دولت ہو یا گھر یا پھر اس کا دل...... اس پر تو رانیا ہی راج کرے گی!''

رانیا نے کچھ پلان کرتے ہوئے کہا۔

''تم...... تم میرے کمرے میں کھڑی کیا کر رہی ہو؟''

ضیاء چچا اچانک ہی اندر داخل ہوئے تھے، کچھ دیر کو رانیا ایک دم سے گڑبڑا گئی تھی۔

''اور...... اور یہ...... یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟'' ان کو شک سا ہوا، کہ ان کی پاکٹ ڈائری رانیا کے ہاتھ میں ہے، وہ ایک دم آگے بڑھے تھے۔

''کچھ بھی نہیں ہے!'' رانیا نے ہاتھ میں پکڑی ڈائری اپنے ساڑھی کے پلو میں چھپاتے ہوئے کہا تھا۔

ضیاء چچا کی نظروں نے دیکھ لیا تھا، کہ ان کا شک درست ہے۔

''یہ تم پھپھے کٹنیوں کی طرح ہر وقت جوسن گن اور ٹوہ میں رہتی ہو، جان لو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔'' انہوں نے غصے سے آگے بڑھتے ہوئے رانیا کے ہاتھ سے اپنی ڈائری لینے کی کوشش کی۔

''یہ تو آپ کو نہیں مل سکتی......!''

رانیا نے دو قدم پیچھے ہٹ کر تیزی سے ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

''میری ہی چیز اور مجھے نہیں مل سکتی......!''

''کیوں......!''

''کیوں جنگل کا قانون ہے؟''

ضیاء چچا کو بے حد غصہ آیا تھا۔

''کیوں آپ اور وہ خاتون آمنہ جو کھیل کھیل رہے ہیں، اس کے پول کا کھلنے کا ڈر ہے؟''

رانیا نے ان کے غصے اور بے بسی کا بے حد لطف لیتے ہوئے پوچھا۔

''میں تمہاری کسی بکواس کا جواب دینا پسند نہیں کرتا، لاؤ میری ڈائری شرافت سے دو، ورنہ مجھے اپنی چیز چھین کر بھی حاصل کرنی آتی ہے۔''

ضیاء چچا نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

''نہیں ضیاء صاحب آپ اس کو مجھ سے چھین نہیں سکتے۔''

رانیا نے قہقہہ لگا کر وہ منی سی پاکٹ ڈائری اپنے گریبان میں ڈال لی۔

''اب......؟''

وہ ہنستی چلی گئی۔

''اب ضیاء چچ...... چچا......!''

ضیاء چچا نے دانت پیس کر اسے دیکھا تھا۔

’’تمہاری اس حرکت سے پتا چل جاتا ہے، کہ پکی حرافہ ہو!‘‘

’’اب گالی دے کر آپ کے دل کو ٹھنڈ پڑ جائے، تو دے لیں، لیکن ہم یہ ثبوت تو
دیں گے۔‘‘ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

’’تم نے کیا سمجھ رکھا ہے، کہ میں نے چوڑیاں پہن رکھی ہیں! میرے لیے اپنی
کرنا مشکل نہیں ہے! بھانت بھانت کی عورت میری قربت حاصل کرنے کے چکر میں
حد قریب آتی رہی ہیں، میرے لیے عورت کا جسم کوئی اہمیت نہیں رکھتا، خاص طور پر اس کو
سے مجھے کوئی گریز نہیں ہے، جو خود ایک نمبر کی حرافہ ہو!‘‘ ضیاء چچا دانت پیستے ہوئے
بڑھے۔

’’آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے!‘‘

رانیا نے گھبراتے ہوئے مزید دو قدم پیچھے جاتے ہوئے کہا۔

’’کیوں......؟‘‘

’’ڈر گئیں ناں؟‘‘

اب باری ضیاء چچا کی تھی، وہ اس کی حالت سے لطف اندوز ہوئے تھے۔

’’ہونہہ!‘‘

’’رانیا نے زندگی میں کبھی ہارنا نہیں سیکھا ہے!‘‘

رانیا کی آنکھوں میں بہت مختلف چمک ابھری تھی۔

ضیاء چچا کے خواب و خیال میں نہ تھا، کہ رانیا کا شاطر دماغ اس سے کیا کروانے والا تھا۔

اگلے ہی پل سچ مچ ضیاء چچا کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا!......

***

اگر اچھائی اپنا وجود برقرار رکھنے کے لئے اچھے انسانوں سے بڑی سے بڑی قربانی حاصل کر
تی ہے تو برائی بھی برے انسانوں کو ہر راستہ، ہر حد پار کروا دیتی ہے۔

سامنے رانیا کھڑی تھی۔ اپنی ساری حدوں کو پار کرتی ہوئی۔

ضیاء چچا کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔

رانیا بیگم نے اپنا ساڑھی کا پلو دور پھینک دیا تھا، اور بلاوز کو کھینچ کر سامنے سے پھاڑ ڈالا تھا۔

’’کیا اب بھی آپ اپنی ڈائری کے لئے آگے بڑھیں گے؟‘‘

رانیا نے شاطرانہ مسکراہٹ کے ساتھ سوال کیا۔

’’میں نے ٹھیک کہا تھا‘ کہ تم پوری حرافہ ہو۔‘‘ ضیاء چچا نے دانت پیس کر کہا۔

’’لیکن میں تمہاری ان حرکات سے کیوں ڈروں؟‘‘ وہ آگے بڑھے۔

’’آپ اپنی بربادی کی طرف بڑھ رہے ہیں!‘‘ رانیا نے بے حد ٹھہرے ہوئے لہجے میں
کہا۔

’’اپنا ڈرامہ اور اپنی بکواس بند کرو!‘‘

ضیاء چچا کے پاس کہاں صبر و تحمل تھا، وہ ساری عمر من مانی کرتے آئے تھے، کوئی اُن پر مرضی
چلائے، انہوں نے کبھی کسی کو اجازت نہ دی تھی۔

’’بچاؤ......!‘‘

’’ہے کوئی بچاؤ......!‘‘

رانیا نے ایک دم اپنے جوڑے سے پن نکال کر چیخ مار کر کہا، اُس کے بال بکھر گئے تھے،
ضیاء چچا کے قدم جہاں کے تہاں رُک گئے۔

’’شہزاد......!‘‘

"بچاؤ......!"

رانیا نے ایک دم سے شور مچا دیا۔

ضیاء چچا ابھی صورتِ حال کو مکمل طور پر سمجھے ہی تھے کہ اس سے پہلے ایک بار

دروازے پر شہزاد، آمنہ اور بھابی بیگم پہنچ گئے۔

ضیاء چچا کو صحیح معنوں میں پہلی بار محسوس ہوا، کہ زمین پیروں سے نکلنا کسے کہتے ہیں۔

"یہ......یہ سب بکواس ہے!"

ضیاء چچا جیسا خود اعتماد انسان بھی ایک دم سے بوکھلا گیا تھا۔

لیکن سب کے سب حیرت اور تاسف بھرے چہرے دیکھ کر اُن سے مزید اپنی صفائی

کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ "شہزاد......شہزاد......!"

رانیا پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی بنا ساس کا لحاظ کیے شہزاد کے کندھے سے جا لگی تھی۔

شہزاد کا سارا خون اُس کے چہرے اور آنکھوں میں اُتر آیا تھا۔

رانیا کی ادھیڑی ہوئی، حالت اُن کی غیرت پر تازیانہ تھی۔

اُن کو یقین نہ آ رہا تھا، کہ اُن کے چچا کبھی ایسی حرکت کر سکتے ہیں۔

"آپ......؟"

"عورت کے معاملے میں آپ ہمیشہ بدنام اور بے احتیاط رہے ہیں، لیکن میں نے تصور بھی نہ کیا تھا، کہ آپ رشتوں کے معاملے میں بھی کبھی اتنی بے دردی اور بے احتیاطی گے۔" شہزاد کا ایک ایک لفظ دُکھ میں ڈوبا ہوا تھا، اُس کے اعصاب تنے ہوئے تھے۔

جب کوئی اپنا ایسا پیارا جس پر آپ خود سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں، یوں کٹہرے میں آن ہوتا ہے، تو واقعی دُکھ کا پہاڑ سر پر آ کر ٹوٹتا ہے۔ شہزاد میاں کی حالت بھی کچھ ایسی ہی تھی۔

"شہزاد......کیا کہہ رہے ہو تم؟"

ضیاء چچا اب کچھ حواسوں میں آئے تھے، تبھی فوراً بول پڑے۔

"تمہیں میں ایسا لگتا ہوں کہ اپنے ہی گھر ڈاکا ڈالوں، میں ہمیشہ سے سٹریٹ فارورڈ بولڈ رہا ہوں، لیکن چور نہیں ہوں، جو نقب لگا کر ڈاکہ ڈالوں چاہے وہ پرایا گھر ہو یا پھر خود کا گھر میں نے کبھی چور کھڑکی کا استعمال نہیں کیا۔"

ضیاء چچا نے بے حد مضبوطی سے کہا، شہزاد اِس سے پہلے کہ اُن کی باتوں پر توجہ دیتے

بر شور سے رونا شروع کر دیا۔

"بھابی بیگم......! بھابی بیگم آپ کیوں چپ ہیں؟"

"آپ بتایئے ناں کہ میں ایسا نہیں ہوں!" وہ اپنی ماں جیسی بھاوج سے گواہی مانگ رہے تھے جس نے اُن کو پالا پوسا بھی تھا۔

لیکن صدمے سے چچا کا دِل کٹ کر رہ گیا، جب انہوں نے بھی دُکھ اور بے یقینی سے ضیاء کو دیکھا۔

"آپ......؟" "آپ بھی یہ ہی سمجھتی ہیں!" وہ دُکھ سے بولے۔

پھر انہوں نے آمنہ کو دیکھا، لیکن اُس سے اپنی سچائی کی گواہی نہ مانگی، جب انہوں نے جو اُن کو اتنے اچھے طریقے سے جانتے ہوئے، بھی بے اعتباری کی تو پھر آمنہ کو تو وہ اپنی بے باک نظروں سے پریشان کرتے آ رہے تھے اور وہ اچھی طرح سے جانتے تھے، کہ آمنہ کو یہ سب ناگوار گزرتا ہے، پھر وہ کس منہ سے اُس سے اعتبار کی بھیک مانگتے۔

انہوں نے دل ہی دل میں رانیا کو ٹھیک ٹھاک گالیوں سے نوازا تھا۔

رانیا نے چور نگاہوں سے مسکرا کر بہت فاتحانہ انداز میں ضیاء چچا کو دیکھا تھا۔

ہونہہ چلے تھے مجھ سے پنگا لینے، رانیا نے نہایت حقارت سے سوچا۔

"یہ گھر جتنا کہ شہزاد کے ابا کا تھا، اتنے ہی کے برابر کے تم بھی حصے دار ہو، تم چاہو تو جب تک چاہے رہو یا بٹوارہ کر کے اِس کو بیچ ڈالو یہ سب اب تمہاری مرضی ہے، لیکن میں تم کو کبھی اجازت نہ دوں گی کہ تم اِس گھر کی بہو بیٹیوں پر گندی اور ناپاک نگاہ ڈالو۔" بھابی بیگم نے نہایت سختی سے کہا۔

"بھابی بیگم پلیز......!"

"یوں تو نہ کہیں......آپ میرا اعتبار تو کریں، ضیاء چچا نے تڑپ کر کہا۔

"بالکل پھوپھو!" یہ آمنہ تھی ضیاء چچا کو حیران کرتی ہوئی۔

ضیاء چچا درست کہہ رہے ہیں، اُن کی بات بھی پوری سننی چاہیے!

آمنہ......آمنہ اُن کی حمایت کر رہی تھی۔

ضیاء چچا نے حیرانگی سے آمنہ کو دیکھا، جہاں سے اُن کو اُمید نہ تھی، وہاں سے اُن کے حق میں آواز اُٹھی تھی۔

"کیا مطلب ہے، کہ میری یہ حالت جھوٹی ہے!"

رانیا نے سسکتے ہوئے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

آمنہ نے ایک بے حد سرد نگاہ اُس پر ڈالی تھی۔

"کبھی کبھی سامنے رکھا سچ نہیں ہوتا ہے، سچ کو ہمیشہ گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے
پاس ہیں چار عدد گواہ؟"

آمنہ نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

رانیا نے اُس کے سوال پر مزید رونا شروع کر دیا تھا۔

میرے ساتھ کچھ بھی ہو جاتا تو کیا، تب بھی...... میں......! گواہ لاتی؟"

رانیا کا سوال واقعی سب کو لاجواب کر گیا تھا۔

"میں نے یہ سب اِس لیے کہا ہے، کہ چچا اِس گھر کے قابل محترم اور ذمہ دار انسا
کیسے وہ یہ سب کر سکتے ہیں، پھر وہ خود بھی تو کہہ رہے ہیں، کہ انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔"

آمنہ نے بے حد مضبوط لہجے میں کہا۔

ضیاء چچا نے احسان مند نظروں سے آمنہ کو دیکھا تھا، جو اُن کو بے حد توانائی دے گئی تھ
شہزاد......!

"آپ کیوں نہیں اِسے چپ کرواتے؟"

"یہ مجھے جھوٹا بنا رہی ہے! کوئی بھی عورت کچھ کر لے، لیکن اُسے اپنی عزت بے حد
ہوتی ہے، میں یہ بھلا سب کچھ کر کے کیا فائدہ لے لوں گی، اُلٹا میری خود کی ذات، اِس وقت دا
لگی ہوئی ہے۔ رانیا نے وہیں صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"شہزاد...... آپ اپنی آنکھوں کے دیکھے کو اتنا اہم نہ جانیں، ہماری آنکھیں وہی د
ہیں، جو ہم ان کو دکھاتے ہیں، ہمارے کان وہ ہی سنتے ہیں، جو ہم اِن کو سناتے ہیں، لیکن ہمارا
واحد ہے......! ہمارا دل ہی ہے، جو ہم کو بتاتا ہے، کہ غلط اور درست کیا ہے!"

"کسی بھی چیز کو جانچنے اور پرکھنے کا ہمارے جسم میں یہ سب بڑا، سچا اور اہم آلہ ہے، آپ
اپنے دِل سے پوچھیں کہ ضیاء چچا کبھی ایسا کر سکتے ہیں۔"

آمنہ نے شہزاد کو سمجھاتے ہوئے پھوپھو کو دیکھا۔ "پھوپھو کے چہرے کے تاثرات بد
چکے تھے اور بتا رہے تھے، کہ اُن کو آمنہ کی بات بالکل درست محسوس ہوئی تھی، کیونکہ وقتی طور پر

نظر آیا، انہوں نے اُس کے آئینے میں دیکھا اور سمجھا تھا، واقعی اُن کا دِل ماننے کو تیار نہ تھا،
ضیاء کبھی ایسا کر سکتے ہیں۔

رانیا نے بے حد شاطر مسکراہٹ کے ساتھ آمنہ اور ضیاء کو دیکھا تھا۔

اُس نے ایک تیر سے دو نشانے لگائے تھے، جہاں اُس نے ضیاء کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا تھا،
اُن کی پوزیشن بے حد کمزور کی تھی، وہاں وہ آمنہ کی اُن کے لیے کی ہوئی "ہمدردی" کو استعمال
کرنے والی تھی، آمنہ نہ جانتی تھی، کہ رانیا کا شاطر دماغ کیسے اُس کے گرد جال کس رہا ہے۔

"ہاں شہزاد آمنہ کی بات بالکل درست ہے!"

پھوپھو نے بالآخر کہہ ہی دیا، ضیاء نے شکوہ کناں نظروں سے بھابی بیگم کو دیکھا تھا، کیا پہلے وہ
اِس بات کو نہ کہہ سکتی تھیں۔

جواباً رانیا نے بے حد زخمی نظروں سے حاضرین کو دیکھا اور روتی دوڑتی ہوئی اپنے کمرے کو
بھاگی تھی۔

ضیاء چچا نے بھی وہاں سے جانا مناسب سمجھا، وہ چالاک عورت اپنی چال چل گئی تھی، وہ بے
حد دُکھ میں تھے، ان کو فی الحال کسی سے کوئی بات کرنے کی تمنا نہ تھی، وہ تنہائی چاہتے تھے۔

آمنہ نے دُکھ سے پیلی ہوتی پھوپھو کو صوفے پر لا بٹھایا، شہزاد اِس وقت متضاد کیفیت کا شکار
تھے۔ "جو شخص اپنے دِل کی آواز کو نہ سُن سکے اور دُوسروں کی سنی سنائی باتوں پر اعتبار کرے، وہ نہ
صرف کانوں کے کچے ہوتے ہیں، بلکہ رشتے نبھانے میں بھی کچے ہوتے ہیں اور ہمیشہ نقصان
اٹھاتے ہیں۔"

اِس وقت اُن کا دِل دو جگہوں پر اٹکا ہوا تھا، کہ وہ رانیا کے پیچھے جائیں اور اُس کی دلجوئی
کریں، یا ضیاء چچا کے پیچھے جائیں اور اُن کو بتائیں، کہ وہ بچپن سے اُن کے ساتھ رہے ہیں ساتھ
بڑے ہوئے ہیں اور یہ کہ اُن کے چچا غلط کام نہیں کر سکتے۔

لیکن شہزاد ڈبل مائنڈڈ ہو کر کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے تھے۔

"شہزاد......!"

پھوپھو نے بالآخر کشمکش و پیچ میں مبتلا کھڑے شہزاد کو پکارا۔

"جی امی!"

وہ بے حد پریشان اور تھکے تھکے سے اُن کی جانب بڑھے تھے۔

"بیٹا یہاں میرے پاس آکر بیٹھو، میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" انہوں نے
گلاس آمنہ کو موڑتے ہوئے شہزاد سے کہا۔

"جی امی!"

شہزاد میاں اُن کے قریب ہی بیٹھ گئے، شہزاد نے بیٹھتے ہوئے ایک بھرپور نگاہ اُن پر ڈالی
تھی، اُس کا چہرہ بے حد مطمئن اور پرسکون تھا، جیسے وہ اپنے کہے پہ بے حد سچی ہو۔ شہزاد کی آنکھوں
میں ہچکچاہٹ محسوس کرکے وہ وہاں سے اُٹھ آئی۔

"بیٹا میں نے جو حالت تمہاری بیوی کی دیکھی تھی، تو میں بھی وقتی طور پر بے حد غصے میں آگئی
تھی، میں نے یہ نہیں دیکھا، کہ میرے سامنے وہ شخص کھڑا ہے، جو میرے بیٹوں جیسا دیور ہے
کو میں نے تربیت دے کر پال پوس کر بڑا کیا ہے، پھر میں کیسے...... کیسے اُس پر بے اعتبار
بیٹھی، مجھے افسوس ہے کہ میں نے چاہے وقتی طور پر ہی سہی، ضیاء پر بے اعتباری کی ہے، اللہ
معاف کردیں گے، لیکن میرا دل ضیاء کا دل توڑنے کی وجہ سے ہمیشہ دُکھی رہے گا۔" پھوپھو
دُکھ سے کہا۔

شہزاد میاں نے پہلو بدلا، بہرحال رانیا کی حالت بھی بالکل اگنور کرنے والی نہ تھی۔

"میں تم کو ایک واقعہ سنانا چاہتی ہوں، شاید اس سے تمہارے ذہن کی گرہ کھل جائے اور
پر پڑی گرد اُڑ جائے۔" پھوپھو نے شہزاد میاں کے تاثرات چہرے سے پڑھ کر کہا۔

"ایک دفعہ ایک عورت مرگئی، کفن دفن سے پہلے نہلانے والی خواتین میں سے ایک خا
نے جب وہ مردہ عورت کی ٹانگ پر پانی ڈال رہی تھی، تو ایک دم دُوسری عورتوں سے مخاطب ہ
کہ تم جانتی ہو کہ یہ عورت کیسی تھی؟ پھر اس نے چسکا لیتے ہوئے، کہا کہ اِس کے تو فلاں آدمی
ساتھ تعلقات تھے، جب بات مکمل کرکے اُس نے پانی ڈالنے کے لیے ہاتھ ہٹانا چاہا تو ا
چلا کہ اُس کا ہاتھ تو مردہ عورت کے ساتھ جڑ چکا ہے، سب نے اور اُس عورت نے لاکھ کوشش
کہ اُس کا ہاتھ مردہ عورت کے وجود سے ہٹ جائے، لیکن بے سود رہا، بہت سارا وقت اِسی پریشا
میں گزرا جب باہر مردوں نے شور مچایا، کہ جلدی کرو رات سے پہلے دفنانا بھی ہے تو خواتین
آکر اُن کو بتایا، کہ یوں نہلانے والی عورت کا ہاتھ مردہ عورت کی ٹانگ سے جڑ گیا ہے۔

لوگ فوراً مولویوں اور مفتیوں کے پاس گئے، کہ کسی طرح یہ مسئلہ حل ہو۔

کچھ نے مشورہ دیا کہ عورت کا اتنا ہاتھ کاٹ دو!

لیکن اِس پر عورت نہ مانی۔

کچھ نے کہا، کہ مردہ عورت کی ٹانگ کا اتنا حصہ کاٹ دو۔

اِس پر مردہ عورت کے لواحقین نہ مانے، اِس طرح مسئلہ جوں کا توں رہا، سب ہی پریشان
تھے، کہ آخر کیا کیا جائے۔ بالآخر کسی نے اُن کو مشورہ دیا کہ امام ابو مالکؒ کے پاس چلتے ہیں، اُن
کے پاس یقیناً اِس مسئلے کا حل ہوگا، سب لوگ اُن کے پاس گئے، تو امام ابو مالکؒ اُن کے ساتھ ہی
آئے اور پردے کی اوٹ سے اُس عورت سے پوچھا، کہ تم ایسا کیا کررہی تھیں، کہ اُس وقت تمہارا
ہاتھ مردہ عورت سے جڑ گیا۔

وہ بولی میں تو صرف نہلا رہی تھی۔

پھر آپ نے دریافت کیا، کہ تو پھر ایسا کیا بول رہی تھی، جب تو اُس کو نہلا رہی تھی۔

تب عورت نے اقرار کیا، کہ اِس نے یہ بات کہی تھی، کہ اِس عورت کے فلاں مرد کے ساتھ
تعلقات تھے۔

آپ نے پوچھا کہ تم اِس بات کو کیسے سچ کہہ سکتی ہو، اگر تمہارے پاس اِس بات کی حقیقت
کے لیے گواہ نہیں ہے، تو پھر تم نے کیسے یہ بات کہہ دی" تم نے اِس عورت پر بہتان باندھا ہے"
پھر امام ابو مالکؒ نے قرآن پاک کی وہ آیت نکالی، جس میں کسی پر گناہ کو ثابت کرنے کے لیے چار
گواہ ہونے ضروری ہیں اور بات غلط نکلتی ہے، تو بہتان بازی کی سزا اَسی کوڑے ہیں اور چونکہ اُس
عورت نے بہتان باندھا تھا، اِس لیے اِس کو اَسی کوڑے لگائے جائیں۔

اُس عورت کو ستر کوڑے لگے، لیکن اُس کا ہاتھ نہ چھٹا پھر اُنہتر لگے، لیکن ہاتھ الگ نہ ہوا۔
بالآخر جب اُس کے اَسی کوڑے پورے ہوئے، تو اُس کا ہاتھ خود بخود الگ ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے سبق کے طور پر دکھانا تھا، تب ہی تو اُس عورت کے بہتان کے گناہ پر فوراً سزا
مل گئی، لیکن آج کل کے دور میں پھونک پھونک کر قدم رکھنا چاہیے، کیونکہ اب ہمیں اپنے کیے کی
جوابدہی اگلے جہان میں ہی دینی ہوگی، جب سزا کا تعین دُوسری دُنیا میں ہوگا، جہاں دنیا کی سزا
سے کئی گنا زیادہ سزا ملتی ہے!

"پیارے بیٹے تم نے ہمیشہ من مرضی کی ہے!"

"میں ڈرتی ہوں، کہ تم کوئی ایسا قدم نہ اُٹھا، لو جس پر تم کو ہمیشہ کے لیے پچھتانا پڑے۔"
پھوپھو نے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا، وہ بلڈ پریشر کی مریض تھیں، اُن کو ایک دم سے

سانس لینے میں دُشواری محسوس ہورہی تھی۔

''امی لیکن رانیا کی وہ حالت......؟''

شہزاد کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''ہاں! واقعی اُس کی حالت دیکھ کر میں بھی لرز گئی تھی، لیکن تم بجائے ایک جانب فیصلہ کے سچائی کو جاننے کی کوشش کرو، کیونکہ دونوں ہی بے حد اہم رشتے ہیں، کسی ایک کو بھی نظر کے پلڑے میں بٹھایا نہیں جاسکتا۔'' پھوپھو نے دھیرے دھیرے شہزاد میاں کے دل کی گرہ کھولی تھیں، وہ ابھی بھی بے حد مطمئن نہ تھے، یا شاید ابھی بھی دِل میں کوئی گرہ باقی تھی میں......میں......!

''رانیا کو دیکھ کرآتا ہوں۔'' شہزاد میاں نے کہا۔

''ٹھیک ہے، لیکن کسی ایک فرد کی بتائی بات سچ نہ ہوگی، تم یہ ضرور یاد رکھنا۔'' پھوپھو جاتے جاتے بھی اُن کو یاد دلایا، جواباً شہزاد میاں اثبات میں سر ہلاتے رانیا کے کمرے کی جانب بڑھے تھے۔

***

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے رواق؟''

بیبا اُن کی مسلسل خاموشی سے اُکتا کر بولیں۔

''آپ کے سوال کا کیا جواب دوں؟''

رواق نے طویل سانس بھرتے ہوئے کہا۔

''میں جاننا چاہتی ہوں، کہ آخر اُس لڑکی کے ساتھ تمہارا کس قسم کا رشتہ ہے، جو تم سارا شادی کی تقریب میں خود بھی ڈسٹرب ہوئے اور ہم کو بھی ڈسٹرب کیا۔''

بیبا کو رواق کا یوں اُکھڑے اُکھڑے پھرنا دیپا پروانی کی وجہ سے لگ رہا تھا۔

''بیبا پلیز......!''

''میری پریشانی کی وجہ ہسپتال والی لڑکی نہیں ہے؟'' رواق کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے تھے، بیبا نے چونک کر ڈاکٹر رواق کو دیکھا وہ تو بے حد صابر اور تحمل والا انسان تھا، آخر ایسا کیا ہوا بچے کا سارا مزاج ہی بدل گیا۔

''تو پھر کون ہے؟''

''اتنا تو میں جانتی ہوں، کہ تمہارے اور رامین کے درمیان کوئی تیسرا شخص ہے، جو تم دونوں کے بیچ دیوار بن کر تم دونوں کو الگ کرنے پر تلا ہوا ہے۔''

''بالکل ٹھیک کہا، واقعی ہمارے بیچ میں کوئی تیسرا ہے!''

ڈاکٹر رواق کا لہجہ سلگ رہا تھا۔

''لیکن وہ میری جانب سے نہیں ہے۔''

ڈاکٹر رواق نے بے چینی سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

بیبا نے نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

''پلیز بیبا میں ابھی تک خود کو اِس تکلیف سے نہیں نکال پارہا، میں کیسے آپ کو سب سچ سنا کر کی گہرے صدمے اور پچھتاوے میں ڈال دوں۔''

رواق نے اپنا ماتھا مسلتے ہوئے کہا۔

''رواق......!''

''مجھے ہمیشہ فخر رہا ہے، کہ میں اپنی اولاد کی ماں سے زیادہ دوست رہی ہوں، کیا میں آج غلط فہمی میں مبتلا تھی؟''

بیبا نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

رواق نے اپنی ماں کو دیکھا۔

واقعی وہ تو ہمیشہ گھنا چھتنا درخت ہی ثابت ہوئی تھیں۔

زندگی کی تپتی سلگتی دھوپ کو کبھی بھی اُس نے اُن تک نہ آنے دیا تھا۔

شاید یہ ہی وجہ تھی، کہ پہلی بار زندگی میں آنے والا دُکھ بہت بڑا دکھ ثابت ہوا، زلزلے کی طرح اُن کے مزاج کو تہس نہس کرتا ہوا۔

رواق کو ایک دم احساس ہوا، کہ اُس کے اندر جو آگ لگی ہوئی ہے اور جس دُھوپ میں اُس کا وجود جل رہا ہے، اُس کے لیے واحد پناہ گاہ صرف بیبا کا دُعاؤں بھرا وجود ہی ہے۔

رواق نے اُن کے ہاتھ تھام کر اپنا سر اُن کی گود میں رکھ دیا، پھر دھیرے دھیرے ہر بات سنا گئے۔

بیبا اِس سارے دورانیے میں بالکل نہ بولیں، انہوں نے رواق کو کھل کر بولنے کا موقع دیا۔

خود رواق کو لگا، کہ جیسے وہ کسی ایسے پہاڑ کے ملبے تلے سے نکل آیا ہے، جہاں اُن
گھٹتے اُسے مارنے والا تھا، ماں کی آغوش ہوتی ہی ایسی ہے، جو ہر دُکھ، ہر غم کو چوس لے
تصویریں کدھر ہیں؟

بیبا نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"یہ ہیں۔"

رواق نے نکال کر اُن کو دے دیں۔

"استغفر اللہ!"

"بچے تم اِس بم کو ساتھ لیے لیے کیوں پھرتے رہے؟"

بیبا نے لفافہ پکڑتے ہوئے کہا۔

"بیبا اِس لیے کہ مجھے لگتا تھا، کہ میں نے کہیں اور رکھیں تو کسی کے ہاتھ ہی نہ لگ جا
رواق نے سچائی سے کہا، اُن کے چہرے پر بے حد معصومیت تھی۔

بیبا کے چہرے پر بے حد تناؤ تھا، انہوں نے ساری تصویریں دیکھ کر دوبارہ لفافے میں
دیں، اُن کے ہاتھوں میں لرزش تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے، اِن تصاویر اور خط کے بارے میں؟"

بیبا اُس کے من کی بات اُس کے چہرے سے پڑھ سکتی تھیں۔

لیکن پھر بھی انہوں نے اُس سے پہلے پوچھنا ہی مناسب جانا۔

"میں......؟ میں کیا کہوں؟ وہ رامین......!"

"بیبا......وہ مجھے پہلی نظر میں اتنی اپنی لگی، کہ مجھے لگا کہ وہ صرف میرے لیے ہے۔"

"یہ محبت تھی یا دِل کا سنجوگ میں نہ جانتا تھا، لیکن اتنا تھا، کہ میں اُسے ہر صورت اپنی
میں شامل کرنا چاہتا تھا۔"

"مجھے جو یہ یقین تھا، کہ میرا انتخاب میرے خاندان کی Values پر ہمیشہ پورا اُترے
میرا...... یہ میرا یقین جو ٹوٹا ہے! اُس نے میرا دِل تک توڑ دیا ہے! اس لفافے میں بند
زہر میرے سارے وجود میں بھر ڈالا ہے، میں اِس تکلیف کو بہت شدت سے محسوس کر رہا ہوں

"میں نے اُس سے جب پہلے پوچھا تھا، تو اُس نے انکار کیوں کیا؟"

رواق نے اندر کا دُکھ پیتے ہوئے، نم آنکھوں کے ساتھ ماں سے معصومیت سے پوچھا

جواباً بیبا نے بے حد سنجیدہ نگاہوں سے رواق کو دیکھا تھا۔

"تم کو پہلے سے یہ سب کچھ بتانا چاہیے تھا۔"

"میں......آپ سب کو یہ تکلیف نہ دینا چاہتا تھا، پھر اُس وقت گھر میں بہت سارے مہمان
آئے ہوئے تھے۔" رواق نے اپنا ماتھا مسلتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔"

بیبا نے گہری سوچ میں غرق ہنکارا بھرا تھا۔

"رامین نے اپنی صفائی میں کچھ کہا؟"

بیبا نے رواق کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں......!"

"اِس کی نوبت ہی نہ آسکی تھی!"

"تم......تم کیا چاہتے ہو؟"

بیبا نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

(یا میرے اللہ ابھی تو ساری دُنیا کو اکٹھا کر کے وہ دلہن بیاہ کر لائی تھیں، ابھی تو شادی کی
رسمیں پوری طرح مکمل نہ ہوئی تھیں اور اُن کے بیٹے کا دِل ٹوٹ گیا تھا اور شاید گھر بھی ٹوٹنے جا رہا
تھا)

"میں......؟"

"میں تو ایک ایسے دُکھ کے گارے سے لتھڑا ہوا ہوں، جو میرے دل و دماغ کی ہر سوچ کو
گدلا کر گیا ہے، میں بہت اچھا نہیں سوچ پا رہا!"

رواق نے بے حد سچائی سے کہا۔

"میرا اپنا خیال ہے، کہ رامین کو بھی کچھ کہنے کا موقع دینا چاہیے۔"

بیبا نے بیٹے کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بیبا......؟"

"کیا ابھی بھی......؟ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد ابھی بھی اِس سب کی گنجائش بچتی
ہے؟"

رواق نے کلس کر پوچھا۔

"پیارے بیٹے......! اپنے صبر و تحمل کو کبھی نہ چھوڑنا، ورنہ انسان ناقابل تلافی نقـ
بیٹھتا ہے۔"

"پیارے بیٹے......!"

"کسی کو اگر موت کی بھی سزا سنائی جاتی ہے، تو بھی اُس سے پہلے اُس کو اپنی صفائی
دیا جاتا ہے! یہ بھی تم دونوں کی زندگیوں کا مسئلہ ہے!"

"تم رامین سے یہ حق چھین کر کہیں کسی بڑے نقصان اور پچھتاوے میں نہ گھر جانا"

وہی نرم لہجہ تھا، پھوار ڈالتا ہوا جلتی کو بجھاتا ہوا، کچھ لوگ کتنے ٹھنڈے میٹھے چشمے جیسے ہوتے ہیں، ہر پیاسے کی پیاس بجھاتے ہیں، ہر آگ کو ٹھنڈا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

بیبا کی باتیں بھی ڈاکٹر رواق کے دِل و دماغ کی سلگن کو ٹھنڈا کر گئی تھیں۔

"عورت اگر چاہے تو پانی پہ بھی گھر بنا سکتی ہے! یہ معجزانہ طاقت اللہ رحمان نے صرف عورت کو عطا کی ہے! اور اگر عورت چاہے، تو مضبوط سے مضبوط بنیادوں پر کھڑے گھر کو بھی گرا سکتی ہے! اپنی طاقت کا غلط استعمال کر سکتی ہے!" اور بیبا نے تو ساری عمر لوگوں اور رشتوں کو جوڑا تھا، آج اُن کا ہر ہنر اُن کے اپنے کام آنے والا تھا۔

گر غضب آید ترا بر ناکسے
قہر حق را یاد کن آں دم بسے

"اگر تجھے کسی خطا کار پر غصہ آ گیا تو فوراً حق تعالیٰ کے قہر اور غصہ کو یاد کر۔"

بیبا نے بہت غور سے ماں کا چہرہ دیکھا تھا۔

رواق ایک دم سے دھیما اور نرم پڑ گیا تھا۔

بیبا کی آنکھوں اور لہجے کی نرمی وہ اپنے دل پہ محسوس کر رہا تھا۔

"ٹھیک ہے بیبا! جیسے آپ چاہیں گی، میں......!"

"میں رامین کو اپنی صفائی کا ایک موقع دینے پر تیار ہوں!"

بڑے دِل والی ماں کے بیٹے نے بالآخر دِل بڑا کر ہی لیا تھا۔

"جیتے رہو! سلامت رہو!"

"اللہ تمہارا اقبال بلند کرے اور تمہاری زندگی میں کوئی دُکھ نہ آئے، اللہ تم سے کبھی
ناانصافی نہ کروائے۔"

دِل سے باآواز بلند دُعائیں دیتیں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"صبح ہم رامین کی طرف جائیں گے!"

وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئیں، جبکہ رواق کو لگ رہا تھا، کہ دِل میں اِک سناٹا ہے، دِل میں ایک بڑا سناٹا ہے، جو سائیں سائیں کر رہا تھا، سائیں، سائیں کا شور بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

اور اِس شور میں رواق خود کو گم ہوتا محسوس کر رہا تھا۔

***

"تمہیں آخر مسئلہ کیا ہے؟"

"دو گھنٹے پہلے یہ کھانا رکھ کر گئی تھی، جوں کا توں پڑا ہے!"

رودین اپنے لمبے سیاہ بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔

دو گھنٹے وہ رامین کو جس پوزیشن میں چھوڑ کر گئی تھی، وہ اُسی طرح بیٹھی تھی، یوں لگتا تھا، کہ
وقت اثر نہ کر رہا ہو اُس پر۔

ساری عمر زندگی میں بہت سارے پلس مائینس دیکھنے والی کی زندگی کو صرف ایک......
سازش ڈیوائیڈ کر گئی تھی اور اب اُس کا بٹا ہوا وجود اُسے خود کو خود میں رہنے نہ دے رہا تھا۔

"رودین......!"

"پھوپھو سو گئیں؟"

رامین نے گلا کھنکھار کر پوچھا۔

"آں......ہاں......!"

"ابھی اُن کو دوا دے کر لیٹا کر آئی ہوں، وہ تمہاری سسرال کی کل کی دعوت اور دینے والے
اُن کے متعلق مسلسل خود کو ہلکان کر رہی تھیں، میں نے اُن کو زبردستی دوا دے کر لٹایا کہ کل صبح
دوپہر تک کا وقت ہو گا، اِن سب کاموں کے لیے اگر وہ آرام نہ کریں گی، تو پھر مہمانوں کو اٹینڈ
کریں گی؟"

رودین نے کلینزنگ مِلک ہاتھوں پر ڈال کر منہ پر لگانا شروع کر دیا، اتنی دیر وہ میک اپ کبھی
نہ رکھتی تھی، اول تو وہ میک اپ کرتی ہی خال خال تھی، اِس لیے اُسے میک اپ سے چڑ بھی تھی، آج
کاموں میں مصروف تھی، تبھی تو چہرہ ابھی تک صاف نہ کر پائی تھی۔

"اور ڈیڈی......؟"

رامین نے بیڈ سے نیچے اُترتے ہوئے پوچھا۔

''وہ سٹڈی میں ہوں گے......!''

''شاید نماز پڑھ رہے ہوں گے؟''

روین نے با آواز بلند خیال آرائی کی۔

''یہ تم کہاں جا رہی ہو؟''

روین نے اپنے ہاتھ روک کر رامین سے پوچھا، جو پیروں میں سلیپر ڈالے باہر کا رُ
تھی۔

''میں ذرا ڈیڈی کو دیکھ آؤں......!'' رامین نے بنا رُخ بدلے کہا۔

رامین نے اپنے آنسو پیتے ہوئے سر جھکا لیا تھا، اُس کا حلق آنسوؤں سے تر ہو کر نمکی
تھا، اُس کا دل ہمک ہمک کر اپنے باپ کی آغوش میں جانے کو تڑپ رہا تھا۔

''یار وہ سو نہ گئے ہوں...... پھر تم بھی تو تھکی ہوگی چلو جلدی سے سو جاؤ صبح پھر تم
سسرال کے سامنے نیک پروین بن کر بیٹھنا ہوگا۔''

روین نے شرارت سے کہا۔

''میں ابھی آئی......!''

رامین کہہ کر رُکی نہ تھی اور تیزی سے باہر نکل گئی، کوریڈور سے گزر کر سامنے ڈیڈی کے کَ
کے ساتھ اُن کا سٹڈی روم منسلک تھا، وہاں کی لائٹ روشن تھی، اِس کا مطلب تھا، کہ ڈیڈی
رہے تھے۔

رامین بے صبروں کی طرح اُن کے کمرے کی جانب بڑھی تھی۔

ڈیڈی جانماز بچھا کر اُس پر بیٹھے ہوئے تھے، لیکن انہوں نے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا
تھی، اُن کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور انہوں نے آنکھیں موندھ رکھی تھیں۔

''ڈیڈی......؟''

رامین نے پاس آ کر اُن کو مخاطب کیا۔

''کیا آپ سو گئے......؟''

جب ڈیڈی نے آنکھیں نہ کھولیں، تو اُس نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

''آں...... ہاں!''

''آؤ میری گڑیا رانی......!''

ڈیڈی نے مسکرا کر رامین کو دیکھا تھا، کیا کچھ نہ تھا، اُن کی نگاہوں میں بیٹی کو بیاہ کر ایک نئی دُعا نے اُن کی آنکھوں میں جگہ لے لی تھی، ماں باپ بھی عجیب ہوتے ہیں، ہر بار بچوں کے لیے نیا خواب دیکھتے ہیں، پھر اُس کی اچھی تعبیر کے لیے دُعا کرتے ہیں اور جب ایک خواب پورا ہو جاتا ہے تو اُس جگہ نیا خواب اُگ آتا ہے! نئی دُعا آ جاتی ہے!

اسی لیے جن کے والدین نہیں ہوتے، اُن کے گرد دُعاؤں کا مضبوط حصار نہیں ہوتا، اُن کے گرد حفاظت نہیں ہوتی! رامین کو ڈیڈی کو دیکھ کر ایک دم بے حد مضبوط حصار کا احساس ہوا تھا، کیوں پریشان ہوتی ہے رامین؟

''تیرے سر پر باپ کا سایہ سلامت ہے! پھر اُس کی دُعاؤں کے حصار کو توڑ کر کوئی آفت کیسے تیری زندگی کی خوشیوں کو اُچک سکتی ہے!''

کوئی اُس کے اندر بولا تھا، اِس لیے اُس کے اندر بے حد سکون اُتر آیا تھا۔

''ڈیڈی......!''

''آپ کیسے ہیں؟''

ایک دِن صرف ایک دِن ہی تو ہوا تھا، اُسے یہ گھر چھوڑے، لیکن جانے اُسے کیوں لگ رہا تھا، کہ وہ یہاں کتنے ہی عرصے بعد آئی ہے۔ اُس کا وجود بے حد تر سا ہوا تھا۔

دِل یوں پیاسا اور گھبرایا ہوا تھا، جیسے کونج اپنے قافلے سے بچھڑ کر بے چین آسمان میں ایک ہی دائرے میں مسلسل چکر لگائے جاتی ہے۔

اُسے نہ پیچھے اور نہ ہی آگے کا راستہ دکھائی دیتا ہے، رامین کا دِل بھی کچھ ایسی ہی چک پھریاں کھا رہا تھا۔

''اِدھر میرے پاس آ کر بیٹھو گڑیا!''

ڈیڈی نے نرم صوفے پر بیٹھتے ہوئے اُس کے لیے بھی جگہ بنائی۔

رامین چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی اُن کے پاس جا بیٹھی تھی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں بیٹا!''

''اللہ نے مجھے میرے ایک بڑے فرض کو ادا کرنے کی ہمت عطا کی، میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں، تم خوش تو ہو ناں؟''

ڈیڈی کی بات پہ رامین کا جھکا سر مزید جھک گیا۔

وہ کیسے اُن کو بتائے، کہ اُن کی اِس خوشی میں کسی نے خاک ڈال دی ہے! وہ اُ
نامی شخص کو بالکل نہ جانتی تھی، جو گرہن بن کر اُس کی زندگی میں آیا تھا۔

رامین بے قصور ہوتے ہوئے بھی مجرم بن چکی ہے!

اُس کے چہرے کا بدلتا رنگ ڈیڈی سے چھپا نہ رہ سکا تھا۔

''رامین......!''

''گڑیا تم ٹھیک تو ہوناں......؟''

اُن کے لہجے میں فکر جھلک رہی تھی۔

''ڈیڈی میں آپ کو کچھ بتانا چاہتی ہوں! میں جانتی ہوں کہ آپ یہ سب سن کر
ہوں گے لیکن......؟ وہ کچھ دیر کے لیے اٹکی تھی، لیکن میں اپنی مشکل آپ کے سامنے نہیں رکھو
تو کس کے سامنے رکھوں گی؟'' بالآخر رامین نے اپنے دِل کا بوجھ بانٹنے کا سوچ ہی لیا، میں
کچھ بہت اہم بات بتانے جا رہی ہوں۔

رامین نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

ڈیڈی کی چھٹی حس نے ایک گھنٹی بجائی تھی۔

''کچھ......بہت غیر معمولی......!''

''کچھ برا ہو چکا تھا یا پھر بُرا ہونے جا رہا تھا۔''

پھر جوں جوں رامین ساری بات بتاتی گئی، اُن کا چہرہ سُرخ ہوتا گیا۔

رامین اپنی بات کے اختتام پر ہچکیوں کے ساتھ روئی تھی۔

ڈیڈی کو بے حد تکلیف نے آگھیرا تھا، انہوں نے بڑھ کر اُسے سینے سے لگا لیا، اُس کے
ہاتھوں کو دیکھنے لگے، ابھی تو اِن ہاتھوں میں سہاگ کی مہندی لگے صرف چند گھنٹے ہی ہوئے
کیسے اُن کی بیٹی کی زندگی طوفان میں گھر گئی تھی۔

''بس بیٹا چپ ہو جاؤ!''

ڈیڈی نے اُس کے سر پر بوسہ لے کر کہا۔

''تمہارے یوں رونے سے مجھے بے حد تکلیف ہوتی ہے!''

ڈیڈی نے اُس کے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''ڈیڈی میں...... میں بے قصور ہوں!''

رامین نے سسکتے ہوئے کہا۔

''میں جانتا ہوں بیٹا!''

''مجھے تم پر پورا بھروسا ہے!''

ڈیڈی نے اُس کے گرتے ہوئے کردار کی دیوار کو اپنی گواہی دے کر بے حد مضبوط سہارا دیا

رامین نے اُن کو بے حد مشکور نظروں سے دیکھا تھا۔

''ڈیڈی......!''

''اب کیا ہوگا؟''

رامین نے سہمی سہمی آواز میں پوچھا۔

''اب......؟''

''دیکھتے ہیں بیٹا کہ رواق نے اِس معاملے کو کس طور پر لیا ہے۔''

''بہر حال ہم بے قصور ہو کر بھی اُس کے جواب دہ ہوں گے، تم فکر نہ کرو، اللہ پر بھروسہ رکھو
انشاءاللہ ہماری مدد ضرور کرے گا۔''

ڈیڈی نے اُسے تسلی دی۔

درحقیقت ڈیڈی کو بھی اپنے سامنے صرف اور صرف اندھیرا ہی نظر آ رہا تھا، وہ نہیں جانتے
کہ اِس اندھیرے میں اُن کو فوراً کیا کرنا چاہیے، سوائے اِس کے کہ وہ صرف اللہ پر بھروسہ اور
رکھیں جو ہر اندھیرے، ہر کھائی، ہر برائی اور ہر تکلیف سے نکالنے والا ہے۔

''ڈیڈی نے صدقِ دِل سے دُعا کی تھی، اللہ ہماری مدد فرما!''

کوئی ہمدم ہے نہ غم خوار نہ کوئی اپنا
دل کا ہر درد اللہ جی تجھی کو سنایا میں نے
جب بھی غم نے مجھے ہر سمت سے آگھیرا
نام تیرا لیا اور ہمیشہ مدد کو پایا میں نے

***

''کیوں بھئی یہ کیا بات ہوئی؟''

''ہم سب چلیں گے، دلہن کو لینے ہم سب کا بلاوا ہے، پھر کیسی پریشانی؟''

بڑی اماں ماننے کو تیار نہ تھیں، کہ رامین کے گھر سب نہ جائیں گے، باؤ جی نے
کہ اتنا رش ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے!

بیا نے دبے دبے لہجے میں کہا، تو بڑی اماں کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "ار
مکلاوے پر تو دلہا دلہن کو سب لینے جاتے ہیں، تم تو ہر ریت، ہر بات کو بھولتی جا رہی ہو۔"

بڑی اماں کی ناراضگی اپنی جگہ پر قائم تھی۔

"یا میرے اللہ!"

"اب میں اِن کو کیسے سمجھاؤں؟"

بیا نے زِچ ہو کر سوچا، اصل بات تو وہ بالکل بھی نہ بتانا چاہ رہی تھیں، وہ اپنی ماں کی
چین، جلد باز اور بے صبری طبیعت کو اچھے طریقے سے جانتی تھیں، اُن کے ہاتھ یہ بات
خدانخواستہ لگ جاتی، تو معاملے کی ڈور اُلجھ تو سکتی تھی، سلجھ نہ سکتی تھی۔

حیرت تھی، کہ وہ اُن کی ہی بیٹی ہو کر بہت معاملہ فہم تھیں، بہت تحمل پسند اور صابر تھیں۔
اِس کی وجہ یہ تھی، کہ وہ ہمیشہ اپنے ماموں جلال الدین کے ساتھ رہی تھیں۔

ماموں جلال الدین جو آئندہ زندگی میں اُن کے سسر کی حیثیت بھی حاصل کر گئے تھے۔

جہاں باؤ جی جس قدر دھیمے اور دُور اندیش تھے، بڑی اماں بے حد جلد باز اور بے صبری
ہوئی تھیں۔

"بس میں نے کہہ دیا ہم سب جائیں گے۔"

ارے دلہن کیا سوچے گی، کس طرح کے خاندان والے ہیں، پہلے دلہا رات رہنے نہ گیا!
سسرال والوں نے بھی کوئی چاؤ، کوئی پروا نہ کی اور اُسے لینے کے لیے بھی کوئی نہ آیا۔

بڑی اماں کا اپنا مؤقف تھا اور وہ اِس پہ ڈٹی ہوئی تھیں۔

بیا نے گہری سانس خارج کی اور بے بسی سے اپنی ماں کو دیکھا۔

"آہ! کچھ لوگ کس قدر ناممکن سے ہوتے ہیں۔"

بیا نے تھک کر سوچا تھا۔

***

"تم رات ڈیڈی سے ملنے گئی تھیں؟ ڈیڈی بہت چپ ہیں، خیریت تو ہے ناں؟"

روین نے رامین کو چائے پکڑاتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں!"

رامین کی آنکھیں رو رو کر سوجی ہوئی تھیں اور آواز بیٹھ چکی تھی۔

روین نے اُسے بہت غور سے دیکھا تھا۔

"تم روتی رہی ہو؟"

روین نے اُسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آں.....نہیں تو!"

رامین نے اُس سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

"کس سے جھوٹ بولنے کی کوشش کر رہی ہو! مجھ سے.....! جو نہ صرف بچپن سے تمہاری
دوست ہی نہیں رہی، بلکہ تمہارے دِل میں بھی رہی ہے اور تمہارے مزاج کے، تمہاری ذات
کے سارے رنگ اور موسم میری ہاتھ کی پوروں پر ہیں۔"

"تم مجھ سے جھوٹ بولو گی، مجھ سے چھپاؤ گی؟"

روین نے کچھ دُکھ اور ناراضگی سے پوچھا۔

"میں.....اب تم کو کیا بتاؤں؟"

"جب میرے پاس بتانے کو کچھ ہے ہی نہیں۔" رامین نے روئی روئی آواز میں کہا۔

"تم.....؟"

روین نے انگلی اٹھا کر کچھ سخت کہنا چاہا تھا، لیکن رامین کے چہرے پر کچھ ایسا تھا، جو اُسے
... گیا تھا۔

"رہنے دو اِس جھوٹ کو.....! مجھے معلوم ہے تم بتانا ہی نہیں چاہ رہی ہو۔" روین نے اُسے
... دیکھتے ہوئے کہا۔

روین نے بہن کی روئی روئی آنکھوں کو دیکھا تھا۔

"ڈیڈی.....!"

"ڈیڈی صبح سے جانماز پر کھڑے نوافل ادا کر رہے ہیں! یوں لگتا ہے، کوئی خاص بات ہو گئی
ہے، تمہیں یاد ہو گا کہ گھر میں کوئی بیمار ہو یا کوئی مسئلہ ڈیڈی ہمیشہ یونہی کرتے ہیں۔"

روین باپ کی عادت کو بہت اچھے طریقے سے جانتی تھی۔

رامین نے بے اختیار نگاہیں چرائی تھیں، وہ کیسے روین کو بتا دیتی کہ ڈیڈی کی اصل پریشانی

کی وجہ تو وہ خود ہے۔

"اچھا تم کچھ کھا پی لو، میں ذرا پھوپھو کو بھی ناشتے کا پوچھ آؤں۔"

روین نے بہن کو دیکھا، جو جواب دیتے ہوئے ہچکچا رہی تھی، نہ جانے ایسا کیا نے رامین جیسی لڑکی کو بالکل ہی ڈھا دیا تھا۔

رامین تو دوسروں کو پچھاڑنے پر یقین رکھتی تھی، اُسے اپنا آپ، اپنی ذات کا بہ تھا، وہ خود سے بے حد محبت کرتی تھی، لیکن آج وہ یکسر مختلف نظر آرہی تھی اور یہ سب کچھ نہ لگ رہا تھا۔

اُسے اپنی بہن ویسی ہی اچھی لگتی تھی، ضدی اور انا پرست، وہ ایسے ہمیشہ خوش رہتی ایسی نہ تھی، تو اس کا مطلب تھا، کہ وہ خوش نہ تھی، کیا ایک لڑکی شادی کے بعد بھی خوش نہ شادی تو نام ہی خوشی کا ہوتا ہے!

صرف ایک دن بعد..... صرف ایک دِن بعد وہ اتنی دُکھی ہو چکی تھی، کہ اُس کے ایک ایک نقش رو رہا تھا۔

"اللہ..... شادی اِسی کو کہتے ہیں؟"

"میری بہن کو خوشیاں واپس دے دے۔"

روین نے پھوپھو کے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے دِل ہی دِل میں دُعا کی۔

"لیکن رامین کے ساتھ ہوا کیا ہے؟"

اُس کو یہ خیال مسلسل تنگ کر رہا تھا، یہ سوال تو ایسا تھا، جس کے اندر کچھ عجیب سا خوف مارے بیٹھا تھا۔

***

"بشریٰ..... ! بشریٰ..... بشریٰ..... !"

باجی عظمیٰ، بشریٰ کو آوازیں دیتی، اُس کے کمرے کی طرف آئی تھیں۔

بشریٰ نے جھٹ تصویریں اپنے تکیے کے نیچے کر دیں، جن کو دیکھ کر وہ مسلسل خوش ہو رہی تھی، اذیت پسند لوگ ہمیشہ دوسروں کو تکلیف دے کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔

اِن تصویروں نے کیسی چنگاری لگائی ہوگی، رامین کی زندگی میں اُسے اب اس چنگاری کے بھڑک کر آگ لگنے کی اطلاع کا انتظار تھا۔

"جی باجی!"

بشریٰ نے سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے تم سے ایک بات کرنی تھی۔" باجی نے اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

بشریٰ نے غیر ارادی طور پر تکیے کو ٹھیک کیا تھا۔

یہ باجی اِس وقت کیا کرنے آگئیں! وہ دِل ہی دِل میں خوفزدہ تھی، کہ کہیں کوئی تصویر اُن کے ہاتھ نہ لگ جائے۔

"بشریٰ تمہارے لیے رشتہ آیا ہے۔"

"امی نے مجھ سے کہا، کہ تم سے بھی پوچھ لوں، ویسے تو وہ اپنے طور پر فائنل کیے بیٹھے ہیں۔" باجی عظمیٰ نے اصل بات بتاتے ہوئے کہا۔

"کون لوگ ہیں؟"

بشریٰ نے پوچھا۔

"وہی یار ریاض انکل کا بیٹا مصدق، باجی عظمیٰ نے واقعی اُسے سرپرائز دیا تھا۔"

"واقعی!"

"مائی گاڈ!" بشریٰ کا چہرہ خوشی سے کھل گیا، اندر آتے ہوئے اشفاق کے قدم وہیں دروازے پر رُک گئے تھے، وہ بہت غور سے اُن دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

"بالکل.....!"

عظمیٰ باجی نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر یقین دلایا تھا۔

"باجی اتنے امیر کبیر لوگوں اور اتنے ہینڈسم بندے کا تو صرف ڈریم کیا جا سکتا تھا۔" بشریٰ کی خوشی بھری آواز لرز رہی تھی اور اشفاق کے سر پر ہتھوڑے برسا رہی تھی۔

"امی سے انہوں نے خود بات کی ہے اور وہ مصدق کی شادی پاکستان میں کرنا چاہتی ہیں اور اُن کی نظر میں ہم سے بہتر کوئی گھرانہ نہیں ہے۔"

عظمیٰ باجی نے بے حد خوشی سے بتایا۔

"اوہ..... ! میرے اللہ!"

"کیا.....؟"

"کیا..... میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟"

بشریٰ نے خوشی سے جھومتے ہوئے پوچھا۔

''ارے بنورانی......!''

''تم بہت جلد اِس کی تعبیر بھی دیکھ لوگی۔''عظمیٰ باجی نے اُس کے چٹکی کاٹتے ہوئے

''تو پھر میں امی کو تمہاری طرف سے ہاں میں جواب دے دوں؟''

عظمیٰ باجی نے پوچھا۔

''ہاں......ہاں......سو بار ہاں!''

''میرا دماغ تھوڑی خراب ہے کہ اتنے سنہرے مستقبل کا موقع گنوادوں۔''بشریٰ نے حد پُرجوش انداز میں کہا۔

''اشفاق کو یوں لگا کہ اُس پر بجلی گری ہو۔''

وہ تو خواب میں بھی نہ سوچ سکتا تھا، کہ بشریٰ اُس سے بے وفائی کرے گی۔

''ٹھیک ہے، میں ذرا امی جان کو بتادوں کہ بنورانی تیار ہے۔''

عظمیٰ باجی خوشی خوشی باہر نکلی تھیں۔

''ارے اشفاق تم......؟ کب آئے تم......؟''

''کیسے ہو بھئی؟''

''پھوپھو کیسی ہیں؟''

عظمیٰ باجی نے اشفاق سے پوچھا، جو دروازے پر کھڑا تھا۔

''میں ابھی آیا تھا۔''

اشفاق کو یوں لگ رہا تھا، جیسے کہ اُس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آرہی ہو۔

''ٹھیک ہو؟ پھوپھو کیسی ہیں؟''

عظمیٰ باجی نے جلدی جلدی سوالات کیے، جیسے وہ بس فارمیلٹی پوری کررہی ہوں، ہونا بھی یہ ہی تھا، کہ سب پھوپھو کی فیملی کے ساتھ ایسے ہی تھے، اُن کے رویے کی وجہ سے اشفاق کے اُس کے سارے بہن بھائی یہاں آنے سے کتراتے تھے، ایک واحد اشفاق تھا، جو ہمیشہ یہاں آیا کرتا تھا، اُس کو کسی کی پروانہ ہوا کرتی تھی، وہ بشریٰ کو سچے دِل سے چاہتا تھا، اُسے ہر وقت فکر رہتی تھی، کہ بشریٰ کا ذہن کہیں اور نہ لگ جائے، اِس لیے وہ بشریٰ کو خوش کرنے کے لیے ہر وقت پل اُس کا کہا سنتا اور مانتا آرہا تھا، اُس کے اِس جی حضوری سٹائل نے اُس کی جگہ بشریٰ کے

...تھی، جبکہ وہ اور بشریٰ اپنے بیچ کے سارے فاصلے مٹا چکے تھے، تو کتنا مطمئن تھا، کہ بشریٰ اب... وہ لڑکا ہو کر ایسا سوچتا تھا، تو بشریٰ لڑکی ہو کر کیسے اُس کے ساتھ بے وفائی کر سکتی رہے گی، کیسے وہ بھول سکتی تھی، کہ وہ اپنے کنوارے وجود کو اشفاق کو سونپ چکی ہے اور اب اُس کو شادی بھی صرف اُس سے ہی کرنی چاہیے۔

لیکن وہ یہ کیا سُن رہا تھا؟

بشریٰ کسی اور کی ہمیشہ کے لیے ہونے جارہی ہے!

اُس کے دل پر یہ خبر بجلی بن کر گری تھی۔

''اچھا تو تم بشریٰ سے ملنے آئے ہو گے، تمہاری تو سوائے اُس کے، کسی کے ساتھ دوستی ہے ہی نہیں، اندر چلے جاؤ۔ تمہاری سہیلی اندر ہی ہے۔''

عظمیٰ باجی یہ کہتی ہوئی آگے بڑھ گئیں۔

''تم......تم شادی کررہی ہو؟''

اشفاق نے اندر آتے ہی بشریٰ سے پوچھا تھا۔

''میں تمہارے کسی سوال کے جواب کے لیے خود کو پابند نہیں سمجھتی ہوں۔''بشریٰ نے بے حد لاپروائی سے کہا۔

''بشریٰ......!''

اشفاق کو یقین نہ آرہا تھا، کہ وہ وہی بشریٰ ہے، جو اُس سے ہر طرح کا کام کروانے کے لیے اُس کی محبت کا دم بھرا کرتی تھی، جو صرف دو دِن پہلے اُس کے اتنے قریب تھی، کہ اُن کے بیچ کوئی پردہ نہ رہا تھا، وہ آج کیسے آنکھیں بدل کر اُس سے مخاطب تھی۔

''بشریٰ......!''

''یہ تم کس طرح کی باتیں کررہی ہو؟''اشفاق نے حیرانگی سے پوچھا۔

بشریٰ کے تیور دیکھ کر اُسے یقین نہ ہو رہا تھا، کہ واقعی بشریٰ بھی ایسے کرسکتی ہے۔

''کیوں کیا کہا ہے میں نے؟''

بشریٰ نے بے نیازی سے پوچھا۔

''بشریٰ، عظمیٰ باجی کیا کہہ رہی تھیں، تم کس کے ساتھ شادی کی حامی بھر رہی تھیں۔''اشفاق

روہانسا ہونے والا تھا، اُسے یقین نہ آ رہا تھا، کہ بشریٰ اُس کے ساتھ کھیل کھیل جائے گی۔

''ہاں تم نے ٹھیک سنا میں واقعی شادی کر رہی ہوں۔''

بشریٰ نے بے حسی سے جواب دیا۔

''اور میں......؟''

''اور میں......اور میری محبت کا کیا؟''

اشفاق سراپا سوال بنا کھڑا تھا۔

''کون سی محبت؟''

بشریٰ نے سامنے ڈریسنگ پر پڑے ہیئر برش کو اُٹھا کر اپنے بالوں میں چلاتے پوچھا۔

''تو کیا وہ سب جھوٹ تھا؟''

اشفاق نے ٹوٹے لہجے میں پوچھا۔

''وہ تمہارا اپنا گمان تھا، میں نے کبھی تم سے اظہار نہیں کیا۔''

بشریٰ نے مکرتے ہوئے کہا۔

''اور......اور وہ جو ہم میں دو دِن پہلے گزرا تھا؟''

اشفاق نے اُس کے بے حد قریب آ کر اُسے بے حد غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

''وہ کچھ جذباتی لمحات تھے۔''

بشریٰ نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

''جذ......باتی......لمحات......؟''

اشفاق نے چبا چبا کر کہا۔

''میں مرد ہو کر خود کو......!''

''اور تم......تم تو عورت ہو! عورت کو اپنی عزت بہت پیاری ہوتی ہے، عورت تو ہمیشہ ہی مرد کی بن کر رہنا چاہتی ہے، اب تم کیسے کسی اور کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہو؟''

''میں نے تم سے کہا ناں کہ وہ بس جذباتی لمحات تھے۔'' بشریٰ ہر بات سے مکر چکی تھی، اُسے اپنا سنہری مستقبل بے حد عزیز تھا، وہ ماضی کے ہر پل سے جان چھڑا لینا چاہتی تھی۔

''تم بھول رہی ہو، کہ اُن جذباتی لمحوں کی تصاویر میرے پاس بھی موجود ہیں، اتنے ثبوت کی موجودگی میں تم کیسے کسی اور سے شادی کر سکتی ہو؟'' اشفاق نے آخری پتہ بھی استعمال کر دیا۔

وہ سچ مچ بشریٰ سے بے حد پیار کرتا تھا، وہ جب پیار اور نرمی سے قابو نہ آئی، تو اُس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا، لیکن وہ نہ جانتا تھا، کہ بشریٰ تو وہ خود پسند لڑکی تھی، جس کو آئینے میں صرف اپنا عکس دکھائی دیتا تھا، اُس کے نزدیک کسی کے جذبات کوئی اہمیت نہ رکھتے تھے۔

''تم اگر ایسا کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو۔''

''میں تم کو نہیں روکوں گی......لیکن......''

''لیکن میں تم سے پھر بھی زندگی میں کبھی شادی نہ کروں گی۔''

بشریٰ نے بے حد نڈر اور بے باک ہو کر جواب دیا تھا۔

''میں نے تم کو کبھی پسند نہیں کیا۔''

''تم میرے آئیڈیل پر کبھی پورے نہ اُترے ہو، آخر تم میں ایسا کیا ہے، جو میں سب کچھ چھوڑ کر تمہاری ہو جاؤں! ایک مڈل کلاس لڑکا......''

''جو شخصیت میں کسی کینچوے سے کم نہ ہو، اُسے میں...... میں بشریٰ مبشر علی اُسے کیوں پسند کروں گی۔''

بشریٰ نے اشفاق کو احساس کمتری کے کیچڑ میں دھکیلا تھا، اشفاق اِس کیچڑ میں بری طرح لت پت ہو گیا تھا، بشریٰ نہ جانتی تھی کہ احساس کمتری کا احساس دِلانا کسی کو پھانسی لگانے سے کم نہیں ہوتا۔

اُس شخص کی ذات کے اندر اُس کی بے حد قیمتی چیز مر جاتی ہے!
جو کسی کے پاس نہ ہو تو وہ زندگی میں دوبارہ کھڑا نہیں ہو سکتا۔

''تم......تم کو جرأت کیسے ہوئی؟''

''میں تم سے کبھی شادی نہیں کروں گی، زمین پر رینگنے والے کیڑے۔''

''تم مجھ کو دھمکی دیتے ہو! ارے تم تو سر کیا کبھی تھوڑی سی نگاہ نہیں اُٹھا سکتے، ایسے شخص کے بارے کا خیال بھی میں نہیں کر سکتی۔''

''تم بشریٰ مبشر علی کو جانتے نہیں ہو، میں تمہارا وہ حشر کروں گی، کہ تم کبھی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہو گے۔''

بشریٰ نے آنکھیں نکال نکال کر کہا۔

اشفاق بے یقینی سے اُس کا یہ بدلا، بے حد بھیانک روپ دیکھ رہا تھا۔

وہ بری طرح ٹوٹ گیا تھا، وہ اُلٹے قدموں واپس مڑا تھا۔

وہ بری طرح روتا باہر بھاگا تھا۔

''اتنی انسلٹ، اتنی توہین!''

اشفاق کا دِل چاہا کہ دُنیا کے اُس کونے میں بھاگ جائے، جہاں بشریٰ کی کہی باتیں اُس کا پیچھا نہ کر سکیں۔

وہ تیزی سے، اندھا دھند بھاگا تھا۔

***

''ڈیڈی......!''

رامین اُن کے پیچھے جا کر کھڑی ہوئی۔

کل رات وہ جس مقام پر ڈیڈی کو چھوڑ کر گئی تھی، ڈیڈی ابھی تک اُسی جگہ پر بیٹھے نوافل پڑھ رہے تھے۔ ''ڈیڈی کیوں اپنی جان کو ہلکان کرتے ہیں۔''

رامین نے بے حد دُکھ سے پوچھا۔

ڈیڈی نے دُعا کے لیے اُٹھائے ہوئے ہاتھ منہ پر پھیر کر اُسے دیکھا۔

کتنی معصوم صورت تھی اُن کی بیٹی! زندگی کی کسی بھی بدصورتی کو انہوں نے اپنی معصوم بچی کے آس پاس تک پھٹکنے نہ دیا تھا۔

پھر کیوں...... کیوں...... اُن کی بیٹی کو زندگی کے ایسے موڑ پر بے اعتباری ملی، جو زندگی کا سب سے اہم موڑ، اہم پل ہوتا ہے۔

بے اعتباری کا دُکھ انہوں نے خود اپنی زندگی میں اِس قدر جھیلا تھا، کہ وہ نہیں چاہتے تھے، کسی دشمن کی زندگی میں بھی کبھی یہ کانٹوں بھری راہ آئے یہاں تو خود اُن کی اپنی بیٹی موجود تھی۔

جو اُن کو اپنی زندگی کی طرح عزیز تھی۔

''میں خود کو ہلکان نہیں کر رہا، بلکہ اُس بوجھ سے ہلکا کر رہا ہوں، جو میرے بس کی بات نہیں ہے۔''

ڈیڈی نے دھیرے سے کہا۔

''انسان بہت ظالم ہے، خود پہ بھی بے حد ظلم کر جاتا ہے۔''

''وہ بوجھ جس کو اٹھانے کی سکت بھی نہیں ہوتی، اُٹھانے کھڑا ہو جاتا ہے، ارے بھئی بوجھ تو اُس پہ ڈالنا چاہیے، جس کا دِل بہت بڑا ہو اور صرف اللہ کی ذات ہے، جو بے حد بڑی ہے، جو خوشی خوشی ہمارے سارے بوجھ لے لیتی ہے، ہماری زندگیوں کو اُس کے بدلے میں سکھ سے بھر دیتی ہے۔''

''تم نے کبھی دیکھا ہے ایسا سودے باز!''

''کہ کوئی اُس کے ہاں اپنے بوجھ، دُکھ لے کر جائے اور بدلے میں اُسے سکھ، خوشی مل جائے، یہ صرف اللہ ہی کی ذات ہے، اتنی رحمان کریم اتنی بے نیاز جو اتنا نواز سکتی ہے! اور میں بھی یہی کر رہا ہوں۔''

''میں بھی رحمان کریم کے سامنے اپنی مجبوری، اپنا سوال رکھ رہا ہوں۔''

''میری انا مجھے کسی انسان کے سامنے جھکنے سے روکتی ہے! اپنی بیٹی کی سچائی کو ثابت کرنے کے لیے میرا دِل کسی کے سامنے صفائیاں پیش کرنے کو تیار نہیں ہے۔''

''لیکن میں اللہ کے سامنے جھک سکتا ہوں۔''

''اُس کے سامنے مجھے اپنی بیٹی کی سچائی بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ وہ خود سب سے بڑی سچی ذات ہے۔''

ڈیڈی کے لہجے میں اُن کا یقین بول رہا تھا۔

''ڈیڈی!''

''کیا...... کیا آپ کے یہاں اِس جانماز پر بیٹھے رہنے سے ہر مسئلہ حل ہو سکتا ہے؟''

رامین نے بے حد حیرانگی اور بے یقینی سے سوال کیا تھا۔

''اللہ بہت حیا والا ہے۔''

''جب کوئی اُس سے سوال کرتا ہے، تو اُسے کبھی نہیں موڑتا۔''

''مجھے یقین ہے، کہ وہ ہماری غائب سے مدد کرے گا۔ ہماری عزت رکھ لے گا۔''

ڈیڈی کے لہجے کے یقین نے رامین کو بے حد حیران کیا تھا۔

''زندگی تو نام ہی اُمید اور یقین کا ہے، جہاں یقین نہیں ہے، وہاں زندگی نہیں ہوتی ہے بس ... رہتا ہے۔''

''ڈیڈی......!''

''آپ بالکل دُعا کریں! مجھے ایسے لگتا ہے جیسے مجھے بھی کچھ...... آپ کے یقین پہ یقین ہے! واقعی ڈیڈی ایسا ہوسکتا ہے؟''

رامین ایک دم سے یقین اور بے یقینی کے بیچ میں جھولنے لگی تھی۔

''اُس کے پاس نہ یقین کامل تھا، نہ بے یقینی کامل تھی۔''

''جن کے ہاں کوئی ''کوڈ آف لائف'' نہیں ہوتا، وہ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں، جیسے سمندر میں بنا چپو کے ہوتی ہے، کہ کوئی بھی زور آور لہر اُس کو اپنے رُخ پہ بہا کر لے جاسکتی ہے

رامین نے بھی تو اب تک کچھ ایسی ہی زندگی گزاری تھی۔

''وہ کیسے ڈیڈی کے یقین کی لذت کو محسوس کرسکتی تھی۔ تم دیکھنا انشااللہ!''

''اللہ ہماری مدد کریں گے۔''

''ضرور کریں گے۔''

ڈیڈی نے بے حد ٹھوس لہجے میں کہا۔

''رب انی مغلوب فانتصر''

(اے اللہ میں لاچار ہوں میری مدد فرما)! ڈیڈی با آواز بلند دُعا مانگ رہے تھے اور سجدے میں گر گئے تھے اور وہ رب العزت تو اِس قدر مہربان ورحمان ہے، کہ جو اُس کی جانب ایک قدم آگے بڑھتا ہے، تو وہ اُس کی جانب دس قدم بڑھاتا ہے۔ یہ اُس کا رحم ہے۔

اور یہ ہی اُس کی بڑی ذات کی شان ہے۔

اور کوئی اُس کی جانب پیدل جاتا ہے، تو وہ اُس کی جانب لپک کر دوڑ کر بڑھتا ہے اور تھام لیتا ہے، سہارا دیتا ہے۔

ایسا صرف یقین رکھنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے، ورنہ بے یقین لوگوں کی کشتی تو اِدھر اُدھر لڑھکتی رہتی ہے اور ایک دن آخر ڈوب ہی تو جاتی ہے۔

***

''پیارے بیٹے!''

''شک تو چیز ہی ایسی ہے، کہ روشنی بھی ہوجائے تو اسے ڈھانپ کر اندھیرے میں بدل دیتا ہے۔''

باؤجی نے رواق کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دھیرے سے کہا تھا۔

اگر رواق کو بیبا نے اتنا زیادہ کام ڈاؤن (Calmdown) نہ کیا ہوتا، تو شاید اِس وقت رواق کے منہ میں بھی شکوؤں کو جگہ مل جاتی، لیکن بیبا نے اپنے بیٹے کی منہ زوری پر بند باندھ دیا تھا، ورنہ شاید رواق پہلے کی طرح پھٹ ہی پڑتا، یہ ہی وجہ تھی، کہ وہ اب باؤجی کی بات کو بے حد دھیان سے سن رہا تھا اور کوئی بھی ارگیو نہ کررہا تھا۔

''ہمارے بڑے بھی تو کسی ٹیم لیڈر کی طرح ہی ہوتے ہیں، جو پیچھے آنے والوں کے رستے کے پتھر بھی اُٹھاتے ہیں اور اُن اندھیروں میں روشنی کا بندوبست بھی کرتے ہیں، تاکہ آنے والے ٹھوکر نہ کھالیں۔''

''تم کوشش کرنا کہ تم سے دل کی منہ زوری کی وجہ سے کہیں کوئی بڑی غلطی نہ ہوجائے۔''

باؤجی نے ایک بار پھر ڈاکٹر رواق کو سمجھایا۔

''جی باؤجی!''

ڈاکٹر رواق نے بے حد تابعداری سے جواب دیا۔

''ہوہائے!''

''ڈاکٹر باؤ......!''

''تُسی اِدھر کھڑے ہو، اُدھر سارے آپ کا انتظار کررہے ہیں۔''

بہار بیگم نے اُن کے پاس آکر کہا۔

''میں آتا ہوں۔''

ڈاکٹر رواق دھیرے سے بولے تھے۔

''اُدھر سب لوگ گاڑیوں وچ بیٹھ کر بس آپ کے واسطے رُکے ہوئے ہیں، ذرا جلدی کرو۔'' بہار بیگم رامین کے گھر جانے کے لیے بے حد پُرجوش ہورہی تھی۔

تبھی بیبا بھی اُن کو اِدھر آتی نظر آئیں۔

''السلام علیکم باؤجی!''

بیبا نے سر جھکا کر باؤجی سے پیار لیا۔

''جیتی رہو سدا سلامت رہو اور ہمیشہ اپنے بچوں کی خوشیاں دیکھو۔'' انہوں نے بے حد دِل سے دُعا دی تھی۔

"آپ ساتھ چل رہے ہیں؟"

بیبا نے باؤ جی سے پوچھا۔

"نہیں بیٹا میں نہیں جا پاؤں گا!"

باؤ جی نے سہولت سے انکار کیا۔

"چلو رواق......!"

بیبا نے بغور رواق کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا جی!"

رواق نے طویل گہرا سانس بھرا۔

"بیبا اگر آپ مائنڈ نہ کریں، تو میں الگ گاڑی میں جانا چاہتا ہوں۔" رواق نے بڑی لجاجت سے درخواست کی، وہ تنہائی میں یکسوئی سے اپنے آپ پر قابو پانا چاہتے تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ گاڑی میں بھی مسلسل ہدایات سنیں، وہ کچھ اپنے دِل کی بھی خبر لینا چاہتے تھے، جو ایک روٹھے بچے کی طرح روتا بسورتا دُور جا بیٹھا تھا۔

"ٹھیک ہے۔"

"جیسے تمہاری مرضی......لیکن تم رہنا ہمارے ہی ساتھ۔"

بیبا نے کچھ پریشانی سے کہا، کہیں رواق پھر کہیں اور نہ نکل جائے، جب دو لوگ اُلجھ جاتے ہیں، تو ڈور سلجھنے کے بجائے اُلجھنے لگتی ہے، وہ رواق کو دُور نہ جانے دینا چاہتی تھیں۔

"میں......میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔"

رواق نے اپنی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

پانچ گاڑیوں کا یہ قافلہ آگے پیچھے تھا، ایک گاڑی میں تو صرف اور صرف مٹھائی، پھل اور تحفے تھے، جو بڑی اماں نے دلہن کے ہاں دینے تھے۔

بڑی اماں کو ہمیشہ ہی رسموں رواجوں کا بے حد خیال رہتا تھا، اُن کے نزدیک یہ رشتوں سے زیادہ اہم ہوا کرتی تھیں۔

"اللہ میرے بیٹے کی خوشیاں لوٹا دیں! دونوں بچوں کی زندگی اور دِل تباہ ہونے سے بچا دیں۔"

بیبا نے صدق دل سے دُعا کی تھی اور بڑی اماں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں۔

"بیبا میں نہیں اِدھر بیٹھ رہا۔"

روید نے جھک کر ماں کے کان میں کہا۔

"کیوں......؟"

بیبا پوچھ رہی تھیں۔

"اِدھر بڑی اماں ہیں، جو ڈرائیور کو مسلسل ہدایات دے دے کر زچ کر دیتی ہیں، میں بھائی جان کے ساتھ جاؤں گا۔" روید نے کہا۔

"ارے رکو روید!"

بیبا نے روید کو روکا۔

"ہاں جی!"

روید نے رُک کر ماں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"بیٹا میرے کہنے پر اِدھر ہی بیٹھ جاؤ، بھائی اکیلے ہی جائیں گے۔" بیبا نے پیار سے روید کو سمجھایا۔

"پر......" روید ہچکچا رہا تھا۔

لیکن ماں کا حکم وہ کبھی نہ ٹال سکتا تھا، اِس لیے برے برے منہ بناتا آگے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔

اور جس چیز سے وہ بچنا چاہتا تھا، وہ ہی ہوئی۔

بڑی اماں مسلسل ڈرائیور کو ہدایات دے دے کر اور لائیو کمنٹری کر کر کے دہلا رہی تھیں۔

"ارے......ارے......اُس سائیکل والے کا خیال رکھنا وہ ایک دم ہی چیخیں۔"، حالانکہ سائیکل والا خاصے فاصلے پر تھا۔

"بڑی اماں......!"

"وہ اتنی دُور ہے! ہم بھلا اُسے کیا کہتے ہیں۔" روید نے کہا

"ارے چھوڑ! ان آج کل کے ڈرائیوروں کو تو بس تیز رفتاری کا نشہ ہوتا ہے، چاہے سڑک پر چلنے پھرنے والے کچلے ہی جائیں۔"

"ارے......بچ کر......!"

"ٹرک آیا......!"

بڑی اماں نے بات کہتے کہتے درمیان میں پھر اُن کا دل دہلایا تھا۔

ڈرائیور بچارہ بھی بے حد پریشان تھا۔

وہ مسلسل اتنا کنفیوز کر رہی تھیں، کہ کوئی بھی حادثہ ہو سکتا تھا۔

''ارے وہ وین......!''

ارے وہ بچہ......!''

''ہائے ہائے کم بخت لوگ تو اپنی اپنی سواری لیے دوسروں پر بس حملے کو تیار رہتے، چڑھ ہی دوڑیں۔''

اُن کے تبصرے کسی طور پہ کم نہ ہو رہے تھے، گاڑی میں بیٹھے سب افراد تحمل اور کرتے پھٹنے کو تھے۔

روید تو گہری سانس بھرتے بھرتے تھک گیا تھا۔

''مجھے کہیں غصہ دُور کرتے کرتے اور گہرے سانس لیتے لیتے کہیں سانس کی بیماری ہی نہ ہو جائے۔'' روید نے با آواز بلند بڑبڑاہٹ کی۔

''ارے بھائی......اور کتنی دیر لگاؤ گے؟''

''یہ تم موٹر چلا رہے ہو کہ یکہ؟''

''اِس طرح تو ہم دلہن کے ہاں کل ہی پہنچ پائیں گے۔''

بڑی اماں کو ڈرائیور کا اتنا محتاط ہو کر سلو گاڑی چلانا بھی اچھا نہ لگ رہا تھا۔

''بس بڑی اماں گھر آنے ہی والا ہے۔''

بیبا نے بے حد تحمل سے جواب دیا تھا۔

''پتا نہیں اِسے کس نے ڈرائیور رکھ لیا ہے، اے نگوڑے تجھے کس نے رکھا تھا؟''

بڑی اماں کی جلد بازی پر ڈرائیور نے ایک دم سے سپیڈ بڑھائی تھی۔

''بڑی اماں آپ بھول رہی ہیں، شاید کہ یہ ڈرائیور محترم آپ کی عزیز جان سہیلی مہرو بیگم کی سفارش پر رکھا گیا تھا، یہ نامعقول انتخاب آپ کا اپنا تھا۔''

روید نے اُن کو فوراً سے یاد دلایا، وہ کہاں کچھ بچا کر رکھنے والوں میں سے تھا۔

''اے تم کو میں نے رکھا تھا کیا؟''

بڑی اماں نے ڈرائیور کو گھور کر پوچھا۔

''جا......جی......جی ہاں!''

ڈرائیور نے کنفیوز ہو کر جواب دیا تھا۔

''حد ہو گئی۔''

''یہ کیا نمونہ مہرو نے بھیج دیا۔''

بڑی اماں ڈرائیور کی کارکردگی پر واقعی ناراض تھیں۔

''اے......ارے......!''

ڈرائیور نے گھبرا کر مزید سپیڈ بڑھائی تھی اور نتیجتاً......

گاڑی کے سامنے کوئی آ گیا تھا۔

''یا اللہ خیر......!'' بیبا نے با آواز بلند کہا تھا۔

بڑی اماں نے بھی بے اختیار چیخ ماری تھی۔

بڑی اماں کی گاڑی کو بریک لگتے ہی، دوسری گاڑیاں بھی یکے بعد دیگرے رُکی تھیں۔

سامنے سڑک پر کوئی خون سے لت پت پڑا تھا۔

''میں......میں نے کچھ نہیں کیا۔''

''یہ......یہ تو خود ہی دوڑتا ہوا اچانک سامنے آیا تھا۔'' ڈرائیور بچارا روہانسا ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر رواق تیزی سے اپنی گاڑی سے اُتر کر زخمی کی طرف بڑھے تھے۔

لیکن جب انہوں نے اُس شخص کو سیدھا کیا، تو بے اختیار اُن کے ماتھے پر بل آ گئے تھے، تنفس تیز ہو گیا تھا۔ یہ......!

یہ وہ ہی چہرہ تھا......

ہاں وہ ہی چہرہ تھا، جو کسی سانپ کی طرح اُن کی خوشیوں کو ڈس گیا تھا۔

وہ شش و پنج میں تھے......کیا......؟

کیا وہ اُسے یہاں تڑپنے کے لیے چھوڑ دیں یا پھر......؟

کیا وہ Deserve نہ کرتا تھا کہ وہ تڑپے......!

جتنا کہ ڈاکٹر رواق اِن دنوں تڑپے تھے، لیکن یہ Feeling اُن کی صرف ایک پل کو تھی، اُن کے اندر کا اچھا انسان اُن پر حاوی ہو گیا تھا۔

انہوں نے بے اختیار ڈرائیور اور روید کو آواز دی تھی، کہ وہ اُن کی مدد کریں زخمی کو گاڑی میں

ڈالنے کے لیے۔

بے شک وہ دُنیا میں اِس وقت جس سے بے حد نفرت کرتے تھے، وہ یہی شخص تھا۔

سب کو لے کر قدیر صاحب کے ہاں جاؤ، میں ہسپتال سے ہو کر آتا ہوں، وہ یہ کہہ کر تیزی سے آگے بڑھے۔

"کاش!"

وہ اُس کو اتنا درد دے سکتے، جتنا انہوں نے خود سہا تھا۔

"نہیں......!"

"میں پہلے ایک ڈاکٹر ہوں۔" اُن کے اندر سے کوئی بولا تھا۔

"اور ڈاکٹر کا پہلا فرض ہے زندگی بچانا......! چاہے یہ زندگی کسی دشمن کی ہی کیوں نہ ہو۔"

"کیا نام ہے باؤ تمہارا؟"

ڈرائیور جس کو وہ اپنی گاڑی میں ہی لے آئے تھے، پیچھے بیٹھا زخمی سے دریافت کر رہا تھا۔

"اِش......اشفاق!"

زخمی نے کراہتے ہوئے جواب دیا تھا۔

اور ڈاکٹر رواق کے اعصاب ایک بار پھر تن گئے تھے۔

***

زندگی کو حسن کا اِک زاویہ دیتا ہے وہ
اُس کے در سے مانگیے بے اختیار دیتا ہے وہ
منزلوں کی راہ میں سچے مسافر کو اگر!
رات پڑ جائے تو قندیلیں جلا دیتا ہے وہ
تم کبھی دیکھو تو اس کی سمت دل کی آنکھ سے
بہتے دریاؤں میں بھی رستے بنا دیتا ہے وہ
ہمارا یقین ہمیں سپرمین بناتا ہے!

اگر ہم کسی اونچائی پہ کھڑے ہو کر یہ یقین کر لیں، کہ ہم ایک عمارت سے دُوسری عمارت پر چھلانگ لگا سکتے ہیں، تو پھر ہوا بھی ہمیں پکڑ لیتی ہے اور ہم اُڑنے لگتے ہیں۔

بس خواہش کے ڈبے میں اللہ کا یقین بھر کر دیکھو، پھر دیکھو ہر ناممکن بات بھی کیسے...

...طرح پوری ہو جاتی ہے۔

ڈیڈی بے حد مضبوط لہجے میں رامین کو سمجھا رہے تھے، جس نے تیار ہونے اور مہمانوں کے ... نے سے انکار کیا تھا۔

وہ خود کو اس قابل، اتنا مضبوط نہ سمجھتی تھی، کہ کٹہرے میں کھڑی ہو کر دُوسروں کی نشتر نگاہوں کا جواب دے سکے۔

ڈیڈی نے اُسے بے حد پیار سے ساتھ لگا کر تسلی دی تھی۔

"ڈیڈی لیکن وہ خط......؟"

"وہ تصاویر......؟"

"رواق کی فیملی کو معلوم ہوگا، تو میری کیا عزت رہ جائے گی؟"

رامین نے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔"

"میرا یقین کرو۔"

"انشاء اللہ اللہ ہماری بے حد مدد کریں گے۔"

"تم بس اللہ پر بھروسہ رکھو پھر دیکھنا کیسے تم ہوا میں بھی چل سکو گی، اُڑ سکو گی۔"

"ہر مشکل......! ہر بڑی مشکل سے بڑی اُس کی رحمت ہے۔"

"تم اُس کی رحمت کی آس تو رکھو پھر دیکھنا اللہ کیسے ہمیں اِس مشکل سے نکالتا ہے۔"

"جھولی کوئی پھیلا کر کھڑا نہیں ہوگا، تو اُس کی جھولی میں کچھ کیسے ڈلے گا؟"

ڈیڈی......اور اُن کی باتیں رامین کو اِس دنیا کی نہ لگ رہی تھیں یہ دُنیا تو بہت کھٹور ہے۔

لیکن پھر بھی رامین کو اپنے جلتے سلگتے دِل پر ڈیڈی کی باتیں ہمیشہ پھوار بن کر محسوس ہوا کرتی تھیں۔

آج بھی اپنے دل میں لگی آگ پر ڈیڈی کی باتیں پھوار بن کر پڑی تھیں۔

وہ نہ چاہنے کے باوجود اُن مانے جی تیار ہونے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ڈیڈی......!"

"آپ......!"

"اور آپ کا یقین تو اِس دنیا کا تو لگتا ہی نہیں ہے۔"

"کیا واقعی......؟"

"ناممکن......بھی ممکن ہو جاتا ہے؟"

وہ خود سے سوال کر رہی تھی، لیکن چونکہ اُس نے ہمیشہ اپنے دِل میں بہت سے
کھڑے رکھے تھے۔

اِس لیے اُس کا سوال اُس کی آواز کی بازگشت بن کر بڑھ آیا تھا۔

***

"مرد تو ایسی باتوں پر لڑ مر گرتے ہیں! تم کس مٹی سے بنے ہوئے ہو؟ جس پر کوئی
ہوا۔"

رانیا نے چیخیں مارتے ہوئے رو کر کہا۔

اُس کے یوں چیخ چیخ کر رونے سے شہزاد میاں بری طرح گھبرا گئے تھے، اُن کا
تک کسی ایسی عورت سے نہ پڑا تھا، جو یوں شور مچا کر بات کرتی اور رو رو کر اصرار کرتی تھی،
بے حد خاموش طبع انسان تھیں اور آمنہ بے حد دھیمی سی تھی، وہ تو پاؤں بھی سنبھل سنبھل کر رکھ
کے اُٹھایا کرتی تھی۔

رانیا کی وجہ سے وہ پہلی بار گھبرائے تھے، صحیح معنوں میں شور کیا ہوتا ہے، وہ جان گئے تھے
اور اِس شور کو روکنے کے لیے انہوں نے گھبرا کر رانیا کی ہر بات ماننی شروع کر دی

لیکن......!

لیکن یہ معاملہ تو ضیاء چچا کا تھا، جو اُن کے صرف چچا ہی نہیں دوست بھی تو تھے، بچپن میں
کے ساتھ بڑے ہوتے کھیلتے کبھی اُن کو یہ احساس نہ ہوا تھا، کہ اُن کا کوئی بھائی نہیں ہے۔

ضیاء چچا نے ہمیشہ ایک بڑے بھائی اور دوست کی محبت اُن کو دی تھی، پھر اُن کا اعتبار ایسا
کہ دِل اُن کو غلط ماننے پر تیار نہ ہوتا تھا۔

"آپ......!"

"آپ کس طرح کے مرد ہیں؟ کیوں چپ ہیں؟" اُس نے اُن کی انا پہ چوٹ لگائی تھی۔

رانیا کو اُن کا چپ رہنا بہت برا لگ رہا تھا۔

"رانیا......!"

"وہ میرے چچا ہیں، میں اُن کو جانتا ہوں، کہ وہ اپنے گھر کی کسی لڑکی، کسی عورت پر بُری

یہ کہتے۔"

شہزاد نے ماتھا مسلتے ہوئے کہا۔

"تو......پھر......آپ یہ کہنا چاہتے ہیں، کہ میں جھوٹی ہوں۔" رانیا نے بھرائی ہوئی آواز

"نہ......نہیں......!"

"لیکن جانے کیوں میں کچھ فیصلہ نہیں کر پا رہا۔"

شہزاد نے بے بسی سے کہا۔

"کس بات کا فیصلہ......؟"

رانیا نے سُرک سُرک ناک صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"بات کے غلط اور درست ہونے کا......"

"یا پھر شاید کسی ایک کو تم دونوں میں سے غلط ماننے کا اقرار کرنا دِل پر بہت بھاری بوجھ
ہے۔"

شہزاد نے صاف گوئی سے کہا۔

"کیوں شہزاد ایسا کیوں ہے؟"

رانیا نے پوچھا۔

"شاید اس لیے کہ کسی ایک کو غلط مان کر میں تم دونوں میں سے کسی ایک کو کھو دوں گا، شہزاد
نے صاف گوئی سے کہا۔"

شہزاد......!

رانیا نے بے اختیار اُسے دیکھا تھا۔

"کیا تم کو میرے کھونے کا ڈر ہے؟ کیا تم مجھے اہم جاننے لگے ہو؟"

"کیا تم میرے دُور ہو جانے کے تصور سے پریشان ہو جاتے ہو؟"

رانیا کا لہجہ ایک دم سے بدل گیا تھا، اُس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"کیا واقعی وہ شہزاد کو فتح کرنے میں کامیابی حاصل کرنے لگی تھی!"

"اوہ شہزاد......!"

"بولو ناں......!"

رانیا نے ناک اور آنکھوں کا پانی صاف کر کے اُس کے قریب آ کر ایک ادا سے

جواباً شہزاد نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"شہزاد......!"

"تم نہیں جانتے کہ......کہ تمہارے اِس اقرار نے مجھے نئی زندگی عطا کی ہے۔"

"ارے تمہارے اس اقرار پر میں سو لوگوں کے جرم معاف کر دوں۔"

رانیا نے شہزاد کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

حقیقتاً اُس کے اِس جملے نے شہزاد کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔

کیا رانیا واقعی اُس سے اتنی زیادہ محبت کرتی تھی، کہ اُس کی خاطر......صرف اُس کی
کسی اتنے بڑے معاملے کو معاف کر سکتی ہے۔

رانیا کی اس بات کی وجہ سے رانیا نے ایک دم سے اُس کے دل کی سیڑھی پر بہت
قدم ایک ساتھ طے کر لیے تھے۔

اُس کا دِل ایک دم اُس کا بہت مشکور ہو گیا تھا۔

رانیا کو ایک دم بہت زیادہ خوشی کا احساس ہوا تھا، وہ جادو، جو آمنہ کے حسن اور حسن
کی وجہ سے شہزاد پر ہمیشہ چلتا تھا، آج اُس کا پہلا توڑ اُس نے کیا تھا اور......اور بہت جلد
جادو کو مکمل توڑنے والی تھی۔

"تم دیکھنا......آمنہ بیگم......تم کو میں کتنی جلدی شہزاد کے دِل سے نکالتی ہوں۔"

"اور شہزاد کے دل سے نکلنے کا مطلب ہے، کہ تم اِس گھر سے بھی نکلو گی!"

رانیا کی مسکراہٹ بے حد گہری ہو گئی تھی، جو اُس کے گہرے سانولے چہرے کو عجب
رہی تھی، شاطر، مکار......!

اگر کسی کے پاس من کی خوبصورتی ہو تو وہ چہرے پر بھی جھلکتی ہے اور اگر من اور چہرہ
ہی بدصورت ہوں تو وہ شخص بہت برا لگتا ہے۔

رانیا کا چہرہ بھی اِس وقت بے حد برا لگ رہا تھا۔

***

درد اور تکلیف کا ایک سمندر تھا، جس میں وہ غوطے کھا رہا تھا۔ کیا میں مرنے والا ہوں؟
اُسے ہوش اور بے ہوشی کی درمیانی کیفیت میں پہلا خیال یہ ہی آیا تھا۔

مرنے کے بعد......!

تم کو اپنی زندگی کے کیئے ہر عمل کا جواب دینا ہوگا، کوئی اُس کے اندر سے بولا تھا، دہلا رہا

درد تھا کہ نا قابل برداشت! وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔

"سسٹر......! اِن کو یہ انجکشن فوراً دیں۔"

ایک نرم سی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی تھی، اشفاق نے بہت زور لگا کر آنکھیں کھولی
وہ اِس نرم آواز کے چہرے کو دیکھنا چاہتا تھا۔

درد کی اِس شدت میں بھی وہ ڈاکٹر رواق کو اچھی طرح پہچان گیا تھا۔

اگر میں اسے پہچان چکا ہوں، تو کیا وہ مجھے پہچان نہ چکا ہوگا! میرے ساتھ کیوں اچھا کر رہا
ہے، میں نے تو کسی دشمن کی طرح اُس کی زندگی برباد کی تھی، پھر بھی وہ میرا علاج کر رہا ہے،
اشفاق نے ڈاکٹر رواق کو خود پر توجہ دیتے دیکھتے ہوئے سوچا۔

لیکن پھر اُس کی ساری سوچیں منتشر ہو گئی تھیں۔

درد نے اُسے اٹھا اُٹھا کر پٹخنا شروع کر دیا تھا۔

کیا واقعی موت قریب ہے۔

مجھے مرنے سے پہلے کوئی اچھائی کرنی چاہیے، ورنہ میں اِس تکلیف میں مر جاؤں گا! اور
آئندہ بھی تکلیف......!

اشفاق نے درد کی شدت میں ٹوٹے پھوٹے اعصاب کے ساتھ سوچا تھا۔

سامنے ڈاکٹر رواق کا چہرہ تھا!

پھر ایک دم اشفاق جیسے کسی فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔

"ڈاکٹر......ڈاکٹر......!"

"مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔"

اشفاق نے اکھڑتی سانسوں کے ساتھ ڈاکٹر رواق سے کہا۔

***

"ڈاکٹر......!!

"ڈاکٹر مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے!" اشفاق نے اُکھڑتی سانسوں کے ساتھ ڈاکٹر رواق کو مخاطب کیا، ڈاکٹر رواق نے چونک کر اشفاق کو دیکھا، وہ ایسا کیا کہنے جا رہا تھا۔ ڈاکٹر رواق کو ایک دم احساس ہوا کہ اگر اشفاق نے کوئی ایسی ویسی بات سسٹرز کے سامنے کر دی تو اُن کا ٹوٹ جائے گا۔

جس بھرم کو بچانے کے لیے وہ اپنی انا غیرت سے دو دِن سے لڑتے آئے تھے، مسلسل جان سولی پر لٹکا رکھی تھی، کہیں اشفاق کی بے اختیاری اِس بھرم کو سب کے سامنے نہ توڑ دے۔

"ابھی آپ بالکل نہ بولیں!!"

"آپ کے چہرے اور ٹھوڑی پہ بھی کچھ ٹانکے لگے ہیں، اِس لیے آپ کے لیے بولنا ٹھیک نہیں ہے۔"

ڈاکٹر رواق نے بے حد تحمل سے جواب دینے کی کوشش کی۔

یہ تو وہ جانتے تھے وہ ضبط کی کس حد پہ کھڑے ہیں۔

جس شخص نے آپ کی زندگی کے ساتھ Maximum برا کیا ہو اور جب آپ کو موقع ملے اپنا وار کرنے کا تو آپ بجائے وار کرنے کے اُسے بچانے لگیں، صرف اور صرف اچھائی کی خاطر، انسان کو اپنے مزاج اور طبیعت سے ہٹ کر کام کرنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔

"نہیں......!"

"نہیں ڈاکٹر مجھے آپ سے ہر صورت ابھی بات کرنی ہے۔"

اشفاق نے درد کی لہروں میں ڈوبتے ہوئے کہا۔

"نہیں آپ آرام کریں۔"

رواق نے کچھ سختی سے کہا۔

"نہیں......!!"

"بالکل نہیں......! پھر جانے زندگی مہلت دے یا نہ دے۔" اشفاق نے اُکھڑتی سانسوں کے ساتھ بے حد عاجزی سے درخواست کی، تو ڈاکٹر رواق نے ٹھٹک کر اشفاق کو دیکھا۔ اُس کے لہجے میں کچھ ایسا اصرار تھا، کہ ڈاکٹر رواق کچھ دیر کو سوچ میں مبتلا ہو گئے تھے، پھر انہوں نے سسٹرز کو اشارہ کیا، کہ وہ باہر چلی جائیں، کمرے کے خالی ہوتے ہی انہوں نے اشفاق کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا، وہ درد سے بُری طرح لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

ڈاکٹر رواق نے بے اختیار گہری طویل سانس بھری تھی، ریڈنگ مشین پر اشفاق کی پلس ابنارمل آ رہی تھی۔

"اب......!!"

"اب یہ مزید کیا بتائے گا؟"

وہ دل ہی دل میں سوچ رہے تھے۔

"میں......میں......!"

"آپ کو ایک سچ بتانا چاہتا ہوں!"

اشفاق نے بمشکل اپنا جملہ پورا کیا تھا۔

ڈاکٹر رواق نے اُس کی بات پر بیزاری سے سانس بھری تھی، وہ اب کسی سچ کو سننے کی طاقت اپنے اندر نہ پاتے تھے۔

"آپ کو کچھ روز پہلے جو تصاویر اور خط ملے تھے، وہ میں نے بھیجے تھے۔" اشفاق کے جملے پر ڈاکٹر رواق کے ماتھے پر شکنوں کا جال نمودار ہو گیا تھا۔

"جانتا ہوں!"

ڈاکٹر رواق نے بے حد سنجیدگی سے جوب دیا۔

"وہ تصاویر اور خط میرا تھا!"

اشفاق کہہ رہا تھا اور ڈاکٹر رواق کو اپنی برداشت ختم ہوتے محسوس ہوئی تھی۔

"میرے ساتھ......!"

"وہ تصاویر رامین جی کی نہ تھیں......!!"

اشفاق نے بم دھماکہ ہی تو کیا تھا۔

"کیا مطلب؟"

ڈاکٹر رواق نے چونک کر پوچھا۔

"رامین جی کا تو صرف چہرہ استعمال کیا گیا تھا۔"

اشفاق ایک کڑی سچائی سے پردہ اُٹھا رہا تھا۔

اُس کی سانس بُری طرح اُکھڑی تھی، ڈاکٹر رواق نے تیزی سے آکسیجن ماسک اُ منہ پر لگایا تھا، اشفاق کو سانس لینے میں کچھ بہتری محسوس ہوئی، وہ مزید بولنا چاہ رہا تھا لیکن رواق نے اُس کی طبیعت کے پیش نظر اُسے بولنے سے روک دیا تھا۔

اشفاق نے ہاتھ کے اشارے سے اُن کو رُکنے کا کہا اور طویل سانس لینے لگا، وہ ہر اپنے من کی بات ڈاکٹر رواق کو بتا دینا چاہتا تھا۔

"پلیز تم نہ بولو...... تمہارے لیے اتنا بولنا اچھا نہیں ہے۔"

ڈاکٹر رواق تو اُن آدمیوں میں سے تھے، جو اپنا بھلا ہوتے دیکھ کر بھی اپنے حصے کی بھ حاصل کرتے تھے، وہ ہمیشہ اپنا حصہ بھی دُوسروں میں بانٹ دینے کے عادی تھے۔

"نہیں مجھے نہ روکیں!!"

اشفاق کی آنکھیں درد سے باہر نکل رہی تھیں۔

"آج اگر اِس کہانی کے گرد بنے جال کی نشاندہی نہ کی گئی، تو میں شاید ساری زندگی زندگی کے بعد خود کو اللہ کے سامنے شرمساری سے کبھی بچا نہ پاؤں گا۔" اشفاق کے اُوپر وہ پل رہا تھا، جو اُس نایاب اور قیمتی پرندے کی طرح ہوتا ہے، جو اُوپر سے گزر جائے، تو آپ کی قسمت بنا دیتا ہے، یہ پل اپنی غلطی کی پہچان اور معافی کا پل ہوتا ہے۔

اشفاق جس درد کے سمندر میں غوطے کھا رہا تھا، اُسے دُور جو کنارہ نظر آ رہا تھا، وہ موت وادی کی طرف نکلتا تھا، یہ وہ پل ہوتے ہیں، جس میں ہر شخص سچ بولنے کو اہمیت دیتا ہے۔

"رامین جی کے گرد سازش بنی گئی تھی، وہ بے قصور ہیں! اشفاق نے گواہی دی تھی۔ جاری تو اِس سازش کی مؤجد اور اُس کی وجہ سے بالکل بے خبر ہیں، لیکن اُن کے خلاف اُن کی سہیلی نے سازش رچائی تھی۔

حسد ایک ایسی آگ ہے، جو واقعی لکڑی کی طرح انسان کو کھاتی ہے، بلکہ حسد تو وہ بغض سب سے پہلے اڑا دیتا ہے، انسان اپنوں پر ہی سازشوں کے وار کرنے لگتا ہے۔

"بشریٰ نے...... بش...... را نے رامین جی کی زندگی میں کانٹے اور ناخوشی بھرنے کے لیے سب کچھ کیا تھا!۔"

"رامین جی تو بالکل بے قصور ہیں!!"

اشفاق کے لیے درد بالکل نا قابل برداشت ہو گیا تھا، وہ ایک دم سے بُری طرح چیخا تھا۔

ڈاکٹر رواق نے تیزی سے ایک انجکشن بھر کر فوراً اُسے لگایا تھا۔

نرسیں بھی اُس کی چیخیں سن کر دوبارہ کمرے میں آگئی تھیں۔

اشفاق بے حواس ہو کر بے سدھ ہو گیا تھا۔

اشفاق کے ساتھ تقریباً پندرہ منٹ تک وہ اور جونیئر ڈاکٹر لگے رہے تھے، تب جا کر وہ کہیں Stable ہوا تھا۔

ڈاکٹر رواق جب اشفاق کے کمرے سے نکلے، تو یوں ہلکے پھلکے تھے، جیسے من سے پہاڑوں جیسا بوجھ اُتر گیا ہو۔

چہرہ کھلا ہوا تھا، آنکھیں شفاف تھیں، ساری دھند چھٹ گئی تھی، دِل کا موسم اچھا ہو تو باہر کا موسم بھی خوبصورت لگنے لگتا ہے اور اگر دِل کا موسم برا ہو اور باہر چاہے کتنا ہی خوشگوار موسم ہو انسان کو ہر چیز بری لگتی ہے، یہ ہی کچھ ڈاکٹر رواق کے ساتھ ہوا تھا، دو تین دِن میں تو وہ مسکرانا بھول گئے تھے، اُن کو دُنیا کی کوئی چیز اچھی نہ لگتی تھی، لیکن اب موسم بدل چکا تھا، تو ہر منظر بدل چکا تھا۔

ایک دم ہی سے اُن کو ہر چیز اچھی لگنے لگی تھی، وہ دُکھ اور شرمندگی کہ اُن کے دِل نے غلط چاہا کی ہے، وہ بھاپ بن کر اُڑ چکے تھے۔

ڈاکٹر رواق نے بے اختیار طویل گہری سانس بھری تھی۔

اُن کا دِل اُڑ کر رامین کے پاس جانے کو مچل رہا تھا، کتنا انتظار کیا تھا، انہوں نے اُس انگلوں بھری گھڑی کا، لیکن وہ ایسے وقت میں آئی، جب ہر جانب آگ لگی ہوئی تھی، ایسے میں وہ کیا کچھ محسوس کر سکتے تھے، اُن کا دِل و دماغ تو اُس وقت اُس آگ میں جل رہا تھا، لیکن اب یہ آگ بجھ چکی تھی اور آگ کی جگہ واپس پھول اُگ آئے تھے۔

ڈاکٹر رواق گاڑی کی چابیاں لے کر تیزی سے نکلے تھے، وہ اُڑ کر رامین کے پاس پہنچنا چاہتے تھے۔ "ڈاکٹر رواق...... یقین رکھیں، اچھے اللہ پہ کہ وہ اچھے لوگوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا ہی

کرتا ہے!'' ڈاکٹر رواق کے کانوں میں ایک بھولی بسری آواز گونجی تھی۔

***

جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو
تو ایک بھی شب نہ سو سکو گے
کہ لاکھ چاہو نہ ہنس سکو گے
ہزار چاہو نہ رو سکو گے
کہ خواب کیا ہیں عذاب ہیں یہ
میرے دُکھوں کی کتاب ہیں یہ
رفاقتیں اِن میں چھوٹتی ہیں
محبتیں اِن میں روٹھتی ہیں
پنپتی ہیں اِن میں وحشتیں سی
اذیتیں اِن میں پھوٹتی ہیں
غموں کی بندش ہیں خواب میرے
دُکھوں کی بارش ہیں خواب میرے
اُبل رہا ہے دُکھوں کا لاوا
رہینِ آتش ہیں خواب میرے
خیال سارے جھلس گئے ہیں
سلگتی خواہش ہیں خواب میرے
اُکھڑتی سانسیں ہیں زندگی کی
لہو کی سازش ہیں خواب میرے
جو میری آنکھوں سے خواب دیکھو
تو ایک شب بھی نہ سو سکو گے!

''ضیاء چچا!''

آمنہ نے کمرے میں داخل ہو کر اُن کو پکارا تھا، ہاتھ میں کھانے کی ٹرے تھی۔

آج سے پہلے اُس نے ہمیشہ پھوپھو کے کہنے پر ضیاء چچا کے کام کیے تھے، لیکن آن

آئی تھی، (رانیا نے جو کچھ کیا تھا، اُس کو لگا تھا، کہ یہ حد سے زیادہ ہو گیا ہے، بے شک ضیاء
بولڈ آدمی تھے، بے شک اُن کی نظروں میں آمنہ نے بیبا کی حرکت ضرور دیکھی (لیکن
ندگی ہرگز نہ دیکھی تھی، جس سے وہ نگاہوں سے گر جاتے۔)

آمنہ کے دِل نے گواہی دی تھی، کہ ضیاء چچا سچے ہیں۔

اب بھی وہ اُن کے لیے کھانا لائی تھی، اُس کا دِل ضیاء چچا کی جانب سے رانیا کے معاملے
بالکل برا نہ ہوا تھا۔

Smoke Screen کے دُوسری جانب کوئی اور ڈرامہ کھیلا جا رہا تھا۔

''ضیاء چچا!''

آمنہ نے دوبارہ اُن کو پکارا۔

ضیاء چچا جو اِس کو اپنا تصور جان کر خالی خالی نظروں سے دیکھ رہے تھے، آمنہ کے دوبارہ
پکارنے پر بُری طرح چونکے تھے۔

وہ بھی کیا کرتے لاکھ دِل کو سمجھاتے لیکن اُن کی آنکھیں اُن کو وہ ہی دکھاتی تھیں، جس کا
تصور، جس کی خواہش میں اُن کا دِل ہمکتا تھا، اِس لیے وہ اتنی دیر سے آمنہ کو اپنا تصور ہی سمجھ رہے
تھے۔

''کھانا کھا لیں!''

آمنہ نے خاموشی سے ٹرے اُن کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

''لے جاؤ آمنہ......! مجھے بھوک نہیں ہے!''

اُن کا لہجہ بے حد ٹوٹا ہوا تھا۔

آمنہ کو بے حد دُکھ ہوا، یہ شخص گرجتا، برستا حاوی ہوتا ہی اچھا لگتا ہے، جس طرح کا وہ بنا
نہ۔

''''چچا کھانا کھا لیں......!!''
''کیا ساری رات بھوکے رہیں گے؟''

آمنہ نے اصرار کیا۔

''جسم کو ایک دِن بے شک کھانا نہ ملے، تو وہ زندہ رہ جاتا ہے، لیکن دِل کا مان اگر پل بھی
نہ ٹوٹے تو دِل مر جاتا ہے اور اگر دِل مر جائے تو زندگی زندگی نہیں رہتی۔''

ضیاء چچا نے بے حد اُداسی سے کہا۔

آمنہ جواباً کچھ نہ بولی، وہ جانتی تھی، کہ ضیاء چچا کے ساتھ بے حد زیادتی ہوئی تھی۔ رانیا کی آنکھوں اور چہرے سے ایک شاطرانہ مسکراہٹ جھلکتی تھی، جو جانے کیوں نہیں نظر آتی تھی۔

"پلیز ضیاء چچا کھانا کھائیں رزق سے کیا ناراضگی یہ تو اللہ کی نعمت ہے، پھر آپ ہم سب مانتے ہیں، کہ آپ نے کوئی غلط حرکت نہ کی ہوگی۔" آمنہ نے اُن کو تسلی دی۔

"آمنہ......!"

"تم کو تو میں اتنا زیادہ تنگ کرتا ہوں، پھر بھی تم کو میری سچائی پر اعتبار تھا، لیکن جا ہیے تھا، وہ چپ ہی کھڑے رہے۔"

"آپ بے شک مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھتے تھے، لیکن اُن میں کبھی گندگی نہ لیے میں نے آپ کی گواہی دی کہ آپ سچے ہیں! ورنہ عورت اپنے اُوپر ڈالی گئی بری نگاہ معاف کرتی ہے۔"

آمنہ نے بے حد سچائی سے کہا۔

ضیاء چچا اُسے یک ٹک دیکھتے ہی رہ گئے تھے، واقعی تھی، اُس میں کوئی ایسی خاص بات چاہ کر بھی اُس سے گریز نہ کر سکتے تھے۔

"پلیز آپ کھانا کھا لیجیے گا!"

آمنہ کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئی، جبکہ ضیاء چچا اُسے چپ چاپ دیکھتے رہ گئے تھے۔

آمنہ نے گہری طویل سانس بھری اور باہر نکل گئی۔

"میں نے جیسا تصور میں اپنا آئیڈیل سوچا تھا۔ تم......!"

"تم ہو بہو ویسی ہو......!"

"میں نے دُعاؤں میں مانگا تھا جسے......!!"

"تم......!"

"تم ہو بہو ویسی ہو!"

لیکن میری قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ میرے خواب کی تعبیر کسی اور کی زندگی میں ہوگئی، میری مانگی دُعائیں مقبول ہو کر کسی اور کی جھولی میں جا گریں۔

"یا خدایا......!!"

"کیوں......؟"

"کیوں تو نے یہ کھیل میرے دِل کے ساتھ کھیلا؟"

وہ ایک دم سے شکوہ کناں ہو گئے تھے۔

"کیوں میرا بے قرار دِل وہیں آ کر ٹھہرا، جو پرائی جگہ تھی۔ میں جانتا ہوں کہ وہ میری نہیں ہے۔"

"لیکن میں اُس کے بنا کیسے جیوں یہ تو بتا دے۔" ضیاء چچا اپنے دِل کی بے بسی پہ دُکھی ہو کر بے دم ڈھے گئے تھے۔

دِل کے رشتے تو ہوتے ہی عجیب سے ہیں، کبھی انسان کی کمزوری بن کر اور کبھی مضبوطی بن کر سامنے آتے ہیں، کبھی توڑ دیتے اور کبھی جوڑ دیتے ہیں۔

ضیاء چچا اِس وقت خود کو بدنصیب آدمی سمجھ رہے تھے، کیونکہ دِل کے رشتے نے اُن کو اندر تک توڑ ڈالا تھا۔

وہ اپنی محبت کا اظہار کر کے آمنہ کی رسوائی ہرگز نہیں چاہتے تھے، لیکن رانیا جیسی شاطر عورت سے وہ بچ نہ پائے تھے، وہ اُن کا رازِ محبت پا گئی تھی، اب وہ اُن کے لیے بہت مشکلات کھڑی کر رہی تھی۔

"میں......!"

تو اس بات پر ہی خوش تھا، کہ چلو محبوب آنکھوں کے سامنے تو ہو کیا ہوا جو وہ نہیں ملا تھا۔ لیکن اب حالات ایک دم اِس قدر مشکل ہو گئے تھے، کہ وہ یہاں سے چلے جانا چاہتے تھے۔

یہ وہ ہی جانتے تھے، کہ آمنہ سے دُور رہنا اُن کی بہت بڑی آزمائش تھی اور یہ آزمائش نہ چاہتے ہوئے بھی اُن کو جھیلنی تھی۔

"گزرنے کو گزر جائے گی لیکن
تمہارے بعد!
ہم نے!
زندگی جینی نہیں ہے!"

***

"ارے آپ تو کچھ لے نہیں رہیں!"

پھوپھو خدیجہ نے بیبا کے سامنے بریانی کی ڈش کرتے ہوئے کہا۔

مہمان تھے، کہ چپ چپ اور پرتکلف جو خدیجہ پھوپھو سے برداشت نہ ہو رہے تھے، اُن کا پرانا خیال تھا، کہ جہاں تکلف برتا جاتا ہے، وہاں کوئی نہ کوئی گرہ ہوتی ہے، میں گرہیں کچھ اُسی طرح ہی ہوتی ہیں، جیسی اچانک صاف سیدھی سڑک پر چلتے چلتے کوئی... اور خدیجہ پھوپھو سمجھ نہ پا رہی تھی کہ آخر ایسا کیا ہے، جو وہ جانتی نہ تھیں، لیکن محسوس ضرور کر رہی تھیں۔

"آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں؟ پلیز آپ بیٹھیں...... ہم لے لیں گے۔" بیبا نے سے منع کیا۔

لیکن خدیجہ پھوپھو کو تسلی نہ ہو رہی تھی، وہ بار بار مہمانوں کو کھانے کے لیے اصرار کر رہی تھیں، صرف بیبا ہی رواق اور رامین کی کشیدگی سے باخبر تھیں، اِس لیے سنجیدہ تھیں، باقی سب تو رستے میں ہو جانے والے حادثے کی وجہ سے بے حد ڈسٹرب تھے، خاص طور پر بڑی اماں کا حساس دِل بے حد پریشان تھا، کہ اُن کی وجہ سے کوئی اُن کی گاڑی تلے آ گیا تھا۔

بیبا کے بے حد چپ کروانے اور سمجھانے کے باوجود وہ مسلسل ڈرائیور کو کوس رہی تھیں۔

"رامین...... رامین بیٹا کدھر ہے؟"

رابعہ آنٹی نے اپنا سوال کوئی پانچویں بار دُہرایا تھا، خدیجہ پھوپھو خود پریشان ہو گئی تھیں، مہمان مسلسل رامین کا پوچھ رہے تھے، لیکن رامین اپنے کمرے میں گھسی بیٹھی تھی، بہت مشکل سے وہ تیار ہوئی تھی، لیکن اب سامنے آنے سے وہ مسلسل کترا رہی تھی۔

"اچھا پھوپھو...... آ رہی ہوں۔" رامین منمنائی تھی۔

پھوپھو یہ جملہ مسلسل ڈیڑھ گھنٹے سے سن رہی تھیں۔ ابھی وہ کچھ دیر پہلے روین اور رامین کو دھمکی دے کر آئی تھیں، کہ اگر وہ فوراً باہر آ کر مہمانوں سے نہ ملی تو اپنی شامت کے لیے تیار ہو جائیں، روین تو باقاعدہ ڈر گئی تھی۔ "خدا کے واسطے رامین تماشہ بند کرو، تمہیں معلوم ہے پھوپھو اگر ناراض ہو جائیں تو اُن کو منانا بے حد مشکل ہوتا ہے، اُن کی ناراضگی تو مہینوں پر ہوتی ہے۔"

اب میں مزید انتظار نہ کروں گی اور نہ ہی مہمانوں کو انتظار کرواسکتی ہوں، پھوپھو نے انگلی کے اشارے سے اُن کو سمجھایا تھا، پھر پھولی سانسوں کے ساتھ خود کا وجود گھسیٹتے وہ باہر نکل گئی تھیں۔

اب تو کوئی چارہ ہی نہیں ہے جائے بنا، رامین خود کو تسلی دیتی باہر آ گئی تھی، اُس نے کمرے میں داخل ہوتے چاروں جانب نگاہ دوڑائی تھی، سب موجود تھے...... لیکن وہ نہ تھا۔

رامین کو لگا کہ اُمید کا دامن اُس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا ہے اور وہ تند موجوں کی زد میں تھی۔

"رواق نہیں آئے......!!"

رامین کو اپنی ذات بے حد اگنور ہوتی محسوس ہوئی تھی۔

اُسے بے اختیار پچھتاوے نے گھیرا تھا، کہ اُس کی زندگی ناقدروں کے حوالے ہو چکی ہے۔

کہاں وہ ایک 'جنریشن' کے لیے 'کریز' تھی، اُس کی الگ سے پہچان تھی، پھر وہ ایسی گئی گزری ہرگز نہ تھی، عمر شاہ جیسا انسان اُس کی توجہ کی طلب میں کیسے آگے پیچھے پھرتا تھا۔

لیکن صرف ایک...... ایک رات میں اُس کا Status بدل کر رہ گیا تھا، وہ کسی کی مرضی اور مزاج کی محتاج ہو چکی تھی، اُس کی زندگی کا فیصلہ کسی اور کے ہاتھ میں جا چکا تھا۔

"آئندہ دِنوں میں کوئی اور طے کرنے والا تھا، کہ وہ کتنا رو سکتی ہے اور کتنی خوشیاں حاصل کر سکتی ہے۔

میں ایک لڑکی ہوں اِس لیے......؟

میری سچائی ثبوت کی محتاج ہے، کیونکہ میں ایک لڑکی ہوں!"

رامین کے اندر اُس کی ضدی اور ہٹیلی طبیعت نے ایک دم منہ زور لہروں کی طرح سر اُٹھایا تھا۔

"ارے رامین آ گئی......؟"

رابعہ آنٹی نے سب سے پہلے بڑھ کر رامین کو گلے لگایا، بڑی اماں نے اُس کا ماتھا چوم کر دُعا دی، رامین کے اندر کا زور، اُبال ایک دم دھیما پڑنے لگا تھا۔

بیبا نے بھی اُٹھ کر اُسے گلے لگایا، سر پر پیار دیا تو رامین نے بے اختیار چونک کر اُن کو دیکھا، تو کیا یہ بھی ابھی تک سچائی سے بے خبر ہیں؟ یا پھر...... یا پھر ڈیڈی کی دُعاؤں کو قبولیت مِل گئی ہے!

رامین کا ذہن مختلف جوڑ توڑ کرنے میں مصروف تھا۔

"بیٹا ہسپتال فون لگا کر پوچھو کہ وہ کم بخت جو گاڑی تلے آ گیا تھا ٹھیک تو ہے۔"

بڑی اماں نے بیبا سے کہا، اُن کو تقریباً سب پہ غصہ تھا، ڈرائیور کی لاپروا نیازی پہ، زخمی کے گاڑی کے سامنے آ جانے پہ اور سب سے زیادہ رواق پہ، جو اپنی تقریب چھوڑ کر ہسپتال چل دیا تھا۔ "زخمی کو تو رو دیا پھر ڈرائیور ہسپتال لے جا سکتا تھا ناں!"

"جی اماں میں فون پہ پوچھتی ہوں۔"

بیبا نے بڑی اماں کو تسلی دی اور خود فون کرنے کی اجازت لے کر فون کرنے چل دی۔

رابعہ آنٹی نے مختصراً رامین کو بھی حادثے کے متعلق بتایا تھا۔

"مطلب......؟"

"رواق بھی آ رہے تھے......مطلب......کوئی بری خبر میری منتظر نہیں تھی۔"

رامین کو خوش گمانی نے گھیرا تھا۔

یوں لگتا تھا کہ آکسیجن جو بند ہو گئی تھی، ایک دم سے ہی کھل گئی تھی۔

"کیسی ہو......؟"

رابعہ آنٹی نے اُس کا ہاتھ محبت سے تھام کر پوچھا۔

رامین نے دھیرے سے مسکرا کر کہا۔ "اب اچھی ہوں!"

جن لوگوں سے وہ توقع کر رہی تھی، کہ وہ آگ برساتی نگاہوں سے دیکھیں گے وہاں بے شفقت موجود تھی۔

رامین جیسی لڑکی کو پہلی بار اپنی جوڑ توڑ کی حاصل جمع غلط لگی تھی۔

رامین نے کن اکھیوں سے ڈیڈی کو دیکھا، وہ بھی بظاہر بے حد مطمئن دکھائی دے رہے تھے۔

"رواق آ گئے!!"

باہر شاید کسی نے کہا تھا۔

رامین کو لگا کہ شاید یہ اُس کا گمان ہے، لیکن جب دروازے پر اُس نے اُونچے لمبے رواق کو کھڑے دیکھا، تو اُس کا دِل دھڑ دھڑانے لگا تھا۔

"یا اللہ......!!"

"یہ......کیسا معجزہ ہے؟"

بے اختیار اُس کا دِل پکارا تھا۔

رواق کے چہرے پہ وہ پتھر جیسی خاموشی ٹوٹ چکی تھی، وہاں ہمیشہ جیسی ازلی نرمی موجود تھی۔

"ڈیڈی مجھے کیوں لگتا ہے، کہ آپ کا 'بلیف آن اللہ' جیت گیا ہے۔"

رامین کا دِل حیرت زدہ تھا۔

جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں، جب اُن کی زندگی میں خوشی آتی ہے، تو وہ ہمیشہ شکر کرتے ہیں، کہ اللہ نے اُن کی سن لی، جبکہ جن کو کبھی یقین جیسی نعمت نہ ملی ہو وہ ایک دم خوشی آنے پہ اِس کو معجزہ قرار دینے لگتے ہیں، حیرت زدہ ہو جاتے ہیں، اللہ پہ یقین کرنے والوں کی تو زندگی ہی معجزہ ہوتی ہے، جو معجزوں سے بھری پڑی ہوتی ہے، ہر پل اُن کا یقین اُن کے اکاؤنٹ میں ناممکن کی ڈھیری کو ممکن خوشی میں بدل کر بھرتا رہتا ہے۔

"السلام علیکم!!"

رواق نے باآواز بلند سب کو سلام کیا تھا۔

وہ سب محوِ انتظار تھے، اس لیے حاضرین نے بے حد خوشی سے باآواز بلند اُسے وعلیکم السلام کہا تھا۔

عبدالقدیر صاحب نے بے حد پُرجوش انداز سے اُن کو گلے سے لگا لیا تھا۔

"جیتے رہو بیٹا!"

"اللہ رحمان تمہارا اقبال بلند کریں، تم پر وہ ہمیشہ اپنی رحمتوں کی چھتری تانے رکھیں۔"

ڈیڈی نے بے حد دل سے دُعا دی تھی۔

رواق نے آ کر اُن کا بھرم رکھا تھا، وہ بے حد خوش تھے اور جس طرح وہ آگے بڑھ کر ملا تھا، وہ اُن کا دِل بڑھا گیا تھا۔

"کیسے ہیں آپ؟"

رواق نے اُن کی خیریت دریافت کی۔

"تم آ گئے ہو! اب......اب اچھا ہوں۔"

ڈیڈی نے اُسے بے حد پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا، اُن کا دِل پہلی بار اُسے دیکھ کر یہی بولا تھا، کہ اگر اُن کا بیٹا ہوتا، تو یقیناً اتنا ہی تابع فرمان ہوتا، اتنا ہی مہذب اور بڑوں کی عزت کرنے والا ہوتا، آج اُن کو اپنے فیصلے پہ فخر سا محسوس ہوا تھا۔

"واقعی بیٹیاں دے کر بیٹے لیے جاتے ہیں، داماد بھی تو اپنے ہی بیٹے ہوتے ہیں نا۔"

"السلام علیکم بیبا!"

رواق بڑی اماں اور رابعہ آنٹی سے ملتے ہوئے بیبا تک پہنچا تھا۔

بیبا کا چہرہ ایک دم سے دمکنے لگا تھا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے!" سدا کی شکر گزار بندی نے بے اختیار شکر ادا کیا تھا اور یہ سچ تھا، رب نے اُن کی شکر گزاری پہ ہمیشہ اُن کو دوگنا چوگنا نوازا تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹا!"

اُن کے جواب میں، اُن کی آنکھوں میں بے حد خوشی دمک رہی تھی، "تم نے آکر بتا دیا ہے کہ میری تربیت ٹھیک تھی کہیں کمی نہیں تھی۔"

بیبا نے مدہم آواز میں رواق کو کہا تھا۔

جواباً رواق بے حد نرمی سے مسکرایا تھا۔

"اے بیٹا وہ نگوڑا بچ تو گیا ناں......؟"

بڑی اماں نے رواق سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"جی ہاں! لیکن ابھی وہ خطرے میں ہے!"

(آج اُس نے میری زندگی کو بچا لیا تھا، یا میرے خدایا میں کیسے اتنی بڑی ناانصافی کا مرتکب ہونے جا رہا تھا، میں نے پہلے کیوں نہ غور سے دیکھا، کہ وہ تصاویر ایک ڈرامہ بھی ہو سکتی ہیں، کبھی کبھی آنکھوں دیکھا بھی تو سچ نہیں ثابت ہوتا ہے۔) رواق دِل ہی دِل میں بولے تھے۔

"اُس کے کوئی گھر بار کا پتا وتا چلا؟ اے بیچارے کا پتا کروانا تھا، کل کلاں کو مر گیا تو اپنے گلے پڑ جائے گا!" بڑی اماں نے کہا۔

"کمال ہے بڑی اماں ایک پل میں تو آپ اُسے بیچارا کہتی ہیں اور دُوسرے پل اُسے کہتی ہیں، کہ گلے نہ پڑ جائے، آپ کو اُس سے ہمدردی ہے یا بیر، پہلے یہ تو واضح کر لیں۔" روید نے اُن کے قریب آکر سرگوشی میں کہا، دُوسرے معنوں میں بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالا تھا۔

"میں تو حیران تھی، کہ اتنی دیر اِس کی زبان کیسے بند رہ گئی تھی، اِس کی ہڈی کو بھی چین نہیں، بڑی اماں سے ضرور چونچ لڑانی ہوتی ہے۔" رابعہ آنٹی نے دانت پیس کر روید کو کہا، کیونکہ بڑی اماں کی آگ برساتی نظریں اور میزبانوں کا لحاظ کرتی ہوئی زبان تھوڑی دیر کو رُک کی ضرور تھیں، لیکن گھر جا کر

سب کو بھگتنا ضرور پڑتا تھا۔

"اے ہمارا کاہے کو کسی سے بیر ہونے لگا، وہ تو مجھے بچے کی فکر تھی، کہ کوئی پولیس کا مقدمہ نہ بن جائے۔"

بڑی اماں ضبط کرتے کرتے پھر بھی سلگ پڑی تھیں۔

"ارے......رواق بیٹا آپ آ گئے۔"

خدیجہ پھوپھو جو مہمانوں کو لینے دینے کے کپڑے دیکھنے گئی تھیں، اندر آتے رواق کو دیکھ کر کھل اُٹھی تھیں۔

"رواق بیٹا......!!

"تم ٹھیک سے ہو!"

پھوپھو نے اُن کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

"جی میں ٹھیک ہوں۔" رواق نے جواب دیا۔

رامین اب تک منہ آنکھیں کھولے ٹکر ٹکر رواق کو دیکھے جا رہی تھی، رامین کو حیرت در حیرت نے گھیرا تھا۔

"اے منہ تو بند کر لو کہیں مکھی نہ چلی جائے۔" روین نے رامین کی حالت دیکھ کر شرارت سے کہا تھا۔

"اور......"

"اور یہ تم جیجو کو ایسے کیسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھے جا رہی ہو؟"

"کیا نظر لگانے کا موڈ ہے؟ مانا کہ بندہ ہے کمال کا لیکن یہ بھی کیا کہ ایسے دیکھنے لگو۔"

روین نے رامین کو ٹہوکا دیا۔

رامین نے جھینپ کر سر جھکا لیا تھا۔

پھوپھو نے رواق بیچارے پہ جی بھر کر میزبانی نبھائی تھی۔

"پھوپھو پلیز میں اتنا نہیں کھا سکتا۔" رواق تو بوکھلا کر رہ گیا۔

"پاکستان میں عموماً داماد جی کی یوں خاطر داری کر کر کے اُسے کھلا کھلا کر مارا جاتا ہے۔"

روید نے رواق کے کانوں میں سرگوشی کی۔

"کوئی بات نہیں بیٹا!"

"بہت جلد......!"

"بہت جلد تم پہ بھی یہ وقت آئے گا، تم کو کونسا بیبا نے "کنفرم بیچلر" کی ڈگری کر دی ہے۔"
رواق نے جوابی کارروائی کی۔

"اوہ......ہو......!"

"شادی کے بعد انسان کیا اتنا بدل جاتا ہے، کہ جس کے منہ میں زبان نہ بھی ہو، وہ بولنے لگتا ہے۔"

روید نے حیرت سے پوچھا۔

"اور جس کے منہ میں آل ریڈی اتنی بڑی زبان ہو، تو اُس کا تو شادی کے بعد جو حال ہو گا، اُس کا تو اللہ ہی مالک ہے۔"

رابعہ آنٹی نے ہنستے ہوئے، روید کی جانب اشارہ کیا۔

"اِس کا مطلب ہے، کہ شادی از ڈینجرس فار روید یار!" روید نے کان کھجا کر کہا۔ "پھر تو سوچنا پڑے گا یار......!!"

"ارے جناب......!"

"یہ تو ایسے لڈو ہیں جو کھائے، وہ پچھتائے جو نہ کھائے، وہ بھی پچھتائے، اِس سے تو بہتر اچھا ہے، کہ لڈو کھا کر پچھتا لیا جائے۔"

پھوپھو نے بھی مسکرا کر گفتگو میں شرکت کی۔

ہلکی پھلکی گفتگو نے ماحول کی ساری کثافت دھو ڈالی تھی، ماحول ایک دم بے حد خوشگوار ہو گیا تھا۔

"بھائی صاحب، اب ہمیں اجازت دیں، بہت وقت ہو رہا ہے۔"

بیبا نے ڈیڈی کے پاس آ کر بے حد عاجزی سے واپسی کی اجازت مانگی تھی۔

"جی ضرور......!!"

ڈیڈی نے بلا تامل فوراً اجازت دے ڈالی تھی۔ "رامین بیٹا چلو چلنے کی تیاری کرو۔"

ڈیڈی نے روین کو اشارہ کیا، کہ وہ بھی بہن کو تیاری میں مدد دے۔

"جی ڈیڈی!"

روین رامین کو لیے باہر نکل گئی۔

ڈیڈی نے اُن دونوں کو جاتے ہوئے غور سے دیکھا تھا۔

رامین کی چال بے حد سست تھی۔

ڈیڈی کچھ دیر بعد مہمانوں سے اجازت لے کر باہر نکل آئے۔

بیٹیاں ہمیشہ باپ کے سہارے کو اپنے پیچھے ایک مضبوط دیوار تصور کرتی ہیں، اگر وہ دیوار مضبوط ہو، تو اُس کے سائے میں کچھ دیر کو ستانے کے لیے آ بھی بیٹھتی ہیں، اپنے غم کی تصویر کو اُس دیوار پر ٹانگ سکتی ہیں اور اپنی ساری خواہشوں کی لسٹ بھی اِس دیوار پر لٹکا سکتی ہیں، بے شک وہ اُس دیوار کا استعمال نہ بھی کریں، لیکن اُن کو اُس کا آسرا بہت ہوتا ہے، مان بہت ہوتا ہے۔

ڈیڈی بھی باہر اُن کے پیچھے آئے تھے، تا کہ وہ رامین کو بتا سکیں، کہ وہ بالکل بے فکر ہو کر رہے اور مان رکھے، کہ اُس کے پیچھے بھی ایک مضبوط دیوار موجود ہے۔

***

عظمیٰ باجی بے حد پریشانی سے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔

بشریٰ مزے سے لیٹی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی۔

"بشریٰ تمہیں معلوم ہے، کہ اشفاق کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے!"

عظمیٰ باجی نے بے حد پریشانی سے اطلاع دی تھی، اُس کا خیال تھا، کہ بشریٰ بھی بے حد پریشان ہوگی، لیکن بشریٰ کے چہرے پہ بالکل کوئی فکر و پریشانی نہ تھی۔

"کیسے ہوا ایکسیڈنٹ؟"

بشریٰ نے بے حد نارمل انداز میں پوچھا۔

"یہاں سے جب وہ گیا، تو رستے میں کس گاڑی کے ساتھ ٹکرا گیا۔ خاصی زیادہ چوٹیں ہیں بلڈ لاس بھی ہے، اُس کی جیب میں ایک لفافہ تھا، جس پہ ہمارے گھر کا پتہ بھی تھا، ابھی پولیس کا ایک بندہ اطلاع دے کر گیا ہے، تا کہ ہم بھی ہسپتال پہنچ سکیں۔

"اشفاق کی ہیڈ انجری بہت زیادہ ہے، اگلے چار گھنٹے میں اُس کا بے حد اہم آپریشن ہے، ڈاکٹرز نے بتا دیا ہے، وہ تو فوراً سے جانے کے لیے تیار ہو گئی ہیں، ہم جا رہے ہیں، تم نے جانا ہو تو فوراً آ جاؤ، ہم نے پھوپھو کو بھی اطلاع کروا دی ہے۔" عظمیٰ باجی جلدی جلدی بولتی باہر نکل گئی

"ہونہہ......!!"

"میں کیوں جاؤں...... اگر گئی تو وہ مزید چیونگم ہو جائے گا۔"

"اور میں مزید اُسے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتی، اگر گئی تو وہ مجنوں کی اولاد جانے کیا او
بک دے گا۔"

بشریٰ نے دِل ہی دِل میں کہا تھا۔

اور پُر سکون ہو کر اپنے گزشتہ کام میگزین پڑھنے میں مصروف ہو چکی تھی۔

کچھ لوگ بے حس ہوتے ہیں۔

اور بے حس تو پتھر ہوتے ہیں۔

یہ تو بھاری بوجھ کی طرح ہوتے ہیں!!

جو دُوسروں کے دِلوں پر چڑھ کر اُن کو کچل دیتے ہیں۔ ختم کر دیتے ہیں، بے حسی جیسی از
اور بے حس لوگوں سے اللہ سب کو بچائے۔

بشریٰ بھی ایک بے حس پتھر کی ہی طرح تھی! جو اشفاق کے دِل کو کچل گئی تھی۔

***

"کیا ہوا بیٹا؟"

ڈیڈی نے بیگ کے پاس تیار رامین کو شش و پنج میں مبتلا بیٹھے دیکھ کر پوچھا۔

"ڈیڈی......!!"

رامین دوڑ کر اُن کے سینے سے جا لگی تھی، اِس سینے میں کس قدر کشادگی تھی ناں......!

رامین کے وہموں سے لرزتے دِل کو ایک دم سے بے حد سکون مل گیا تھا۔

"بالکل بے فکر ہو جاؤ میری گڑیا، اللہ پر بھروسہ رکھو، میری دُعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ
رہیں گی، تم بالکل تنہا نہیں ہو۔"

ڈیڈی نے نیچے جھک کر اُس کا بیگ اُٹھا لیا تھا۔

"پلیز ڈیڈی رہنے دیں!!"

"آپ کیوں اُٹھاتے ہیں؟"

رامین کو اچھا نہ لگا کہ باپ اُس کا سامان اُٹھا کر باہر لا رہا تھا۔ "میں اپنی خوشی سے لا رہ
ہوں!!"

ڈیڈی نے دوسرے ہاتھ سے رامین کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔

ڈیڈی کو یوں لگا کہ ابھی یہ کل ہی کی بات تھی، جب وہ یونہی اُس کا ہاتھ تھامے سکول لے کر
تے تھے، یونہی اُس کا کتابوں سے وزنی بیگ خوشی خوشی اُٹھایا کرتے تھے، کتنی پیاری تھیں اُن کو
بیٹیاں، کتنی لاڈلی تھیں، اُن کو اپنی بیٹیاں۔

بیٹیاں تو ماں باپ کے گھر کی رونق ہوتی ہیں۔

ب وہ چلی جاتی ہیں، تو ماں باپ کو کبھی کسی کونے سے اُن کی ٹوٹی چوڑی کی یاد ملتی ہے، کبھی
کونے میں پڑی گڑیا کا بچپن ملتا ہے، کبھی کسی کونے سے کوئی کتاب، کوئی پائل آ کر بولنے لگتی
بھی کچن میں برتنوں کی کھڑ کھڑاہٹ میں اُن کا احساس ملتا ہے، کبھی چھت پر پھیلے کپڑوں کے
ی مسکراتا مخنتی چہرہ اور شفاف آنکھیں نظر آتی ہیں۔

کبھی دو نرم ہاتھ ماتھے پر ٹھنڈک بن کر تکلیف چنتے ہیں، کبھی سامنے پانی لیے کبھی پیروں
جوتا دیے وہ ہر ہر پل رونق، گھر کی زندگی ہی تو ہوتی ہیں، لیکن ماں باپ کتنے مجبور ہو جاتے
اپنے گھر کی روشنی، ہنسی خوشی دُوسروں کے حوالے کر دیتے ہیں، پھر ایسے میں کوئی اُن کی قدر نہ
ے، تو کیسے دِل دُکھ سے چیخنے لگتا ہے بلکنے لگتا ہے۔

"پیارے بیٹے رواق!!"

ڈیڈی نے دم رخصت گاڑی کے شیشے سے اندر سر کیا۔

"میری بیٹیاں میرے اندر میرے دِل کی مانند دھڑکتی ہیں! میں اپنا دِل تمہارے حوالے کر
ں!!"

"اِس بوڑھے باپ کے دِل کا دھیان کرنا......!"

"خیال کرنا!!"

ڈیڈی کے لہجے میں بے حد تڑپ موجود تھی۔

رواق ایک دم دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ "آپ......!"

"آپ فکر نہ کریں!!" رواق نے اُن کے گلے لگ کر اُن کو تسلی دی۔

ڈرائیونگ سیٹ کے ساتھ بیٹھے ہوئے روید نے ایک دم پیچھے مڑ کر رامین کو کہا۔ "شکر ہے
میاں نے یہ نہیں کہہ دیا۔"

"آپ فکر نہ کریں انکل جس طرح کی وہ آپ کی بیٹی اُس طرح میری بھی بیٹی ہے!" روید
رت سے کہا، تو سنجیدہ بیٹھی رامین کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ در آئی۔

''اوے ہوئے...... تسی مسکراندے وی ہو!''

روید نے شرارت سے کہا۔

رامین کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

''بھابی بیگم ساڈے نال رہو گے تے عیش کرو گے، ہم تو شرطیہ رونی صورتوں کو بھی ہنز

ہیں، آپ تو ویسے بھی حسین جمیل ہنستا مسکراتا چہرہ ہیں۔''

''مسکراتی رہا کریں اچھی لگتی ہیں۔'' روید نے کہا۔

رامین کیا تو خواب تو نہیں دیکھ رہی، یا پھر یہ لوگ جانے کس دُنیا کے لوگ ہیں، کیا

بھی اعلیٰ ظرف ہوتا ہے۔ رامین کا سوال بے اختیار تھا۔

''کیا واقعی یہ خواب ہے۔''

''یا پھر یہ حقیقت......!!''

تو پھر گزشتہ دو دِن تو ایک بھیانک خواب تھے، رامین نے بے اختیار شدید جھرجھری لی

***

محبت امتحان ہے

اور یہ امتحان ایسا

کہ جس میں چار چھ دس بارہ گھنٹے کچھ کم نہیں ہوتے

محبت ایک خواہش ہے

مسلسل آزمائش ہے

کبھی راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر یہ سڑکوں پر گھماتی ہے

ہنساتی ہے کبھی پل میں تو اِک پل میں رلاتی ہے

یونہی پہروں ستاتی ہے

محبت آزماتی ہے!

''کیا کروں تمہارا رواق......؟''

دیبا پروانی نے جھنجھلا کر فون اُٹھا کر دُور دے مارا۔

''تم...... تم آخر کیوں میری زندگی بن گئے؟''

''اب تمہارے بنا نہ تو جیا جاتا ہے اور نہ ہی مرا جاتا ہے۔''

دیبا نے سسکتے ہوئے کہا۔

گھر کے ملازم نے بتایا کہ رواق دلہن کو لینے گیا ہے۔

''دلہن......!!''

کیسی آگ سی لگی تھی اِس لفظ سے اُسے...... جس شخص پہ آپ اپنی پوری ملکیت جتائیں،

کے خواب اُس سے آباد ہوں، جو آپ کی سانسوں میں رچا بسا ہو، ایسے میں کوئی اور اُسے

اُڑے تو کیسا احساس ہوتا ہے؟

ایک ایسی بے بسی جس میں پاگل پن ہوتا ہے، جنون ہوتا ہے! سینس آف لاس اِس قدر

ہوتا ہے، کہ منفی اور مثبت ہر سوچ ایک جگہ پر جا کر اکٹھی ہو جاتی ہے، اِس سے بڑا نقصان کیا

کہ آپ اپنی شخصیت کو اپنی سوچ سے محروم کر دیں۔

دیبا پروانی بھی کچھ اِسی قسم کی کیفیت میں مبتلا تھی۔

رواق سے محرومی اُس کی برداشت سے باہر تھی۔

''میں نے تمہیں پانے سے پہلے کھو دیا۔''

''میں نے اپنی محبت کو کھو دیا۔''

''میرا پہلا پیار اُدھورا رہ گیا......!!''

''مجھے اُدھورا کر گیا......!!''

وہ روتے روتے چیخنے لگی تھی۔

اُس مثبت سوچ پہ منفی سوچ چڑھنے لگی تھی۔

''لیکن تم تو جانتے تھے، کہ میں تمہیں اور صرف تمہیں چاہتی تھی پھر بھلا...... تم نے کیوں ایسا

''

''تم نے میری قدر کیوں نہ کی؟''

''میں اپنے رشتے اپنا دیش چھوڑ کر تمہارے پیچھے پرائے لوگوں میں آکر بسی...... صرف

تمہارے لیے......!!''

''اور...... اور تم نے...... تم نے میرے ساتھ یہ کیا......!''

''میں...... میں یہاں تنہا اکیلی تڑپ رہی ہوں اور تم کسی اور کی زندگی میں ستارے ٹانک

دیپا پروانی نے ہاتھ بڑھا کر پاس پڑا گلدان دُور دے پھینکا۔

"اگر......! میری دُنیا نہیں بسی تو میں سب کی دُنیا توڑ ڈالوں گی۔ ہر چیز توڑ ڈالوں گی۔"

اُس کی ہذیانی سی کیفیت ہو رہی تھی، ماننے سے بھی اُس کا یہ دل مان نہ رہا تھا۔

"مجھے رواق چاہیے!"

"اے بھگوان......!!"

"بھگوان تم میری سنتے کیوں نہیں ہو؟"

اُس نے کمرے میں نہایت تردد سے سجائی مورت سے کہا۔

"تم......صرف پتھر کے بنے ہوئے بے جان بت ہو۔"

اب وہ اپنا غصہ بھگوان کی مورتی پر نکال رہی تھی۔

"تم کو نہ سنائی دیتا ہے نہ دکھائی دیتا ہے۔"

"دیکھو......دیکھو میرا کیا حال ہو چکا ہے۔"

"میرا حال ٹھیک کیوں نہیں کرتے؟ میں تو ہمیشہ تیرے چرنوں میں پھول چڑھاتی ہوں، پھر تو نے میری زندگی میں تھوڑی سی خوشبو بھی باقی نہ رہنے دی۔ کیوں......؟"

"اگر تم میرا حال نہیں بدل سکتے میری قسمت میں رواق کو لکھ نہیں سکتے، تو میں نہیں مانتی تم صحیح ایشور ہو۔"

"ایشور تو سب کچھ کر سکتا ہے ناں......!"

"تو پھر تو رواق کا ایشور زیادہ سچا ہے، زیادہ مہربان اور پیار کرنے والا ہے، رواق کا ایشور چڑھاوے کی کوئی رقم نہیں لیتا، احسان نہیں دیتا، بلکہ جو مانگو دے دیتا ہے۔"

"دیکھو......دیکھو اُس نے رواق کو وہی لڑکی دے دی، جس کو وہ مانگا کرتا تھا اور ایک تم ہو......!"

"تم ہو جو......جس نے کبھی مجھے کچھ نہیں دیا، ہر بار ہر بار میں اپنا ماتھا تمہارے سامنے رگڑتی رہی، لیکن تم نے تو میرے سجدوں کی بھی لاج نہ رکھی۔"

"آج سے میں یہ ماتھا تیرے سامنے نہیں ٹیکوں گی۔"

"میں رواق کے ایشور کے پاس جا رہی ہوں، اگر تُو کچھ کر سکتا ہے مجھے روک سکتا ہے تو روک لے۔"

دیپا پروانی نے بھگوان کی مورت کے سامنے کھڑے ہو کر چیلنج بھرے انداز میں کہا۔

"ہونہہ تو کیا روکے گا! تو کیا کسی کو دے گا!"

"تو تو بس ایک پتھر کی مورت ہے!"

دیپا پروانی نے استہزائیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

دُکھ انسان کو دوست دشمن کی پہچان سکھاتا ہے، کہ کون اُس کا دوست ہے اور کون اُس کا دشمن ہے اور سب سے بڑی بات جو دُکھ میں انسان محسوس کرتا ہے، وہ ہے اُس کے خالق کی قربت! پیار کرنے والا اُس کے نزدیک آجاتا ہے، وہ محسوس کرتا ہے، خدا کی محبت، ساتھ اور دوستی۔

اور......

اور آج دیپا پروانی نے اپنے ایشور سے کچھ نہ پایا تھا، نہ محسوس کیا تھا، اُسے اپنے اور اپنے ایشور کے بیچ رشتہ جھوٹا محسوس ہو رہا تھا۔

آج اسی لیے یہ رشتہ کچے دھاگے کی طرح کھنچ کر ٹوٹ گیا تھا۔

***

"وہ بہت اچھا ہے!!"

"میرا بیٹا ہے اس لیے نہیں، بلکہ وہ بحیثیت انسان ہی بہت اچھا ہے۔ وہ ہمیشہ سے میرا فخر رہا ہے۔"

"میں نے چُن چُن کر اچھائیاں اُس کی ذات میں پرونے کی جو ہمیشہ کوشش کی ہے، اُس نے کبھی بھی میری کوشش کو رائیگاں نہیں جانے دیا۔"

بیا دھیرے دھیرے رواق کی شخصیت کے پرت رامین کے سامنے کھول رہی تھیں، وہ رامین کو لے کر رواق کے کمرے میں آئی تھیں۔

یہ وہی کمرہ تھا، جہاں سے نکلتے ہوئے رامین کو لگا تھا، کہ وہ شاید کبھی واپس نہ آسکے گی۔

لیکن......!

لیکن ایسا کب ہوتا ہے؟

کہ جو انسان سوچے وہ ہی نہیں ہوتا ہے! اگر وہ ایک سچائی کو مان لے کہ...... ناامیدی، بے یقینی کی شروع کی سرحد اور اختتام کی حد پر بھی صرف اللہ کی ذات موجود ہوتی ہے، کچھ سرحد پر ہی پلٹ جاتے ہیں اور آخری حد پہ اُسے مان جاتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے وہ اِس گھیرے

اندھیرے جیسے سمندر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ڈوب کر فنا ہو جاتے ہیں۔

رامین نے بھی اُمید کو آخری سرحد پر پایا تھا، اُسے تو ڈیڈی کے یقین اور دُعاؤں نے
بچالیا تھا، پار لگایا تھا۔

''تم دونوں کے بیچ جو کچھ ہوا، میں اُس سے باخبر ہوں!''

بیبا نے رامین کے سر پر دھماکا کیا تھا۔

''تو کیا بیبا سب کچھ جان گئی تھیں، تو پھر...... تو پھر وہ میرے ساتھ اتنا اچھا برتاؤ کیوں کر
رہی ہیں، یہ کیسے لوگ ہیں، یہ اِس دُنیا کے تو لگتے ہی نہیں ہیں۔ کیا......''

''کیا کوئی اتنے بڑے دِل کا بھی ہو سکتا ہے؟''

رامین نے خود سے سوال کیا تھا۔

رامین تو بیبا کے کردار کی بلندی کو کبھی بھی نہ چھو سکی تھی۔

''میں نے ہی رواق کو کہا تھا، کہ سچائی جاننے کے لیے کبھی جلد بازی نہیں کرتے، اُسے
وقت دیتے ہیں، تاکہ کسی کی حق تلفی نہ ہو، کل تک وہ بے حد بے چین تھا، آج جاتے ہوئے بھی
اُن ماننے جی کے ساتھ ہمارے ساتھ تھا، پھر اُسے اچانک ہسپتال جانا پڑا تھا۔
اُسے کچھ دیر کو وقت مل گیا تھا، شاید ہر پہلو پہ سوچنے کا، مجھے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے
کہ رواق جب آیا، تو اُس کی آنکھوں کا رنگ جو دو دِن میں بدل گیا تھا، وہ واپس آچکا تھا۔
دوران اللہ نے کیسے اُس کے دِل کی حالت بدل دی میں نہیں جانتی، لیکن ایسا ہونے سے میں اللہ
کی بے حد شکر گزار ہوں، تم بھی ہر بات کو بھول کر اپنے اور اُس کے رشتے کو مضبوط کرنے کی کوشش
کرنا۔''

بیبا نے ایک پیار بھری نصیحت اُسے کی تھی۔

''جواباً......''

رامین نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''اب میں چلتی ہوں رواق آنے والا ہوگا۔'' بیبا نے اُٹھتے ہوئے کہا، رامین نے بے خود
اُن کا ہاتھ تھام کر روکا تھا۔

بیبا کے چہرے پر در آنے والی مسکراہٹ بے حد بے اختیار تھی۔

''وہ تم کو کھائے گا نہیں، گھبراؤ نہیں۔'' بیبا نے شگفتگی سے کہا تھا اور اُسے تسلی دی تھی اور

...تی باہر نکل گئی تھیں۔

رامین نے ایک نظر پورے کمرے پر ڈالی، تو اُس کا دِل بے اختیار دھڑ دھڑانے لگا تھا۔

''رامین!!''

کچھ دیر بعد کمرے میں رواق کی آواز گونجی تھی۔

رامین کو تو صحیح معنوں میں سر سے پاؤں تک پسینہ آ گیا تھا۔

اُس کا سر بے اختیار جھک گیا تھا، کان منتظر تھے، کہ اُس کی قسمت کا کیا فیصلہ ہوا تھا۔

''رامین میں چاہتا ہوں کہ تم بھی کچھ کہو......!''

''اپنی صفائی میں یا وضاحت میں نہیں بلکہ اپنے دِل کی بات کہو۔''

رواق نے بے حد مدہم انداز میں کہا تھا۔

رامین نے چونک کر اُسے دیکھا تھا۔

''یا خدایا......!!''

''وہ تو معاف کر دی گئی تھی، بنا کٹہرے میں کھڑے کیے۔ لگتا ہے، کہ ڈیڈی آپ کی یقین
دعائیں میری ڈوبتی کشتی کو لگ گئی ہیں۔'' رامین کا دِل بے اختیار بولا تھا۔

''میں منتظر ہوں رامین......!!''

رواق نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ تھاما تھا۔

رامین کا سارا وجود لرزنے لگا تھا۔

رواق کی قربت کی تپش اُس کی برداشت سے زیادہ تھی۔

''میں...... میں کیا کہوں......؟''

رامین کو لگا کہ اُس کی آواز ایک دم سے بیٹھ گئی ہے۔

''کچھ بھی کہو......!!''

رواق نے اُسے کندھوں سے تھام کر اپنی جانب موڑا۔

رامین کو لگا کہ اُس کا دِل بند ہو جائے گا۔

''میں صرف اتنا کہوں گی، کہ میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کہ وہ تصاویر اور خط جھوٹا

...میں نے خود اُس شخص کو پہلی دفعہ دیکھا تھا، وہ کون تھا، میں نہیں جانتی لیکن اُس کا مقصد

صرف میری زندگی کو ڈسٹرب کرنا تھا، یہ میں اچھے سے جان چکی ہوں۔" رامین بے حد
لیکن اس واقعے نے وقتی طور پر اُس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو بیکار کر دیا تھا۔

"کیا آپ میری بات پہ یقین کر رہے ہیں؟"

رامین نے اپنی گھنی پلکیں اُٹھا کر رواق کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں میں یقین کر رہا ہوں۔"

رواق نے ایک دم ہی اُسے اپنے بے حد قریب کر لیا تھا، رواق کا لہجہ شدت جذبات بھاری ہو رہا تھا۔

رامین کا چہرہ شرم سے ایک دم دہکنے لگا تھا۔

"میں تمہاری ہر بات کا یقین کروں گا۔"

رواق اقرار کر رہا تھا اور رامین کے دِل کے سنگھاسن پہ رواق بہت اُونچے درجے پر تھا۔

رواق نے کوئی تفتیش نہ کر کے اُس کی انا کو بچا لیا تھا، اُس کے مان کو اُس کے غرور کو تھا۔

"رواق......!!"

"آپ......آپ بہت اچھے ہیں!!"

رامین نے ایک دم اُس کے سینے سے لگتے ہوئے کہا۔

رواق کو ایک دم سے بے حد شرمندگی نے گھیرا تھا۔

"میں اتنا اچھا نہیں ہوں...... جتنا تم مجھے اچھا سمجھ رہی ہو۔

"لیکن!......"

"لیکن میں اچھا ضرور ہونا چاہتا ہوں۔" رواق نے شرمندگی سے سوچا۔

آج رامین کو بنا کوئی سوال جواب کیے وہ گھر لے آنے پہ سب کی نظروں میں ہیرو تھا۔

ڈیڈی، رامین، بیبا، باؤجی اِن سب کی نظروں میں اُس کے لیے بے حد شدید عزت تھی، مان تھا، فخر تھا۔

اور ڈاکٹر رواق نے ساری عمر یہی کچھ تو وصول کیا تھا، اس سے کم پہ اُن کا بالکل

اگر آج وہ بتا دیتے کہ وہ رامین کو بنا ثبوت کے نہیں، بلکہ بے حد ٹھوس ثبوت اور گواہی کی وجہ چھوڑ رہے ہیں، تو شاید وہ سب کی نظروں سے وہ کچھ حاصل نہ کر پاتے، جو آج انہوں نے پا لیا تھا۔

بڑا مشکل ہے خود کو برا کہنا!

بے حد دشوار ہے کسی کی نظر میں معتبر ٹھہرنا۔

ہر ایک میں کہاں اتنا ظرف ہوتا ہے!

اشفاق نے اگر آج اُن کو سچ نہ بتایا ہوتا، تو شاید آج کا منظر بالکل مختلف ہوتا۔

مرد کی مردانگی اُسے روک رہی تھی، کہ وہ کھل کر کوئی سچ بتائے، اُسے اشفاق والی بات کو چھپانا ہی چاہیے تھا۔

انہوں نے یہ فیصلہ دِل میں کیا اور رامین کو اپنے قریب تر کر لیا تھا۔

کبھی کبھی خود کا بھرم رکھنے کے لیے ضروری ہوتا ہے، کہ ہم دُوسرے کی سچائی کو بھی یوں بنا دیں کہ اُسے لگے، کہ ہم نے اُس کی زندگی پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

اور ہم اُس کی زندگی میں ہیرو بن جاتے ہیں اور ساری عمر ہم ایسا ہی بن کے رہنا چاہتے ہیں۔

اب رواق دھیرے دھیرے اپنی اور رامین کی دُوریاں کم کرتے ہوئے، رامین کو اپنی محبت کا یقین دلا رہے تھے، رامین نے اپنا تن من بخوشی رواق کے حوالے کر دیا تھا۔

اور رامین بیچاری کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مجرم تصور کرتی رہی، رواق کے اچھے پن کی بنا کوئی گناہ کیے بھی اُسے لگا کہ اُس کی سزا معاف ہو گئی ہے۔

اُسے اب ساری زندگی اِس احساس تلے گزارنی تھی اور ہمیشہ یاد رکھنا تھا، کہ رواق بہت دل والا انسان ہے، جو لوگ اللہ رحمان کی بڑائی کو نہیں پہچان پاتے، اُن کو اِس طرح کو بلند مراتب دینے پڑتے ہیں۔

***

بڑا مشکل، بڑا دُشوار ہوتا ہے
ذرا سا فیصلہ کرنا

کہ جیون کی کہانی کو
بیان بے زبانی کو
کہاں تک یاد رکھنا ہے
کہاں سے بھول جانا ہے
اِسے کتنا چھپانا ہے
کہاں رو رو کے ہنسنا ہے
کہاں ہنس ہنس کے رونا ہے
اِس آنچل کے کسی کونے کو
کتنا سا بھگونا ہے
کہاں آواز دینی ہے
کہاں خاموش رہنا ہے
کسی دُکھ کو کہاں پر
کون سی...... شدت سے سہنا ہے
کہاں رستہ بدلنا ہے
کہاں سے لوٹ آنا ہے
ذرا فیصلہ کرنا...... بڑا دُشوار ہوتا ہے!

''عورت کی تو ساری زندگی ہی بھرم رکھتے گزرتی ہے۔ جیسے ہی وہ بچی سے لڑکی بنتی ہے، طرف سے ہدایت نامہ جاری ہو جاتا ہے کہ اُسے ایسے رہنا ہے، ایسے چلنا ہے ایسے بیٹھنا ہے ایسے دیکھنا، کھانا پینا، سونا ہے۔ ہر بات پر سوچ سوچ کر ٹھہر ٹھہر کر ہدایت نامے کے مطابق زندگی کو جو عورت کے لیے اصول بنایا جاتا ہے، وہ اِس ہدایت نامے کے مطابق ڈھلنے سے انکاری نہیں ہو سکتی، اُس کو ہمیشہ ڈیزائن ملتا ہے جینے کے لیے۔''

رابعہ آنٹی نے فون پہ آمنہ سے بات کرتے ہوئے کہا، اُن کے لہجے میں دُکھ بے پناہ موجود تھا۔

''اظہر کی شادی کا فیصلہ امّاں کا تھا اور اب وہ ہی سب سے زیادہ ناخوش نظر آتی ہیں۔'' رابعہ نے طویل سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا چھوڑو میں تو ہمیشہ اپنے دُکھ لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔ تم سناؤ جی تم نے کیسے فون کیا؟''
''میری کنجوس دوست نے آج مجھے کیسے یاد کر لیا؟''
رابعہ نے اپنی اُداسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔
''وہ دراصل مجھے تم سے کچھ پوچھنا تھا۔'' آمنہ نے کہا
''کیا......؟''
''وہ رامین کی جو بہن ہے، وہ منگنی شدہ تو نہیں؟''
آمنہ نے سوال کیا تھا۔
''کون......؟ تم روین کے متعلق پوچھ رہی ہو؟''
رابعہ نے حیرت سے پوچھا۔
''ہاں...... کیا اُس نام روین ہے؟'' آمنہ نے پوچھا۔
''بالکل لیکن تم بتاؤ تم کس سلسلے میں لڑکیاں تلاش کرتی پھر رہی ہو، کیا عادل کا رشتہ تلاش کیا جا رہا ہے؟''
''ارے نہیں یار......''
عادل تو ابھی بہت چھوٹا ہے، ابھی تو وہ خود کسی قابل ہو جائے، تو پھر اُس کی گھر والی لائیں گے''
آمنہ نے سچائی سے جواب دیا۔
''تو پھر......؟''
رابعہ آنٹی نے سوال کیا۔
''وہ پھوپھو...... ضیاء چچا کے لیے لڑکیاں تلاش کرتی پھر رہی ہیں۔ اِدھر شادی پہ وہ روین کو دیکھیں اور اُس پہ لٹو ہو گئی ہیں، اب وہ اُس کو اپنے گھر میں لانا چاہتی ہیں، کیونکہ ضیاء چچا کی ذمہ داری بھی اُن کو ہی ادا کرنی ہوگی۔'' آمنہ نے کچھ ہچکچاتے ہوئے کہا۔
''آمنہ......!!''
''کچھ خوف خدا کرو وہ اتنی چھوٹی سی ہے، رامین سے بھی چھوٹی تم اُس کا رشتہ اپنے ضیاء چچا کے لیے مانگنا چاہتی ہو۔ اُس بابے کے لیے؟؟؟''
رابعہ پہلے ہی بے جوڑ رشتوں کے سخت خلاف تھیں، اِس طرح کی بات سُن کر اُن کو بہت

غصہ آیا تھا۔

''ارے ارے......تم تو غصہ کرنے لگی یار ضیاء چچا شہزاد سے تین چار سال بڑے ہوں گے وہ کوئی بابے وغیرہ نہیں ہیں۔ وہ پھوپھو کو اپنی اولاد کی طرح عزیز ہیں۔'' آمنہ نے...

''پھر بھی یار شہزاد کی عمر کا شخص بھی تو روین سے خاصا بڑا ہوگا۔''

اِس بار رابعہ کے لہجے کی سختی اور غصہ کم تھا۔

''ہاں اگر تم عادل کے لیے چاہتی ہو، تو پھر پیغام دیا جا سکتا ہے، دونوں کی عمریں بھی پاس ہیں، اچھی جوڑی بن جائے گی۔'' رابعہ نے بے حد سچائی سے کہا۔

''ارے نہیں نہیں عادل تو ابھی بہت چھوٹا ہے۔''

''یہ شادی وادی کے چکروں کے لیے وہ ابھی مناسب نہیں ہے۔''

آمنہ نے بھی اپنے دِلی جذبات کا اظہار کیا تھا۔

''تم اگر ضیاء چچا کے لیے کہو تو......!!''

''اب دیکھو ناں پھوپھو اتنے روز سے کہہ رہی ہیں، کہ میں اُس لڑکی کا پتا کروں۔''

آمنہ نے ہلکا سا اصرار کیا۔

''یار روین ہی کیوں؟''

''اتنی کم عمر لڑکی کو ایسا رشتہ دینا بے حد زیادتی ہوگی، پلیز مجھے تو ایسے معاملے میں نہ گھسیٹو'' رابعہ نے بے حد سچائی سے معذرت کر لی تھی۔

''پھوپھو دراصل ضیاء چچا کے لیے کوئی بے حد کم عمر اور خوبصورت لڑکی لانا چاہتی ہیں، جو ضیاء چچا کو اپنے ساتھ باندھ سکے۔''

آمنہ نے پھوپھو کا نظریہ بیان کیا۔

''پیاری آمنہ......چھوٹی کم عمر، خوبصورت لڑکی کسی بھی مرد کو باندھنے کی گارنٹی تھوڑی ہے مرد تو اُس کے ساتھ ہی بندھ سکتا ہے، جس کے ساتھ اُس کا دِل بندھ جاتا ہے، چاہے وہ اُس سے عمر میں دگنی ہی کیوں نہ ہو، اس کے لیے کم عمر ہونا شرط نہیں اور دِل قسمت سے بندھتے ہیں نصیبوں کی بات ہے ساری!''

رابعہ کے لہجہ میں پھر اُداسی در آئی تھی۔

''ہاں! کہتی تو تم ٹھیک ہو!!''

...نہ کے دِل میں ٹھیس سی لگی تھی، دُوسری عورت کا دُکھ تو ایسے ہی کانٹے کی طرح ہوتا ہے، ...چبھا ہی رہتا ہے، نکلتا نہیں ہے ہر ہر بات پر دُکھا دیتا ہے۔

''تم کو میں ایک بار پھر کہوں گی، کہ روین جیسی پیاری لڑکی عادل جیسے لڑکے کو ہی جچے گی!'' ...نے اپنے مشورے پر اصرار کیا تھا۔

''اچھا یار سوچوں گی! پھر عادل کی اپنی بھی تو کوئی مرضی ہوگی ناں!'' آمنہ نے کہا۔

''ٹھیک ہے تم ضرور سوچنا اچھی لڑکیاں مشکل سے ملتی ہیں۔'' رابعہ نے فون رکھنے سے پہلے ...دُہرائی۔

''اچھا بھائی......ابھی تو بالکل نہیں سوچ سکتی میں، میری ساس کا دِل اپنے دیور کے لیے آیا ہے، میں نے ٹانگ اڑا کر خود کو ضرور پھنسانا ہے۔'' آمنہ نے مسکراتے ہوئے فون رکھا۔

جیسے ہی وہ فون رکھ کر مڑیں تو سامنے رانیا کو بیٹھے دیکھ کر ناگواری کا غبار دماغ تک چڑھا

''یہ میرا کمرہ ہے!!''

''اور بنا دستک کے اندر آنا بہت ناشائستہ عمل ہے۔''

''گو کہ تم اور تمہارے سارے عمل تو پورے کے پورے شائستہ ہیں۔'' آمنہ نے ایک دم ...کہا۔

''سوری بھول گئی کہ تمہارا 'کمرہ' ہے''۔ رانیا نے ''تمہارا کمرہ'' پہ زور دیتے ہوئے کہا۔

اُس کے چہرے کی مسکراہٹ اُس کی آنکھوں کی چمک مقابل کو چڑانے کے لیے کافی تھی۔

''دراصل بھول جاتی ہوں ناں کہ......تمہاری بہت ساری چیزیں میری بھی تو ہیں ناں!''

رانیا نے آمنہ کا دِل سلگاتے ہوئے کہا۔

جواباً آمنہ نے کچھ کہنے کے بجائے، دُوسری جانب منہ موڑ لیا تھا۔

''ویسے......!!''

''تمہارے حوصلے کی داد دینی ہوگی!''

''شوہر کا بٹوارہ تم نے منظور کر لیا!''

''اب عاشق کو بھی کسی اور کے حوالے کرنے کا بندوبست ہو رہا ہے، بڑی بہادر عورت ہو

رانیا کی باتیں اور انداز سلگانے والے تھے، آگ لگانے والے تھے، آمنہ نے
جان کی طاقت صرف کر کے خود کو اُس سے اُلجھنے سے روکا تھا۔

’’میں تمہاری کسی بات کا جواب دینا پسند نہیں کرتی۔‘‘

آمنہ نے اپنی الماری کھول کر کچھ تلاش کرنا شروع کر دیا۔

پھوپھو آج خاندان کی شادی میں ایک جگہ جانے پہ اصرار کر رہی تھیں، آمنہ لباس تو بدل
چکی تھی، اب وہ اپنا وہ ست لڑا ہار دیکھ رہی تھی، جو پھوپھو نے خاص طور پر اُسے پہننے کے لیے
تھا۔

’’کیا تلاش کر رہی ہو؟‘‘

رانیا نے اپنی بالوں کی لٹ کو ادا سے پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔

’’تم سے مطلب؟‘‘

آمنہ نے سڑ کر کہا۔

’’اور یہ میرا کمرہ ہے، میرے کمرے میں بنا اجازت کے آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔
اب تم یہاں سے جا سکتی ہو‘‘! آمنہ اِس ذرا سی سخت بات کہنے میں ہانپنے لگی تھی۔

جس طرح کنڈیشن سے وہ گزر رہی تھی اور کچھ اُس کی صحت بھی بہت کمزور تھی، وہ بہت
جلدی ہانپنے لگتی تھی۔

رانیا کو اُسے تکلیف میں دیکھ کر بے حد خوشی ہوتی تھی، اِس وقت بھی اُسے بے حد خوشی محسوس
ہو رہی تھی۔

’’میں تو صرف تم کو اتنا بتانے آئی تھی، کہ یہ دیکھو شہزاد نے مجھے کیا گفٹ دیا ہے۔‘‘

’’یہ ست لڑا ہار......!!‘‘

رانیا نے ڈبا آمنہ کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

’’یہ ہار تو میرا...... ہے!!‘‘

آمنہ نے شاک کی کیفیت میں کہا۔

’’ہے نہیں تھا......!!‘‘

’’اب یہ ہار میرا ہے اور جیت بھی میری ہے!‘‘

رانیا نے فاتحانہ انداز میں جواب دیا۔

’’یہ......تمہاری غلط فہمی ہے!‘‘

ایک ہار کھونے سے میں ہاری نہیں ہوں!‘‘ آمنہ نے دُو بدو جواب دیا۔

’’تم مسلسل ہارتی آ رہی ہو! تم بھول رہی ہو، چلو میں ہی یاد کرا دیتی ہوں، کہ میں شہزاد کو
جیت چکی ہوں۔‘‘

رانیا نے ہنستے ہوئے کہا۔

شہزاد نے رانیا کی دلجوئی کرنے کیلئے اُس کی فرمائش پہ مجبوراً آمنہ کا وہ ہار، اسے دے دیا تھا،
یہ جانے بنا کہ ایک کا دِل رکھنے کے لیے دُوسری کا دِل وہ بری طرح توڑ دے گا۔

’’دُوسری شادی کوئی برائی نہیں ہے، برائی تو ہے نا انصافی میں جو کبھی مرد سے ہو جائے تو وہ
اللہ کے ہاں بھی جواب دہ ہوتا ہے۔‘‘

’’یہ تو وقت فیصلہ کرے گا، کہ کون ہارا ہے، کون جیتا ہے!!‘‘

ایک دم ہی ضیاء چچا دروازے کی دہلیز پر آ کر بولے تھے، اُن کی نظریں شعلہ برساتیں رانیا کو
راکھ کرنے کی خواہش رکھتی تھیں۔

’’لو آ گئے تمہارے عاشق نامدار!!

’’اب یہ تو تمہاری فیور ضرور کریں گے، آخر تم اِن کی......!‘‘

رانیا نے جملہ بے شک اُدھورا چھوڑا تھا، لیکن اپنی بکواس سے آگ پوری پوری لگا دی تھی۔

’’اپنی زبان کو لگام دو عورت!!‘‘

’’تم کسی دن اپنی حرکتوں کی وجہ سے میرے ہی ہاتھوں سے ضائع ہو جاؤ گی۔‘‘

ضیاء چچا کا دِل اُسے تھپڑوں سے لال بے حال کرنے کو چاہ رہا تھا۔

’’میں پوچھ سکتی ہوں، کہ آپ دونوں کی لڑائی میں میرا وجود کیوں گھسیٹا گیا ہے۔‘‘

آمنہ نے ماتھے پر تیوری چڑھا کر پوچھا۔

’’تمہارا وجود ہی تو ساری وجہ ہے!!‘‘

’’یہ نہیں ہو گا تو ساری لڑائی ساری جنگ ختم!!‘‘

رانیا کھل کر سامنے آ رہی تھی، وہ کھل کر لڑ رہی تھی،

آمنہ نے بے حد تاسف سے اُسے دیکھا تھا، کس قدر ظالم عورت تھی، سب کچھ چھین لینے
کے بعد بھی اُسے چین نہیں آ رہا تھا، اب وہ آمنہ کا وجود تک اِس گھر سے نکالنا چاہتی تھی۔

کیا......کیا کوئی اتنا بھی ظالم ہوا کرتا ہے! آمنہ کے معصوم دِل نے سہم کر سوال کیا تو

"رانیا......تم اگر مقابلے کی بات کرتی ہو، تو تم کو تو اللہ نے پہلے ہی مرحلے میں ہرا دیا ہے" ضیاء چچا نے دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر بے حد سکون سے کہا۔

"آمنہ کے پاس اِس گھر کا وارث ہے!!"

"آمنہ اس گھر کو اِس جائیداد کا وارث دینے جا رہی ہے!!"

"آمنہ تم سے کروڑ گنا حسن میں حسین سیرت میں بہتر ہے!"

"وہ ہر ہر معاملے میں تم سے آگے ہے! اِن فیکٹ تم جس کیٹیگری کی عورت ہو تم کو تو اُس کے ساتھ کھڑا کیا ہی نہیں جا سکتا!" ضیاء چچا کے لفظوں نے ایک دم سے رانیا کے تن بدن میں آگ لگا دی تھی، ضیاء چچا نے باتوں ہی باتوں میں اُس کو اُس کی اوقات یاد دِلا دی تھی۔

"جن جن باتوں کو آپ نے آمنہ کی جیت بنا کر بتایا ہے، ناں میں نے دو کوڑی کی نہ کر دیں، تو میرا نام بھی رانیا نہیں ہے!!"

وہ بل کھاتی ناگن کی طرح کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اُس کے پیچھے ضیاء چچا کا قہقہہ دُور تک گیا تھا۔

"میں......میں تم لوگوں کو ایسا مزہ چکھاؤں گی، کہ تم لوگ ساری عمر خون کے آنسو روؤ گے!"

رانیا کے سُلگتے دِل دماغ نے جوابی کارروائی فوراً ترتیب دیتے ہوئے کہا۔

***

"اپنی ایسی لائف ہو
اپنی ایسی وائف ہو
اعلیٰ عہدے پر وہ فائز ہو
عقل کی تھوڑی وائز ہو"

"واہ......واہ......مکرر......مکرر!" کی آوازوں پہ روید نے مسکرا کر داد وصول کی۔

رواق، رامین کا ہاتھ تھامے بے حد احتیاط سے اُسے لیے یوں آ رہا تھا، جیسے کسی کانچ کے وجود کو پکڑے رکھا ہو، جس کو ٹھیس لگنے کا خدشہ ہو!

دونوں کے مطمئن چہرے دیکھ کر کوئی کہہ نہ سکتا تھا، کہ دو روز پہلے اُن کی زندگی کی ناؤ طوفان میں ایسی گھری ہوئی تھی کہ خدشہ تھا، کہ ناؤ ڈوب ہی جائے گی، لیکن اُن دونوں پہ بڑوں کی دُعاؤں

کی روشنی تھی، جس نے اُن کی راہ کا اندھیرا کھا لیا تھا۔

گھروں میں بڑے بزرگوں کا مقام آگ بجھانے والے ایمرجنسی آلے جیسی ہوتی ہے، جو جہاں لگے وہاں آگ کو اپنی تدبیروں، دُعاؤں اور پیار سے بجھا دیتے ہیں، بڑے بزرگ ہر گھر کے لیے رحمت کا باعث ہوتے ہیں۔

"ارے بھابی صاحبہ تشریف لا رہی ہیں۔"

"با ادب، با ملاحظہ، ہوشیار......!!"

روید جو سیڑھیوں میں محفل سجائے بیٹھا تھا، اُس کی نگاہ رامین اور رواق پر پڑی تو بے اختیار بول اٹھا تھا۔

رامین اور رواق دونوں کے چہروں کی بے اختیار مسکراہٹ پہ روید نے آنکھیں مٹکا کر آوازے کسی بڑی آواز نکالی تھی۔

رامین نے ایک دم شرما کر رواق کے پیچھے چھپ کر چہرہ چھپا لیا تھا، اُس کے چہرے پہ بہت خوبصورت رنگ اُتر آئے تھے۔

"دیپا پروانی ٹھیک کہتی تھی، کہ رواق تم جس کو چھوؤ گے، وہ تو سونے جیسی ہو جائے گی۔"

رواق نے رامین کا نرم و نازک ہاتھ تھام کر مضبوطی سے دبایا تھا، رامین کو مضبوطی کا احساس دلایا تھا۔

"بھابی صاحبہ......!!"

"یہ نہیں چلے گا، آپ مجھ سے شرمائیں گی؟ جن سے شرمانا چاہیے اُن کے تو ساتھ کھڑی ہیں"

"ارے جناب......ہم تو جانے کتنے عرصے سے آپ کے منتظر تھے، کہ کب میری بڑی بھابی صاحبہ آئیں گی اور کب ایک بڑی بہن اور دوست کا رشتہ مجھ غریب کو میسر ہوگا، ورنہ تو میں گھر کے بڑوں میں بڑی مشکل میں تھا، ہر بندہ یہاں نصیحت لیے پھرتا ہے! کیا......؟"

"کیا میں اُمید رکھوں، کہ میری بڑی بہن میری دوست آ گئی ہے اور اب میں تنہا نہیں رہا!"

روید نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ہاتھ پھیلایا، تو رواق جیسے دھیمے بندے کا بھی قہقہہ بے اختیار ... "ڈرامے باز ہے۔"

رامین نے اجازت طلب نظروں سے رواق کو دیکھا اور اجازت پا کر اپنا ہاتھ روید کے ہاتھ ...

’’تم جیو ہزاروں سال پیاری بھابھو!!‘‘

روید نے خوشی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

اے ڈی اور باقی سب ملازمین نے تالیاں مار کر خوشی کا اظہار کیا تھا۔

’’بھابی صاحبہ...... باؤ روید شعر سنا رہے تھے، آپ بھی سنیں......!!‘‘ اے ڈی نے

روید کو عادت تھی، کہ وہ مجمع اکٹھا کر کے سب کو شاعری سنایا کرتا تھا۔

’’ضرور کیوں نہیں ضرور سنیں گے۔‘‘

رامین نے پُراعتمادی سے کہا۔

رواق کی محبت نے ایک ہی دِن میں اُس کو بے حد پُراعتماد کر دیا تھا۔

’’بیبا اور بڑی اماں کدھر ہیں؟‘‘

رواق نے سامنے لگی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

’’بیبا، بڑی اماں کو لے کر ڈاکٹر کے پاس ریگولر چیک اپ کے لیے گئی ہیں، میں نے اٹھایا کہ ہٹلر کی غیر موجودگی میں ذرا کھل کر سانس لیا جائے۔‘‘

روید بڑی اماں کو ہٹلر ہی کہا کرتا تھا۔

’’بری بات روید!‘‘

رواق نے حسب معمول اُسے ٹوکا تھا۔

’’او کے...... او کے!!‘‘

’’نہیں کہتا عزت مآب ہٹلر صاحبہ کو!!‘‘

روید نے پھر شرارت کی جواباً رواق بس اُسے گھور کر رہ گیا۔

’’پلیز آپ ہمارا کچھ کلام تو ہمارے پاس آ کر سنیں۔‘‘

روید نے اُن کو پاس بیٹھا کر کہا۔

’’ضرور......!!

’’ضرور!!‘‘

رواق نے بے حد دلچسپی سے کہا۔

’’عرض کیا ہے!‘‘

روید نے گلا کھنکار کر کہا۔

’’جی جی ارشاد!‘‘

رواق نے بے حد خوش دلی سے کہا، رواق کے رویے میں بہت خوش کن تبدیلی تھی، ورنہ تو پہلے وہ روید کی حرکتیں دُور ہی دُور سے دیکھا کرتا تھا، بے شک وہ اُس کی شرارتوں کا حصے نہیں بنتا تھا، لیکن اُسے کبھی سخت نگاہ سے نہ دیکھا تھا، البتہ نصیحت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا، لیکن آج وہ بالکل اُس کے سامنے دوستوں کی طرح بیٹھ گیا تھا، بڑے پن کی جو دیوار اُس نے کھڑی کر رکھی تھی، آج وہ سب چھوٹی ہو کر روید کو دکھائی دی تھی، روید کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا، وہ ایک بار پھر شروع ہو چکا تھا۔

’’اپنی ایسی لائف ہو
اپنی ایسی وائف ہو!
پانچ فٹ سات انچ ہائٹ ہو
وزن میں تھوڑی لائٹ ہو
کبھی کبھی بس فائٹ ہو
اپنی ایسی لائف ہو
اپنی ایسی وائف ہو‘‘

روید نے جھوم جھوم کر کہا۔

’’تازہ کلام عرض ہے جو کچھ روز پہلے حسب حال اُترا تھا، یہ الگ بات ہے، حسب حال وہ نہیں اُترا تھا۔‘‘

روید نے شرارت سے آنکھیں مٹکا کر کہا۔

’’سندر سپنا وہ ناری ہو
پرس بھی جس کا بھاری ہو
پہنی اس نے ساڑھی ہو
ہونڈا جس کی گاڑی ہو
اپنی ایسی لائف ہو
اپنی ایسی وائف ہو
پانی ہو یا فائر ہو

ایم بی اے یا لائر ہو

اپنی ایسی لائف ہو

اپنی ایسی وائف ہو‘‘

روید نے ڈاکٹر رواق کو بغور دیکھتے ہوئے کچھ یاد کروانے کی کوشش کی۔

جواباً ڈاکٹر رواق نے اسے مکا دکھایا تھا۔

روید کھل کھلا کر ہنس دیا تھا۔

’’کیوٹ سی وہ ڈاکٹر ہو!‘‘ روید گنگنایا تھا۔

ڈاکٹر رواق نے خوش دلی سے اس کے مذاق کو سہا تھا۔

’’ڈاکٹر باؤ باہر کوئی بہت سوہنی سی کڑی آپ سے ملنے آئی ہے۔‘‘

باہر سے ملازمہ نے اندر آ کر کہا۔

’’کون ہے؟‘‘

ڈاکٹر رواق ابھی پوچھ ہی رہے تھے، کہ سامنے کا منظر دیکھ کر حیرت سے اٹھ کھڑے ہو گئے تھے، یہی کچھ حال روید کا بھی تھا۔

سامنے کا منظر ہی اس قدر غیر متوقع تھا، ڈاکٹر رواق اور روید کی حیرت بالکل بجا تھی۔

***

’’معلوم نہیں اور کتنے امتحان باقی ہیں؟‘‘

اشفاق کی امی نے روتے ہوئے کہا۔

گھر میں غربت اور شوہر کی بیماری نے ان کا دل خراب کر رکھا تھا، اب بڑا بیٹا یوں بیمار پڑا تھا اور زندگی اور موت کے بیچ جھول رہا تھا۔

’’حوصلہ رکھو باجی اللہ بہتر کریں گے۔‘‘ بشریٰ کی امی نے نند کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

اشفاق کی بگڑتی حالت دیکھ کر وہ بھی کچھ گھبرائی ہوئی تھیں۔

’’جی یہ بشریٰ کون ہیں؟‘‘

نرس نے ان کے قریب آ کر پوچھا تو بشریٰ کی ماں نے گڑبڑا کر نند کو دیکھا تھا، انہوں نے [illegible] تھا، بشریٰ سے چلو ہسپتال لیکن وہ آنے کو تیار نہ تھی۔

’’میری بھتیجی ہے!!‘‘

اشفاق کی امی نے آگے بڑھ کر کہا۔

’’مریض مسلسل اس کو پکار رہا ہے، کبھی بے ہوشی میں وہ اونچی آوازوں سے کبھی مدھم آواز میں لیکن نام صرف ایک ہی پکار رہا ہے۔‘‘ نرس نے تفصیل سے بتایا تو اشفاق کی ماں نے آس بھری نظروں سے بھاوج کو دیکھا تھا۔

’’وہ میں نے اسے کہا تھا، ساتھ آنے کو لیکن اس کو بہت تیز بخار تھا، اس بے چاری سے کھڑا ہی نہیں ہوا جا رہا تھا، پھر اشفاق کی خبر سن کر اس کا بی پی لو ہو گیا، تم تو جانتی ہو، بچپن سے ہی وہ ایک دوسرے کے بے حد گہرے دوست ہیں۔‘‘

بشریٰ کی امی نے جھوٹا بھرم رکھا تھا۔

’’وہ آ جاتی تو اچھا تھا، نا جانے کیوں بچہ اسے یاد کر رہا ہے!‘‘

اشفاق کی امی نے کہا۔

’’ہوں...... میں کوشش کرتی ہوں!‘‘

بشریٰ کی امی گھر فون کرنے کو لپکیں، بہر حال وہ اپنے شوہر کے سامنے جواب دہ تھیں، کہ انہوں نے ان کی بہن اور بھانجے کا خیال کیوں نہ رکھا تھا۔

’’ایک تو یہ لڑکی بڑی عجیب سی ہے۔

ماں ہو کر بھی میں اس کی عادتوں کو کبھی ٹھیک سے سمجھ نہیں پائی ہوں۔

کب جانے اس کا موڈ بدل جائے!

گھڑی میں تولہ تو گھڑی میں ماشہ ہے یہ لڑکی!!

ہر وقت اس کو اپنے ساتھ رکھتی تھی، پہلے اس کو اتنی دوستی دکھائی اور اب اس کی خبر گیری کرنے سے بھی انکار کر رہی ہے!!‘‘

بشریٰ کی امی نے کڑھتے سڑتے گھر کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

نمبر تو وہ گھر کا ڈائل کر رہی تھیں، لیکن ان کو بشریٰ سے کسی قسم کی کوئی امید نہ تھی۔

***

’’پھوپھو میں کچھ کلرز لینے انارکلی جا رہی ہوں۔‘‘

روین نے بیگ چیک کرتے ہوئے پھوپھو خدیجہ کو اطلاع دی۔

’’کس کے ساتھ جا رہی ہو؟‘‘

پھوپھو نے بابرہ شریف کی فلم کو ریوائنڈ کرتے ہوئے کہا، وہ یہ فلم روین کی گنتی کے تقریباً پچاس بار دیکھ چکی تھیں، لیکن روین کو حیرت ہوتی تھی، کہ پھوپھو ہر بار کیسے ایک فلم کو دیکھتی ہیں اور جانتے ہوئے بھی کہ اگلا سین کیا ہوگا، وہ اسی جوش و جذبے سے فلم کو دیکھتی تھیں، کہ جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔

ہر بار فلم کے ٹریجڈی سین پہ وہ پہلے کی طرح ہی آنسو بہاتی تھیں۔

''اللہ پھوپھو اس کی تو جان بخشی کر دیں، اب تو اس کی ریل ٹوٹنے والی ہوگئی ہے۔'' روین نے ہنستے ہوئے کہا۔

''اس کو میں نے دوبارہ منگوایا ہے!''

پھوپھو نے اسے مزید اطلاع دی تھی۔

''میرے اللہ!!؟''

روین کی مسکراہٹ بے اختیار تھی۔

''پھوپھو بس کریں کہیں یہ نہ ہو، کہ کیسٹ خود باہر نکل کر ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوجائے، کہ اللہ کے واسطے سکون سے جینے تو دو!''

روین نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں نے تم سے پوچھا تھا، کہ تم کس کے ساتھ جارہی ہو؟''

پھوپھو نے اپنا سوال دہرایا تھا۔

''ڈیڈی کے ساتھ...... ان کو بھی کوئی کام ہے!''

''واپسی پر شاید رامین کی طرف بھی چکر لگے۔'' روین نے سر کو دوپٹے سے اچھی طرح لپیٹتے ہوئے اطلاع دی۔

''ارے......!!''

اگر ایسا کوئی پروگرام ہے تو...... بھائی صاحب سے کہنا کہ پہلی بار بیٹی کے گھر جارہے ہیں کچھ لیتے جایئے گا۔ خالی ہاتھ نہ جایئے گا۔''

''ہمارے ہاں بیٹیوں کے ہاں جاتے ہوئے ہمیشہ کچھ لے جایا جاتا ہے۔''

پھوپھو کو ہمیشہ رسم و رواج کی فکر لگی رہتی تھی، وہ رسموں کو بہت اہمیت دیتی تھیں، خود تو ان چیزوں کا خیال کرتی ہی تھیں، دوسروں کو بھی ہر وقت اس کی اہمیت کا احساس دلاتی تھیں۔

''میری پیاری پھوپھو جان......!!''

''کچھ نہ کچھ تو لے ہی جائیں گے، آپ بتایئے کیا کچھ سپیشل لے جانا ہے!''

روین نے دروازے کے پاس رکتے ہوئے پوچھا۔

''پھل لے جانا مٹھائی بھی پانچ کلو سے کم نہ لے جانا۔'' پھوپھو نے کہا۔

''کیوں رامین کے ہاں کوئی خوشخبری ہے! اتنا کچھ کیوں لے جانا ہے۔''

روین نے پھوپھو کا مذاق اڑاتے ہوئے پوچھا۔

''بس زیادہ باتیں نہ کرو، میرا پیغام بھائی صاحب کو دے دینا وہ سمجھدار ہیں، خود ہی اچھا کرکے لے جائیں گے۔''

پھوپھو کی بات پر روین سر اثبات میں ہلاتی باہر نکل گئی۔

''کمال ہے بیٹا جی دو منٹ کا کہہ کر بیس منٹ بعد آرہی ہیں۔'' ڈیڈی نے روین کو دیکھ کر کہا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

چوکیدار نے گیٹ کھول دیا، تو وہ گاڑی مین روڈ پر لے آئے۔

''جی بیٹا جی پڑھائی کیسی جارہی ہے؟''

ڈیڈی نے وہی سوال پوچھ ڈالا، جس سے وہ ہمیشہ بچتی رہتی تھی۔

''ٹھیک جارہی ہے۔''

وہ منمنائی تھی، اللہ یہ کیسے سوال شروع ہوگئے، روین نے سر جھکا کر دل ہی دل میں کہا۔

''بیٹا اس بار آپ نے ہر صورت پیپر دینے ہیں۔'' ڈیڈی نے دوبارہ سے اپنی بات دہرائی جو اتنے دنوں سے دہرا رہے تھے، وہ جانتے تھے، کہ روین (ایگزام فیور) امتحانوں کے خوف سے گھبراتی ہے اور اسی وجہ سے اپنے دو سال ضائع کروا کر بیٹھی ہے۔

''جی ڈیڈی میری پوری کوشش ہوگی!!''

روین نے ناچار پھر کہا تھا، ایک دم ہی اس کا شاپنگ سے دل اٹھ گیا تھا۔

پڑھائی سے تو نہیں البتہ امتحانوں سے اس کی جان جاتی تھی۔

اس کا دماغ ہر وقت گڈ لک اور بیڈ لک میں پھنسا رہتا تھا۔

''آج دن لگتا ہے اچھا نہیں ہے۔ روین بی بی!!''

روین نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

"ارے......!!"

روین کی چیخ بے اختیار تھی، ڈیڈی جیسے محتاط ڈرائیور سے گاڑی بری طرح لہرائی تھی،
کی بریک سڑک پر چرچرائے تھے، سامنے ایک دم سے کوئی آ گیا تھا۔

دراصل گلی کی نکڑ سے ایک بچہ اپنی بلی کے پیچھے بھاگتا ہوا سامنے آیا تھا، اس سے پہلے
بچے کو کوئی نقصان ہوتا، کسی نوجوان نے تیزی سے بڑھ کر اسے بچایا تھا۔

بچہ تو دور جا گرا تھا، لیکن گاڑی اس نوجوان سے بری طرح ٹکرائی تھی۔

"میرے اللہ......!!"

روین کی چیخ بے ساختہ تھی۔

سامنے ہی وہ نوجوان خون سے لت پت پڑا تھا۔

"چاچو!!

"چاچو!!"

بچہ بھی نوجوان کے سر پر کھڑا پکار رہا تھا۔

"اللہ خیر کرے......!"

ڈیڈی پریشانی سے ماتھا مسلتے ہوئے باہر نکلے تھے، روین کو تو اپنی ٹانگوں سے جان
محسوس ہوئی تھی۔

"کیا یہ مر گیا ہے؟"

روین کو حسب عادت شدت بھری اور منفی سوچ نے گھیرا تھا اور اسے پریشان کر ڈالا تھا۔

"اللہ جی......!!"

"خیر کرنا......!!"

پہلی بار روین نے ایسے حالات میں اللہ کو پکارا تھا۔

اور اللہ اپنے پکارنے والے کو کبھی مایوس نہیں کرتے ہیں۔

***

"دیپا......!!"

"تم یہاں......؟"

ڈاکٹر رواق بھی وقتی طور پر کچھ گھبرا سے گئے تھے۔

"تم نے اپنی شادی میں مجھے نہیں بلایا، لیکن تمہاری دلہن سے ملنے کا تو حق ہے ناں؟
آخر......"

"آخر میں......بقول تمہارے تمہاری اکلوتی سہیلی ہوں!"

دیپا نے نم نم لہجے اور کرچی کرچی دل کے ساتھ اتنا دھیمے سے کہا، کہ پاس کھڑے رواق ہی
اس کی بات سن سکے تھے۔

"آیئے بھابی صاحبہ آپ کو میں ان سے ملواتا ہوں، یہ ہیں ہمارے ہسپتال کی بہت قابل
سرجن اور بھائی میاں کی بہت اچھی دوست بھی۔" روید نے رامین کا ہاتھ پکڑ کر سامنے آتے ہوئے
عمر سے بڑی حرکت کی تھی، ڈاکٹر رواق جیسا آدمی ایسی سچوئیشن میں کچھ پل کو چپ رہ گیا تھا،
لیکن روید نے بہت سمجھ داری دکھائی تھی۔

"السلام علیکم!"

رامین نے خوش دلی سے آگے ہاتھ بڑھایا تھا۔

دیپا نے بے حد زخمی نظروں سے رامین کا سنہرا روپ دیکھا تھا۔

رامین کا کھلا کھلا چہرہ دیکھ کر اس کے حلق میں کانٹے سے اُگ آئے تھے، پارس اسے چھو چکا

دیپا ضبط کے پہاڑ طے کرتے کرتے ہانپ رہی تھی۔

اس نے اپنے آنسو پیتے نمکین ہوتے گلے کے ساتھ کھنکار کر آگے ہاتھ بڑھا دیا تھا۔

ڈاکٹر رواق نے بے حد دکھ سے دیپا کو دیکھا تھا۔

''کیوں چلی آئی تم یہاں......؟''

وہ دل ہی دل میں کلبلائے تھے۔

''رواق......!!''

''تمہاری دلہن......''

''دلہن تو بہت پیاری ہے......!''

دیپا نے سچائی سے کہا تھا۔

''شکریہ......!!'' رواق نے گہری طویل سانس بھرتے ہوئے کہا تھا۔

''معزز خواتین و حضرات! گفتگو بیٹھ کر نہ کی جائے؟''

روید نے ان سب کو احساس دلایا کہ وہ سب کھڑے ہیں۔

''نہیں روید......!! میں نہیں بیٹھوں گی!!''

دیپا ضدی لہجے میں بولی تھی۔

بہت بڑی بڑی سیاہ آنکھوں اور کمر سے نیچے آتے کالے سیاہ بال گداز بدن کے ساتھ مبہوت کر دینے کی حد تک خوبصورت تھی۔

رامین نے اس کے حسن سے متاثر ہو کر ایک بار پھر جائزہ لیا تھا، اس کی شخصیت میں ایک بات بے حد نمایاں تھی اور وہ تھی، اس کی آنکھوں کی نمی اور ان میں تیرتی شدید اداسی تھی۔

''یہ میں......ان کے لیے تحفہ لائی تھی۔''

دیپا نے ایک ڈبا سامنے کرتے ہوئے کہا تھا۔

''یہ میری جانب سے آپ کے لیے ہے!'' دیپا نے ڈبا رامین کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا تھا۔

''ارے اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔'' رامین نے تکلف سے کہا۔ ''اور آپ پلیز بیٹھیں ناں!''

رامین نے آداب میزبانی نبھاتے ہوئے کہا تھا۔

''نہیں میں بیٹھوں گی نہیں۔'' دیپا کے لہجے میں عجیب سی ناراضگی اور ضد تھی۔

''یہ ہمارے دھرم میں دلہنیں پہنتی ہیں، ہمارے ہاں اسے سہاگ کی نشانی سمجھا جاتا ہے''

دیپا نے ڈبہ کھول کر رامین کو دکھاتے ہوئے کہا تھا، وہ سونے کا لاکٹ نما منگل سوتر تھا۔

''آپ......!! اسے گہنا سمجھ کر پہن لینا......!!''

وہ ٹوٹے لہجے میں کہتی رواق پر ایک بے دم سی سسکتی نظر ڈالتی واپس مڑ گئی تھی۔

کس قدر ارمان سے دیپا نے یہ خوبصورت سا منگل سوتر خریدا تھا، لیکن وہ جس کے نام کا پہنا تھا، اب کسی اور کا ہو گیا تو وہ اسے رکھ کر کیا کرتی؟

''کچھ عجیب سا رویہ نہیں تھا ان کا......؟''

رامین نے اس کے جانے کے بعد رواق سے کہا۔

''آں......نہ......نہیں......وہ ایسی ہی ہے!''

رواق نے چونک کر جواب دیا تھا۔

''کیسی......؟''

رامین نے رواق کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

رواق نے اپنے اندر جھانکا تھا، دیپا کے آنسو اس کے دل کو بھگو گئے تھے۔

سچی محبت کی تپش تو ہمیشہ ہی اثر کرتی ہے!

دیپا کی محبت نے رواق کو کھو کر اپنی اہمیت کو نہ کھویا تھا، شاید یہی وجہ تھی، رواق کا دل دیپا کے آنسوؤں پر بے حد بے چین تھا۔

''کبھی شعلہ اور کبھی شبنم جیسی......!!''

رواق کے لب بے اختیار پھڑپھڑائے تھے۔

رامین نے رواق کو بغور دیکھا تھا، وہ کھوئے کھوئے سے تھے۔

''کم آن بھابی صاحبہ...... یہ بھائی میاں کی تو ایک درجن سے زیادہ سہیلیاں ہیں، آپ ابھی سے پریشان ہو گئیں۔'' روید نے رامین کو چھیڑا۔

''جناب رواق ایسے نہیں ہیں۔''

رامین نے فوراً کہا، حالانکہ ابھی ایک پل پہلے اس کی آنکھوں میں سوال تھا۔

روید بے اختیار مسکرایا تھا، اگر سچ کو ایسے طریقے سے بولا جائے، تو ہمیشہ اپنی شدت کو کھو دیتا ہے اور روید کم عمر سہی، لیکن بے حد ذہین تھا اور یہ اس نے فوراً رواق پر ثابت کر دیا تھا۔

''اچھا جی ایک ہی رات میں اتنا کچھ جان گئیں بھائی میاں کے متعلق۔ اتنا کچھ جاننے میں

ہمیں تو سالوں لگے تھے۔''

روید کے لہجے میں شرارت بے حد نمایاں تھی۔

رامین کا سفید رنگ ایک دم سے سرخ پڑ گیا تھا۔

''اوئے ہوئے......!!'' روید کی شرارت عروج پر تھی۔

رامین نے مدد طلب نظروں سے مسکراتے ہوئے رواق کی جانب دیکھا، جنہوں نے ان کے کندھے کے گرد اپنا بازو حمائل کر کے اسے بھرپور تحفظ کا احساس دلایا تھا۔

رامین کے اندر تک سکون اتر آیا تھا۔

''رواق! ویسے کس قدر یونیک ہے ناں......؟''

رامین نے کھلے ڈبے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

رواق نے جگمگاتے ہوئے اس منگل سوتر کو دیکھا تھا۔

جانے ڈاکٹر رواق کو کیوں لگا، کہ وہ جگمگاتے نگینے دیپا کے آنسوؤں میں بدل گئے ہوں۔

رواق نے بے اختیار گہری سانس بھر کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''کھولو کھولو اپنی آنکھیں اور غور سے سنو

دینے کو تو بہت کچھ ہے، پر اپنا سا کچھ دینا چاہتی ہوں!!''

اور دیپا جاتے جاتے رواق کے دل میں کچھ مختلف سا احساس دے گئی تھی۔

☆☆☆

گھر موم کا پہلے تو بنایا نہیں جاتا
بن جائے تو سورج سے بچایا نہیں جاتا
اب تم ہو مقابل تو مجھے ہارنا ہوگا
تم کو تو مری جان ہرایا نہیں جاتا

دلوں کی دنیا بڑی عجیب سی ہوتی ہے، جہاں آگ دو طرح کی ہوتی ہے، ایک آگ جو محبت کی ہوتی ہے، وہ پتھر اور سخت دلوں کو موم کر کے محبت سکھا دیتی ہے اور دوسری آگ...... نفرت کی آگ ہوتی ہے، جو محبت بھرے دلوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے اور نفرت کرنے والا بھول جاتا ہے کہ بالآخر اس آگ نے اسے بھی اپنی لپیٹ میں لینا ہوتا ہے، جلانا ہوتا ہے! راکھ کرنا ہوتا ہے!!''

نور منزل میں بھی ان دنوں دونوں طرح کی آگ لگی ہوئی تھی، ایک جانب رانیا تھی، جو

ترتیب اور مقام بدلنے میں کوشاں تھی اور دوسری جانب ضیاء چچا تھے، جن کا دل سوتے جاگتے صرف ایک ہی نام لیتا تھا اور وہ اپنی اس بے بسی اور دل کی ضد سے تھکنے لگے تھے۔

آمنہ تھکے تھکے چہرے کے ساتھ مالی بابا کے ساتھ پھولوں کی تراش خراش کروا رہی تھی، اس کی بڑی بڑی آنکھیں اس کے کمزور چہرے پہ بے حد نمایاں ہو رہی تھیں۔

ضیاء چچا اپنے کمرے کی کھڑکی سے مسلسل اسے ہی تک رہے تھے، اس پل وہ شاید خود میں نہیں تھے، وہ اکثر نہ کرتے بھی اس کی جانب کسی مقناطیس کی طرح کھنچنے لگتے تھے۔

رانیا انگوروں کی پلیٹ لے کر لان میں آئی، تو سب سے پہلے اس کی نگاہ ضیاء چچا اور پھر بے کام کرواتی آمنہ پر پڑی تھی۔ ''اوہو......تو یہ سین چل رہا ہے!!''

''لیکن کس قدر بے رنگ سین ہے، اس میں رنگ تو خود ہی بھرنے ہوں گے۔'' وہ مسکراتی مڑی۔

کچھ دیر بعد وہ پھوپھو کو لیے باتیں کرتی باہر آئی تھی، پھوپھو کو وہ بہانے سے باہر لائی تھی اور ایسی جگہ لے کر کھڑی ہو گئی، جہاں سے یہ منظر بہت آسانی سے نظروں میں آ جاتا تھا۔

''ارے میں تو بھول گئی میں چولہے پہ چکن ابالنے رکھ کر آئی تھی، میرا دل آج چائنیز پکانے کو ...، میں ابھی آئی چولہا بند کر کے۔''

وہ بہانے سے خود کھسک گئی اور کچھ دور جا کر پھوپھو کا پریشان چہرہ دیکھ کر محظوظ ہوئی تھی۔

پھوپھو گم سم ضیاء چچا کو دیکھ رہی تھیں، جو بے حد کھوئے ہوئے تھے۔

''لو بھئی رانیا بیگم کون کہتا ہے، کہ تصویر میں کوئی اور رنگ نہیں بھر سکتا، ارے ہم تو سین بدل ڈالنے والوں میں سے ہیں۔'' وہ مسکراتی ہوئی اندر کی جانب بڑھی تھی۔

جبکہ وہ نہ جانتی تھی، کہ پھوپھو نے گم سم ضیاء کو تو ضرور دیکھا تھا، لیکن ان کی نگاہوں کا مرکز ... دیکھا تھا۔

وہ تو ضیاء چچا کا اترا اترا چہرہ دیکھ کر ہول کھا گئی تھیں۔

''میرے تو بچوں کی طرح ہے، مجھے اس کے لیے کچھ کرنا ہوگا۔''

زندگی کا ساتھی جب جب آتا ہے، تو مرد کو بہلا لیتا ہے، پھر عورت وہ واحد مسیحا ہے، جو مرد ... اپنے وجود سے خوشی میں بدل دیتی ہے اور ان کو اب ضیاء چچا کے لیے اس وجود کو تلاش ... ان کی تنہائیوں کو آ کر ختم کر دیتی ان کی اداسیوں کو خوشیوں میں بدل دیتی۔

وہ کسی فیصلے پر پہنچ کر اندر کی جانب مڑی تھیں۔

☆☆☆

''بیٹا آپ ٹھیک ہیں؟''

عادل کے کانوں میں نہایت شفیق آواز ٹکرائی تھی۔

''آہ!'' درد کی لہر نے اس کے جسم کو توڑا تھا۔ ''اُف کتنا درد ہے!''

''بیٹا پلیز آنکھیں کھولیں۔''

گھپ اندھیرے میں تیرتے ہوئے، عادل کو یہ آواز کسی سہارے کی طرح لگی تو دھیرے دھیرے اسے ہوش کے کنارے تک لے آئی تھی، بالآخر عادل نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

''شکر الحمدللہ آپ کو شدید چوٹیں نہیں آئیں۔''

عبدالقدیر صاحب نے عادل کو ہوش میں آتے دیکھ کر کہا تھا۔

''میں کہاں ہوں؟''

''وہ......گڈو......گڈو کدھر ہے؟''

عادل کو فوراً گڈو کا خیال آیا، جو اپنی بلی کے پیچھے بھاگتا ہوا گاڑی کے سامنے آ گیا تھا۔

''بیٹا جی وہ بھی ہمارے ہی ساتھ ہے، وہ بچہ غالباً آپ کا ہی تھا، اس لیے ہم آپ کے ساتھ ہی اسے بھی ہسپتال لے آئے تھے، اس وقت وہ میری بیٹی کے پاس باہر لان میں کھیل رہا ہے۔''

عبدالقدیر صاحب نے تفصیل سے اس کا جواب دیا تھا، تاکہ وہ تسلی میں رہے۔

''جی وہ میرے بڑے بھائی کا بیٹا ہے!''

عادل نے درد سے کراہتے ہوئے جواب دیا۔

''آپ کا کیا نام ہے بیٹا؟''

عبدالقدیر صاحب کو اس کی آواز اور چہرہ جانے کیوں جانا پہچانا سا محسوس ہوا تھا۔

''میرا نام عادل مرزا ہے۔''

عادل نے نفاست سے جواب دیا تھا۔

''مرزا خورشید کے بیٹے ہو آپ؟'' عبدالقدیر صاحب کے دماغ میں فوراً ایک خورشید مرزا کا چہرہ لہرایا تھا۔

''جی ہاں......!!''

''آپ ان کو جانتے تھے؟'' عادل نے بھی پوچھا۔

''وہ میرا بہت پیارا دوست ہے، ہم نے کالج تک اکٹھے پڑھا ہے، پھر میں باہر چلا گیا تھا، ...تعلیم بھی وہیں پوری کی اور نوکری بھی میں نے وہیں کی تو بہت سال پاکستان کے دوستوں ...رابطہ کٹا رہا، کہاں ہوتا ہے، خورشید مرزا؟ آج کل کیا کر رہا ہے؟ اور تمہارے علاوہ اور کتنے ...بچے ہیں اس کے؟'' عبدالقدیر صاحب نے نہایت پرجوش انداز میں پوچھا تھا۔

عادل کا چہرہ ایک دم سے سیاہ پڑ گیا تھا۔

''وہ......اب ہم میں نہیں رہے!!''

باپ سے عادل کی جس قدر وابستگی تھی، اس وجہ سے ہر بار ان کا غم اسے تازہ ہو کر دکھی کرتا تھا۔

عبدالقدیر صاحب کا بھی حال عادل سے مختلف نہ تھا، ان کی آنکھوں کے سامنے خورشید مرزا ...مسکراتا چہرہ لہرایا تھا۔

''وہ میرا بہت پیارا دوست تھا!!''

عبدالقدیر صاحب کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ ''میں کئی سال اسے تلاش کرتا رہا ہوں، لیکن میری قسمت ...میں اس سے ملنا نہ لکھا تھا۔''

عبدالقدیر صاحب نے بے اختیار لمبی ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

عادل اس وقت اندرونی بیرونی دونوں طرح کی تکلیفوں میں مبتلا تھا، اس نے بے اختیار ...ب بھینچے تھے۔

''تم میں اس کی بہت جھلک موجود ہے!!''

انہوں نے پیار سے اپنا ہاتھ عادل کے ماتھے پر رکھا تھا، عادل کے دکھتے سلگتے وجود میں ایک ٹھنڈک کا احساس اترا تھا۔

''کچھ لوگ کیسے امرت کی طرح ہوتے ہیں، جو چھو کر زندہ کر دیتے ہیں۔''

''جن لوگوں کے دلوں میں خیر اور محبت بستی ہے، ان کے اندر سے شعاعیں سی پھوٹتی ہیں، ...دوسروں کے دلوں پر اثر رکھتی ہیں ایسے لوگ روشنی کی طرح ہوتے ہیں۔''

عادل کو ابا کی وفات کے بعد پہلی بار کسی کی محبت میں اتنا سکون ملا تھا۔

''تم میرے بیٹے کی طرح ہو اور مرزا کی وجہ سے تو دوہرا ناتا ہے، تم مجھ سے ملتے رہنا''

عبدالقدیر صاحب نے پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے کہا تھا۔

''جی ضرور!!''

عادل نے ان کے شفیق چہرے کو جی بھر کر دیکھ کر کہا تھا۔

''ڈیڈی......وہ زندہ ہے ناں؟''

کمرے کا دروازہ کھول کر ایک گھبرائی آواز والی حسین لڑکی داخل ہوئی، تو عادل کا دل معمول سے ہٹ کر دھڑکا تھا۔''

''اوئے......!! نہ......نہ......!!''

عادل نے دل کو گھر کا تھا۔

''یار یہ تو وہی ماہ جبین ہے!!''

دل نے اسے یاد دہانی کروائی کہ یہ وہ ہی لڑکی ہے، جس کا خیال آج کل ہر پل اس کے ساتھ ساتھ رہتا تھا۔

عادل دل کی بے بسی پر خود کو بے حد مجبور محسوس کر رہا تھا۔

''بیٹا اللہ سے ہمیشہ خیر مانگتے ہیں!! دیکھو یہ بالکل ٹھیک ہے۔''

عبدالقدیر صاحب نے روین کی بدگمانی دور کی تھی۔

''اللہ تیرا............ش............شکر!!''

روین کا شکر منہ میں ہی رہ گیا، سامنے عادل پڑا تھا۔

''آپ............؟''

وہ بے اختیار بولی تھی۔

''کیا آپ ان کو پہلے سے جانتے ہو؟''

عبدالقدیر صاحب نے پوچھا تھا۔

''جی............ یہ وہ ہی ہیں، جنہوں نے رامین کے مہندی والے دن میرے کپڑوں سے آگ بجھائی تھی۔''

روین نے ڈیڈی کو بتایا تھا۔

''اوہ!'' ڈیڈی نے کہا۔

اور بہت اچھا انسان ہے۔'' میرے بہت اچھے دوست کا بیٹا ہے!

ڈیڈی عادل سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے، وہ کہیں بھی تابع فرمان اور ویلیوز والا لڑکا دیکھتے تو ان کے دل میں اک ہوک سی اٹھتی تھی۔

''آج اگر میرا بیٹا ہوتا تو ایسا ہی ہوتا۔''

جملہ ہمیشہ ان کے دل و دماغ میں آتا تھا۔

اگر اللہ نے کوئی نعمت نہ دی ہو، تو خواہش کے باوجود ایک وقت اس پر صبر آ جاتا ہے، لیکن اللہ نے ایک نعمت دی ہو اور دنیا نے اسے زبردستی چھین لیا ہو تو صبر نہیں آتا۔ بالکل صبر نہیں آتا

شاید یہ ہی وجہ تھی، کہ ڈیڈی ہمیشہ ہر لڑکے میں جوان کو اچھا لگ جاتا تھا، کسی کا چہرہ ہر وقت ڈھونڈتے تھے۔

''میں ڈاکٹر صاحب کو بلا کر لاتا ہوں، ڈیڈی کہہ کر باہر نکلے تھے۔''

''گڈو............!!''

عادل نے چپ چاپ کھڑے گڈو کو پاس بلایا۔

''جی چاچو!!''

وہ فرمانبرداری سے آگے بڑھا تھا۔

''کیسے ہو ٹھیک ہو؟ تمہاری بوبو کدھر ہے؟''

عادل نے پیار سے پوچھا۔

''بوبو کو روم میں سسٹر آنے نہیں دے رہی تھی، وہ ان کے پاس ہی بیٹھی ہے، ایکچولی کیٹس ناٹ الاؤڈ ٹو کم ہیئر!!'' (Actually cats are not allowed to come here)

گڈو نے اپنی بڑی بڑی معصوم آنکھیں کھول کر کہا، تو عادل نے بے اختیار اسے سینے سے لگا لیا۔

''چاچو کی جان............!!''

اگرچہ عمیر مرزا اور سونیا بھابی سے اس کی ناراضگی تھی، لیکن گڈو میں عادل کی جان اٹکی رہتی تھی اس لیے وہ ہفتے میں دو تین دن ضرور گڈو کو لا کر کھیلا کرتا تھا۔

گڈو کو اس کی پالتو بلی بو بو بھی اسی نے لا کر دی تھی۔

"چاچو یہ والی آپی از ویری نائس.........!!"

گڈو نے ابھی تک روین کا ہاتھ ایک ہاتھ میں تھام رکھا تھا۔

روین چپ چاپ کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔

"تم کو یہ والی آپ پسند ہے!!"

باوجود بے حد تکلیف کے عادل شرارت سے باز نہ آیا تھا۔

"بہت اچھی ہے اور آئس کریم بھی کھلاتی ہے! مجھے تو بہت اچھی لگی ہے!"

گڈو کو عادل نے عادت ڈال رکھی تھی، ہر چیز پہ رائے دینے کی، اس لیے وہ جھٹ سے بول رہا تھا۔

"مجھے بھی بہت اچھی لگتی ہیں، لیکن یہ مجھے کبھی آئس کریم نہیں کھلاتی ہیں۔" عادل نے نظر روین پہ ڈالتے ہوئے کہا۔

روین نے حیرت سے عادل کو دیکھا تھا، لیکن اگلے ہی پل وہ نظریں جھکانے پر مجبور تھی۔

عادل کی نظروں کی تپش سہارنا اس سے مشکل ہو گیا تھا۔

"آپ کیا کبھی بھی چپ نہیں بیٹھتے؟"

روین نے اس کی نظروں سے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے سے گھبرا رہی تھی۔

"یہ ادھر ادھر کیا تلاش کر رہی ہیں؟"

عادل نے ذرا کراہ کر اٹھتے ہوئے اس کی نظر پکڑی تھی۔

روین نے بس ایک پل اسے دیکھا تھا، اس کا دل کانوں میں دھڑکا تھا۔

"میں.........میں تھوڑی سی شرم تلاش کر رہی ہوں، جو میں کسی کو دے سکوں، جو ہر پل بنا شرم کیے بس بولے ہی جاتا ہے۔"

روین نے عادل کو کچھ شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ارے.........ارے.........!!"

"اتنی بدگمانی.........!!"

ارے جناب ہم تو خاصے شرم و حیا والے بندے ہیں۔ ایکچولی! میں تو خالص مشرقی لڑکا ہوں، نہ جانے کیا سمجھ بیٹھی ہیں۔"

عادل نے طویل سانس بھر کر درد کی لہر کو دبایا تھا۔

بے شک درد بہت زیادہ تھا، لیکن جب انسان کے دل پسند منظر سامنے ہوں، تو درد کا سمندر بھی شدت کم کر جاتا ہے۔

اس کے سامنے روین تھی، جس کو اس نے گزشتہ کئی دنوں سے اتنی شدت سے سوچا تھا، کہ وہ ایک دم سے سامنے آئی تھی، تو وہ اپنی ہر تکلیف بھول گیا تھا۔

"میں کیوں آپ کے متعلق کچھ سوچوں سمجھوں؟"

روین بھی صاف مکری تھی، یہ سچ تھا کہ عادل کی شوخ نظریں اکثر اس کے من کے پردے پر [illegible]

"چلیے اگر آپ کہتی ہیں، تو مان لیتے ہیں۔" عادل نے نہ ماننے والے انداز میں کہا۔

"لیکن کچھ تو سوچتی ہوں گی میرے متعلق؟"

"ارے اچھی زبردستی ہے!!"

روین نے سر ہلایا تھا۔

عادل اس کے زچ ہونے پہ بے اختیار مسکرایا تھا۔

"ہائے.........!!"

ٹکرانے سے بھی سر میں دھمک کے ساتھ درد ہوئی تھی، اس لیے کراہ بے اختیار تھی۔

اتنے میں ڈیڈی ڈاکٹر صاحب کے ساتھ اندر داخل ہوئے تھے۔

ڈاکٹر نے نرس کو ایک ڈرپ لگانے کو کہا تھا، جس میں "پین کلر" دوا بھی شامل تھی۔

"بس یہ ڈرپ ختم ہو جائے، تو آپ مریض کو گھر لے جا سکیں گے، میں نے ان کے لیے دوائیں لکھ دی ہے، وہ بھی شروع کروا دیجیے گا۔" ڈاکٹر ہدایات دیتے ہوئے باہر نکل گئے۔

"بیٹا آپ ان کے پاس بیٹھیں میں گھر فون کر کے آپا کو اطلاع کر آؤں، وہ کہیں رامین کے گھر جا کر نہ پوچھ لے؟

اگر انہوں نے ہم کو رامین کے ہاں نہ پایا، تو بے حد فکر کریں گی۔" ڈیڈی پھوپھو خدیجہ کو خوب اچھی طرح جانتے تھے، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پہ پریشان ہو جاتی تھیں، وہ عادت سے مجبور

تھیں، گھر سے نکلتے ہی وہ گھڑی دیکھ دیکھ کر وقت کا حساب لگاتی رہتی تھیں اور اگر ان میں
میں سے کوئی لیٹ ہو جاتا، تو ان کا بلڈ پریشر بے حد ہائی ہو جاتا تھا۔

"جی ڈیڈی آپ ہو آئیں!!"

روین نے پاس پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے ڈیڈی کو تسلی دی تھی، جو پھوپھو کو فون کر
عادل کی میڈیسن لینے باہر نکل گئے تھے۔

"چاچو مجھے نیند آ رہی ہے!!"

گڈو بے چارا تھک گیا تھا۔

"ادھر آؤ بیٹا میری گود میں آ جاؤ" روین نے گڈو کو بہت پیار سے گود میں بٹھا لیا تھا، اسے
بہت نیند آ رہی تھی، اس عمر کی بھوک اور نیند دونوں چھوٹی چڑیا جیسی ہوتی ہیں۔

بار بار آتی ہیں بار بار لوٹتی ہیں۔

گڈو کی آنکھیں بھی فوراً بند ہو گئی تھیں۔

"کیا ابھی تک ناراض ہیں؟"

عادل نے سٹر کے باہر نکلنے پر چپ چاپ بیٹھی روین سے پوچھا تھا۔

"آپ چپ کر کے نہیں بیٹھ سکتے؟"

روین نے عادل کو ڈانٹنے کے انداز میں کہا تھا۔

"کیا آپ کے ہاں ہر وقت گرج برس کا موسم ہی رہتا ہے!!"

عادل نے بند ہوتیں آنکھوں کے ساتھ پوچھا تھا، انجکشن میں شاید نیند کی دوا بھی تھی۔

"آرام سے چپ کر کے لیٹے رہیں، ورنہ یاد رکھیں کہ گرج برس کے اس موسم میں اکثر
بھی گرتی ہے اور بجلی گر کر راکھ بھی کر دیتی ہے۔"

روین نے مصنوعی خفگی سے اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔

"اوہ......نہ یار......!!"

"ابھی تو ہمت نہیں ہے، میرا سارا انجر پنجر ہلا ہوا ہے!!"

عادل نے مسکراتے ہوئے ڈرنے کی اداکاری کی تھی۔

"چپ!!"

روین نے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کر اسے چپ کروایا تھا۔

عادل نے اسے بہت نثار ہوتی نظروں سے دیکھا تھا اور اشارے سے منہ پر انگلی رکھ کر اسے
بڑھایا تھا۔

روین نے سر جھکا کر اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔

"پاگل......!"

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی تھی، لیکن وہ حیران تھی، کہ اس کے دل میں عادل کے لیے رتی بھر
نہ تھی۔

"یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟"

روین نے گھبرا کر عادل کو دیکھا، جو بڑی تابع فرمانی سے منہ پر انگلی رکھے آنکھیں بند کیے سو

"یہ کیا مختلف سا احساس ہے؟"

روین نے ایک بار گھبرا کر خود سے پوچھا تھا۔

دل کی بند کھڑکی کھول کر جب جب کوئی بنا اجازت آ کر براجمان ہوتا ہے، تو کچھ ایسی ہی
محسوس ہوتی ہے اور جب یہ اجنبی دل کا مکین بنتا ہے، تو یہ ہی حیرت زندگی کی سب سے بڑی
خوشی بن جاتی ہے۔

☆☆☆

"روید......!!"

بیا نے اس کے کمرے میں داخل ہو کر اسے پکارا، جو کتابوں کے ڈھیر پہ آڑا ترچھا سو رہا

روید جس قدر بے پرواہ دکھائی دیتا تھا، پڑھائی میں بہت اچھا تھا، ہمیشہ پہلی یا دوسری پوزیشن

بڑی اماں کو کبھی اعتبار نہ آتا تھا، کہ روید کبھی پڑھتا بھی ہے، کیونکہ سارا دن یا تو وہ باتوں میں
نظر آتا تھا، یا پھر لان ٹینس، سکوائش وغیرہ کھیلتا نظر آتا تھا۔

"روید......!!"

بیا کو اس پہ ایک دم سے بہت پیار آیا تھا، گھنے سنہری براؤن بال ماتھے پہ بکھرے ہوئے
بیا نے جھک کر اس کے ماتھے سے بال سمیٹے تھے۔

''السلام علیکم والدہ حضور!!''

روید نے اٹھتے ہی شرارت سے آنکھیں مٹکائی تھیں۔

''گندا بچہ!!''

بیبا نے اس کے سر پہ پیار سے چپت لگائی تھی۔

''بڑی اماں ٹھیک کہتی ہیں، کہ یہ شرارتوں کی پٹاری ہے، اٹھتے ہی شرارتیں شروع......!!''

بیبا نے کتابیں سمیٹتے ہوئے کہا تھا۔

''بڑی اماں......ہٹلر حسینہ......!!

وہ تو جو رائے ایک بار قائم کرلیں، وہ ساری زندگی قائم دائم رہتی ہے، چاہے وہ غلط بندے کے متعلق اچھی رائے ہو یا درست بندے کے متعلق غلط رائے۔'' روید نے کہا۔

''بری بات بیٹا وہ تمہاری نانی ہیں، بڑوں کے لیے ایسا نہیں بولتے۔'' بیبا ان ماؤں میں سے نہ تھیں، جو لاڈ میں ہر حد پار کر نے دیتیں، وہ روید کو بہت زیادہ چاہتی تھیں، لیکن انہوں نے روید کو کبھی غلط بات پہ appreciate نہ کیا تھا۔

''روید......کل کوئی لڑکی آئی تھی، مجھے بہار نے بتایا تھا۔''

بیبا اصل بات کی جانب آئیں، جو وہ جاننا چاہتی تھیں۔

''کب......؟''

روید نے انجان بن کر انگڑائی لی۔

''کل جب میں بڑی اماں کی طرف تھی۔'' بیبا نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''جب بہار بیگم نے اتنا بتا دیا تھا باقی کی اطلاعات بھی تو مل ہی گئی ہوں گی، مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں۔'' روید نے تولیہ گردن میں ڈال کر باتھ روم کا رخ کیا۔

''یہ وہی لڑکی ہے ناں......؟''

بیبا کچھ کہتے کہتے ہچکچائی تھیں۔

''کون......؟''

روید نے مزہ لے کر پوچھا۔

''روید......!!''

بیبا نے اسے ڈپٹا۔

''جی بالکل یہ وہی حسینہ تھی جو بھائی میاں کے گلے لگی (بلکہ گلے پڑی) اس دن رو رہی تھی'' روید نے بے خوفی سے کہا۔

بیبا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا کہ آیا، وہ ان سے کچھ چھپا تو نہیں رہا۔

''بیبا وہ بھائی میاں کی بہت اچھی دوست ہے!!''

''اگر دوست سے زیادہ کچھ اور ہوتی تو آج رامین بھابی کی جگہ پہ ہوتی، آپ کو اپنے بیٹوں سے زیادہ خود پہ اعتبار کرنا چاہیے، کہ آپ کی اچھی تربیت تو پیچھے بھی ڈنڈا پکڑ کر سیدھے راہ چلاتی ہے''

روید سنجیدہ بات کرتے کرتے آخر میں پھر غیر سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''روید......!!''

بیبا نے تنبیہی انداز میں اسے روکا تھا۔

''کم آن والدہ ڈونٹ وری وہ سوائے ایک بہترین ڈاکٹر اور بھائی میاں کی اچھی دوست کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔''

روید نے ان کے سارے واہمے دور کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن وہ بہار تو کچھ اور ہی کہہ رہی تھی۔'' بیبا نے کہا۔

''والدہ خبردار جو اپنی عادات خراب کیں اور سنی سنائی باتوں پر یقین کیا، اس بہار بیگم کی ایسی کی تیسی......!! اس کے ہاں آج خزاں آنے والی ہے، کم بخت نے بی بی سی کا department سنبھال لیا ہے۔''

روید کو بہار کی اس چغل خور عادت سے نہایت چڑ تھی۔

''اچھا اس کو میں دیکھ لوں گی تم موڈ ٹھیک رکھو۔''

بیبا کو اپنے لاڈلے کا موڈ بہت پیارا تھا۔

''اور مجھ سے پرامس کریں، آپ اتنی سمجھ دار اور معاملہ فہم ہو کر بھی نوکروں کے کہنے پہ کبھی وضاحت نہیں مانگیں گی۔'' روید اپنی عمر سے بڑا رویہ رکھے ہوئے تھا، یہ سچ تھا، کہ اس کی بے نیازی میں بھی پرواہ ہوتی تھی۔

''اوکے پرامس......!!''

بیبا نے خوش دلی سے ہاں کی تھی۔

اچانک باہر سے مختلف قسم کا شور اٹھا تھا۔

جہاں بیبا کے چہرے کی رنگت بدلی تھی، روید نے بھی آہ نما سانس بھرا تھا۔

''اوہ نو، ناٹ اگین......!!

یہ اظہر انکل اور رابعہ آنٹی کی کہانی کا جانے کیا 'دی اینڈ' ہوگا!''

وہ بڑبڑاتا باہر نکلا۔

بہر حال کچھ بھی تھا، رابعہ آنٹی اس کو بہت عزیز تھیں وہ چاہ کر بھی ان کے کسی معاملے سے انجان نہ رہ سکتا تھا۔

''باجی......!! یہ شخص...... یہ شخص کسی دن میری جان لے کر رہے گا!''

رابعہ آنٹی نے بیبا کو دیکھتے ہی کہا تھا۔

بھل بھل آنسو ان کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

''کیا ہوا رابعہ آنٹی؟

روید نے ان کے کندھے کے گرد بازو حمائل کر کے کہا۔

''روید......''

وہ ایک دم ہی اس کے گلے سے لگ کر رونے لگی تھیں۔

''اس کو دیکھو......اس کے حلیے کو دیکھو......!!''

روید نے اظہر انکل کو دیکھا تھا، جو پاؤں میں گھنگھرو باندھے کھڑے تھے۔

''اظہر انکل یہ سب کیا ہے؟''

رواق نے کمرے سے باہر نکلتے ہی پوچھا تھا۔

بیبا نے شکر کیا تھا، کہ رامین گھر میں نہ تھی، ورنہ اس کے سامنے یہ تماشہ لگ جاتا......لیکن کب تک......؟ کب تک ہم کسی بات کی پردہ داری کریں گے؟ اس تماشے کی خبر ایک نہ ایک دن ہونی ہی تھی۔

اظہر انکل کا سر شرمندگی سے جھکا ہوا تھا۔

آنٹی جیسے مرضی ان کو کھینچ رہی تھیں اور کسی موم کے گڈے کی طرح کھنچے چلے جارہے تھے بنا کسی احتجاج کے۔

''یہ شخص میری زندگی کا بدنما داغ تو تھا، ہی لیکن اب تو یہ دھیرے دھیرے میرے دل

بیڑہ جا رہا ہے۔'' آنٹی نے تقریباً چیختے ہوئے کہا تھا۔

''رابعہ......!!''

بیبا نے رابعہ آنٹی کو روکا تھا۔

''باجی......!!

آپ مجھے ہی منع کیجیے گا، کوئی اس کو اس کی حرکتوں سے کیوں نہیں منع کرتا؟''

آنٹی نے شکوہ کناں آنکھوں سے بیبا کو دیکھا تھا۔

''روید آنٹی کو اندر لے جاؤ!''

بیبا نے روید کو حکم دیا تھا۔

روید نے فوراً آنٹی کو اندر لے جانے کی کوشش کی۔'' آنٹی پلیز اندر چل کر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' روید نے نہایت تحمل سے ان کو اندر کی جانب کیا تھا۔

''یہ...... یہ شخص اپنی تو عاقبت خراب کر ہی رہا ہے، ساتھ میں میرا بھی بیڑہ غرق کر رہا ہے۔

ایک مسلمان ہو کر یہ کس قسم کی حرکتیں کرتا ہے۔ لیکن یہ کہاں کا مسلمان ہے!! ایسے ہوتے ہیں مسلمان؟''

آنٹی تو ایک دم ہی پھٹ پڑی تھیں۔

''رابعہ......!! اندر جاؤ............!!''

بیبا نے رابعہ آنٹی کو ایک بار پھر سختی سے کہا تھا، روید ان کو پیار سے بمشکل اندر لے گیا تھا۔

اس دوران رواق اظہر انکل کو صوفے پر بٹھا چکے تھے، اظہر انکل نے ایک بار بھی اپنا سر نہ اٹھایا۔

''اظہر......!!

یہ سب کیا ہے؟''

بیبا نے پاس رکھے دوسرے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے، ان کے پیروں کی جانب اشارہ کر کے پوچھا تھا۔ اشارے سے ہی رواق کو ان کے پیروں سے گھنگھرو اتارنے کا کہا تھا، رواق نیچے بیٹھ کر اتارنے لگے، تو اظہر انکل نے ایک دم سے پاؤں پیچھے کر لیا، وہ اپنے پیروں سے گھنگھرو نہیں اتارنا چاہتے تھے۔

بیبا نے حیرت سے ان کو دیکھا تھا۔

"اظہر.......... یہ سب ٹھیک نہیں ہے!! کیا تم نہیں جانتے؟"

بیبا نے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں جانتا ہوں، آپ سب کی اور رابعہ کی نظر میں سب بہت برا ہے لیکن میں بے بس ہوں!!

"میں ان کے سامنے ہار گیا ہوں!!"

"میں ان کو نہیں باندھتا ہوں، یہ خود میرے پیروں میں آ کر بندھ جاتے ہیں۔"

"ان کی چھن چھن میرے دل پہ پڑتی ہے، اگر میں ان کو نہ سنوں تو یہ میرے اندر مجھے سناتے ہیں۔"

"میرا دل کرتا ہے کہ میں ناچوں.......... اتنا ناچوں کہ خود کو بھلا دوں نہ میرے پیر محسوس کریں اور نہ میرے کان ان گھنگھروؤں کی آوازیں سنیں۔"

"بس سب کچھ گم ہو جائے اور ایک پل باقی رہ جائے۔ خود سے بیگانہ ہو جانے والا پل..........!!"

"وہ پل بڑا لذت بھرا ہوتا ہے!!"

"وہ لذت بار بار اپنی طرف بلاتی ہے!"

"بار بار..........!!"

"میں کیا کروں؟"

"میں کیا کروں......؟"

"میں خود کو بے بس محسوس کرتا ہوں!!"

"بہت بے بس!!"

اظہر انکل کی باتیں اور لہجہ کتنا عجیب سا تھا۔

بیبا اور رواق آنکھیں پھاڑے ان کو دیکھے جا رہے تھے۔

"میں جانتا ہوں کہ..........

آپ سب کو میں پریشان کرتا ہوں!

لیکن میں...... میں بے بس ہوں!!

بے بس..........!!

......!! یہ میرے بس کی بات نہیں ہے!!"

وہ کر اٹھے اور بنا کسی کو دیکھے باہر نکل گئے۔

بیبا کی آنکھوں سے آنسو نکل کر ان کی قمیض میں جذب ہو گئے تھے۔

ان کو یہ معاملہ سلجھنے کے بجائے الجھتا نظر آ رہا تھا، وہ اظہر کو رابعہ کے جتنا قریب دیکھنا چاہتے تھے، وہ ان سے اتنا ہی دور جا رہا تھا۔

آج تو ان کا دل بے اختیار ڈوبا تھا، کیونکہ انہوں نے اظہر کو پہلی بار ایسے فاصلے پر محسوس کیا تھا۔ جب فاصلے ناممکن کی حدوں پہ دور جا کھڑے ہوں، تو جدائیاں قریب آ جاتی ہیں!!

☆☆☆

"امی!!"

اشفاق نے ماں کو پکارا جو گزشتہ تین راتوں سے اس کے پاس کھڑی نوافل پڑھ رہی تھیں۔

جب تک ہم انسانوں کے محتاج رہتے ہیں، تو ہم اصولوں کی زندگی جیتے ہیں، ویسا ہی ڈھالتے اور حاصل کرتے ہیں، ہم ہمیشہ ان پلس مائنس کی زندگی میں خسارا حاصل کرتے ہیں۔ اور جب سپر پاور کو سب کچھ مانتے ہیں، تو ہر درد تکلیف بھی اس پر پھینک دیتے ہیں، پھر وہ ہمارے لیے بہترین رزلٹ نکالتا ہے۔ پھر...... ایمان اور یقین کی بدولت معجزے ہوتے ہیں۔

جس شخص کے متعلق ڈاکٹر اتنے زیادہ پُر امید نہ تھے، وہ نہ صرف بچ چکا تھا، بلکہ...... ہوش میں آ چکا تھا، یہ اس کی ماں کا اللہ پہ بھروسہ تھا، جو اللہ نے قائم رکھا تھا۔

"امی!!"

اشفاق نے دوبارہ پکارا تھا۔

"ماں صدقے......!! میرا بیٹا اٹھ گیا ہے......!!"

اشفاق کی ماں تڑپ کر اشفاق کی جانب بڑھی تھیں۔

"اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے!"

اس کا ہاتھ تھامے رو رہی تھیں۔

"امی......!! میں ٹھیک ہوں!!"

اشفاق نے درد کی لہر کو ضبط کرتے ہوئے ماں کو حوصلہ دیا تھا، اشفاق کی ماں نے چونک کر

اشفاق کو دیکھا تھا، وہ بہت بدلا بدلا تھا، یہ تو وہ والا اشفاق نہ لگ رہا تھا، جو تھوڑے سے
چیخ چیخ کر گھر سر پر اٹھا لیتا تھا۔

"اللہ تیرا شکر ہے!!"

وہ ایک ہی سانس میں اللہ کا ڈھیروں شکر ادا کر رہی تھیں۔

"میں ڈاکٹر صاحب کو بتا کر آتی ہوں، تاکہ وہ بھی دیکھ لیں۔" فجر کا وقت تھا، نائٹ
کی ڈاکٹر رات کے آخری پہر کوئی ایمرجنسی نہ پا کر اپنے روم میں ریسٹ کرنے چلی گئی تھیں،
کچھ نرسوں اور آیاؤں نے کیا تھا۔

اشفاق کے پاس مسلسل اس کی ماں تھی، اس لیے اس کمرے میں نرس نے بیٹھنا مناسب
نہ سمجھا تھا، اب وہ تنہا تھا۔

اشفاق کو بے اختیار وہ لمحے یاد آ گئے، جو درد کے سمندر میں تیرتے ادھر ادھر لڑھکتے گزارے
تھے۔

اللہ نے اسے دوبارہ اس دنیا میں بھیج دیا تھا۔

زندگی جس کو کھیل جان کر وہ بہت برا کھیلا تھا۔ اسے ری ڈیزائن کرنے کی مہلت مل گئی تھی۔

زندگی تو کبھی بھی کسی کو دوبارہ چانس نہیں دیتی لیکن اسے مل گیا تھا اور وہ اس کو پوری طرح
محسوس بھی کر رہا تھا۔

اسے اپنی زندگی کا بڑا سا "لوپ ہول" بھرنا تھا۔ اسے معافی اور کفارے کی راہ پہ چل کر
سب سے پہلے اپنے رب کو منانا تھا۔

موت کی سرحد کو چھو کر وہ ایک دم سے بدل گیا تھا، ایک بالکل نئے اشفاق نے جنم لیا تھا،
جو باغی نہ تھا، بلکہ اپنے رب کا تابع فرمان تھا اور جب ہم سب سے بڑی ذات کے تابع ہوتے
ہیں، تو ہر چیز ہر نعمت خود بخود ہماری تابع ہو جاتی ہے!

☆☆☆

"آنٹی! آپ کو معلوم ہے کہ دنیا گول ہے!!"

روید نے بے حد خاموش آنٹی کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ وہ دو دن سے ادھر ہی تھیں، بے شک
ان کا گھر دیوار پار ہی تھا، لیکن جب دلوں میں فاصلے پیدا ہو جائیں، تو اتنی نزدیکیاں بھی دور پڑنے
لگتی ہیں، وہ ناراض تھیں، وہ ناراض تھیں، اظہر انکل سے...... اپنی ماں سے...... اپنے حالات

سے...... اپنے آپ سے...... اور...... اپنے اللہ سے بھی...... اس لیے وہ بے حد خاموش

سب کی بہت کوشش کے باوجود ان کا موڈ نہ بدلا تھا۔

لیکن وہ روید تھا، جس کا خوشی اور ہنسی کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ تھا۔

"آنٹی آپ کو پتا ہے دنیا گول ہوتی ہے!!"

روید نے ان کو ایک بار پھر شریک گفتگو کیا، لیکن وہ چپ چاپ بیٹھی رہی تھیں۔

"پر باؤ روید دنیا گول اے، ایہہ تانوں کیویں پتا؟" ("پر باؤ روید، یہ دنیا گول ہے، یہ آپ
کو پتہ چلا؟")

اے ڈی نے چائے کی ٹرے قریب پڑی تپائی پر رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میں نے ناپ کے دیکھی تھی، تم کو کوئی اعتراض ہے؟"

روید نے اے ڈی کو گھور کر کہا۔

"نہیں جی ہم کون ہوتے ہیں، اعتراض کرنے والے......!!

"تسی چاہے دنیا کو گول کر لو چاہے لمبی کر لو ہم نے آپ کو کچھ کہہ دینا ہے۔" (آپ چاہے
گول کر لیں چاہے لمبی کر لیں)

اے ڈی نے روید سے بچتے ہوئے کہا، وہ جانتا تھا، کہ اگر وہ روید سے پنگا لے گا، تو پھنس کر
رہ جائے گا، نقصان اٹھائے گا۔

"اچھا تو آنٹی............ میں آپ کو بتا رہا تھا، کہ دنیا گول ہوتی ہے!!"

روید نے ہر چیز سے فی الحال نظر ہٹا کر ان کو پھر مخاطب کیا تھا۔

اس وقت اس کا اصل ٹارگٹ آنٹی کا موڈ ٹھیک کرنا تھا۔

اس لیے وہ کسی اور بات پر توجہ نہ دینا چاہتا تھا۔

"وہ کیسے............!!

"دیکھیں چوہا بلی سے ڈرتا ہے، بلی کتے سے ڈرتی ہے اور کتا بندے سے ڈرتا ہے اور بندا
بیوی سے ڈرتا ہے اور بیوی چوہے سے ڈرتی ہے!!"

"ہے ناں دنیا گول............؟"

روید نے شرارت سے آنکھیں مٹکا کر کہا۔

وہ جانتا تھا، کہ آنٹی کو چوہے سے بے حد ڈر لگتا تھا۔

''لیکن میرا بندا مجھ سے نہیں ڈرتا ہے!!''

آنٹی نے روٹھے روٹھے لہجے میں کہا تھا۔

''آنٹی......کیا خوف، ڈر اچھی پارٹنرشپ کی نشانی ہے؟ بیبا کہتی ہیں، کہ رشتوں میں مضبوط محبت وہ گوند ہے، جو دلوں اور تعلق کو جوڑتی ہے۔ اور......''

''خوف، ڈر اور توقع ہمیشہ رشتوں اور تعلق کو توڑتے ہیں۔'' روید نے کہا۔

''لیکن اظہر نے کبھی میری محبت کو محسوس ہی نہیں کیا تو میں اس کی زندگی میں کیا مقام یا اہمیت رکھتی ہوں گی۔''

آنٹی کے لہجے میں شدید مایوسی تھی۔

''محبت تو اپنا آپ خود محسوس کروا لیتی ہے اور اگر اسے پہلے سے بڑھا دیا جائے، تو محبت کبھی رائیگاں نہیں جاتی............!!''

باؤ جی نے اندر داخل ہوتے ہوئے، ان کو مخاطب کر کے کہا۔

''باؤ جی......آپ......؟''

''السلام علیکم باؤ جی......!!''

آنٹی نے فوراً سر پہ دوپٹہ اوڑھ کر باؤ جی کو سلام کیا تھا۔

''جیتی رہو......!! شاد رہو آباد رہو......!!''

''اللہ تمہارے دل کو خوشیاں و سکون عطا کرے۔'' انہوں نے جی بھر کر اسے دعائیں دی تھیں۔

آنٹی کی روح تک میں سکون اتر آیا تھا۔

''روید بیٹا! اپنی ماں کو بلا کر لاؤ۔'' انہوں نے روید کو وہاں سے ہٹانا چاہا تھا۔

وہ روید کو بچوں کا status دیتے تھے، جبکہ روید ایسا بچہ تھا، جو وقت آنے پر بوڑھوں کی طرح سمجھداری دکھاتا تھا۔

''جی اچھا!!''

وہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

''میں نے تم سے کہا تھا، کہ تم اظہر سے مایوس ہو کر کبھی اسے تنہا نہ چھوڑنا تو پھر کیوں تم

نے......؟''

باؤ جی نے بنا لگے لپٹے کھل کر فوراً بات کی تھی۔

''باؤ جی اظہر کا رویہ نا قابل اعتبار ہے، بلکہ نا قابل برداشت بھی ہے۔''

وہ ایک دم پھٹ پڑی تھیں۔

''یہ تو اس کا رویہ ہے! تمہارا contribution اس معاملے کو سلجھانے کے لیے کیا ہے؟ میں وہ جاننا چاہتا ہوں۔''

باؤ جی نے بغور ان کو دیکھتے پوچھا، تو آنٹی جواباً سر جھکا گئیں، واقعی اگر اظہر کا رویہ ابنارمل تھا تو انہوں نے کونسا نارمل بیہیو کیا تھا۔

''کسی بھی الجھے دھاگے کے دو سرے ہوتے ہیں، اگر ایک سرا بھی مل جائے، تو دھاگہ فوراً سلجھ جاتا ہے، تم خود کو ایک سرا ثابت بھی نہیں کر پائیں۔'' باؤ جی نے ان کو صاف جتایا تھا، اتنے دنوں سے سب کی نرمی، محبت، پیار اور منتیں کام بالکل نہ آئی تھیں، لیکن باؤ جی کی ڈانٹ ڈپٹ اثر کر گئی تھی، پہلی بار رابعہ آنٹی کو اپنا رویہ غلط محسوس ہوا تھا، کتنی ہی بار اظہر آئے، لیکن رابعہ آنٹی نے ان کو بری طرح دھتکار دیا تھا۔

''تمہاری توجہ اسے تمہارے ساتھ جوڑ کر رکھے گی، لیکن اگر تم اسے اگنور کرو گی، تو دھیرے دھیرے اپنی اہمیت اس کی زندگی میں سے کم کر دو گی۔''

باؤ جی نے انہیں حقیقت بتائی۔

''چلو اٹھو اور چل کر اپنے گھر کی خبر لو اپنے بچوں کی خبر لو ان کا کیا قصور ہے، بڑھاپے میں میری بہن کی تو ہمت نہیں ہے، کہ ان کو سنبھال سکے، اپنے بچوں کو ایک ماں ہی سنبھال سکتی ہے۔''

باؤ جی نے ان کو بغیر کسی چوں چراں کئے فوراً اٹھا دیا تھا۔

''باؤ جی میں......اکیلی واپس جاؤں؟''

رابعہ آنٹی کو اکیلے جانے میں شرمندگی ہو رہی تھی۔

''ویسے تو جس طرح تم اکیلے یہاں بنا کسی سے پوچھے آ گئی تھی تم کو اکیلے ہی جانا چاہیے، لیکن میں تم کو کسی دشواری میں نہیں ڈالنا چاہتا تمہارے ساتھ بیبا جائے گی۔'' باؤ جی نے ان کا مسئلہ حل کرتے ہوئے کہا۔

اگر گھروں میں بڑے موجود نہ ہوں تو زندگی کے غلط فیصلے انسان کو اندھیروں کی طرح نگل

لیتے ہیں، یہ بوڑھے تو ہماری زندگیوں میں روشنی کی طرح ہوتے ہیں، جو ہمارے ہر اندھیرے میں ہمیں روشنی دکھاتے ہیں، ہاتھ پکڑ کر سہارا دیتے ہیں، کون کہتا ہے، کہ بوڑھوں کو زیادہ سہارے کی ضرورت ہوتی ہے، یہ تو جوان لوگوں کو بہترین سہارا دیتے ہیں، ایسا سہارا جو ناؤ پار لگاتا ہے۔

***

منظر منظر کھیل رہا ہوں
اپنے اندر کھیل رہا ہوں
شہر دل کے آئینوں سے
پتھر پتھر کھیل رہا ہوں
اندر باہر دشمن دشمن
خنجر خنجر کھیل رہا ہوں
جیتیں کیا ہیں، مرتیں کیا ہیں
جانتا ہوں پر کھیل رہا ہوں
سورج تیری ضد میں آ کر
دھوپ میں جا کر کھیل رہا ہوں

”ضیاء......!!“

بھابی بیگم نے ان کو پیچھے سے پکارا تھا، جو ہاتھ میں بریف کیس تھامے سوٹ پہنے کہیں جانے کو بالکل تیار تھے۔

”جی.........!!“

وہ واپس مڑے اور انہوں نے جواب بھی دیا تھا، لیکن ان کے چہرے اور آنکھوں کی خاص چمک اور مسکراہٹ غائب تھی۔

بھابی بیگم کو شدید قسم کی شرمندگی کا احساس ہوا تھا، وہ ان کی قصوروار تھیں، ایک ماں ہونے کا دعویٰ کرنے کے بعد بھی انہوں نے کچھ پل کو ہی سہی، ان کا بھرم توڑا تھا اور اب وہ یہ بھرم دوبارہ بنانا چاہتی تھیں۔

”مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی تھی، لیکن تمہیں شاید جانے کی جلدی ہے۔“

بھابی بیگم ان کی تیاری دیکھ کر کچھ ہچکچائی تھیں۔

”نہیں آپ بات کریں میں ابھی نہیں جا رہا۔“

بھابی بیگم نے ان کی اس ادا کو بہت محبت بھری نگاہوں سے دیکھا تھا۔

”تم چلے جاتے، شام میں بات ہو جاتی!“ بھابی بیگم اس کی فرمانبرداری پہ اندر تک خوش ہوئی تھیں۔

”نہیں آپ بات کریں!!“

انہوں نے نرمی سے کہا۔

”ضیاء......!!

تم جانتے ہو، کہ میں تم کو شہزاد کی طرح ہی سمجھتی ہوں!“

بھابی بیگم کی تمہید پہ ہی انہوں نے زخمی نظروں سے ان کو دیکھا تھا۔

”پھر اس روز آپ نے مجھ پر اعتبار کیوں نہ کیا تھا؟“

”شہزاد کی شادی سے پہلے بھی میری خواہش تھی، کہ پہلے تمہاری شادی ہوتی، آمنہ کا انتخاب میں نے تمہارے لیے کیا تھا۔“

بھابی بیگم کہہ رہی تھیں اور ان کے دل پہ چھریاں چل رہی تھیں، ضبط کرنے کے چکر میں ان کی آنکھیں سرخ پڑ گئی تھیں، بھابی بیگم انجانے میں ان کے زخم ادھیڑ گئی تھیں۔

”اب بھی میری خواہش وہیں پہ موجود ہے!“ بھابی بیگم نے بے حد آس سے کہا۔

ضیاء نے صحرا آنکھوں سے ان کو دیکھا تھا، یہ کانٹے ان کے اندر بھی اُگے تھے، ان کا حلق ایک دم خشک ہو گیا تھا، جس آئیڈیل کے لیے انہوں نے اپنا قیمتی وجود سینت سینت کر رکھا، وہ تو کسی اور کے آنگن کی مہک تھی۔

”بھابی بیگم مجھے شادی نہیں کرنی......!!“

ان کا لہجہ حتمی تھا۔

”کیوں بیٹا؟“

بھابی بیگم نے اصرار سے پوچھا۔

”میرا دل راضی نہیں ہے!!“

وہ بے بسی سے بولے تھے۔

”ان کا دل کیسے راضی ہوگا، یہ تو میں جانتی ہوں!“ دروازے کے پاس کھڑی کن سوئیاں

یقینی رانیا نے شاطرانہ مسکراہٹ کے ساتھ دل ہی دل میں کہا تھا۔

"تمہارا دل؟ یہ کیوں راضی نہیں ہے؟"

بھابی بیگم نے پوچھا تھا۔

"بھابی بیگم پلیز مجھ سے اس معاملے میں بات نہ کریں۔" ضیاء نے ہاتھ اٹھا کر ان کو بات سے روکا تھا۔

"میرے بس میں نہیں ہے!"

ساری عمر صنف نازک کو بے بس کرنے والا آج اپنے ہی دل کے ہاتھوں بے بس کھڑا تھا۔

"ضیاء......!! رکو......!"

بھابی بیگم نے ان کو پیچھے سے روکا تھا۔

"نہیں بھابی بیگم...... اس معاملے میں مجھے نہ روکیں!!" وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکلے تھے اور اندر داخل ہوتی آمنہ سے ٹکرا گئے تھے۔

ضیاء نے بہت تیزی سے بڑھ کر آمنہ کو اپنے بازوؤں میں سنبھالا تھا، ورنہ جس طرح آمنہ کا پاؤں مڑا تھا، آمنہ کے لیے نہایت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

"یا اللہ خیر............!!"

ضیاء کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

پیچھے سے آتی بھابی بیگم بھی بے اختیار لپکی تھیں۔

"دلہن............!!"

"دھیان سے چلا پھرا کرو، خدانخواستہ کہیں............!!"

پھوپھو نے دہل کر کہا تھا۔

"جی اچھا!!"

آمنہ نے نقاہت سے کہتے ہوئے اپنے آپ کو ضیاء چچا کی گرفت سے چھڑایا تھا، اس کی نگاہیں نیچی تھیں، اس کا دل بہت دیر سے گھبرا رہا تھا، وہ گھبراہٹ دور کرنے کے لیے باہر لان میں گھوم کر بھی آئی تھی، لیکن دل کی گھبراہٹ دور نہ ہو رہی تھی۔

"پھوپھو میرا دل گھبرا رہا ہے!"

آمنہ تو پسینہ پسینہ ہو رہی تھی۔

ضیاء نے بھی پریشانی سے اس کی جانب دیکھا تھا، وہ ہلدی کی طرح پیلی پڑ رہی تھی۔

"آمنہ.........!!"

"کیا ہوا ٹھیک نہیں لگ رہی!"

ضیاء چچا نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

آمنہ ان کی پریشانی کو own نہیں کرنا چاہ رہی تھی، وہ اپنی طبیعت کی خرابی پہ مکر جانا چاہتی تھی، لیکن وہ ایسا نہ کر پا رہی تھی، اگلے ہی پل وہ پھوپھو کا ہاتھ تھام کر لہرائی تھی۔

"ہائے میں مر گئی......!!"

"پھوپھو میرا دل......!!"

"میرا دل.........!!"

وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہی تھی۔

"آمنہ.........!!"

ضیاء دیوانوں کی طرح سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کی جانب لپکے تھے۔

"میری بچی.........!!"

پھوپھو کے تو اپنے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے، وہ رونا شروع ہو گئی تھیں۔

"اس کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔"

پھوپھو نے ضیاء سے کہا۔

"اچھا جی.........!!"

ضیاء فوراً سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

پھوپھو بھی بنا کوئی پرس لیے ساتھ چل دیں۔

ضیاء اور پھوپھو کا سہارا لئے جب آمنہ کسی مردے کی طرح گھسٹتی باہر نکلی تو دروازے کی اوٹ سے یہ سارا تماشا دیکھتی رانیا کے قہقہے خوشی سے بلند ہوئے تھے۔

اس نے فوراً ہی سونیا کو فون ملایا تھا۔

"مائنڈ بلوئنگ!! باجی کیا کمال کے پیر صاحب تلاش کیے ہیں، وہ آمنہ تو کسی مرغ بسمل کی طرح تڑپتی، ہائے دل......... ہائے میرا دل کے نعرے لگاتی ڈاکٹر کے پاس لے جائی گئی ہے۔"

رانیا نے ہنستے ہوئے فون پر اطلاع دی تھی۔

"تم بس ویسے ہی کرتی جانا جیسے بابا جی نے کہا ہے۔" اُدھر سے سونیا ہدایات دے رہی تھی۔

"بڑے پہنچے ہوئے پیر صاحب ہیں، ان کے کیے ہوئے کالے علم کا توڑ کسی کے پاس تک نہیں ہے اور یہ تو معمولی سی لڑکی ہے۔ نو پرابلم............!!"

سونیا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے باجی ایسا معمولی بھی نہ جانئے کم بخت یہاں کے رہنے والوں کے اندر تک جڑیں پھیلا کر بیٹھی ہے۔"

"چھوڑتے چھوڑتے ہی جان چھوڑے گی۔"

رانیا نے نفرت سے کہا تھا۔

"ارے رہنے بھی دو......"

"بڑی دیکھی ہیں، ایسی لڑکیاں، ہونہہ جڑوں تک پھیلی لڑکیاں............ تم گھبرانا بالکل بھی نہ بس شہزاد پر مکمل کنٹرول رکھو اور ایک آدھ بچہ پیدا کرنے کی تیاری کرو۔"

سونیا نے فوراً اسے نئی راہ دکھائی تھی۔

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن...... دراصل میں خود بھی فوراً بچہ چاہتی ہوں، یہ ہی ایشو لے کر تو شہزاد مجھے اس گھر میں لائے تھے، لیکن اتنے مہینے گزرنے کے بعد بھی فی الحال کچھ پروگریس نہیں ہے۔"

رانیا کو چونکہ بچے کی جلدی تھی، اس لیے وہ تھوڑی سی تاخیر پہ بہت پریشان ہو رہی تھی۔

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، تم تیار رہو آج ہی شام بہترین سی گائناکالوجسٹ کے ہاں چکر لگا لیتے ہیں۔"

سونیا کے پاس تو ہر مسئلے کا ریڈی میڈ حل ہوتا تھا، وہ پریشان ہونا نہیں صرف کرنا جانتی تھی۔

"ٹھیک ہے...... میرا بھی یہ ہی خیال ہے، کہ ایک وزٹ کرنا ضروری ہے۔" رانیا نے متفق ہوتے ہوئے کہا۔

"تم بس شہزاد پہ کنٹرول رکھو۔"

سونیا دوبارہ سے تاکید کرنا نہ بھولی تھی۔

"ہاں باجی...... یہ درست ہے شہزاد پہ کنٹرول ہی مجھے فتح کے قریب لے جائے گا، اس آمنہ کا تو میں وہ حشر کروں گی کہ پانی تک نہ مانگ پائے گی۔"

رانیا نے بات کرتے کرتے سامنے دیکھا، تو اس کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

ضیاء چچا شاید کوئی چیز اندر لینے آئے تھے اور رانیا کی ساری گفتگو سن چکے تھے۔

"تم...... حرافہ...... گھٹیا...... جادوگرنی......!!"

ان کے منہ سے گالیوں کی بوچھاڑ شروع ہوئی تھی، ان کے بس میں نہ تھا، کہ وہ رانیا کو مار مار ادھیڑ کر رکھ دیں۔

"تم آمنہ پہ کالا جادو کر رہی ہو؟"

"کالی ڈائن............ تم اس کے علاوہ کر ہی کیا سکتی ہو۔"

"تمہیں تو میں بعد میں دیکھوں گا۔"

وہ اسے زوردار دھکا دے کر باہر نکل گئے تھے، جہاں گاڑی میں پھوپھو آمنہ کو لیے منتظر تھیں، فی الحال وہ رانیا سے الجھنے کی پوزیشن میں نہ تھے، عورت کے بہت سارے روپ انہوں نے دیکھے تھے لیکن رانیا جیسا ظالم روپ انہوں نے پہلی بار دیکھا تھا، اس لیے ان کو رانیا سے ایک دم شدید نفرت کا احساس ہوا تھا۔

"اس عورت کا کچھ بندوبست تو کرنا ہوگا، ورنہ کم بخت جانے کیا، کیا تباہیاں پھیلائے گی۔" وہ دل ہی دل میں بولے تھے۔

***

"رامین......!!"

"بس کرو......اور کتنا سجو گی؟"

روبین چوتھی بار اندر آئی تھی، لیکن رامین کی تیاریاں تھیں، کہ ختم ہونے کو نہ آ رہی تھیں۔

"باہر جیجو انتظار کر رہے ہیں!!"

روبین نے کہا۔

"کیا وہ آ گئے............!!"

رامین ایک دم سے اٹھ کھڑی ہوئی، اس کا چہرہ سچی خوشی سے دمک رہا تھا۔

"مائی گاڈ............ رامین تم دو دنوں میں ہی کیسے اتنی خوبصورت ہو گئی ہو؟" روبین نے اس کا کھلا چہرہ دیکھ کر پوچھا تھا۔

”مجھے تو پتا ہی نہیں تھا، کہ میری بہن اتنی زیادہ خوبصورت ہے۔“

روین نے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا تھا۔

شرم سے رامین کا رنگ سرخ ہو گیا تھا۔

”کیا جادو کیا ہے، جیجو نے تم پر؟ تم رامین تو لگ ہی نہیں رہی ہو۔“

روین سے اپنی حیرت چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔

”چلو ہٹو بے شرم......!!“

”اوئے ہوئے......!!“

محترمہ کو اب باہر جانے کی بڑی جلدی ہے! میں جو محترمہ سے مسلسل کہہ رہی تھی، کہ باہر آ جائیں، لیکن کان پہ جوں تک نہ رینگ رہی تھی، اب اپنے ”اُن“ کے آنے کی خبر ملی تو کیسے باہر کو بھاگ رہی ہیں۔“

جواباً......رامین کھل کھلا کر ہنستی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

گہنوں سے سجی، خوشبوؤں میں بسی رامین بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

”اللہ تیرا شکر ہے!! رامین خوش ہے!“

یہ وہ ہی رامین ہے، جس کی شکل دیکھ کر شادی کے نام سے دل ڈرنے لگا تھا۔

لیکن ایسا کیا ہوا تھا، جو اس دن رامین کی حالت اتنی خراب تھی۔

روین نے رامین کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم میں آتے ہوئے سوچا تھا، وہاں رامین کے پاس کھڑی اس کی کسی سرگوشی پہ کھل کر گلاب ہوئے جا رہی تھی اور نظر بد لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔

”اُف......یہ لڑکیاں......!!“

”ہم بیوقوف لڑکیاں......!!“

”تھوڑی سی ہی توجہ سے بن جاتی ہیں، من جاتی ہیں۔“

روین نے باآواز بلند کہا تھا۔

”لو آ گیا اس گھر کا روید..........!!“

رامین نے ہنستے ہوئے رواق سے کہا تھا۔

رواق بھی بے اختیار ہنسنے تھے۔

”روین بیٹا آپ کے ایگزام کب شروع ہو رہے ہیں؟“ رواق نے وہ سوال کر لیا جو روین نا چھیڑتا تھا۔

روین کا موڈ ایک دم سے سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”پلیز رواق بھائی کوئی اور بات کریں!!“

”میری تو پہلے ہی ایگزام کے نام پہ جان نکلی ہوئی ہے۔“ روین کی رونی سی صورت پہ رواق کو ہنسی تو بہت آئی تھی، لیکن وہ ضبط کر گئے تھے۔

”امتحانوں سے ڈرنے کی خاص وجہ؟“

رواق نے ایک دم سے سنجیدہ ہو کر پوچھا تھا۔

”میرے ہاتھ میں لکھا ہے، کہ آئندہ چار سال تک میں کسی امتحان میں پاس نہیں ہوں گی۔ اور......“

”اور میں فیل ہونے کی شرمندگی کا سامنا نہیں کر سکتی لیکن اس بار تو لگتا ہے، کہ ڈیڈی برے پیپر دلوا کر ہی رہیں گے۔“

روین کی بات سن کر رواق نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ ”ارے......! اس دور میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں! اچھا لاؤ میں دیکھوں تمہارا ہاتھ کہ کہاں لکھا ہے، تم آئندہ چار سال فیل ہوتی ہو گی۔!“

رواق نے اس سے کہا۔

”پلیز رواق بھائی آپ سب کے لیے یہ سب مذاق ہے، لیکن مجھ پر یہ بیتے گی، میں سچ کہہ رہی ہوں۔“ روین نے جس طرح معصوم بچوں کی طرح آنکھیں پٹپٹائی تھیں، رواق کا بے تیار دل چاہا تھا، کہ وہ اس لڑکی کو زندگی بھر کے لیے وہمی ہونے سے بچا لے۔

”تم کس چیز سے ڈرتی ہو؟“

”ناکامی سے یا پھر ناکامی کے اس دور سے، جس کو تم نے خود سے design کیا ہے، کہ یہ چار سال ناکام سال ہوں گے۔ میرا خیال ہے، اس سارے دورانئے میں تم سپر پاور کو بھول گئی ہو جو تقدیرات بناتا ہے، جو ان میں خوشیاں اور دکھ خود رکھتا ہے، وہ ہی ہے جو غم کو خوشی اور خوشی کو غم میں بدل سکتا ہے۔“

”یہ ہاتھوں کی لکیریں پڑھنے والے اتنے ہی بے بس ہیں جتنا کہ تم اور ہم ہیں۔“

''اگر کوئی نجومی اتنا پرفیکٹ علم رکھتا ہو تو اسے دنیا میں موجود ہر خزانے کا علم ہونا چاہیے اسے دنیا میں طاقتور اور امیر آدمی بن جانا چاہیے، نہ کہ یوں لوگوں کے ہاتھ دیکھ دیکھ کر گزارا کرے۔''

رواق نے نہایت تحمل سے کام لیتے ہوئے روین کو دھیرے دھیرے سمجھایا۔

روین کے سنجیدہ چہرے سے لگ رہا تھا، کہ جیسے اسے یہ ساری باتیں سمجھ آ رہی ہوں۔

''اگر تم ناکامی سے ڈرتی ہو تو میں تم کو ''ایڈیسن'' کی ایک بات بتاتا ہوں۔''

''ایڈیسن نے بلب ایجاد کرنے کے لیے نو ہزار نو سو ننانوے تجربات کیے تھے، جب وہ دس ہزارواں تجربہ کرنے لگے، تو اس کے اسسٹنٹ نے سوجی ہوئی، آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا:

''سر اب کوئی امید نہیں ہے، ہم اپنی تمام کوششیں کر چکے ہیں، ہم ناکام ہو چکے ہیں۔'' اس کے اسسٹنٹ نے مایوسی اور ناکامی کو قبول کر لیا تھا۔

رواق نے روین کو اصل بات سمجھاتے ہوئے کہا:

''تم جانتی ہو، سر ایڈیسن نے ایک تاریخی جملہ کہا تھا، کہ نہیں نہیں، تم غلط سمجھے ہو، ٹوٹے ہوئے اعصاب کے باوجود سر ایڈیسن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ہم ناکام نہیں ہوئے، ہمیں بلب نہ بنانے کے 9999 طریقے معلوم ہو چکے ہیں، گویا ہمیں پتا چل چکا ہے، کہ ان طریقوں پر عمل کرنے سے بلب نہیں بن سکتا، اگلی مرتبہ ہمیں کوئی نیا طریقہ دریافت کر کے بلب بنانا ہے، روین تم جانتی ہو، کہ اگلے تجربے پر ایڈیسن بلب ایجاد کرنے میں کامیاب ہو گئے، خود کو اشرف المخلوقات ہونے کے status کو enjoy تو کر کے دیکھو یار، ورنہ ساری عمر کینچوا بن کر جینا پڑے گا۔''

رواق نے روین کی ساری منفی سوچ اور خوف کو تہس نہس کر دیا تھا۔

''اگر اس دن ایڈیسن ہار مان لیتے، تو ہم آج اندھیرے میں ہی بیٹھے ہوتے، خواب دیکھنے ہی سے تو تعبیریں ملتی ہیں۔''

رواق نے کہا۔

روین کو ایک دم سے اپنے اندر توانائی کا احساس ہوا تھا، خوف سے اس کے اندر جو ڈر بھرا احساس تھا، وہ غائب ہو چکا تھا، روین نے رواق کو بے حد مشکور نظروں سے دیکھا تھا۔

''تھینک یو جیجو......آج آپ نے میرے بھائی کی کمی کے احساس کو ختم کر دیا ہے۔'' روین نے بچپنے سے کہا۔

''تو اگر ایسی بات ہے تو مجھے بھائی ہی بلایا کرو نہ کہ جیجو کہہ کر فاصلہ رکھو۔'' رواق نے کھلے دل سے آفر کی تھی۔

''بالکل آپ تو میرے پکے والے بھائی ہیں، جس کو دیکھ کر میں تحفظ کا احساس محسوس کرتی ہوں۔''

رامین کو بھی ایک دم فخر کا سا احساس ہوا تھا، کہ اتنا پرفیکٹ اور شاندار بندہ اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے۔

''اور اپنے بھائی کو خالی خولی باتوں پہ ہی ٹرخا دینا ہے کیا؟''

پھوپھو اور ڈیڈی جو بہت دیر سے دروازے میں کھڑے یہ ساری گفتگو سن رہے تھے، انہوں نے پاس آتے ہوئے روین سے کہا۔

''ارے بالکل نہیں اتنی شاندار دعوت ہم نے محلے والوں کو کھلانے کے لیے تیار کروائی ہے بیٹا؟''

''میں ابھی بوا سے کہہ کر کھانا لگواتی ہوں۔''

روین پھرتی سے باہر نکلی تھی، ڈیڈی نے بے حد نرم اور پیار بھری نگاہوں کے ساتھ رواق کو دیکھا تھا۔

ان کے دل کو بے حد سکون محسوس ہوا تھا' کہ رواق ان کی بیٹی کے لیے بہترین انتخاب تھا۔

''آئیے بیٹا کھانا کھاتے ہیں!''

ڈیڈی نے پیار سے رواق کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

''جی ضرور پہلے پلیز آپ آئیں۔'' رواق نے تابعداری سے کہا۔

ان کا دل شکر سے سجدہ ریز ہو گیا تھا۔

اک بیل فون کی گھنٹی بجی تھی۔

''ڈیڈی آپ لوگ چلیں میں فون سن لیتی ہوں!''

رامین نے ان کو ڈائننگ روم میں بھیجا اور خود فون سننے کے لیے پلٹی تھی۔

''ہیلو............!!''

رامین کے ہیلو کہنے کی دیر تھی، کہ دوسری جانب سے گہری ٹھنڈی آہ بھری گئی تھی۔

رامین بے اختیار چونکی تھی، وہ یہ آواز بہت سوں میں پہچان سکتی تھی۔ آواز کی اہم
انسان پہچاننے کی خداداد صلاحیت تھی۔

رامین کا دل بے اختیار دھڑکا تھا۔

"آنکھوں سے میری اس لیے لالی نہیں جاتی
یادوں سے کوئی رات جو خالی نہیں جاتی"

"عمر شاہ!"

رامین نے اس کو درمیان میں ہی ٹوک ڈالا۔

"شکر ہے پہچاننے سے انکار نہیں کیا!"

وہ گہری طویل سانس بھر کر بولا۔

"کیا آپ نے اس لیے فون کیا ہے؟"

رامین نے تیکھے لہجے میں پوچھا تھا۔

"آفس کب آ رہی ہیں؟ اب بس بھی کریں، بہت شادی شادی کھیل لیا ہے۔"

عمر شاہ کے اندر بے چینی بھرا غصہ تھا۔

"میں چھٹی پر ہوں، آپ اچھی طرح جانتے ہیں اور میں نے شادی کی ہے، ہمارے
شادی پوری زندگی کی کمٹ منٹ ہوتی ہے، زندگی اور شادی آپ کے ہاں کھیل ہوتا ہوگا، ہمارے
ہاں نہیں ہوتا ہے۔"

رامین نے چبا چبا کر کہا۔

"ارے.......... واقعی کوئی چیز آپ کے Boiling Point پہ اثر انداز نہیں ہو سکتی
بات تو طے ہے، شادی بھی نہیں!" عمر شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

اس سحر انگیز ہنسی کی لاکھوں نہیں تو ہزاروں لڑکیاں دیوانی تھیں، لیکن وہ رامین عبداللہ تھی
جس کو اپنی انا اور خود کا وجود بے حد عزیز تھا، اسے اپنے سامنے کبھی کوئی نہیں دکھائی دیا تھا۔

دو انا پرست لوگ کبھی ایک دوسرے کے دوست نہیں بن سکتے، نہ ہی ایک دوسرے
سکتے ہیں، کیونکہ دوستی محبت قربانی مانگتی ہے اور ان کے پاس یہ وصف بالکل نہیں ہوتا ہے۔"

"دیکھیں عمر صاحب اس وقت میں مصروف ہوں، میں فون بند کرنے لگی ہوں۔"

رامین نے دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔

"ارے آپ تو برا منا گئیں، اچھا چھوڑو اسے اور کم ٹو دا پوائنٹ!"

عمر شاہ نے کچھ سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"میڈم کی والدہ بیمار ہیں، وہ تین ماہ کی چھٹی پر جا رہی ہیں، بلکہ کل ہی وہ آئی تھیں اور آج
تو وہ آف ہیں، جانے سے پہلے جو نام انہوں نے دیا ہے، وہ آپ کا نام ہے، رامین آپ کو
طور پر پروگرام منیجر کی پوسٹ کے لیے منتخب کر کے بلایا جا رہا ہے۔"

رامین کی زندگی کے کچھ سنہری خواب تھے، جن کی تعبیر دو قدم کے فاصلے پہ کھڑی تھی، جن
سے وہ کبھی دستبردار نہ ہو سکتی تھی اور وہ نہ جانتی تھی، کہ رواق ان خوابوں کا حصہ دار بنے گا یا پھر
ٹ!!

***

دل اک دوسرے میں کھو گئے ہیں
کیف ولذت کی پھواریں پڑ رہی ہیں
قربہ جاں میں' مسرت' مستی وحیرت سے ہم آغوش ہے
گہری خموشی وادیوں میں
جنگلوں میں سرد تاریکی
پہاڑوں پر ہیں بادل
بادلوں نے بند دروازے پہ دستک دی ہے
باہر ہی نہیں اندر بھی بارش ہو رہی ہے
دور تک پانی ہے
حال آئندہ ماضی سے ملتا ہے
بہے جاتے ہیں ہم پانی کے ریلے میں
ہمارے دل دھڑکتے ہیں عجب آسودگی میں
آشنا تھی روح اک مدت سے جس خوشبو کی
آج ہم کو اسی خوشبو نے گھیرا ہے......

میں نے تو صرف سنا تھا کہ محبت انسان کو بدل کر رکھ دیتی ہے' لیکن آج جب میں اپنے اندر
میں جھانکتی ہوں تو حیران ہو جاتی ہوں یہ دیکھ کر کہ میں تو خود بھی کتنا بدل گئی ہوں' رامین نے اپنے
شب خوابی کے لباس کی ڈوریاں باندھتے ہوئے کھڑکی کے پاس کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
تیز ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کے ساتھ بارش کی پھوار نے بھی اس کے چہرے کو چھو
کے چہرے پر آئے بال ہوا سے ادھر ادھر مچل مچل کر بکھر رہے تھے اور رامین...... رامین تو اپنے

بالکل بھی نہ تھی۔
رواق نے بہت دلچسپی سے اس کے چہرے اور اس کی بات کو سنا تھا۔
وہ بھی بیڈ سے اٹھ کر اس کی پشت پر آ کھڑے ہوئے تھے۔
رامین کے وجود سے اٹھتی اس کے ہی وجود کی خوشبو ان کو مدہوش کر رہی تھی۔
"تو تم کو محبت ہو گئی ہے؟"
رواق نے پوچھا تھا۔
"ہوں!!"
رامین کے چہرے پہ اقرار کرتی ہوئی بہت سی شرمیلی مسکان تھی۔
"مجھے لگتا تھا کہ میں شاید کبھی کسی سے محبت نہ کر سکوں' لیکن آپ کی محبت اور آپ کی عظمت نے میرے دل کو جیت لیا ہے۔"
رامین کی بات پر رواق کے چہرے کی مسکراہٹ ایک پل کو غائب ہو گئی تھی۔
رامین اس کو بہت عظیم آدمی اور دوسروں سے مختلف جانتی تھی' جس نے بنا کسی تفتیش اور سوال کے، اس کو اپنی زندگی میں شامل کر لیا تھا۔
کوئی بات مچل رہی تھی۔ وہ اس سے کچھ کہنا چاہتی تھی۔
"کیا شاپنگ پہ چلنا چاہتی ہو؟"
وہ اسلام آباد سے مری اور وہاں سے ہوتے ہوئے مظفر آباد اور اس سے آگے باغ تک آئے تھے۔ رواق کو پہاڑی علاقوں سے عشق تھا۔ وہ ہر تین چار ماہ بعد گھومنے پھرنے کا پروگرام ضرور بنا لیتا تھا۔ تین چار ماہ دن رات ہسپتال میں مسلسل کام کرتے کرتے وہ خود کو فریش کرنے کے لیے ایک ہفتہ ضرور دیتا تھا۔
وادی کاغان' ناران وغیرہ تو وہ مخصوص موسم میں جاتا تھا۔ لیکن کشمیر تو وہ ہر سیزن آتا تھا۔
رامین کو بھی وہ کہیں دبئی وغیرہ شاپنگ کروانے نہ لے کر گیا تھا' بلکہ ادھر اپنی فیورٹ جگہ پر لے آیا تھا۔

اس وقت بھی باغ میں موجود تھے۔ سامنے کھڑکی کے پار بالکل سامنے ہی سرسبز پہاڑ تھا اور بہت سارے مور ادھر ادھر اڑ رہے تھے۔ خدا کی بنائی ہوئی اس خوبصورتی کی جتنی بھی تعریف کی جاتی کم تھی۔

''رواق مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی!''

''رامین واقعی میں بدل گئی تھی۔'' یہ وہ ہی ضدی رامین تھی، جو اپنی بات صرف منوانا جانتی تھی بنا کسی مصلحت کے، لیکن اب وہ اپنی بات شروع کرنے سے پہلے تمہید باندھ رہی تھی۔

''کہو یار میں سن رہا ہوں اور......''

''اور یہ تم اتنا گھبرا گھبرا کر کیوں بول رہی ہو؟''

''میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا، کہ ہم دونوں میں پہلے دوستی کا رشتہ ساتھ رہے گا اور دوستوں میں ہر بات بلا جھجک کہی جاتی ہے۔ کچھ سمجھی؟''

انہوں نے رامین کے کندھے پر اپنے بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

''سوچ لیں......؟ کہیں......؟''

''کہیں میری توقع آپ کے ظرف سے بڑی نہ نکل آئے۔'' رامین نے ان کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''ارے جناب! کہیے......اب تو یہ ہماری انا کا مسئلہ بن گیا ہے۔'' رواق نے کہا۔

''رواق! شادی سے پہلے آپ نے کہا تھا، کہ آپ مجھے ریڈیو پہ کام کرنے کی اجازت دیں گے۔'' رامین نے رواق کے چہرے کو بغور دیکھا، جو سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اس کے ساتھ رامین کا دل بھی ڈوبا تھا۔

''میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ میری توقع آپ کے ظرف اور فیملی سیٹ اپ سے بڑی نہ ہو جائے۔'' رامین کے لہجے میں مایوسی تھی۔

''میرا ظرف اتنا چھوٹا نہیں ہے، جو اپنی ہی کہی بات بھول جائے' ہاں تمہاری یہ بات درست ہے، کہ میرے گھر کے بڑے فوراً اسے نہیں مانیں گے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ سے لڑکیوں کی بلاضرورت نوکری کے خلاف رہے ہیں۔'' رواق نے مضبوط لہجے میں جواب دیا تھا۔

'تو پھر میں کیا توقع کروں؟'' رامین نے پوچھا تھا۔

ارے میری جان ڈاکٹر رواق ''قول کا پکا ہے'' آئندہ زندگی میں تم آزما کر دیکھ لینا۔ میں اگر کوئی زبان دیتا ہوں، تو چاہے کچھ بھی ہو، میں اپنی کہی بات اور عدے کو پورا کرتا ہوں!''

ڈاکٹر رواق کی باتیں رامین کے اندر امرت بن کر اتری تھیں اور اس کے مردہ مایوس دل کو پھر سے زندہ کر گئی تھیں۔

''سچ رواق......؟''

رامین نے بے یقینی سے پوچھا۔

''سچ!''

جواباً رواق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''لیکن تم نے تو بتایا تھا کہ تم نے تین چار ماہ کی چھٹیاں لے رکھی ہیں۔ پھر ابھی سے یہ ساری بانما......؟''

رواق نے اپنے دل میں آتی بات پوچھی تھی۔

''جی لی تو تھیں' ارادہ بھی یہ تھا کہ میں کچھ عرصہ چھٹی پہ رہوں گی' لیکن ریڈیو سے فون آیا تھا، کہ اگر میں فوراً جوائننگ دوں، تو پروگرام منیجر کی جاب میرے حصے میں آئے گی اور رواق یہ وہ پوسٹ ہے، جو میرے خوابوں کی پہلی منزل ہے۔'' رامین نے پر جوش انداز میں جواب دیا تھا۔

''پلیز رواق...... آپ میرے سپورٹر بنیے گا۔ میرا آگے بڑھنے کا سورس آف انسپریشن بنیے گا۔ میں نے آپ کو بہت بلند مقام دے دیا ہے۔ آپ...... آپ ایوریج مردوں کی طرح نہیں ہیں ناں اس لئے۔ رامین کے چہرے پہ بہ یک وقت امید و آس اور محبت دونوں ہی تھیں۔''

کبھی کبھی ہم دوسرے فریق کو اس قدر بلندی پہ بٹھا دیتے ہیں' یہ جانے بغیر کہ جوں جوں بلندی بڑھتی ہے، تو سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ یعنی زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی یہ محبت ظالم ماردیتی ہے' ظلم کی حد تک دوسرے کو اونچے درجے پر لا کر بٹھا دیتی ہے۔

رامین نے بھی ایک دم سے رواق کو بہت اونچا مقام دے دیا تھا۔ ''انشاء اللہ تم مجھے صرف اس معاملے میں ہی نہیں زندگی کے ہر ہر معاملے میں اپنے ساتھ ہی کھڑے پاؤ گی!''

رواق نے محبت سے رامین کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تھا۔

رامین نے تو انجانے میں ایک ٹھیک وقت میں اپنی بات منوالی تھی۔ ابھی وہ نہ جانتی تھی، کہ ہر مرد پہ سارے دن میں ''ایک وقت بہت ٹھیک'' وقت اترتا ہے' جب وہ صرف مہربان بادشاہ ہوتا ہے' بس دینے کے موڈ میں ہوتے ہیں۔ وہ وقت عورت کی سارے دن کی تابعداری کے بعد خلوت میں ضرور آتا ہے۔ اس لئے عورت کو بے صبرا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔ دس اس کی مان کر اگر اپنی ایک بھی پیار سے منوالیتی ہے، تو یہ اس کی ہمیشہ کی جیت ہوتی ہے۔ اس لئے کبھی مرد کو چیلنج نہیں کرنا چاہئے' بلکہ اس کی مان کر اپنی منوانی چاہئے' یہ ہی فائدے کا سودا ہوتا ہے۔

***

''آپا......!''

''یہ سب کیا ہے؟۔''

عادل نے آمنہ کے ماتھے پر ہاتھ رکھا، تو وہ جیسے اپنا سارا ضبط توڑ بیٹھی تھیں' آنسو بند توڑ کر ایسے باہر نکلے کہ عادل کو آمنہ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔

میکے کے نام پر عادل ہی تو تھا، جو ان کی خبر گیری کرتا تھا۔ ورنہ عمیر مرزا (سگا) بھائی ہو کر سال میں ایک آدھ بار ملتا تھا۔ انسان کو اگر بیوی سوئی جیسی ملے، تو وہ ہر ہر رشتے سے شوہر کو جوڑتی ہے اور اگر سونیا جیسی بیوی ہو، جو عادت میں قینچی جیسی ہو تو وہ جڑے ہوئے رشتوں کو بھی کاٹ دیتی ہے۔ اس لئے عمیر مرزا سگے بھائی ہو کر بھی آمنہ کے اتنے قریب نہ آسکے، جتنا کہ عادل تھا۔

عادل میں انہوں نے ایک بھائی اور بیٹے دونوں کا روپ دیکھا تھا۔ اور آج جیسے وہ ان کی تکلیف پہ تڑپ تڑپ کر ان کے پاس دوڑا چلا آیا تھا' اس نے باپ کی کمی بھی پوری کر دی تھی۔

''پلیز آپی......!! پلیز......!!۔''

''چپ کریں' مجھے آپ کے آنسو تکلیف دیتے ہیں۔'' عادل نے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔ ''یہ...... یہ چوٹ کیسے لگی؟''

آمنہ نے اس کے ہاتھ سے گلاس تھامتے ہوئے پوچھا تھا، وہ اپنی تکلیف بالکل بھول گئی تھیں۔

''اب تو یہ ٹھیک بھی ہو گئی ہے۔ رات گئی بات گئی' چھوڑیں ایسی باتوں کو......!۔''

عادل نے ٹالتے ہوئے کہا تھا۔

''عادل مجھ سے چھپاؤ گے......؟''

آمنہ کی آنکھوں میں شکوہ اتر آیا تھا۔

''اوہو......! ایک تو یہ خواتین...... اگر ان کو کوئی بات نہ بتاؤ، تو فوراً سے پیشتر بلیک میل کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ ارے بھائی ایک معمولی سا......!''

''ایک چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ عادل نے ہار مانتے ہوئے سچائی سے جواب دیا تھا۔

''ایکسیڈنٹ......؟ اور......!''

''اور تم مجھے اب بتا رہے ہو! بہت بری بات ہے عادل۔'' آمنہ نے روئی روئی آواز میں کہا۔

''آپ کو اس لئے نہیں بتایا' کیونکہ میں آپ کو پریشان نہیں دیکھ سکتا۔''

عادل نے ان کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا اور ''اچھا یہ بتائیں یہ کیا حالت بنا لی ہے؟ اور...... اور یہاں ہسپتال میں ڈیرہ کیوں جما لیا ہے؟''

عادل نے فکرمندی سے وہ بات پوچھی' جس کیلئے وہ آیا تھا۔

''وہ تیرے کو ہم بتاتا ہے ناں!''

کرسچن نرس نے اندر داخل ہوتے کہا۔

''خون نام کی شے تو اس کی باڈی میں ہے نہیں اور چلی ہے بچہ پیدا کرنے' ارے کل کلاں کو یہ مر گیا، تو تیرے بچے کو ہر چیز مل جائے گیا' لیکن ماں نہ ملے گا۔''

''ارے بابا......!!''

''اپنے واسطے نہ سہی' لیکن اس معصوم جان کی خاطر تو کچھ کھایا کرو، لیکن نہیں آج کل کی بابا...... توبہ' توبہ......!!''

''بچہ بھی پیدا کرنا ہے، تو اپنی اسمارٹنیس کی فکر لگی ہوتی ہے' ارے کھانا نہیں کھائے گا، تو وہ ذرا کا بچہ پیٹ میں بھوکا رہ جائے گا۔'' نرس نے ساتھ ساتھ شکایت نما نصیحت کرتے ہوئے آمنہ کی ڈرپ میں ایک اور انجکشن ایڈ کیا۔

''اب اس کو پہلے وینوفر (آئرن) لگایا گیا ہے' اگر اس سے اس کے ایچ بی پہ فرق نہ پڑا، تو اس کو خون بھی لگوانا پڑے گا۔''

''تم لوگ کیسے گھر والے ہو' جن کو اس کی پرواہ ہی نہیں ہے۔'' ساتھ ہی اس نے عادل کی بھی کلاس لے ڈالی۔ نرس تو بولتی ہوئی باہر نکل گئی۔

لیکن عادل نے جن نظروں سے آمنہ کو دیکھا تھا وہ نظریں چرا گئی تھیں۔

''آپا یہ سب کیا ہے؟''

''کیا پھوپھو اور شہزاد بھائی آپ کا خیال نہیں رکھتے؟''

''رکھتے ہیں ناں...... بہت خیال رکھتے ہیں!!''

آمنہ کا لہجہ اور آنکھیں دونوں ہی بھیگ گئی تھیں' انہوں نے اپنے ٹوٹے بھرم کے کانچ کو سمیٹتے ہوئے کہا تھا۔ عادل نے تڑپ کر ان کو دیکھا تھا۔

''آپی...... میں بے شک بہت چھوٹا ہوں' لیکن میں نے اپنے اردگرد تو ماحول دیکھا ہے کہ لڑکیاں ایسی حالت میں پہلی بار ہمیشہ میکے آ کر رہتی ہیں۔ آپ بھی پلیز میرے ساتھ چلیں۔ آپ کا بھائی چھوٹا ضرور ہے' لیکن نکما ہرگز نہیں ہے جو آپ کا خیال بھی نہ رکھ سکے۔'' عادل نے بے حد فکرمندی سے کہا تھا۔

آمنہ کو عادل پر ایک دم سے بہت سارا پیار آیا تھا۔

''ارے مجھے تو معلوم ہی نہیں چل سکا، کہ میرا بھائی اتنا بڑا ہو چکا ہے۔''

''آپی پلیز ٹالیے نہیں......!!''

''میری بات کا مثبت جواب دیں۔'' عادل نے اصرار کیا تھا۔

''تم کن فکروں میں پڑ گئے ہو؟ میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' آمنہ نے اس کو تسلی دلانے کی کوشش کی تھی۔

''آپی......!!''

''پلیز...... چلیں ناں میرے ساتھ۔''

وہ بضد تھا۔

''یا میرے اللہ......!!''

''یہ کیسی ضد ہے۔'' آمنہ نے زِچ ہو کر کہا۔

وہ جانتی تھی کہ پھوپھو کی یہ پہلی خوشی ہے ان کے گھر کی' وہ اسے کبھی بھی کہیں اور جا کر رہنے کی اجازت نہ دیں گی، اور ایسے میں تو بالکل بھی نہیں کہ میکے میں کوئی اور دوسری عورت موجود نہیں۔ ایسے میں وہ عادل کے ساتھ حامی کیسے بھر سکتی تھیں۔

''دیکھو چندا! اتنا اصرار نہ کرو کہ مجھے انکار کرتے ہوئے دکھ ہو۔ پھوپھو سے اجازت تو ناممکن ہے۔ برسوں بعد ان کو اپنے وارث کی خوشخبری ملی ہے' وہ تو مجھے اپنی نظروں سے ادھر اُدھر کرنے پہ بالکل آمادہ نہیں ہیں۔ پھر میں کیسے تمہارے ساتھ چلنے کی حامی بھر لوں؟''

آمنہ نے واضح لفظوں میں عادل کو اپنی مجبوری بتائی تھی۔

''تو پھر اگر ان کو اپنا وارث اس قدر پیارا ہے، تو آپ کا خیال بھی تو رکھیں ناں!'' عادل نے غصے سے کہا۔

آمنہ کا پیلا زرد چہرہ، باہر نکلی آنکھیں، عادل کا دل دہلا رہی تھیں۔

''معلوم نہیں بیٹا' اسے کچھ ہفتوں سے کوئی خوراک لگ ہی نہیں رہی۔''

''ہر وقت دل پکڑے بیٹھی رہتی ہے۔'' پھوپھو نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

''تمہارا غصہ اور فکر بالکل بجا ہے۔''

''ذرا اس کی شکل تو دیکھو' میرا اپنا دل خوف سے ڈوبنے لگتا ہے' ایک ہفتے سے ڈاکٹر کی جھاڑ ...ے ہیں۔ ظاہر ہے وہ لوگ تو ڈانٹیں گے ہی، جو کچھ سامنے ہے وہ تو کسی اندھیرے کو بھی نظر ...ے گا۔'' پھوپھو نے شاپر میں سے سیب نکالتے ہوئے تقریباً کلپتے ہوئے کہا تھا۔

پھوپھو خود آمنہ کی حالت کو دیکھ کر پریشان تھیں۔

پھوپھو کا فکرمندی چہرہ دیکھ کر عادل کے دل میں غصے کی کچھ کمی ہوئی تھی۔ ورنہ تو جب سے ...ے شہزاد بھائی نے شادی کی تھی' اس نے تب سے شہزاد بھائی سے بات نہ کی تھی اور نہ ہی ...ت کی تھی۔ اسے پھوپھو پر الگ غصہ تھا' جنہوں نے شہزاد بھائی کے اس عمل کو روکنے ٹوکنے کے ...ے ان کی غلطی کو سنبھال لیا تھا۔ تب سے لے کر اب تک پھوپھو اور شہزاد بھائی کیلئے اس کا دل ...حد بدگمان تھا۔

''آپا پلیز اپنا خیال رکھیئے ناں!''

''یہ جو بختوں والی روح آپ کی اولاد کا اعزاز بعد میں حاصل کرے گی' پہلے تو میں ہوں ...کی اولاد، جس کو آپ کی بے حد ضرورت ہے۔'' عادل نے ان کے ہاتھ کا بوسہ لے کر کہا۔

''پگلے کچھ نہیں ہوا مجھے' بالکل ٹھیک ہوں۔ میں ابھی کہیں نہیں جانے والی۔ ابھی تو مجھے تیری ...ا کرنی ہے اور پھر تیرے بچوں کی پھوپھو کہلانا ہے۔'' آمنہ نے عادل کی روئی روئی اور اتری ...شکل کو دیکھ کر اسے تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

''آپا آپ ٹھیک تو ہو ناں......؟''

عادل نے چپ چاپ کسی خیال میں مگن پھوپھو کو سیب کاٹتے دیکھ کر آمنہ کے کان کے ...ب ہو کر سرگوشی میں پوچھا۔

''ہاں بالکل ٹھیک ہوں!''

''اب کیا لکھ کر دوں تو یقین آئے گا؟'' آمنہ نے کہا۔

''نہیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ مجھے پڑھنا ہو گا میں آپ کے چہرے سے خو...د پڑھ لوں گا۔''

عادل نے کہا تھا۔

اسی پل دروازہ کھلا اور اندر آنے والے نفوس کے ساتھ تیز خوشبو کی لہر بھی داخل ہوئی تھی۔

"السلام علیکم......!!"

شہزاد اور رانیا نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔

عادل کو یوں لگا کہ اس کا فشارِ خون بڑھ گیا ہو۔

"کچھ لوگ جو دلوں کو قتل کرتے ہیں' ان کی سزا کیا ہونی چاہئے؟ ایسے لوگوں کی بھی کوئی ہونا ہی چاہئے! ایسے لوگ بھی تو واجب القتل ہونے چاہئیں!!"

عادل نے دل ہی دل میں کہا تھا' البتہ اس کی نظریں شعلے برسا رہی تھیں۔

آمنہ نے گھبرا کر اپنے جذباتی بھائی کو دیکھا تھا۔ وہ ایک دم سے گھبرا گئی تھیں۔ دو عدد شدت پسند لوگ جب آمنے سامنے آتے ہیں، تو ساتھ میں ہمیشہ اپنے ارد گرد والوں کو نقصان پہنچا ہیں۔ انہوں نے عادل کا ہاتھ دبایا تھا۔ عادل نے آمنہ کی جانب دیکھا تھا۔ اس کی منت بھ نگاہیں ان کے اندر جلتی ہوئی آگ پہ پانی کی طرح پڑی تھیں۔ عادل کو ایک دم بے بسی کا احسا شدت سے ہوا تھا۔ اس نے ایک غصہ بھری نگاہ شہزاد میاں اور رانیا پہ ڈالی اور تیزی سے باہر گیا۔ آمنہ نے ایک دم طویل سانس بھرا تھا۔

"بڑا بدتمیز ہے!!" رانیا نے عادل کے تیور دیکھ کر دل ہی دل میں کہا تھا۔

"یہ عادل کو کیا ہوا؟"

شہزاد میاں نے پوچھا تھا۔

جواباً آمنہ نے نقاہت سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"چھوڑو بچہ ہے!!"

پھوپھو بیچ میں بولی تھیں۔

"تم یہ سیب دلہن کو کھلاؤ۔"

پھوپھو نے کٹے ہوئے سیب شہزاد میاں کو پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔ شہزاد میاں نے بھی چھوٹے ٹکڑے آمنہ کے منہ میں ڈالے تو رانیا نے قہر برساتی نگاہوں سے آمنہ کو دیکھا تھا۔

"کھا مرلے!! دیکھنا تجھے تو میں وہاں پہنچاؤں گی، جہاں تیرا نام ونشان تک مٹ گا۔"

رانیا نے پھوپھو' شہزاد اور آمنہ کو آپس میں مگن و مصروف دیکھ کر بہت احتیاط سے ایک تعویذ ان کے بیڈ کے پائے کے ساتھ باندھ دیا تھا۔

اس کے چہرے پہ ایک دم سی بڑی شاطر مسکراہٹ ابھری تھی۔

"کھلاؤ کھلاؤ سیب دلہن کو تاکہ اس کا دل سنبھلے!!"

"لیکن یہ نہیں سنبھلے گا' بلکہ ڈوبے گا!!"

رانیا دل ہی دل میں ہنسی تھی۔

***

آئینہ ٹوٹ گیا
عکس مگر باقی ہے
حادثہ بیت گیا
جان ابھی نکلی نہیں
کھل چکی آنکھ
تو پھر خواب کا افسوں کیسا
جا بھی چکے لوگ سبھی
خالی ایوان میں
اک وہ ہے......
کہ اس سوچ میں ہے
ختم تمثیل ہوئی
اب کہاں جائے کردار؟
تا.....تھیا.....تا......!!

گھنگھروں کی ہلکی ہلکی آواز اب ردھم میں تھی۔

رابعہ نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ رکھے تھے۔ کمرے کے دروازے' کھڑکیاں سب کچھ تو زیلن پھر بھی یہ آواز...... یہ آواز ہر ہر رکاوٹ کو پھلانگ کر کمرے میں آ رہی تھی۔

رابعہ نے نورِ صبح کو کروٹ دلا کر دھیرے سے ایک تکیہ اس کی کمر کے ساتھ لگایا، تاکہ وہ نیند میں محسوس کرے کہ ماں اس کے پاس ہی سوئی ہے۔

رابعہ نے ایک نگاہ علی اور عمر پہ ڈالی' دونوں گہری نیند میں گم تھے۔ دونوں جڑواں تھے۔ بے حد شرارتی اور ذہین۔ دونوں سکول اور سکول کے بعد ٹیوشن اور قاری کے بعد کچھ کھیل کھیلنے کے بعد ایسے تھکے ہوئے تھے کہ ان کی آنکھیں آٹھ بجے ہی بند ہونے لگی تھیں۔ ایسے میں وہ سوتے تھے تو کوئی آواز' کوئی شور ان کو ڈسٹرب نہ کرتا تھا' لیکن نور صبح کا مسئلہ مختلف تھا۔ اسے ذرا سی آہٹ بھی جگا دیتی تھی۔ ایسے میں جب اظہر پہ ناچنے کا دورہ پڑتا تھا، تو رابعہ کی ساری ساری رات کڑھنے میں گزرتی تھی۔ بچی کو تھپکتے تھپکتے اس کے ہاتھ دکھنے لگتے تھے۔ نہ ہی بچی کو سکون ملتا تھا نہ ہی اس کے باپ کو سکون ملتا تھا' جو آدھی رات کو بھی گھنگھرو باندھ کر ناچنے سے باز نہ آتا تھا۔ رابعہ نے بہت احتیاط سے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی تھی۔ رابعہ کا چہرہ بے بسی اور غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''اظہر پلیز خدا کے واسطے بند کرو یہ سب کچھ!!''

رابعہ اظہر کے سر پہ کھڑی چلا رہی تھی، جبکہ اظہر ہوش سے بیگانہ تیزی سے گول گھوم رہا تھا۔ اس کے کانوں سے نیچے آتے تھوڑے لمبے گھنگھریالے بال کھل کر ادھر ادھر بکھر گئے تھے۔

''اظہر......!!''

رابعہ نے دوبارہ سے اسے آواز دی تھی۔

اظہر ایک دم سے رکا تھا۔ اس کے تھرکتے پیروں کو ایک دم سے روک لگی تھی۔ وہ رابعہ کو انجانی نظروں سے دیکھ رہا تھا، جیسے پہلی بار اسے دیکھ رہا ہو۔ اس کا دماغ خالی ہوا پڑا تھا۔

''جس ہونے سے نہ ہونے کی'' کیفیت میں وہ گم ہو کر واپس پلٹتا تھا، تو اسے فوراً اردگرد کا ماحول بے حد اجنبی لگا کرتا تھا۔ اسی لئے وہ رابعہ کو بے حد اجنبی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''اظہر......!!''

''یہ...... یہ سب کیا ہے؟''

رابعہ کی آواز روہانسی تھی۔

اظہر نے سامنے کھڑی عورت کو دیکھا تھا۔ اسے اس کے منہ سے نکلے الفاظ سمجھ نہیں آ رہے تھے۔ اس کے دماغ کا ریسیور ان کو ریسیو نہ کر پا رہا تھا۔ وہ یہ دیکھ تو رہا تھا کہ وہ بول رہی ہے، وہ نہ جانتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

''تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا ناں؟''

''تم نے وعدہ کیا تھا کہ یہ گھنگھرو تم دوبارہ اپنے پیروں میں نہیں باندھو گے۔''

رابعہ نے اسے اس کا وعدہ یاد دلانے کی کوشش کی۔ جواباً وہ اسے خالی خالی نظروں سے ٹکر ٹکر دیکھے جا رہا تھا۔

''یہ وقت دیکھو...... تہجد ہونے والی ہے!!''

''استغفراللہ......!!''

جس وقت رب کائنات پہلے آسمان پہ آتے ہیں اور رحمت کے فرشتے رحمتیں بانٹنے دنیا میں آتے ہیں اور تم...... تم ہر طرح کی رحمت کو روکنے کیلئے کیا کچھ نہیں کرتے۔ رحمت کے فرشتے بڑے حساس والے ہوتے ہیں۔ جس گھر میں یہ کچھ چلتا ہے، وہاں وہ کیوں آئیں گے۔ رابعہ نے اظہر کے قریب آتے ہوئے کہا۔ گہری سبز نائیٹی میں کھلے بالوں کے ساتھ وہ اس وقت ہوش اڑا دینے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھیں۔

اظہر کے دماغ نے جو پہلی چیز ریسیور کی تھی، وہ یہ تھی کہ سامنے کھڑی عورت بے حد خوبصورت ہے۔

اس کا چہرہ...... کسی اور چہرے میں ضم ہوا تھا۔ دھیرے دھیرے یہ چہرہ اپنی عمر کم کرتا گیا۔ یہ یہ چہرہ ایک بچی کا چہرہ تھا۔ اظہر نے نم آنکھوں سے اس بچی کے چہرے کو دیکھا تھا۔ یہ چہرہ......؟ اس کے بچپن سے جڑا ہوا تھا۔ اس کے دل سے جڑا ہوا تھا۔ اس کی زندگی سے جڑا ہوا تھا۔ اس کے بے حال' حال سے جڑا ہوا تھا۔

''زہرہ بی بی......!!''

اظہر نے ایک دم اس چہرے کو چھونے کی کوشش کی تھی' ساتھ ہی بچی ایک دم رونے لگی تھی۔ خواب اور تصور حقیقت سے ٹکرا کر ٹوٹے تھے۔ ہر چیز اور ہر منظر بدل گیا تھا۔ اب پھر سامنے ایک خوبصورت چہرہ تھا۔

نور صبح روتی ہوئی ماں کو ڈھونڈتی ادھر آ گئی تھی۔

اظہر نے لپک کر نور صبح کو تھام لیا اور گود میں لے کر اسے چپ کروانے لگا۔

''نہ نہ...... نہ میری گڑیا......!!

نہ رو موری بٹیا......!!

تورے بھیا آ وئیں گے تجھے گولی ٹافی دلائیں گے۔

تورے بھیا آوئیں گے۔

تورے ساتھ کھیلیں گے۔

اظہر کے پاؤں پھر سے تھر کنے لگے تھے۔ رابعہ کے آنسو پھر سے بہنے لگے تھے۔

تورے لئے گڑیا لاوئیں گے' نہ رو موری گڑیا

تورے بھیا آوئیں گے!!

رابعہ چیل کی طرح جھپٹی تھی اور نور صبح کو اس کی گود سے چھین کر باہر بھاگی تھی۔

''چھوڑو...... میری زہرہ کو چھوڑ دو!!''

''دیکھو اماں میری بہنا کو وہ لے کر جا رہے ہیں...... ان کو روکو اماں!''

''میری زہرہ...... میری بہنا......!!''

اظہر ایک دم زمین پر بیٹھ کر پاؤں پسار کر رونے لگا تھا۔ اس وقت وہ انتالیس سال کا مرد تھا، بلکہ دس سال کا لڑکا تھا' جو اپنی جڑواں دس سالہ بہن کے چھن جانے پہ بلک بلک کر رو رہا تھا۔ جس کو آج سے انتیس سال پہلے خواجہ سراؤں کے گروان سے چھین کر لے گئے تھے۔

***

عشق کی کائی پہ ہر کوئی پھسل جاتا ہے

خوش نصیبی ہے جو گرتا ہے سنبھل جاتا ہے

راستہ بند بھی ہوجائے محبت کا اگر

آدمی رک کے بہت دور نکل جاتا ہے

اس کی آنکھوں میں محبت بھی ہے رسوائی بھی

پیار کی بات بھی کرتا ہے بدل جاتا ہے

جانے کیا شے ہے ترے سینے میں شامل کافر

عشق کی چوٹ سے پتھر بھی پگھل جاتا ہے

جب کوئی رشتہ نہیں اس سے مری ذات کا پھر

کیوں اسے دیکھ کے دل میرا مچل جاتا ہے

پھول دیتا ہوں محبت کو جتانے کیلئے

کتنا کم ظرف ہے قدموں سے مسل جاتا ہے

تجربے ٹھیک نہیں عمر کے کچے پن میں

ہجر کا درد جوانی کو نگل جاتا ہے

☆☆☆

''گڈ مارننگ ڈاکٹر......!!''

نرس نے اندر داخل ہوتی ڈاکٹر دیپا پروانی سے کہا تھا۔

''گڈ مارننگ !!''

دیپا پروانی جواب دیتی دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی آگے بڑھی تھی۔ بلیک ساڑھی اور الوں کی لمبی چٹیا بنا کر کاجل کی اداس آنکھیں لئے وہ پہلے سے مکمل مختلف نظر آ رہی تھی۔

یہ وہی ڈاکٹر دیپا پروانی تھی۔ جس کے چہرے کی خاص چمک اس کے چہرے کا سب سے سنگھار ہوا کرتی تھی۔ جس کی آنکھیں ہر وقت کاجل سے بھری رہتی تھیں۔ جس کی کلائیاں ہر ن میچنگ چوڑیوں سے بھری ہوتی تھیں۔ وہ سادہ لیکن ہم رنگ چوڑیاں پہنتی تھی۔ ایک بازو صرف ایک بریسلیٹ یا سونے کا کڑا پہنتی تھی۔ کانوں میں کبھی میچنگ ایئر رنگ یا زیادہ تر ائنڈ کے ہلکے پھلکے ٹاپس استعمال کرتی تھی۔ لیکن آج ہر زیور ہر سنگھار سے مبرا خاص طور پر اپنے رے کی چمک کے بنا وہ بے حد ادھوری نظر آ رہی تھی۔

''ادھوری تو وہ ہوگئی تھی۔ ڈاکٹر رواق کے بنا اس کا دل اور پورا وجود سونا ہوگیا تھا۔''

''السلام علیکم......!!''

سامنے سے آتے ڈاکٹر رواق نے بہت خوش دلی سے ڈاکٹر دیپا پروانی کو ویلکم بھرا اسلام کیا

وہ دیپا پروانی کو دوسرے لوگوں کی طرح ہیلو' ہائے کرنے کے بجائے سلام ہی کرتے تھے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا جو وہ ہمیشہ دیپا کو بتاتے تھے، کہ تم میری بہترین دوست ہو اور ہم مسلمان اپنے دوستوں پہ ہمیشہ اللہ کی سلامتی بھیجتے ہیں۔ اس لئے وہ ہمیشہ دیپا کو سلام ہی کرتے تھے۔

دیپا نے بے حد پیاسی نظروں سے ڈاکٹر رواق کو دیکھا تھا۔

''وعلیکم السلام!!''

دیپا پروانی نے بے حد صاف لہجے میں جواب دیا تھا۔

ڈاکٹر رواق نے چونکتے ہوئے مسکرا کر دیپا کو دیکھا تھا۔

’’اتنا حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہیلو کے جواب میں ہم’’ہائے‘‘ کہہ سکتے ہیں جو کہ انگریزوں کا سلام ہے تو السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم بھی کہہ سکتے ہیں۔‘‘ ڈاکٹر دیپا پروانی نے سپاٹ لہجے میں کہتے ہوئے ڈاکٹر رواق کو دیکھا تھا۔ لہجہ اس کا بے شک سپاٹ تھا مگر آنکھیں بے حد بول رہی تھیں۔

’’او کے یار...... تم سے آج کوئی بحث نہیں کرنی ہے۔ تمہاری تو شکل دیکھنے کو ترس گئے تھے اتنے دنوں بعد کسی چاند کی طرح شکل دکھائی ہے۔‘‘ ڈاکٹر رواق نے ڈاکٹر دیپا پروانی کے ساتھ چلتے ہوئے کہا تھا۔

’’نہ بولا کرو ایسے ظالمانہ جملے‘ خوامخواہ کوئی تم سے آس نہ لگا کر بیٹھ جائے۔‘‘

ڈاکٹر دیپا پروانی نے زخمی نظروں سے ڈاکٹر رواق کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

’’دیپا!!‘‘

’’پلیز...... ناراضگی ختم کردو۔‘‘

’’تم جانتی ہونا کہ تم میری ون اینڈ اونلی فرینڈ ہو‘ میں تم کو کھونا نہیں چاہتا۔‘‘ ڈاکٹر رواق نے درخواست کی تھی۔

’’بہت مشکل عمل ہے رواق کسی کو کھو دینا!‘‘ ڈاکٹر دیپا پروانی نے اپنے کیبن میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا۔

ساتھ ہی نرس کچھ فائلیں لئے اندر داخل ہوئی تھی۔

’’ڈاکٹر آج کے آپریشن ہیں!‘‘ نرس نے فائل آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

’’ٹھیک ہے میں دیکھ لیتی ہوں۔‘‘ ڈاکٹر دیپا پروانی نے ایکسرے نکال کر دیکھتے ہوئے کہا۔

’’ڈاکٹر کچھ لیں گی؟‘‘

’’ہاں چائے بھجواؤ۔ آپ لیں گے ڈاکٹر؟‘‘ ڈاکٹر دیپا پروانی نے رک کر ڈاکٹر رواق سے نارمل لہجے میں پوچھا تھا۔ جواباً ڈاکٹر رواق نے بہت خراب موڈ کے ساتھ فائلیں دیکھنی شروع کردیں۔

نرس باہر نکل گئی تھی۔

’’کیا پہلے تم مجھ سے پوچھ کر میرے لئے چائے منگواتی تھیں۔‘‘ ڈاکٹر رواق نے تھ...

...رانگی سے کہا تھا۔ ’’اتنی فارمل کب سے ہوگئیں؟‘‘

’’کیا میرا فارمل ہونا تمہیں محسوس ہوتا ہے؟‘‘

ڈاکٹر دیپا پروانی نے ان کو پیاسی نگاہوں کے ساتھ دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

’’ہاں...... بالکل محسوس ہوتا ہے‘ تمہارا فارمل رویہ!‘‘

’’تم نہیں جانتی کہ فارمیلیٹیز غیروں کے ساتھ نبھائی جاتی ہیں نا کہ دوستوں کے ساتھ۔‘‘ ...کٹر رواق نے سچائی سے کہا تھا۔

جواباً دیپا پروانی کے چہرے پہ بہت زخمی مسکراہٹ در آئی تھی۔

’’آہ......’’اپنی‘‘!!

’’میں کہاں تمہاری کبھی اپنی تھی!!‘‘ ڈاکٹر دیپا پروانی نے دل ہی دل میں کہا تھا۔

’’آج تم آپریشن کر رہی ہو؟‘‘

’’اتنے دن کے گیپ کے بعد آئی ہو فوراً سے آپریشن شروع نہ کرتیں!‘‘

ڈاکٹر رواق نے وہ ایکسرے اٹھا کر دیکھے، جو ایک بچے کے تھے۔ جس کا آپریشن بھی آج ...نا تھا۔

’’کیوں......؟ گیپ آجانے سے میری قابلیت میں فرق آجائے گا؟ یا پھر مجھے میرا کام ...بول جائے گا۔‘‘ ڈاکٹر دیپا پروانی نے تیکھے انداز سے پوچھا تھا۔

ڈاکٹر رواق نے بہت بے چین ہوکر اسے دیکھا تھا۔

’’جہاں سے صرف آپ کو پیار بھری نگاہوں کی حدت ملتی ہو، وہاں سے سرد نگاہوں کی ...ٹھنڈک برداشت نہیں ہوتی‘ کیونکہ یہ دل پرانا پاپی ہے‘ اسے تو لاڈ اٹھانے والا اور اس کی ادا بڑی ...لگتی ہے۔ اس سے کم پہ یہ واویلا کرتا ہے۔‘‘

ڈاکٹر رواق بھی کچھ اسی طرح کی کیفیت سے گزر رہے تھے۔

’’دیپا تمہاری نگاہیں‘ تمہارا لہجہ سب کچھ بدل گیا ہے۔ کیا ہم دوست نہیں رہے؟‘‘

ڈاکٹر رواق نے حساس ہوکر پوچھا۔

’’سارا سنسار میرا دشمن ہو گیا ہے‘ خود میری قسمت میری نہ ہو سکی‘ پھر بھلا میں کیسے کسی کی ...بہت رہ سکتی ہوں۔‘‘ دیپا نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

ڈاکٹر رواق نے اسے بہت گہری نظروں سے دیکھا تھا۔

"میں ذرا وارڈ کا چکر لگا لوں۔ پیشنٹ سے مل لوں' جس کا آج بارہ بجے آپریشن ہے' ہاں وہ ڈاکٹر قاضی کو فون کروا دو وہ ہی مجھے اسسٹ کریں گے۔" دیپا روانی سے کہتی اور رواق کی نظروں کی تپش سے بچنے کیلئے باہر نکل آئی۔

"میں کہاں تک تم سے بھاگوں گی؟"

"تم سے بھاگنا ایسا ہی ہے، جیسے میں خود سے بھاگ رہی ہوں۔ اور میں خود سے کب تک بھاگ لوں گی!"

دیپا نے اپنے آنسو پیتے ہوئے خود سے کہا تھا۔

بعض لوگ خون میں اور سانسوں میں شامل ہو جاتے ہیں' ساری عمر ہی ساتھ رہتے ہیں ان کو الگ کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ خون سے سانسوں سے رشتہ چھوٹتا نہیں، تو ایسے میں ایسی محبت کا رشتہ ٹوٹتا نہیں۔

دیپا نے بھی اپنے دل کی بے بسی پر گہری آہ بھری تھی' جو سورج مکھی کے پھول کی طرح اس طرف جاتا تھا' جہاں رواق کا وجود موجود تھا۔

***

میں تنہائی میں رہتا ہوں مجھے خاموش رہنے دو
غم ہجراں کو سہتا ہوں مجھے خاموش رہنے دو
تمہارا کچھ نہیں لیتی میری خاموش اندازی
میں اپنی رو میں بہتا ہوں مجھے خاموش رہنے دو
اگر میں بول اٹھوں تو یہ رسوائی تمہاری ہے
یہی تم سے میں کہتا ہوں مجھے خاموش رہنے دو

"کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟"

ضیاء چچا نے دروازے کی دہلیز پہ آ کر پوچھا تھا۔

آمنہ نے حیرت سے ان کو دیکھا تھا۔ آج وہ آنے سے پہلے اجازت مانگ رہے تھے۔

"کیوں اتنی حیرت زدہ ہوتی ہو؟ ایسی حیرت نہ دکھاؤ کہ شرمندگی ہونے لگے۔ کبھی کبھی بگڑے بچے بھی سدھر ہی جاتے ہیں۔"

ضیاء چچا نے اندر آتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

وہ تند خو لہجہ وہ بے باک نظریں اور سانسوں کو دوبھر کرتی باتیں جانے کہاں جا سوئی تھیں' آمنہ کو واقعی حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ وہ تو ضیاء چچا لگ ہی نہ رہے تھے۔

"یہ تمہارے لئے پانی دم کروا کر لایا ہوں اور یہ نقش بھی ہے' یہ تم گلے میں ڈال لو اور اس پانی کے علاوہ بھی ہر چیز پر آیت الکرسی اور چار قل پڑھ کر پھر کچھ کھانا پینا۔ جن بابا جی نے پانی دم کر کے دیا ہے انہوں نے خاص طور پر یہ تاکید کی ہے۔" ضیاء چچا نے پانی کی بوتل سائیڈ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ارے...... آپ کن چکروں میں پڑ گئے؟"

آمنہ نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تھا۔

ضیاء چچا نے جی بھر کر آمنہ کو دیکھا' وہ ان کیلئے ایسا چاند تھی' جس کو وہ دیکھ سکتے تھے، لیکن چھو کر محسوس نہ کر سکتے تھے۔ اک کسک مسلسل' اک ہوک ہر وقت دل میں اٹھتی رہتی تھی۔

"کچھ لوگوں کی چکر بازیوں کو ختم کرنے کیلئے ایسا چکروں میں پڑنا پڑتا ہے۔" ضیاء چچا کے لہجے میں دبا دبا سا غصہ تھا۔

"بہر حال بس یہ صرف اللہ کا کلام پڑھا گیا۔" ضیاء چچا نے گہری طویل سانس بھرتے ہوئے کہا تھا۔ "تمہارے لئے اچھا ہے!"

وہ اسے گلاس میں پانی نکال کر پکڑاتے ہوئے بولے تھے اور یہ نقش میرے سامنے پہنو۔ انہوں نے اصرار کیا تھا۔

"کیوں......؟"

"آپ میرے لئے اتنا کچھ کیوں کر رہے ہیں۔"

آمنہ نے پوچھا تھا۔

"لڑکی تو ہر نگاہ کو پہچاننے کی فطری صلاحیت رکھتی ہے۔ تم پھر یہ سوال کر کے خود کو اور مجھے کیوں آزمائش میں ڈالتی ہے۔"

"جو باتیں' جو نگاہیں ان کہی اور ان سنی رہ جاتی ہیں انکے لفافے کو نہیں کھولتے' ورنہ بہت ساری رسوائی بھی کھلتی ہے۔"

ضیاء چچا کی گہری بات نے آمنہ کے اندر کرنٹ سا چھوڑا تھا۔

"اوہو!"

"کیا ہو رہا ہے؟"

رانیا نے چھاپہ مارنے کے انداز میں اندر آتے ہوئے پوچھا تھا۔

"آ گئی منحوس عورت اس کے ہاتھ سے کبھی کوئی چیز نہ لے کر کھانا۔"

ضیاء چچا نے نصیحت کی تھی۔

"یہ کیا سرگوشیوں میں کھسر پھسر ہو رہی ہے؟"

رانیا نے پھنکارتے ہوئے پوچھا۔

ضیاء چچا نے ایک کڑی اور بے نیاز نظر اس پہ ڈالی اور باہر نکل گئے۔

"ہونہہ......!!"

"تم سے بات کرتی ہے میری جوتی!"

وہ پیچھے سے چلائی تھی۔

"لیکن میری جوتی بھی تم سے بات کرنا پسند نہیں کرتی!! تم تو اس قابل بھی نہیں۔"

ضیاء چچا نے دروازے کے پاس رک کر جوابی حملہ کیا تھا۔

"جوابا......!!"

رانیا کے منہ سے ایسی ایسی گالیاں نکلیں کہ آمنہ کے کانوں کی لوئیں تک سرخ ہو گئیں لیکن بولنے والی کو شرم لحاظ نہ آ رہا تھا۔ اس پہ ضیاء چچا کی معنی خیز مسکراہٹ رانیا پہ جلتی پہ تیل ثابت ہوئی تھی۔

"رانیا!!"

شہزاد...... نے ایک دم چلا کر اسے روکا تھا۔

رانیا کی زبان ہی نہیں رکی تھی، بلکہ شرمندگی اور پول کھلنے کی جس کیفیت میں وہ تھی۔ ضیاء چچا کے دل پہ بڑی مسرور سی کیفیت اتری تھی۔ انہوں نے کوریڈور کے آخر میں شہزاد کو آتے دیکھ لیا تھا اس لئے وہ وہاں ہی رک گئے تھے اور رانیا کو اشتعال دلاتے رہے تھے۔

"یہ تم ہو......؟"

"تم کو تو میں بے حد نفیس اور شائستہ زبان سمجھتا تھا۔" شہزاد میاں کے لہجے میں بے حد دکھ اور شکایت موجود تھی۔ رانیا کو ایک دم احساس ہوا تھا کہ جو اپنی جھوٹی تصویر اس نے شہزاد کے سامنے پینٹ کی تھی، ایک دم پانی گرنے سے خراب ہو گئی تھی۔ "معافی مانگو چچا سے!!"

اس نے رانیا کو حکم دیا تھا۔

رانیا نے خود کو ایک دم سے بہت نیچا اور بے بس محسوس کیا تھا۔

"رانیا......!!"

"تم نے سنا نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے۔" شہزاد نے چلاتے ہوئے کہا تھا۔

رانیا کو یہ کڑوا کسیلا گھونٹ پینا ہی پڑا تھا۔

"آئی ایم سوری!!"

رانیا کی بیٹھی بیٹھی آواز نکلی تھی۔

ضیاء چچا یوں ہو گئے، جیسے ان کو سنائی نہ دیا ہو۔

"آئی ایم سوری......"

اس بار اس نے کچھ با آواز بلند کہا تھا۔

"اوکے!!"

ضیاء چچا نے ڈس موڈ لہجے میں بے حد مشکل سے جواب دیا تھا۔

شہزاد بھی بے حد ڈس موڈ لہجے میں رانیا کو برا بھلا کہتے باہر نکل گئے تھے۔ رانیا کو یوں لگا جیسے سارا کھیل بگڑ گیا ہو۔

"رانیا میڈم...... گیم کھیلنا تم کو بہت پسند ہے' ناں تو دیکھ لو میں نے تمہیں پھر مات دی۔"

"کیسی رہی مات؟"

وہ ہنستے ہوئے باہر نکل گئے۔

آمنہ ہونقوں کی طرح یہ سب کچھ ہوتے دیکھتی رہی تھیں۔

اس نے کبھی زندگی میں کوئی گیم نہ کھیلا تھا۔ اس کیلئے رشتے اور بندھن اتنے ہی سادہ تھے، جتنی وہ خود سادہ تھی۔

رانیا نے بپھری ہوئی ناگن کی طرح ضیاء چچا کو جاتے دیکھا تھا۔

بے شک یہ مات بہت بڑی مات تھی۔ اسے اپنی اتنے دنوں کی محنت اکارت ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ اور یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ اتنی بے عزتی کے بعد چپ چاپ بیٹھتی، لیکن ضیاء چچا شاید ہر بات سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ اب یہ جنگ دھیرے دھیرے کھل کر آمنے سامنے شروع ہو چکی تھی۔

***

''یہ کیا ہو رہا ہے اس گھر میں؟''

بڑی اماں نے کڑے تیوروں کے ساتھ بیبا سے پوچھا تھا۔

بیبا جو مالی کے ساتھ پودوں کی ترتیب بدلوا رہی تھیں' ایک دم چونک کر مڑیں۔ ''ک... ہوا؟''

انہوں نے سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھا، فوری طور پہ وہ سمجھ نہ سکی تھیں کہ ان کی ماں کس بات پہ اس قدر سیخ پا تھیں۔ ''خیریت ہے بڑی اماں؟''

اپنے بچوں کی طرح وہ بھی بڑی اماں ہی پکارا کرتی تھیں۔

''اپنے گھر کی ہنڈیا تو چولہے پر جل رہی ہے اور یہ چلیں ہیں دوسروں کے گھروں کی ہا... چیک کرنے!''

رابعہ آنٹی ان کے پیچھے پیچھے بڑبڑاتی آئی تھیں۔

''کیا آنی......؟''

''کیوں اپنا دل جلاتی ہیں' بڑی اماں کی تو عادت ہے ہر بات کے سرے پہ آگ لگا کر... راکٹ جتنا بڑا بنا کر آسمان میں اڑانے کی۔'' روید نے آنی کے کندھے پر اپنے بازو رکھ کر بڑے آرام سے کہا تھا۔ وہ وہیں لان میں بیٹھا اپنے کتے کو نہلا کر دھوپ میں سن باتھ دلوا رہا تھا۔

''خیریت کا ہے کی......!!''

''تم نے اپنے لڑکوں کی لگام تو کھلی چھوڑ رکھی تھی' اب وہ ہی چونچلے بہو کے ساتھ شروع کر دیئے ہیں۔ ارے بی بی اگر ان لڑکیوں کو سنبھال کر نہ رکھا جائے تو یہ آفت کی پڑیاں ہیں... خاندان کے نام پر دھبہ لگاتی ہیں۔''

بڑی اماں کے منہ سے جملے گولیوں کی تڑتڑاہٹ کی طرح نکل رہے تھے۔

''ایکسوزمی......ایکسوزمی بڑی اماں...... یہ آپ کا لگام ڈھیلی کرنے سے کیا مراد ہے؟''

''کیا آپ نے ہمیں گھوڑے سمجھ رکھا ہے؟''

روید نے لڑاکے بچوں کی طرح کمر پہ ہاتھ رکھ کر پوچھا تھا۔

''ارے ہٹو ناپاک اور پلید ہو کر میرے پاس کیوں آتے ہو؟''

بڑی اماں نے کراہت سے کہہ کر روید کا غصہ دوگنا کر دیا تھا۔

آپ کو میں ناپاک اور پلید نظر آتا ہوں؟''

وہ غصے سے غرایا تھا۔

روید کو اپنا آپ بے حد پیارا تھا۔ اسے یوں بڑی اماں کا ناپاک اور پلید کہنا بے حد برا لگا

''تم یہ جو کتے بلے نہلاتے ہو۔ ان کو ہاتھ لگاتے ہو تو ناپاک اور پلید جانوروں کے ساتھ ... ہی ہو جاتے ہو۔ ارے جاؤ میاں جب تک تم نہا کر پاک نہیں ہو جاتے تب تک تمہاری ... بھی نہ ہو گی' یعنی تمہارا جسم گندا تھا' اب تمہارے کپڑے اور جسم دونوں پاکیزگی مانگتے ہیں۔''

بڑی اماں نے صاف لفظوں میں جتایا تھا۔

روید کا چہرہ ایک دم سرخ پڑ گیا تھا۔ بیبا نے بات خراب ہوتی دیکھ کر فوراً روید کو اندر بھیجا تھا۔

''بہار سے کہو چائے بھیجے اماں آئی ہیں۔''

روید کھولتا کڑھتا اندر لپکا تھا، جبکہ اس کے کتے نے بھی ضد کی تھی اندر جانے کی' لیکن روید نے اسے ڈاگ ہاؤس میں لے جا کر بند کر دیا تھا۔ یہ واحد خواہش تھی جو بیبا نے روید کی پوری نہ کی تھی۔ وہ اس کے کتے کو کبھی گھر میں آنے نہ دیتی تھیں۔

''اب اس کو سمجھایا کرو بڑا ہو گیا ہے!!''

بڑی اماں نے دوبارہ سے بیبا کی جانب رخ کیا، جبکہ رابعہ آنٹی بیبا کے چھوڑے ہوئے کام کو مالی سے کروانے پودوں کی جانب بڑھی تھیں۔ ان کے اندر بڑی اماں کی نکتہ چینیاں سننے کا رتی بھر حوصلہ نہ بچا تھا۔

''اتنی عمر میں رواق کتنا سمجھدار ہو گیا تھا۔'' انہوں نے بیبا کو محسوس کروانے کی کوشش کی تھی۔

''آپ ادھر دھوپ میں آ جائیں بے شک گرمی نہیں ہے' لیکن دھوپ میں بیٹھنے کا موسم بھی نہیں ہے۔'' بیبا نے ان کا فوری دھیان بٹانے کو کہا تھا۔

''ارے یہ شادی کے بعد کیا سارے لڑکے باؤلے ہو جاتے ہیں۔ بیوی کے آگے لگ جاتے ہیں۔ ارے میرا تو رواق اتنی سوجھ بوجھ رکھتا تھا' لیکن جانے اب کہاں ساری سمجھ چلی گئی۔''

انہوں نے تھوڑی دیر پہلے اپنی ہی بات کو رد کر دیا تھا کہ رواق بہت سمجھدار ہے۔

بیبا کو فوراً اندازہ ہو گیا کہ آج توپوں کا رخ رامین کی جانب تھا۔

وہ پہلے ہی جانتی تھیں کہ گھر میں اس طرح کا شور تو پڑنا ہی تھا۔

گھر کے دونوں بڑے جوان گھر کے بے حد اہم ستون تھے' دونوں رامین کی جاب پر ...
ہوں گے۔

''بڑی اماں وہ شادی سے پہلے جاب کر رہی تھی۔ اب یہ جاب اس کی کمٹمنٹ بن گئی ہے۔ ایسے میں جب اس کا شوہر بھی چاہتا ہے کہ وہ اپنی نوکری جاری رکھے، تو مجھے بخوشی اجازت دینی پڑی تھی۔''

''اماں...... بن بیاہی اولاد کو اپنے پاس رکھنا آسان ہے' لیکن بیاہی اولاد کو سمیٹ کر گھر کا حصہ بنائے رکھنا بہت مشکل ہے اور میں نہیں چاہتی تھی کہ میرے گھر کا ماحول اتنا بوجھل ہو کر فریقین کے دل ایک دوسرے سے دور ہو جائیں۔ اس لئے میں نے رواق کے کہنے پر رامین کو اجازت دے دی۔'' بیبا نے کھل کر ساری بات بڑی اماں کو بتائی تا کہ وہ اپنے دل میں آئے غبار ختم کر لیں۔

''ارے بھیا تم تو جانے کیسی ساس ہو؟''

''لو بھلا تمہاری حرکتیں ہیں ساس بننے کی۔'' بڑی اماں کو ایک دم بیبا کی بقا کی فکر ہوئی تھی۔

''کیوں......؟''

''ساسوں کے سر پہ سینگ ہوتے ہیں کیا؟''

رابعہ نے قریب آ کر پوچھا۔

''ارے تم تو چپکی رہو تمہیں تو بی بی نہ کوئی رشتہ بنانا آیا اور نہ ہی نبھانا آیا ہے۔'' بڑی اماں کے واضح طنز پہ رابعہ کا چہرہ پہلے سرخ ہوا اور پھر ایک دم سے سیاہ پڑ گیا تھا۔ وہ ایک دم واپس ہوئی تھی۔ لیکن جاتے ہوئے اس کی آنکھوں کی نمی بیبا سے نہ چھپی رہ سکی تھی۔

''اماں پلیز اسے نہ ایسے کہا کریں۔'' بیبا کا دل بہن کی دل آزاری پہ بے حد دکھی ہوا تھا۔

''چھوڑو تم اسے، میں تم سے جو پوچھ رہی ہوں اور جو سمجھا رہی ہوں وہ سمجھ میں آیا کہ نہیں۔'' بڑی اماں نے خفگی سے پوچھا تھا۔

''جی!!''

بیبا نے بے بسی سے جواب دیا تھا۔

''تو پھر بی بی اپنی بہو کو لگام ڈالو۔ ہمارے خاندان کی لڑکیاں نوکری چاکری نہیں کرتی ہیں۔ پھر کل کو اس کے بچے ہوں گے تو ماں ان کو توجہ دینے کے بجائے نوکری پہ توجہ دینے چلی جا...

... تمہاری نسل کی تربیت ہو گی؟''

بڑی اماں کا سوال بالکل درست تھا۔ اور لمحہ فکریہ لئے ہوئے تھا۔ خود بیبا کا دل رامین کی ... کے اندر سے راضی نہ تھا۔

''اچھا بھئی ہم چلتے ہیں!!''

بڑی اماں اپنا پیغام دے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''اماں چائے آ رہی ہے!!''

بیبا نے ان کو روکا تھا۔

''رہنے دو ہم کو چائے نہیں چاہئے' ہمیں اس گھر میں جو چیز چاہئے وہ اپنے بچوں میں پیدا ... ورنہ ہم تو جو دکھی ہوں گے۔ تم خود بھی خوش نہ رہ سکو گی۔'' وہ بیبا کو دہلا کر اپنے پورشن کی ... بڑھ گئیں، جبکہ بیبا گہری سوچ میں مبتلا کھڑی رہیں۔

... ایسی کیا حکمت عملی اختیار کی جائے کہ رامین بھی ان کا نقطہ نظر سمجھ لے۔

***

''آپا مجھے بہت ایکسائٹمینٹ Excitcment ہو رہی ہے!''

رانیا نے سونیا کے کان میں سرگوشی کی تھی، جبکہ سونیا بیگم کا ماتھا لیڈی ڈاکٹر کے تیور دیکھ کر ٹھنکا ...

ڈاکٹر کافی دیر سے رانیا کی رپورٹس دیکھ رہی تھی' اس کے چہرے کے تاثرات بہت سنجیدہ ...

''آپ کو اپنے شوہر کے ٹیسٹ بھی کروانے چاہئیں۔'' ڈاکٹر نے شروع کرنے سے پہلے ... دی تھی۔

''کیوں ڈاکٹر......؟''

سونیا بیگم نے استفسار کیا تھا۔

''ان کے شوہر کے ٹیسٹ سامنے ہوں تو زیادہ بہتر ہو گا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔

''ڈاکٹر وہ بالکل نارمل ہیں' ان کی پہلی بیوی سے بچہ ہے۔ سونیا بیگم نے سپاٹ لہجے میں ...

''...''

''او......!!''

ڈاکٹر نے پرسوچ لہجے میں جواب دیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ میں آپ کو کسی اندھیرے میں نہ رکھوں بلکہ اصل صورتحال بتا دوں۔"

ڈاکٹر نے گلا کھنکارتے ہوئے کہا تھا۔

"رانیا کبھی ماں نہیں بن سکتیں!!"

ڈاکٹر نے سونیا بیگم اور رانیا بیگم کے عین سر پہ دھماکہ کیا تھا۔

"کیا......؟"

رانیا بیٹھے سے ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

زندگی میں اسے کبھی وقت پہ کچھ نہ ملا تھا۔ اسے ہمیشہ اپنی زندگی کی خوشیاں چھین کر حاصل کرنی پڑی تھیں اور اب ایک بار اور...... ایک بار اور...... زندگی اس سے اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھین رہی تھی۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا!! آپ......"

"آپ غور سے دیکھیں، آپ غور سے تو پڑھیں۔"

رانیا کی آواز روہانسی ہو رہی تھی۔

"ڈاکٹر تو نام ہی مددگار اور امید دلانے والے کا ہوتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اگر ایک فیصد بھی امید باقی ہو تو اسے دس فیصد بنا کر بتائے، لیکن اگر صفر فیصد رزلٹ ہو تو ہم کیسے کسی کو اندھیرے میں رکھ سکتے ہیں۔ اگر آپ کو میری طرف سے تسلی نہیں تو پھر آپ کسی اور سے بھی Opinion لے سکتی ہیں۔" ڈاکٹر نے رانیا کے چہرے پہ بے اعتباری دیکھ کر کہا تھا۔

"آپا...... آپا یہ کیا کہہ رہے ہیں؟" رانیا نے ڈاکٹر کی طرف اشارہ کرکے کہا تھا۔

سونیا بیگم کو رانیا کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ اسے بہت مشکل سے سنبھال کر کلینک سے نکال کر لائی تھیں۔ پہلے مجھ سے میری صورت کے ساتھ اوپر والے نے کھیل کھیلا۔ پھر میرے مقدر کے ساتھ کھیلا تھا۔ جوانی کے عروج کے دن میں نے بنا ساتھی کے گزارے تھے۔ پھر جا کر شوہر نصیب ہوا تو وہ...... وہ پہلے سے شادی شدہ تھا۔

"پھر صرف ایک مقام تھا، ایک مقام وہ جس میں زندگی سے شکست نہ کھا سکتی تھی لیکن اوپر والے نے میرے ساتھ پھر برا سلوک کیا۔ آمنہ کی گود بھر گئی، جس کے متعلق ڈاکٹر نے کہا تھا کہ اس کے ہاں اولاد نہیں ہو سکتی۔ صرف مجھے! مجھے اس اوپر والے نے شکست دینے کیلئے آمنہ کو

مجھے ایک بار پھر سونا پن دے دیا۔"

"کیوں......؟"

"کیوں ہر بار...... ہر بار وہ اوپر والا ایسا کرتا ہے؟" رانیا نے تقریباً چیختے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن نہیں......!!

"اب میں اور برداشت نہیں کروں گی!!"

رانیا نے اک دم سے ہذیانی انداز میں اپنا بازو سونیا بیگم سے چھڑایا تھا۔

"تم کیا کرو گی؟"

"پھر تم کر ہی کیا سکتی ہو!"

سونیا بیگم نے شکست خوردہ انداز میں پوچھا تھا۔

"میں...... میں سب سے ہر چیز چھین لوں گی۔" رانیا کی آواز شدت جذبات سے بھاری ہو رہی تھی۔

"کیا چھین سکتی ہو تم......؟"

"کسی کی اولاد تو تم چھیننے سے رہی۔ میری مانو تو اس حقیقت کو قبول کر لو۔ رہی بات آمنہ کی رانی کی تو اس کیلئے میں ایک بہت مجرب اور کارآمد تعویذ لا کر دوں گی۔ آئندہ سے وہ ہمیشہ کیلئے تمہارے سامنے بھیگی بلی بن کر رہے گی۔"

سونیا بیگم کی بات پر رانیا پھٹ ہی پڑی۔

"مت دیں مجھے جھوٹی اور جزوی تسلیاں!!"

"میں کبھی آمنہ کو اپنے سامنے قد اور عزت میں اونچے مقام پہ نہیں دیکھ سکتی۔ مجھے نہیں ...نے ساری زندگی سوکن کے ساتھ گزارے اور...... Compromise!!! اس لئے......!!"

"میں...... میں پہلے جس بچے کو دنیا میں آنے سے پہلے ختم کرنا چاہتی تھی، اب وہ نہ صرف دنیا میں آئے گا، بلکہ میری بقا کا باعث بھی وہی بنے گا۔"

رانیا نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"لیکن...... لیکن یہ سب کیسے ہوگا؟"

سونیا بیگم نے پوچھا تھا۔

"ہوگا...... اور ضرور ہوگا!!"

"آپ بھی دیکھئے گا۔" رانیا جیسے کسی فیصلے پہ پہنچ گئی ہو۔ اب اس کے لب باقاعدہ مُ

رہے تھے۔ وہ ایک دم بے حد پرسکون نظر آنے لگی تھی۔ لگتا ہی نہ تھا یہ وہ ہی رانیا ہے جو اپنی زندگی

کی بدترین خبر سن کر کچھ دیر پہلے بہت واویلا مچا رہی تھی۔

"رانیا کیا تم مجھے بھی نہ بتاؤ گی کہ تم کیا کرنے والی ہو؟"

سونیا بیگم نے رانیا کا ہاتھ پکڑ کر پوچھا۔ رانیا بھی تو اتنا تجسس پیدا کر کے بنا کچھ مزید بتائے

گاڑی سے نکل کر جا رہی تھی۔ ڈرائیور کی وجہ سے وہ رستے میں اس سے اصرار نہ کر سکی تھیں کہ

اپنے دل کی بات بتائے۔ اب وہ اس کے پیچھے ہی اتر کر اس سے سوال کر رہی تھیں۔

"آپا آپ فکر مند ہونا چھوڑ دیں!!"

"میں کیا کرتی ہوں یہ آپ دیکھیں گی اور عش عش کر اٹھیں گی کہ کیسے ہاری ہوئی بازی جیتی

جاتی ہے۔"

رانیا کا لہجہ بے حد پُراعتماد تھا۔

"مطلب......؟"

سونیا بیگم نے الجھ کر پوچھا تھا۔

"مطلب یہ کہ آمنہ کا پلہ اولاد کی وجہ سے بھاری ہے ناں۔ تو میں وہ اولاد ہی اور اس کا

ہی جب اس سے چھین لوں گی، تو کیا وہ اپنی جگہ پہ پاؤں جما سکے گی؟"

"نہیں ناں......!!"

رانیا پہلے مسکرائی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔

"آمنہ بچہ تو ضرور جنم دے گی، لیکن اولاد کا سکھ زندگی بھر نہ پا سکے گی۔ آمنہ صرف پیدا

کرے گی، لیکن وہ بچہ میرا کہلائے گا۔"

"صرف میرا......!!"

"وہ آمنہ کی نہیں میری بقا کا باعث بنے گا۔"

"آپا...... کبھی کبھی خود کو بچانے کیلئے کڑوا گھونٹ بھرنا پڑتا ہے۔ پرائی اولاد کو دل پہ

پتھر رکھ کر اپنا کہنا پڑتا ہے اپنا بنانا پڑتا ہے۔ میں آمنہ کے بیٹے کو یہ بڑا سا پتھر رکھ کر پالوں گی۔"

رانیا نے کہا تھا۔

"اوہ...... اچھا!!"

سونیا بیگم کو اب جا کر ساری بات سمجھ میں آئی تھی۔ تبھی تو اس کے لب مسکرا دیئے تھے۔

"لیکن تم کیسے یقین سے کہہ سکتی ہو کہ آمنہ کے ہاں بیٹا ہی ہوگا۔ اگر بیٹی ہوئی تو......؟"

سونیا بیگم نے اپنے دل کا سوال پوچھا تھا۔

"میرا دل کہتا ہے......!!"

پہلی بار میرے دل نے کسی معاملے میں گواہی دی ہے۔ اس لئے مجھے یقین ہے کہ آمنہ

کے ہاں بیٹا ہی ہوگا۔" "اچھا اللہ کرے جیسا تم سوچ رہی ہو ویسا ہی ہو۔" سونیا بیگم کے اتنا کہنے پہ رانیا

ایک دم سے بپھر گئی تھی۔

"مت لائیں اپنے اللہ اور اس کے فیصلوں کو......!!"

"اس نے اب تک جو کیا ہے بدلے میں میرے ہاتھ آخر کیا آیا ہے۔ سوائے محرومیوں

کے۔ اب...... اب میں اپنی زندگی اور تقدیر کو خود بناؤں گی!! خود بناؤں گی!!" رانیا ایک دم

بولی تھی۔ پھر وہ ایک دم تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گئی تھی۔

سونیا بیگم کچھ کہتے کہتے رک گئی تھیں۔

لیکن وہ دل سے بے حد مطمئن تھیں۔ رانیا کی آنکھوں میں جو سگن وہ دیکھ چکی تھیں۔ یہ ہی

انہیں اس کی منزل تک پہنچانے والی تھی......

***

جاں پہ عذاب اترتے ہیں کس طرح

دل پہ عتاب اترتے ہیں کس طرح

عشق ہو تو پتا چلے

روگ سے چھپے ہوئے ہیں پس دوستاں

کون ہیں؟

روگ سے چھپے ہوئے پس جسم و جاں

کس لئے؟

ہیں میرے آہٹوں پہ لگے ہوئے

کیوں بھلا

میں صف دوستاں میں سلے ہوئے

تو یہ کس لئے؟

یہ جو اضطراب رچا ہوا ہے وجود میں

تو یہ کیوں بھلا؟

یہ جو سنگ سا آ گرا ہے جمود میں

تو یہ کس لئے؟

یہ جو دل میں درد چھڑا ہوا ہے لطیف سا

تو یہ کب سے ہے؟

یہ جو پتلیوں میں ہے عکس کوئی خفیف سا

سو یہ کب سے ہے؟

یہ جو آنکھوں میں کوئی برف سی ہے جمی ہوئی

تو یہ کس لئے؟

یہ جو دوستوں میں نئی نئی سی کمی ہوئی

تو یہ کیوں بھلا؟

یہ جو لوگ پیچھے پڑے ہوئے فضول میں

انہیں کیا پتا؟ انہیں کیا خبر؟

کسی راہ کے کسی موڑ پر جو انہیں ذرا

کبھی عشق ہو تو پتا چلے؟

رامین نے کاغذ کو غصے سے ایک دم سے چرمر کر کے ہاتھ میں یوں دبوچا تھا، جیسے مٹھی میں کسی کا گلا دبائے بیٹھی ہو۔

ویلکم بیک کے کارڈ کے ساتھ یہ نظم عمر شاہ نے لکھ کر بھیجی تھی۔ سارا اسٹاف شادی مبارک نئے عہدے کی مبارکباد دینے بار بار آ رہا تھا۔

رامین نے عمر شاہ سے یہ ویشنگ کارڈ بھی اس لئے لے لیا تھا کہ شاید وہ بھی اس کی شادی عہدے کی مبارکباد دے رہا ہے۔ اس نے فون اٹھا کر عمر شاہ کے کمرے کا ایکسٹنشن دبایا۔

''عمر شاہ......!!''

''تم لاکھ خود میں اہم صحیح ہیرو صحیح...... پر میرے نزدیک تمہاری اہمیت زیرو ہے اور جہاں حیثیت زیرو ہو وہاں آپ کبھی ہیرو نہیں بن سکتے۔ اس لئے عمر شاہ ٹرائی وہاں کریں، جہاں بہتر ہو۔''

رامین نے غصے سے ایک ایک لفظ چبا چبا کر بولتے ہوئے کہا۔

جواباً عمر شاہ کی ہنسی بڑی بے ساختہ تھی۔

''ارے جناب آپ کی انہی کھٹی میٹھی باتوں کو سننے کیلئے ہم ترس گئے تھے۔ مرد کو ہمیشہ پسند لڑکی ہی اٹریکٹ کر سکتی ہے، یا تو لڑکی کا بہت میٹھا پن، یا اس کے اندر کا تیکھا پن مرد کو اپنی جانب مائل کرتے ہیں۔''

''ہم لڑکیاں مردوں کو خالی ڈبے جیسی لگتی ہیں۔ اسی لئے عام ایوریج لڑکیوں کے ساتھ شروع کے چھ ماہ تک ساتھ ساتھ رہتے ہیں' پھر وہ ان کے ساتھ ساری زندگی Comprom... کرتے ہیں، لیکن شدت کے دونوں رخ اکٹھے لئے لڑکی مرد کی تا عمر کی ضرورت بنی ہوتی ہے۔''

رامین کے اندر کبھی شدت تھی، جو عمر شاہ کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچتی تھی۔

''لاحول ولا......!!''

رامین نے محبت کو برت لیا تھا۔ پہلے ذو معنی باتیں ایسے اثر نہ رکھتی تھیں' لیکن اب ہر ذو معنی بات اپنے پورے معانی کے ساتھ سمجھ آتی تھی۔ اسی لئے رامین شرم سے ایک دم سرخ پڑ گئی تھی۔

عمر شاہ ایک بار پھر ہنسا تھا۔

''رامین آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے اندر کی شدت کی' آپ کے مزاج کی' شدت کی' میں عزت کرتا ہوں۔ کیونکہ شدت پسند لوگ پیور ہوتے ہیں۔ بنا ملاوٹ کے پیوریٹی فی زمانہ مشکل سے ملتی ہے۔'' عمر شاہ نے بے حد جذب سے کہا۔

عمر شاہ کی اس طرح کی انوکھی تعریفیں لڑکیوں کے دلوں کے تار جھنجھنا دیتی تھیں۔ کچھ پل کو رامین کے لب بھی چپ رہے تھے۔ وہ بھی کچھ پل کو بھول نہ سکی تھی' عجیب متضاد سی کیفیت میں مبتلا تھی' لیکن ہر بار کی طرح اس کی انا نے اسے سہارا دیا تھا۔

''عمر شاہ میں اس بار آپ کو وارننگ نہیں دے رہی' لیکن اسے آپ وارننگ سے زیادہ سمجھیں اور آئندہ مجھے اس طرح خطوط لکھنے سے اجتناب کیجئے گا۔'' رامین نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔

"یا اللہ یہ چیونگم جیسے لوگ......!!"

رامین نے بے اختیار سر تھاما تھا۔

ایک تو اس قدر مشکل سے گھر سے اجازت لے کر نکلی تھی ایسے میں کوئی اسکینڈل اس کی Credibility کو خراب کر سکتا تھا۔ اب وہ شادی شدہ تھی' ایسے میں اس کے رشتے میں دراڑیں آ سکتی تھیں۔

رامین نے گہرا طویل سانس بھرا تھا۔ اسے اگر یہاں رہنا ہے، تو کوئی نہ کوئی حکمت عملی اپنانا ہوگی، تاکہ سنبھل کر چل سکے اور اس کے کپڑوں پر کیچڑ بھی نہ آئے، لیکن رامین نہ جانتی تھی کہ اس نے خود کو بانس پر لگی رسی جیسے رستے پہ خود سوار کیا ہے اور آئندہ دنوں میں اگر اس کا پاؤں پھسلا تو وہ وہاں سے چوٹ کھا سکتی تھی' بلکہ وہ اس کی جواب دہ بھی ہوگی۔ وہ نہ جانتی تھی کہ جب لڑکی اپنی مرضی سے شادی یا نوکری کرتی ہے، تو ساری عمر کیلئے اس کے پلس مائینس کی ذمہ دار خود ٹھہرائی جاتی ہے۔

***

"تم نے اس کے ہاتھ سے جوس کیوں لے کر پیا؟"

ضیاء' آمنہ کو ڈانٹ رہے تھے۔

"پھوپھو نے کہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ کھڑی تھیں۔"

آمنہ نے نقاہت سے جواب دیا۔ وہ اس قدر کمزور تھی کہ چند قدم بھی چل کر ہانپنے لگتی تھی۔ ایسے میں جو پھوپھو دیتیں وہ کھا لیتی تھی اور جیسا کہتیں وہ مان لیتی تھی' اس کے اندر کسی بات پہ بحث کرنے یا معاملے میں مداخلت کرنے کی ہمت بالکل نہ تھی۔

"پھوپھو اگر زہر کھانے کو دیں گی تو کھا لو گی۔"

ضیاء کو بہت غصہ آ رہا تھا۔ "یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔" آمنہ نے نقاہت اور کچھ ناراضی سے پوچھا تھا۔ "بھلا پھوپھو ایسا کیوں کریں گی؟"

"میں ان کی نہیں (اس (حرافہ) گالی انہوں نے دل میں دی تھی) کی بات کر رہا ہوں۔"

ان کا اشارہ رانیا کی طرف تھا۔

"اب ہم ایسے بھی برے نہیں ہیں۔" رانیا نے ملازمہ کے ساتھ داخل ہوتے ہوئے کہا۔

ملازمہ کے ہاتھ میں چھوٹی سی ٹرے تھی' جس میں زیتون کے تیل کو گرم کر کے ایک پیالی میں ...

"یہ کیا ہے؟" آمنہ سے پہلے ضیاء چچا نے ناک اور تیوری ماتھے پر چڑھا کر پوچھا تھا۔

"آئل ہے اس کی مالش سے آمنہ کو سکون ملے گا!"

رانیا نے کہا۔ "سکون......؟!"

ضیاء چچا ایک دم سے ہنسے تھے۔

"سکون اور تمہاری ذات سے......؟"

ضیاء چچا کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"یا میرے اللہ......!!"

آمنہ نے ایک بار پھر سے طویل گہرا سانس بھرا تھا۔ دو عدد حریف ایک بار پھر آمنے سامنے تھے۔ اب مزید لڑائی آگے بڑھے گی۔ آمنہ نے بے اختیار سوچا تھا، لیکن چونکہ رانیا تو کچھ اور ہی سوچے بیٹھی تھی۔ اس لئے اب اس کا مزاج ہی نہیں آنکھیں تک بدلی ہوئی تھیں۔ جو آمنہ کو حیران اور ضیاء چچا کو مشکوک سا احساس دلا کر مزید الرٹ کر رہی تھیں۔

"اپنی اپنی Perception ہے!!"

رانیا نے ان کے غصے اور بدزبانی کا برا منائے بغیر کہا، تو اس پر ضیاء چچا بھی چونکے تھے۔

"کہ یہ لومڑی ایک دم سے بکری کی صلح جو کھال میں کیسے نظر آ رہی ہے؟"

"کیا یہ اس کی کوئی نئی چال ہے؟"

ضیاء چچا اب بالکل ٹھیک بات کے سرے کو پہنچے تھے۔

رانیا ملازمہ کو مساج کی نہ صرف ہدایات دے رہی تھی' بلکہ وہ آمنہ کے سر اور ٹانگوں کے نیچے تکیہ رکھ کر اس کو آرام دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ رانیا کو آمنہ کی ایک دم سے فکر کیوں ہونے لگی؟

"یہ......اب مزید کیا کرنے والی ہے۔"

ضیاء چچا نے اسے ایسی نگاہوں سے دیکھا تھا، جیسے وہ رانیا کا آنکھوں ہی آنکھوں میں ایکسرے کر کے اس کے اندر کا راز جان لینا چاہتے ہوں۔ لیکن ضیاء چچا جیسے ہوشیار انسان بھی رانیا کی گہرائی نہ ماپ پا رہے تھے' وہ کم بخت جتنی باہر سے گہری دکھائی دیتی تھی، اس سے کہیں زیادہ اندر سے گہری تھی۔

ضیاء چچا کی نظریں رانیا کے بے حد پرسکون چہرے سے الجھ رہی تھیں۔ وہاں عجیب سی

بے چینی بھرا سکون تھا' جو صرف محسوس کرنے والا محسوس کر سکتا تھا۔ ایک طوفان کی آہٹ تھی جو صرف سننے والے کان سن سکتے تھے۔

اور ضیاء چچا اس ہی طوفان کی آہٹ سن رہے تھے۔ اور اسی لئے ان کا دل بری طرح بے چین تھا۔

واٹ نکسٹ ......؟ ایک ایسا سوال تھا' جس کا جواب ابھی وہ دیکھ نہ پا رہے تھے۔

***

اے میرے آقا
غلام عصیاں کے بوجھ سے
اپنا سر جھکائے
جو تیرے در پہ کھڑا ہے بخشش کی آس لے کر
وہ در کہ جو رحمتوں کا در ہے
وہ در کہ جو مغفرت کا گھر ہے
کوئی بھی سائل جہاں سے
روز ازل سے اب تک
کبھی بھی خالی نہیں گیا ہے
غلام پہ تیری رحمتیں بخششیں یقیناً
کسی بھی گنتی سے ماورا ہیں
مگر یہ پھر بھی دریدہ دامن
کھڑا ہے توبہ کی آرزو میں
کہ اس کے کشکول میں
بجز ندامت کے
اور حسرت کے کچھ نہیں ہے
غلام خوف و امید کے درمیان
ایسے لرز رہا ہے
کہ جیسے لمحہ حساب کا سر پہ آ گیا ہے

غلام رستے کی تیرگی سے
مسافتوں سے نڈھال' منزل سے دور
زخموں سے چور
رستے کی روشنی کو ترس رہا ہے
غلام کو بے بسی کی تاریکیوں سے
جو تو نجات دے دے
جو تیری چاہت سے ہو معطر
اسے بھی ایسی حیات دے دے

دیپا کا سارا وجود تھر تھر کانپ رہا تھا۔ وہ کھڑے سے بیٹھ گئی تھی۔ دل جو کسی بھاری بوجھ دبا رہتا تھا' ایک دم آزاد پنچھی کی طرح سے ہو گیا تھا۔ اس آزادی کے باوجود اس کا سارا و کانپ رہا تھا' اس کی وجہ تھی، کہ اس کے دل اور روح نے دنیا کی سب سے بڑی سچائی "اللہ سو کی ذات کو محسوس کیا تھا۔

دیپا نے ایک گھنٹہ پہلے اسلام جیسا عظیم مذہب اختیار کر لیا تھا!

یہ بریکنگ نیوز اس کی فیملی کو بریک کر دے گی' باوجود اس احساس کے دیپا نے ب مضبوط ارادے سے یہ قدم اٹھایا تھا۔ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ!"

یہ وہ اسم اعظم تھا' جس نے اس کے دل و دماغ کی دنیا کو مکمل طور پر بدل کر رکھ دیا تھا۔

اس کا سارا وجود پسینے پسینے ہو گیا تھا۔

"اے بیٹا......!"

"تیرے پتا جی کا کتنی ہی بار فون آیا تو کدھر تھی۔ سارا دن ہی گزر گیا۔ میں نے تو ہسپتال بھی فون کیا تھا تو وہاں بھی نہ تھی۔ پھر کہاں رہی سارا دن؟" بوا نے پریشانی سے پوچھا تو

یہ ان کی پرانی ملازمہ تھی، جو پاکستان خاص طور پر اس کے ساتھ آئی تھی۔ اب تک بیٹ ادھر ادھر بے ٹھکانہ' بے سمت جیون گزرا بوا! آج...... آج میں اپنے صحیح رستے اپنے ٹھکانے پر گئی ہوں!

دیپا پروانی نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

"تیری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں بیٹا؟"

دیپا ابھی کچھ عرصہ پہلے بہت شدید بیماری سے اٹھی تھی۔ بوا کو دوبارہ اس کی فکر ہو گئی تھی۔

"پہلے ٹھیک نہ تھی' لیکن بوا اب میں بالکل ٹھیک ہو گئی ہوں۔" دیپا نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔ یہ دھیمی سی مسکراہٹ کسی کرن کی طرح چمکی تھی۔ اتنے دنوں کی اداسی کے بعد دیپا آج پہلی دفعہ مسکرائی تھی۔

بوا کو دیپا کا پر سکون چہرہ دیکھ کر سکون محسوس ہوا تھا۔

"تیرے لئے چائے لاؤں؟"

وہ اس کا چہرہ بغور دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"کچھ دیر بعد بوا۔ ابھی آپ جائیں میں تھوڑی دیر آرام کروں گی۔"

دیپا نے بوا کو باہر بھیج کر اپنے کمرے کا دروازہ لگایا اور اپنے کپڑوں کی الماری کھول کر کرشنا اور ہنومان کی مورتی نکالی اور چکنے فرش پر زور سے دے ماریں۔ مورتیوں کے ٹکڑے فرش پر بکھر گئے تھے۔ پھر اس نے اپنی پرانی یادوں اور اشلوکوں کی کتاب کو باہر نکالا اور واش روم میں لے جا کر اسے آگ لگا دی تھی۔

باہر بوا کے دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز آئی تھی۔

"اے بیٹا اندر کیا ہوا ہے؟ یہ دھواں کیا تیرے باتھ روم سے نکل رہا ہے؟"

"یہ ٹوٹنے پھوٹنے کی آوازیں کیسی تھیں؟"

بوا نے اونچی آوازوں میں سوال شروع کئے تو دیپا نے دروازہ کھول دیا۔

"بیٹا کیا ہوا......؟ یہ آوازیں......!"

وہ کہتی ہوئی اندر آئی' لیکن پھر ایک دم زبان کو بریک لگ گیا تھا۔

"یہ...... یہ سب کیا ہے......؟"

"ہائے رام!"

"یہ بھگوان کی مورتیوں کو کس نے توڑا؟"

"کیسے ٹوٹیں......؟"

"اب بہت شراپ لگے گا!"

بوا نے فکر مندی سے کہا تھا۔

"پر یہ گر کیسے گئیں؟"

بوا نے لرزتے ہاتھوں سے ٹکڑے اکٹھے کرتے ہوئے پوچھا تھا۔

دیپا یہ مورتیاں خاص طور پر سنگاپور سے لائی تھی۔ پاپا اور ماما بہت زیادہ مذہبی تھے۔ لندن میں بھی رہ کر وہ اپنے دھرم کے بہت پابند رہے تھے۔ یہ ہی وجہ تھی دیپا اور اس کے دونوں بھائی بھگوان کو بہت مانتے تھے، لیکن آج تیس سال کا بنا ہوا بھرم ایک کلمے سے ٹوٹ گیا تھا!

دیپا کو وہ تیس سالہ زندگی اور اس کے ساتھ جڑے رشتے سارے ایک دھوکہ لگ رہے تھے اور ایک گھنٹے سے بنا یہ رب کے ساتھ جڑا رشتہ سب پہ بھاری تھا۔ یہ ساری سچائی یہاں سے یہاں تک پھیل گئی تھی۔

"سارے جھوٹ ایک دن آخر گر کر ٹوٹ جاتے ہیں! ختم ہونا ان کی قسمت ہوتی ہے بوا!"

"یہ جھوٹ جس کو ہم مانتے تھے آج سچائی کے سامنے ختم ہو گئے۔"

دیپا کی بات پر بوا نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"یہ کیا اناپ شناپ بک رہی ہے!" ساتھ ہی انہوں نے دہل کر سینے پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"یہ...... یہ غسل خانے میں کیا جل رہا ہے۔" وہ مورتیوں کے ٹکڑے پکڑے پکڑے باتھ روم کی جانب لپکی تھیں۔ بوا کی چیخیں جو بین نما تھیں ایک دم سے بلند ہوئی تھیں۔

"رام...... رام...... یہ کیا انرتھ کر ڈالا......؟"

وہ دیوانوں کی طرح ڈائری کو لگی آگ پر پانی ڈالے جا رہی تھیں۔

"ہائے تم نے اپنی سب سے لاڈلی ڈائری کو جلایا' جس میں ہر طرح کے اشلوک لکھے تھے۔"

وہ ایک دم دیپا کی جانب خونخوار ہو کر لپکیں۔

"ہونہہ...... جو اشلوک اور باتیں نہ خوشی دے سکیں، نہ غمی اور نہ سکون کا راستہ دکھا سکیں انہیں کوئی کیوں سنبھال کر رکھتا پھرے' اب تو مجھے سچا رب اور اس کی کتاب مل گئی ہے۔" دیپا کی بات بوا کو مزید آگ لگا گئی تھی۔

"بکواس بند کر......!"

"اگر تو میری ہاتھوں پلی نہ ہوتی تو تیرا کوئی لحاظ کئے بغیر تیری چٹیا پکڑ کر کاٹ دیتی۔ میں ہندو عورت ہوں۔ دھرم کی پکی۔ دیکھ میں تیرے ساتھ کیا کرتی ہوں۔"

غصے سے بوا ہر چیز بھول گئی تھی، کہ وہ مالکن کی بیٹی ہے اور اسے بھی تو بہت عزیز تھی' کیونکہ بچپن سے وہ ان کے ساتھ تھی، لیکن آج' ابھی جو حرکت اس نے کی تھی، وہ حرکت ان کیلئے ناقابل

برداشت تھی۔

دیپا کا چہرہ اسی قدر پر سکون تھا، جتنی زیادہ بوا پریشان تھیں۔

دیپا کا مطمئن چہرہ دیکھ کر بوا کو مزید غصہ آیا تھا' کیونکہ وہاں ناخوشی کا نام ونشان تک نہ تھا۔

بوا نے کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے ایک بار پھر دیپا کا چہرہ دیکھا، کہ شاید کوئی دراڑ نظر آئے' پھر انہوں نے افسوس سے سر ہلایا اور لندن فون ملانے بیٹھ گئی تھیں۔

ان مسلوں کے ملک میں آ کر بیٹھ گئی تھی' یہ پانی تو سر سے اونچا ہونا ہی تھا۔ انہوں نے غصے سے تھرتھراتے ہوئے لندن کیلئے ٹرنک کال بک کروائی تھی۔ ایک بم دھماکہ ابھی لندن میں ہونا باقی تھا۔

***

ایک قیامت ہی تو تھی جو دیپا کے پتا اور ماتا کے دلوں اور زندگی میں برپا ہو گئی تھی۔

پہلے تو انہوں نے پیار سے پھر سختی سے دیپا کو وارن کیا کہ وہ ایسی کوئی حماقت نہ کرے، ورنہ وہ جیتے جی ان کا منہ دیکھنے کیلئے ترس جائے گی۔

"پاپا آپ اپنی اکلوتی بیٹی جو آپ کی جان کی طرح ہے اسے...... اسے چھوڑ دیں گے؟"

دیپا کو یقین نہ آ رہا تھا۔

"تم اس ملک اور وہاں کے لوگوں کو فوراً چھوڑ دو ورنہ......!" پاپا نے دھمکی دی تھی۔

"پاپا...... اللہ صرف اس ملک یا پھر ان لوگوں میں نہیں رہتا، وہ تو ہر جگہ ہر دل میں بستا ہے! میں اللہ کو کیسے چھوڑ دوں؟"

دیپا نے بے بسی سے کہا تھا۔

"اللہ کی محبت وہی دل بہتر جان سکتا ہے جو پہلے سے محبت سے بھرا ہو۔"

دیپا بے بس تھی' اپنے دل سے وہ کیسے چھوڑ دیتی، اس احساس کو جو اس کی پوری ذات پر محیط ہو گیا تھا۔

"دیپا...... دیپا...... تم بہت پچھتاؤ گی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے کہ تم پرائے دیس جا کر ہمیں جو کہو گی ہم مان لیں گے!"

"نہیں دیپا یہ تمہاری غلط فہمی ہے! تم کو اپنا ارادہ بدلنا ہو گا۔"

دیپا کے بڑے بھائی نے گرجتے ہوئے کہا۔

"سوری بھائی صاحب یہ کوئی ساڑھی کی خریداری نہیں ہے، جو واپس ہو جائے گی۔ یہ تو پریم کا سودا ہے۔! یہ تو آتما کا سودا ہے جو ایک بار ہو جائے تو واپس نہیں ہوتا۔"

دیپا نے اٹل لہجے میں کہا تھا۔

"تم جس گھر میں رہ رہی ہو، جو گاڑی تمہارے استعمال میں ہے اور تمہاری شاہانہ ضروریات زندگی، جس پیسے سے پوری ہو رہی ہیں، وہ ہمارا ہے! ورنہ تمہاری ڈاکٹری تو اب تک چیریٹی کے کھاتے میں جا رہی تھی۔ سوچو اگر ہم یہ سب واپس تم سے لے لیں تو تمہارا کیا بنے گا؟"

بڑے بھیا نے کھولتے ہوئے پوچھا تھا۔

"جس اللہ نے مجھے کفر کی زندگی میں اتنا اچھا رکھا، تو جب میں اس کی اپنی ہو گئی تو کیا وہ کم اچھا رکھے گا؟"

دیپا نے بے حد مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"دیپا یہ تمہاری بھول ہے......!"

"تم کو ہم پائی پائی کا کنگال تو کر ہی دیں گے' ساتھ ہر رشتہ ناطہ بھی ختم کر دیں گے اور میں آ رہا ہوں' میں تم کو ایمبیسی کورٹ کے ذریعے یہاں سے واپس لے جاؤں گا۔ دیکھتا ہوں کہ تم دھرم بدل کر خود کو بدل کر کیسے رہ سکتی ہو!"

بڑے بھیا نے تقریباً چیختے ہوئے کہا تھا۔

"میرے لئے میرا اللہ ہی کافی ہے!"

دیپا نے بے حد پرسکون ہو کر کہا اور فون رکھ دیا تھا۔ جانے کیوں اس کا دل آنے والے طوفان سے بالکل گھبرا نہ رہا تھا۔

"جس نے اپنی ناؤ اللہ کی حفاظت میں دے دی ہو' اسے بھلا طوفانوں سے کیا ڈر!"

***

کسی جادو بھرے اک لمس کی خواہش
کسی کی دید کا اک مہرباں لمحہ
کسی مخمور لہجے کی مدھم سی سرگوشی
کسی کے نام لکھے رت جگوں میں ٹمٹماتا آس کا جگنو
تھکن کے آبلوں پر...... اک ذرا سا پیار کا مرہم

بڑی مشکل ہے......
ان خوابوں کے نخل سبز کو جڑ سے اکھاڑا ہے
بڑی مشکل ہے......
انہی کی سلگتی راکھ میں موجود چنگاری بجھائی ہے
بڑی مشکل ہے......
اس کو بھول جانے کی قسم دل نے اٹھائی ہے
بت
اب مجھے آواز مت دینا!

***

ضیاء چچا نے قلم ڈائری بند کر کے اس پر رکھا تھا۔

دل کے اس رشتے نے ان کے دل کے سکون پر خوشی کو کھا ڈالا تھا۔

پھر ضیاء چچا نے ڈائری کا کور اتار کر اس کے اندر رکھی، اپنی متاع جان کو نکال کر دیکھا تھا۔

یہ...... آمنہ کی تصویر تھی۔ سفید لباس میں فیروزی دوپٹہ اوڑھے اداس سی آمنہ ان کے دل میں بسی ہوئی تھی۔ یہ تصویر انہوں نے آمنہ کی البم سے نکالی تھی۔

دل نے یہ واحد چوری ان سے کروائی تھی۔ ان کا دل ہر وقت آمنہ کو دیکھنے کی تمنا کرتا تھا' اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ وہ اس کی تصویر نکال کر لے آئے تھے۔

میں تم سے بہت دور چلا جاؤں گا!
اتنی دور کہ تمہاری زندگی میں کبھی میرے نام کی پرچھائی بھی نہیں آئے گی۔

ضیاء چچا نے اپنی ٹکٹ دراز میں سے نکال کر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ اپنے دل کی اس منہ زوری کے آگے بے بس تھے، کہ وہ مستقل آمنہ کو چاہے جا رہا تھا اور آمنہ کے ساتھ لگے شادی شدہ کا ٹیگ تک نظر نہ آ رہا تھا۔ اس کیلئے تو بس وہ اس کی محبوبہ تھی' [illegible] بس چاہے جا رہا تھا' اس کی ڈیمانڈ کئے جا رہا تھا، جو کہ وہ پوری نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے جس بے بس ہونے کے احساس کو ختم کرنے وہ آئے تھے، ان کو آج پھر اسی بے سکون دنیا کی جانب لوٹنا تھا اور پہلے تو ان کے دل کو اپنے دل کے اندر بسنے والے تصور کی تلاش تھی۔ اس کی وجہ سے وہ بے قرار ہوئے، لیکن اب تو ان کے ساتھ کھونے کا دکھ بھی تھا' جس کی وجہ سے وہ شاید کبھی بھی کسی کے ہو

جگہ سکون سے نہ رہ سکے تھے۔

ان کو یہ بے سکونی کا سودا کرنا ہی پڑنا تھا۔ آمنہ کے سکون کیلئے، آمنہ کے گھر کیلئے تاکہ ان کے دل کا جنون کہیں آمنہ کو برباد نہ کر دے۔

”ضیاء ادھر کمرا بند کر کے کیوں بیٹھے ہو؟“

”کیوں تم نے ایک بات کو اتنا دل سے لگا لیا ہے کہ تم ہم سے الگ تھلگ رہنے لگے ہو۔ رانیا کی حرکتیں مجھ سے ڈھکی چھپی تو نہیں رہی ہیں۔ دفع کرو اس کو۔“

بھابی بیگم نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”السلام علیکم بھابی بیگم!“

ضیاء نے جلدی سے تصویر ڈائری میں رکھ کر ڈائری تکیے تلے کرتے ہوئے کہا تھا۔

”وعلیکم السلام! جیتے رہو شاد رہو آباد رہو!“

انہوں نے بے حد خوش دلی سے اسے دعائیں دی تھیں۔

”تم میری اولا کی طرح ہو۔ خوش رہا کرو۔ تمہاری اتری شکل دیکھ کر میرا دل بہت برا ہوتا ہے۔“ انہوں نے ضیاء کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے بے حد سچائی سے کہا تھا۔

”جی بھابی بیگم!“ ضیاء نے بے حد تابعداری سے کہا تھا۔

”اچھا میرے ساتھ چلو ہم سب اکٹھے کھانا کھائیں گے۔ تمہارا کھانا آج کمرے میں نہیں آئے گا۔ چلو اٹھو!“ وہ ضیاء چچا کے نہ نہ کرتے بھی ان کو اٹھا کر باہر لے گئی تھیں' کھانے کی میز پر ماسوائے آمنہ کے، سب ہی موجود تھے۔ شہزاد نے اٹھ کر ضیاء کو سلام کیا، جو انہوں نے سر کے اشارے ہی سے جواب دیا تھا۔

شہزاد اندازہ کر سکتا تھا کہ ضیاء چچا اس سے ابھی تک ناراض تھے۔ اس لئے انہوں نے رانیا پر ایک کڑی نگاہ ڈالی تھی' جیسے وہ کہہ رہے ہوں کہ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا ہے اور رانیا کے اندر تو ویسے ہی ضیاء چچا کو دیکھ کر غصے کی لہریں اٹھنے لگتی تھیں۔ یہ واحد شخص تھا جو اسے با قاعدہ چیلنج کرتا تھا۔

اس کی وجہ سے اس کے تن من میں ہمیشہ آگ لگا کرتی تھی۔

رانیا نے ضیاء چچا کو بے حد غصے سے دیکھا تھا۔

”ہونہہ تم کو ناکوں چنے نہ چبوائے تو میرا نام رانیا نہیں۔“

”ایکسکیوز می......!“

رانیا نے بہت تیزی سے اپنا کھانا ختم کیا اور اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس سے ضیاء چچا کی تیز کرتی نگاہیں برداشت نہ ہوتی تھیں۔

رانیا کے کمرے کے راستے میں ہی ضیاء چچا کا کمرہ پڑتا تھا۔ ضیاء چچا کے کمرے کا دروازہ کھلا دیکھ کر وہ فوراً اندر بڑھی تھی۔ اس کے اندر کا شر اور تجسس اس کو ہمیشہ حدود کراس کرواتا تھا۔ اسی ارادے سے کمرے میں وہ داخل ہوئی تھی کہ ضیاء چچا کی کوئی قیمتی چیز چرا لے اور جس کو ڈھونڈتے ہوئے وہ اذیت میں رہیں اور اس کے نہ ملنے پر اور اذیت میں مبتلا رہیں۔

لیکن اس کے ہاتھ تو واقعی قیامت کی چیز لگ گئی تھی۔ رانیا نے تکیہ تو اٹھایا تھا، الماری کی چابیاں لینے کیلئے، لیکن اس کے ہاتھ ضیاء چچا کے جرم کا ثبوت لگ گیا تھا' جس کو انہوں نے سب سے چھپا کر رکھا ہوا تھا۔

”میرے خدا......!“

رانیا کے ہاتھ خوشی سے کانپنے لگے تھے۔ یہ ضیاء چچا کی ڈائری آمنہ کے ساتھ بائے نیم اظہار تھا۔

رانیا نے ڈائری اپنے پلو کے نیچے چھپائی اور تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

***

”ہیلو......!“

رواق نے نیند سے بوجھل آواز میں فون اٹھا کر کہا تھا۔

آج کوئی آپریشن نہ تھا' اس لئے وہ جلد فارغ ہو کر گھر آ گیا تھا۔

ڈنر کے بعد وہ سونے کیلئے لیٹ گیا تھا' کیونکہ صبح صبح اسے اپنے ہسپتال کے ڈاکٹروں کی ٹیم لے کر گاؤں میں میڈیکل کیمپنگ کیلئے جانا تھا' اس لئے وہ رامین سے کہہ کر سویا تھا کہ کوئی اسے ڈسٹرب نہ کرے۔

اور اب رات کے اس پہر جب رامین اس کے بازو پر سر رکھے گم سوئی پڑی تھی، تو فون کی گھنٹی پر بھی اس کی آنکھ نہ کھلی تھی۔ مجبوراً رواق کو فون اٹھانا پڑا تھا۔

”ہیلو کون......؟“

رواق نے آنکھیں بند کئے کئے پوچھا تھا۔

"میں ہوں رواق......!"

جواب میں کہا گیا تھا۔

"دیپا تم......؟"

"اس وقت......؟ خیریت تو ہے ناں؟"

وہ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"رواق میں بہت مشکل میں ہوں کیا تم مجھے بچانے آؤ گے؟"

دیپا نے پوچھا تھا۔

"دیپا پلیز بتاؤ تم ٹھیک تو ہو ناں؟"

رواق نے آہستگی سے اپنا بازو رامین کے سر کے تلے سے نکالتے ہوئے دیپا سے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

"تم بس آجاؤ......!"

دیپا نے روہانسی آواز میں کہا۔

"اچھا میں آرہا ہوں!" رواق نے سلیپر پاؤں میں اڑھستے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا پلیز تم خدیجہ کے گھر مجھ سے ملنا۔" دیپا نے کہا تھا۔

"ادھر......؟"

"لیکن تم وہاں کیوں ہو؟"

رواق سوال کیے بنا رہ نہ سکا تھا۔

"پلیز رواق......!"

"اس طرح فون پہ میں تم کو کچھ نہیں بتا سکتی ہوں۔"

دیپا نے بے بسی سے کہا تھا۔

"اوکے......تم پریشان نہ ہو۔ میں بس آرہا ہوں!"

رواق نے فون رکھ کر جلدی سے ڈریسنگ روم کا رخ کیا تھا اور جلدی جلدی سے شب خوابی کا لباس تبدیل کر کے گاڑی کی چابیاں اٹھائی تھیں۔

"رواق کدھر جا رہے ہیں؟"

رامین کی آنکھ کھل گئی تھی۔

"یار ایمرجنسی ہے!"

رواق نے اس کے قریب آکر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا، تم سو جاؤ۔ میں فارغ ہو کر تم کو فون کردوں گا۔

"اوکے اللہ حافظ!"

رواق اسے کچھ کہنے سننے کا موقع دیئے بغیر باہر نکل گیا تھا۔

"ایمرجنسی......!"

رامین نے گھڑی پر وقت دیکھا تھا۔ تین بج رہے تھے۔ اس وقت ایمرجنسی......!

رامین جی بھر کر بدمزہ ہوئی تھی۔ ڈاکٹروں کی بیویوں کی زندگی بھی کتنی بے سکون ہوتی ہے۔ ان کے شوہروں پر پورا پورا حق جتا کر کسی بھی وقت گھر سے اڑا کر لے جاتے ہیں۔ رامین نے کروٹ لی تھی۔ اس کا موڈ بے حد خراب تھا، لیکن وہ نہ جانتی تھی کہ اس کا وقت بھی خراب ہونے والا ہے!

***

"دیپا......!"

"تم نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟"

رواق کہے بنا نہ رہ سکا تھا۔

اڑی اڑی رنگت ملگجے کپڑوں کے ساتھ سامنے جولڑکی کھڑی تھی وہ دیپا تو ہرگز نہ تھی۔

جو بات دیپا کے حلیے میں نمایاں تھی، وہ بڑی سی چادر میں اس کا خود کو لپیٹ کر سامنے آنا تھا۔

دیپا نے تو آج تک سردی گرمی میں ساڑھی اور پینٹ شرٹ کے علاوہ کبھی کوئی دوسرا لباس پہنا تھا۔ رواق نہ جانتا تھا کہ یہ صرف اوپری' ظاہری حلیہ ہی نہیں بدلا ہے، بلکہ دیپا اندر تک خود کو بدل چکا ہے۔

رواق کو اس کی شکل دیکھ کر ہی احساس ہو گیا کہ کوئی اہم مسئلہ اس کی دوست کو آن پڑا ہے۔

"میں آپ لوگوں کیلئے چائے لے کر آتی ہوں!"

ڈاکٹر خدیجہ نے ان کو تنہائی میسر کرتے ہوئے باہر کا رخ کیا تھا۔

"دیپا پلیز کچھ کہو تو سہی......!"

"تمہاری یہ خاموشی اور تمہارا یہ بدلا ہوا حلیہ میرے لئے بہت پریشانی کا باعث ہے!" رواق نے سچائی سے کہا تھا۔

"رواق سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کو کیسے بتاؤں اور کہاں سے شروع کروں!"

دیپا نے تھکے تھکے لہجے میں کہا تھا۔

"میں تمہارا دوست ہوں' تم مجھ سے جیسے پہلے ہر بات بلا جھجک کہتی آئی ہو، اب بھی کہو" رواق نے اس کا ہاتھ حسب عادت نرمی سے پکڑتے ہوئے کہا تھا۔ جسے دیپا نے بے حد نرمی سے چھڑا لیا تھا اور کچھ فاصلے پر جا بیٹھی تھی۔

رواق کی تیز حسیات نے فوراً سے پہلے اس کا یہ گریز محسوس کیا تھا۔ اسے شدت سے بدلی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ وہ منتظر نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا کہ وہ اپنی اس حالت کے متعلق خود سے بتائے۔

"رواق میں نے تم کو بہت چاہا' اتنا چاہا کہ مجھے لگا کہ اگر میں تم کو نہ پا سکی تو میں مر جاؤں گی اور میں نے اس موت کو بہت شدت سے محسوس بھی کیا تھا۔"

"اور پھر جب میں مر گئی، تو میں نے اسی موت میں اصل جیون کو پا لیا۔"

"یہ جیون مجھے اللہ نے دیا تھا اور اب جب میں اپنا جیون اس کیلئے گزارنا چاہتی ہوں ایک بار پھر میری زندگی خطرے میں آن گھری ہے۔" دیپا نے رواق کے سامنے بم دھماکہ کیا تھا۔

"تم.....؟"

وہ ایک دم سے بیٹھے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"دیپا تم مجھ سے اسلام قبول کرنے کے متعلق ہی کہہ رہی ہو ناں؟" رواق نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

"الحمدللہ! میں مسلمان ہو چکی ہوں!"

دیپا نے بے حد مضبوط لہجے میں ایک اور حیران کن خبر رواق کو سنائی تھی۔

"میرے اللہ.....!!"

رواق کے جذبات ملے جلے سے تھے۔ بے حد حیرت اور خوشی جمع ہو کر اس کے دل کے پیالے میں اوور فلو ہو رہی تھی۔

"دیپا یہ کب ہوا؟"

وہ جاننے کیلئے بے چین ہو رہا تھا۔

"دیپا نہیں رواق.....! اب.....!"

"اب میرا نام مریم ہے!"

دیپا کی بات پہ رواق نے بے حد مسرت سے اسے دیکھا تھا۔ "مریم تم کو سچے اور عظیم رب میں آنا مبارک ہو۔"

رواق نے اسے سچے دل سے مبارکباد دی تھی۔

مریم نے رواق کی آنکھوں کو بغور دیکھا تھا۔ کتنا عرصہ اس نے ان آنکھوں میں اپنے لئے محبت ڈھونڈی تھی، لیکن ہمیشہ ان آنکھوں سے اس کے دل کا پیغام الٹے پاؤں شعاعوں کی طرح منعکس ہو کر واپس ہو جاتا تھا۔

لیکن آج اس خبر نے رواق جیسی آنکھوں جس کو وہ ہمیشہ Reflecter آئیز کہتی آئی تھی ان کے دروازے کھول دیئے تھے۔ اسے رواق ایک دم اپنے بے حد قریب محسوس ہوا تھا۔

"مجھے یہ اقرار کرنے دو کہ تمہاری اگنورینس نے مجھے اسلام جیسے مذہب کی جانب دھکیلا ہے۔"

"وہ کہتے ہیں ناں کہ! Blessing in disguise۔" مریم دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

"تم کہیں نہ کہیں اس سارے کا سرا رہے ہو!" مریم مزید گویا ہوئی تھی۔ جبکہ رواق اسے بے وقوفوں کی طرح تکے جا رہا تھا۔

"میں اسلام قبول کر کے بہت شانت ہوں رواق.....!"

"مجھے اب کچھ بھی نہیں چاہیے تم بھی نہیں رواق.....!"

مریم کی بات پہ رواق کا دل کٹا تھا۔ جن نظروں سے آپ کو ہمیشہ محبت کی نرم گرم دھوپ کا احساس ملے ان نظروں کی بیگانگی اور سردی بالکل برداشت نہیں ہوتی۔ یہ ہی کچھ رواق نے بھی بہت شدت سے محسوس کیا تھا۔

"تو پھر تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ اس وقت مجھے کھڑے پیر کیوں بلایا ہے؟"

رواق کی آواز یوں تھی، جیسے کہ کسی گہرے کنویں سے آتی ہے۔

"تم میرے واحد دوست ہو۔ مجھے اپنے مشکل ترین وقت میں مدد کیلئے صرف اور صرف تم

یاد آئے۔'' مریم کا اقرار بے ساختہ تھا۔

'' رواق مریم کے بھائی پاکستان پہنچ گئے ہیں اور مریم کے جانی دشمن ہو رہے ہیں۔ مریم کی ملازمہ بوا جی ان کے آنے سے پہلے مریم پر دو بار قاتلانہ حملہ کر چکی تھی۔ ایک بار دودھ میں زہر ملا کر اور دوسری بار سوتے میں اس کے منہ پر تکیہ رکھ کر سانس بند کرنے کی کوشش کرتے ہوئے۔ یہ تو اللہ نے مریم کی مدد کی ورنہ اس بڑھیا نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ اسے مارنے کی۔'' خدیجہ نے اندر داخل ہوئے کہا تھا۔

'' مریم بہت مشکل سے جان بچا کر وہاں سے نکل پائی ہے۔ اس لئے یہ جو اتنا بڑا اقدام اٹھایا ہے۔ اس کو ہماری مدد کی ضرورت ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے بھی اور ایک دوست کی حیثیت سے بھی۔'' خدیجہ نے رواق کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

'' آف کورس کیوں نہیں......!'' رواق نے بلا تامل حامی بھری۔

'' مریم......!''

رواق کو دیپا کو مریم کہنا بالکل عجیب نہیں لگ رہا تھا' کیونکہ ہندو مذہب کی ہونے کے باوجود شاید برہمن کنیا ہونے کی وجہ سے وہ بے ہودہ لباس اور دیگر نامناسب سرگرمیوں میں مبتلا نہ تھی۔ اسے ہمیشہ ہی بہت جاذب لگا کرتی تھی۔

'' مریم تم میرے گھر چلو!''

'' میرا گھر اور اس کے دروازے ہمیشہ تمہارے لئے کھلے رہیں گے۔'' رواق نے فوراً فیصلہ کیا تھا۔

'' نہیں رواق......!''

'' مریم کو عارضی نہیں کسی مستقل پناہ کی ضرورت ہے!''

'' مریم کے بھائی اپنی انا کا مسئلہ بنائے بیٹھے ہیں۔ وہ ایمبیسی کورٹ کے ذریعے بازیاب کروالیں گے۔ پھر یہ مسئلہ میڈیا میں اٹھایا جائے گا۔''

'' تم تو جانتے ہو کہ ہندو این جی اوز اپنے ملک میں رہتے ہوئے بھی بہت متحرک ہیں۔ اور اس کے بھائی اسے حاصل کرنے کیلئے ہر طرح کا حربہ استعمال کریں گے۔''

'' نہیں یہ بہت کریٹکل مسئلہ بن جائے گا۔'' خدیجہ نے رواق کا حل فوراً مسترد کیا۔

'' تو پھر......؟''

رواق کو خود نہیں سمجھ آرہی تھی، کہ مریم کو کس طرح سے بچایا جائے۔'' رواق مریم کا فوری نکاح بہت ضروری ہے! شوہر کا نام اس کی حفاظت کرے گا۔ اس کا یہاں رہنا لیگل ہو جائے گا اور تبدیلی مذہب کو بھی فوراً سے پروٹیکشن مل جائے گی۔'' خدیجہ نے بہت وضاحت کے ساتھ بیان کی تھی۔

'' واقعی تم درست کہہ رہی ہو۔ یہ ہی بہترین حل ہے!'' رواق نے فوراً سے اقرار کیا تھا۔

'' لیکن رواق......ہمیں مریم کیلئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اس کو چاہتا ہو اور اس کی خاطر ہر طرح کا رسک اٹھانے کیلئے تیار ہو۔''

'' کوئی بھی عام آدمی کے دل میں مریم کا فوری مقام پیدا نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کیلئے بہت بڑا رسک اٹھا سکے۔'' خدیجہ نے فکرمندی سے کہا۔

مریم کا جھکا سر مزید جھک گیا تھا۔ جبکہ رواق بھی گہری سوچ میں مبتلا ہو گیا تھا۔ وہ مسلسل سوچ رہا تھا کہ کون سا ایسا شخص ہے اس کے قریبی احباب میں جو اس قدم میں ان کا ساتھ دے سکے، لیکن کوئی ایک بھی ایسا چہرہ ان کی نگاہوں میں نہ گھوم سکا، جو اس معاملے میں اتنی وفاداری کے ساتھ نبھا سکتا۔ ان کا دل بری طرح سے گھبرایا تھا۔ وہ مریم کو کسی حال میں تنہا نہیں چھوڑ سکتے تھے ورنہ ساری عمر ان کا ضمیر انہیں کچوکے لگاتا رہتا۔

'' کس سوچ میں ہیں رواق......؟'' خدیجہ نے رواق کو مخاطب کیا تھا۔

'' آں......ہاں......میں سوچ رہا ہوں کہ کون ہو سکتا ہے جو ہماری مدد کرے گا؟'' رواق نے چونکتے ہوئے کہا تھا۔

'' رواق کوئی بھی نہیں ملے گا!''

'' اور کوئی بھی کیوں مریم کیلئے رسک لے گا؟'' خدیجہ نے کہا۔

'' ہر شخص زندگی میں کسی لڑکی کیلئے تب رسک اٹھاتا ہے، جب اس کی اس لڑکی کے ساتھ اٹیچ منٹ ہو اور پھر ایک ایسی لڑکی جس کے پاس نہ کوئی زمین ہے نہ جائیداد نہ دولت نہ سر چھپانے کا ٹھکانہ، کوئی کس لئے ایسا کرے گا؟''

خدیجہ نے بے حد تشویش آمیز لہجے میں کہا۔

'' ڈاکٹر خدیجہ......!''

'' مریم ان سب کے نہ ہونے کے باوجود بھی لاکھوں سے اہم ہے۔ وہ بہترین انسان ہے'

قابل ترین ڈاکٹر ہے۔ آج نہیں تو کل پیسہ اس کیلئے مسئلہ نہیں رہے گا۔ بے حد خوبصورت اور سب سے زیادہ اہم بات وہ ایک پاک باز لڑکی ہے! ایسی لڑکی کو کوئی کیوں ٹھکرائے گا۔ ایسی بیوی کی ہر کوئی تمنا کرے گا!''

ڈاکٹر رواق کو ڈاکٹر خدیجہ کا یوں ڈاکٹر مریم کی توہین کرنا بے حد برا محسوس ہوا تھا۔

''یہ تو سب کچھ آپ کہتے ہیں' کوئی کیوں اسے محسوس کرے گا۔'' ڈاکٹر خدیجہ نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

ڈاکٹر رواق نے چونک کر ڈاکٹر خدیجہ کو دیکھا اور پھر ڈاکٹر مریم کے جھکے سر کو دیکھا تھا۔

''رواق کیا آپ کو نہیں لگتا کہ مریم کو صرف اور صرف آپ بچا سکتے ہیں، کیونکہ آپ اس کے بہترین دوست ہیں۔ آپ کو اس سے کنسرن ہے! آپ کو اس کے دکھ پر دکھ ہوتا ہے اور اس کی خوشی پہ خوشی۔ اس لئے اس کیلئے صرف اور صرف آپ پرفیکٹ ہیں۔'' ڈاکٹر خدیجہ نے ڈاکٹر رواق کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔

''لیکن میں......!''

''میں کیسے......؟''

''میں تو شادی شدہ ہوں!''

''ڈاکٹر صاحب لوگ تو عیاشی کیلئے کئی کئی عورتیں رکھتے ہیں' پھر یہ تو سراسر ایک نیکی ہے' جس کا اجر عظیم آپ کو رب عظیم ضرور عطا کرے گا۔''

''آج آپ کی دوست کو آپ کی ضرورت ہے!''

''کیا آپ پیٹھ دکھا دیں گے؟''

خدیجہ نے گرم لوہے پر مزید وار کیا تھا۔

''رواق...... آج سے کچھ عرصہ پہلے میں آپ کو اپنے لئے مانگتی تھی۔ پوزیشن جتاتی تھی۔ میرے اتنے چاہنے کے باوجود آپ نے مجھے اپنی زندگی میں شامل نہیں کیا۔ لیکن...... لیکن آج میں آپ کو اپنے لئے نہیں مانگتی ہوں۔''

''ان فیکٹ مجھے آپ اب درکار بھی نہیں ہیں۔ مجھے صرف آپ کے نام کی پناہ اللہ کیلئے چاہیے، تاکہ میں اس سچے دھرم پر ہمیشہ کیلئے قائم رہ سکوں اور کسی بھی ذہنی اذیت سے بچ سکوں، اپنے اللہ سے محبت کھل کر کر سکوں۔''

مریم نے بے حد متوازن لہجے میں کہا تھا۔

رواق نے ایک پل کو مریم کو دیکھا۔ اس کی شفاف آنکھیں اس سے پہلے بھی اس کے گرد ... نہیں سکی تھیں۔ لیکن آج بہت مختلف دن تھا۔

وہ ان نظروں کی پاکیزگی کے سحر سے بچ نہیں پا رہا تھا۔ رواق نے ایک پل کو سارے پلس' ... اور اسے شدت سے احساس ہوا، کہ آج اگر اس نے اللہ کے نام پر عزت اور پناہ مانگتی ... کی مدد نہ کی، تو اس کا اللہ اسے کبھی بھی معاف نہ کرے گا اور ڈاکٹر رواق زندگی میں کچھ بھی ... تھا لیکن اللہ تعالیٰ کو ناراض نہ کر سکتا تھا۔

''ٹھیک ہے......!''

''میں مریم سے نکاح کرنے کو تیار ہوں۔''

ڈاکٹر رواق نے بے حد مضبوط لہجے میں کہا تھا اور مریم کے بے جان وجود میں جان دوڑ آئی ... مریم نے اپنے سارے خسارے کا ازالہ کر لیا تھا۔ واقعی جب تک وہ ایک بے جان بت کو ... اسے کچھ حاصل نہ ہوا اور آج جس اللہ کی پناہ میں آئی، وہ ہی شخص صرف اللہ کی وجہ سے ... زندگی کیلئے اس کا ہاتھ تھامنے پر تیار تھا۔

مریم کا دل اب رواق کیلئے جنونی نہ تھا' اسے تو کوئی اور ہی تڑپ لگی ہوئی تھی۔

لیکن اللہ نے اس کی خواہش پھر بھی ادھوری نہ رکھی اور آج وہ چند گھنٹوں میں مسز رواق ... تھی۔ یہ وہ لفظ تھا جو ہندو رہ کر ساری عمر وہ حاصل نہ کر سکتی تھی اور صرف اور صرف اللہ کی ... یہ سب سے ناممکن کام ممکن ہو چکا تھا۔

''بولو مریم کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟''

رواق اس سے پوچھ رہا تھا اور اس کے منہ سے ایک لفظ نہ نکل رہا تھا۔ اس لئے اس نے ... سر ہلا دیا تھا۔

رواق کو یوں لگا کہ وہ ان دیکھا بوجھ جو وہ کچھ عرصے سے جھیل رہا تھا آج اس سے وہ آزاد ...

جب تک وہ دیپا پروانی تھی، اسے ہمیشہ اچھی دوست لگا کرتی تھی' جو اس کے دل کے قریب ... دل میں نہ تھی، لیکن آج وہ مریم تھی' جس نے اللہ کی خاطر اپنا خاندان اپنا سب کچھ بھلا ... آج وہ اس کے دل میں جگہ پا گئی تھی۔ تبھی تو اس کے دل میں ایک بار بھی خیال نہ آیا کہ

رامین کو کیسے وہ فیس کرے گا۔

اسے اس وقت صرف اور صرف مریم کی پروا ہو رہی تھی' جو ہر چیز ہر خیال پر حاوی ہو گئی اور یہ پروا اللہ نے رواق کے دل میں ڈالی تھی۔ میں مریم سے آج ہی نکاح کروں گا!

رواق نے بے حد مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

***

آمنہ مغرب کی نماز پڑھ کر جب چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی باہر آئی، تو پھوپھو کو زار زار روتے دیکھا تھا۔

"پھوپھو کیا ہوا......؟"

آمنہ پریشانی سے آگے بڑھی۔

"وہ......وہ جا رہا ہے!"

پھوپھو نے اپنے آنسو چادر سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"کون......؟"

"کون جا رہا ہے؟ اور...... اور یہ آپ کیوں ایسے رو رہی ہیں۔" آمنہ نے سامنے پڑی ٹیبل سے جگ سے پانی گلاس میں انڈیل کر پھوپھو کو دیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ضیاء......!"

"ضیاء ابھی آیا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ پندرہ دن بعد اس کی واپسی ہے۔ وہ پاکستان میں جو بزنس شروع کر چکا تھا وہ بزنس بھی وہ یہاں سے ختم کر رہا ہے! یعنی......یعنی اس کی یہاں رہنے کی کوئی امید نہیں ہے!"

"وہ تب میری گود میں آیا جب شہزاد بھی نہ تھا۔ دس سال......دس سال اس نے میری ممتا میری محبت' میری توجہ حاصل کی ہے۔"

"وہ میری پہلی محبت تھا۔ میری پہلی اولاد کی طرح ہے!"

"جانے کیوں وہ پہلے بھی باہر چلا گیا اور گھر کی راہ بھول گیا۔ یہ بھی بھول گیا کہ اس کی بوڑھی ماں اس کی ہمیشہ راہ تکا کرتی ہیں۔"

"اور اب...... جب اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ یہاں میرے پاس رہے گا۔ گھر بسائے گا"

"وہ آج آ کر ایک دم مجھے بتا رہا تھا کہ وہ جا رہا ہے!"

"آمنہ......!"

"جانے کیوں میرا دل کہتا ہے کہ اب اگر وہ گیا تو واپس مڑ کر نہیں آئے گا!"

پھوپھو بری طرح رو دی تھیں۔

رشتے ناطے صرف خون کے رشتے سے ہی نہیں بنتے ہیں بلکہ یہ تو دل کے ناطے ہوتے ہیں

جو لوگ دلوں میں بستے ہیں وہ ہمیشہ ہماری زندگیوں کا اہم ترین حصہ ہوتے ہیں۔

ضیاء بھی ان کی زندگی کا اہم ترین حصہ تھا۔ اسی لئے اس کی دوری ان پر بہت بھاری گزر رہی تھی۔

"پھوپھو پلیز آپ رونا تو بند کریں۔" آمنہ نے ان کو بمشکل چپ کروایا تھا۔

"میں شہزاد سے کہوں گی کہ ہمیں ان سے بات کرنی چاہئے اور ان کو یہاں رکنے پر مجبور کرنا چاہئے۔ شاید......ضیاء چچا ہماری بات مان جائیں۔" آمنہ نے پھوپھو کا ہاتھ پیار سے تھام کر ان کو تسلی دی تھی۔

"تم لوگ اس سے بات کرو گے ناں؟"

پھوپھو نے بچوں کی طرح خوش ہو کر پوچھا تھا۔

آمنہ نے اس بوڑھی عورت کا چہرہ دیکھا، جو اپنی اولاد جیسے اپنے بیٹے جیسے شخص کیلئے بے حد پریشان تھی۔ کیونکہ وہ ایک ماں تھی اور خود آمنہ بھی تو ایک ماں ہی تھی' آمنہ کو ان کا درد کھل کر سمجھ آیا تھا۔

"ضرور پھوپھو!"

"اور میں خود بھی ان سے ضرور کہوں گی کہ آپ پاکستان نہ چھوڑ کر جائیں۔" آمنہ نے ان کو تسلی دی تھی، جبکہ دروازے میں کھڑی چھپ کر باتیں سننے والی رانیا کا دماغ بہت تیزی سے جوڑ توڑ کر رہا تھا۔

***

"کیا بات ہے بشریٰ صبح سے بستر سے نہیں نکلی......؟"

بشریٰ کی آپی نے اس کے کمرے کے پردے برابر کرتے ہوئے کہا۔

دھوپ تو جیسے ہاتھ پھیلائے کھڑی انتظار کر رہی تھی' جیسے ہی پردے ہٹے، وہ چھن سے اندر

داخل ہوگئی تھی۔

بشریٰ نے فوراً اپنی آنکھوں پہ ہاتھ رکھا تھا۔

اس کا چہرہ سوجن زدہ سا تھا۔

''بشریٰ تمہارے چہرے پر سوجن کیسی......؟''

آپی نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں آپی......!''

''وہ کل سے طبیعت بہت خراب ہے' تھوڑی سی بھی چیز کھاتی ہوں تو باہر نکل جاتی ہے!''

''رات اتنی شدید الٹی رہی کہ میرے تو سارے جسم سے جان نکلی ہوئی ہے۔''

بشریٰ نے نقاہت سے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''بھیا کے سموسے تو نہیں کھالئے تھے؟''

بشریٰ کو مشہور بھیا کی چاٹ اور سموسے بہت پسند تھے' اکثر وہ منگوا کر کھاتی تھی۔

''کیوں......؟ ویسے نہیں کھائے!''

بشریٰ نے اپنے سر کو دباتے ہوئے کہا تھا۔

''وہ اس لئے کیونکہ برسات کا موسم ہے۔ ایسے باہر کی چیزیں نہیں کھانی چاہئیں۔''

آپی نے اسے نصیحت کی تھی۔

اسی پل بشریٰ کی امی ان دونوں کو آواز دیتی ادھر آئی تھیں۔

''یہ کیا نحوست پھیلا رکھی ہے بشریٰ؟''

''یہ تمہارے اٹھنے کا وقت ہے؟''

''آج تمہاری سسرال سے فون آیا ہے لڑکے کی پھوپھو جو باہر سے آئی ہیں' تم سے ملنے آنے والی ہیں۔'' امی نے کہا۔

''کیوں......؟''

''میں کوئی سرکس کا جوکر ہوں' جسے دیکھو روز چلا آرہا ہے دیکھنے۔'' بشریٰ نے حسب عادت زبان چلائی تھی۔ ''بی بی زبان پہ کنٹرول رکھو ورنہ یہ زبان ساسیں کاٹ کر چٹیا کے ساتھ باندھ دیتی ہیں' جس طرح ماں کے سامنے ٹرٹر تمہاری زبان چلتی ہے بھلا کوئی اور تمہاری بکواس سہے گا؟''

امی نے اس کے دیر سے اٹھنے اور زبان درازی کا غصہ اکٹھے نکالا تھا۔

جواباً بشریٰ بولی تو کچھ نہیں' لیکن برا سا منہ بنا کر بستر سے نکل کھڑی ہوئی۔

''اس کی اکلوتی پھوپھو ہے۔ تمہارے لئے شاید کوئی تحفہ لائی ہیں اور تم سے ملنے کا شوق بھی لئے آرہی ہیں' پھر جب دو گھرانوں میں رشتے داری ہو جائے' تو آنا جانا تو معمول کی ...ے۔ یہ تم کیا ہر وقت منہ بنائی رہتی ہو!''

...ی نے ٹھیک طریقے سے اس کی جھاڑ پٹی کی تھی۔ ''میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی' اس لئے لیٹی ... آپ تو ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتی ہیں۔ نصیحت اور ڈانٹنے کیلئے!''

بشریٰ نے ایک بار پھر بدلحاظی سے کہا تھا۔

''کیا ہوا تیری طبیعت کو؟''

امی نے پہلی بار گفتگو کے دوران اس کا بھرپور جائزہ لیا تھا۔

''مسلسل قے متلی ہو رہی ہے کل سے مجھے! لیکن......!''

''لیکن آپ کو کیا پروا آپ تو خیر سگالی دورے پر نکلی ہوئی تھیں۔'' (بشریٰ کی امی کا پاؤں کم ...میں نکتا تھا۔ شوہر باہر کے ملک میں تھے۔ بچے بڑے تھے' اس لئے وہ عموماً محلے اور رشتے ...کے ہاں نکل جاتی تھیں) ان کے یہی تفریحی دورے ان کی بیٹیوں کیلئے بہت نقصان دہ ...ہوتے تھے' جو چیک ان کو گھر میں اپنی بیٹیوں کیلئے رکھنا چاہئے تھا' وہ دوسروں کے گھروں ...وں پر رکھتی تھیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اپنی بیٹیاں نہ صرف خودسر بلکہ بے حد بدتمیز تھیں اور اس ...کا وہ خود ذمہ دار تھیں اور اب جب جب وہ اسے ٹوکتی تھیں تو وہ بالکل بات نہ مانتی تھی۔

''تو تمہیں کسی ڈاکٹر کے پاس جانا چاہئے تھا۔''

''میں بتول بی بی کو کہتی ہوں کہ بڑی الائچی کا پانی بنا دے' قے میں بہت سود مند ہوتا ہے۔''

...نے بظاہر فکرمندی سے کہا' لیکن بشریٰ جانتی تھی کہ وہ عام ماؤں کی طرح اولاد کے مسئلے ...کر کے فکرمندی ہونے والوں میں سے نہیں ہیں۔

...کچھ دیر بعد وہ بتول بی بی کے ساتھ آنے والے مہمانوں کیلئے مینو پر بحث کر رہی تھیں۔ ...دماغ سے بشریٰ کی بیماری نکل گئی تھی۔ وہ ہمیشہ سے ہی اتنی لاپروا تھیں۔ وہ نہیں جانتی ...لاپروائی ان کی بیٹی کی زندگی میں داغ لگا چکی تھی۔ اب تو بس اس داغ کے ظاہر ہونے کا ...آ رہا تھا۔

''...میں بشریٰ کو ڈاکٹر صبیحہ کی طرف لے جا رہی ہوں' اس کی تو قے بند ہی نہیں ہو رہی۔

آپ ڈرائیور کو کہلائیں گاڑی باہر نکالے۔'' بشریٰ کی آپی نے ٹی وی لاؤنج میں آ کر ماں کو مخاطب
کر کے کہا تھا۔

'' اچھا لیکن جلدی آنا مہمانوں کے گھر آنے سے پہلے آجانا۔'' ان کو اب بھی بشریٰ کی کوئی
پروانہ تھی۔ پرواتھی تو صرف اتنی کہ مہمانوں کے سامنے ان کی شو بنی رہے کہ کتنی اچھی مہمان نواز
عورت ہے اور ان کا گھر کتنا بڑا اور خوبصورت ہے۔ ان کو صرف مصدق کی پھوپھو پر اپنا پیار نہ
جمانے کی فکر تھی۔

''جی اچھا امی جان!''

آپی نے تابعداری سے کہا تھا۔

جب سے ان کا نکاح فراز جیسے سلجھے ہوئے انسان سے ہوا تھا۔ ٹیلی فونک گفتگو نے ان کے
مزاج کو بہت بدل دیا تھا۔

کسی کی محبت خار جیسی ذات کو پھول جیسا بنا دیتی ہے۔ یہ ان کے ساتھ عملی طور پر ہو چکا تھا۔
اس لئے وہ بشریٰ سے بالکل مختلف نظر آتی تھیں، کیونکہ بشریٰ کی خار جیسی ذات تو مزید خاردار ہو گئی
تھی۔

وہ بشریٰ کو سہارا دے کر ڈاکٹر صبیحہ کے پاس لے آئی تھیں۔

''میں یہ دوائی دے رہی ہوں انشاء اللہ اس سے فرق پڑے گا۔ ابھی آپ کو ڈرپ لگے گی
کیونکہ پانی کی کمی ہوگئی ہے! اور ہاں بی بی اپنا یہ ایک ٹیسٹ بھی کروالیں۔'' ڈاکٹر نے ٹیسٹ لکھ کر
بشریٰ کو پکڑا دیا۔ ''آپی یہ دوائی آپ ڈرائیور سے منگوالیں۔'' بشریٰ نے دوسرا پرچہ خود پکڑ لیا۔

''ٹھیک ہے تم وارڈ میں چلو میں ڈرپ وغیرہ کا سامان منگوا کر آتی ہوں۔''

بشریٰ کی آپی کہہ کر باہر نکل گئیں۔

جبکہ بشریٰ نرس کے ساتھ وارڈ میں آگئی جہاں اسے ڈرپ لگانے کیلئے جز وقتی طور پر
ایڈمٹ کر دیا گیا تھا۔

''یہ ڈاکٹر نے کس چیز کا ٹیسٹ لکھ کر دیا ہے؟''

بشریٰ واضح پڑھنے کے باوجود بے یقینی سے نرس سے پوچھ رہی تھی۔

''پریگنینسی کا ٹیسٹ ہے بی بی!''

نرس نے پرچہ واپس کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن مجھے کیوں لکھ کر دیا ہے؟''

بشریٰ کی آواز کنویں سے آئی تھی۔

''بی بی حمل کا شک ہوگا ڈاکٹر صاحب کو، تب ہی تو لکھ کر دیا۔''

نرس نے دوسری مریضہ کی ڈرپ کچھ تیز کرتے ہوئے کہا تھا۔

''پریگنینسی......؟''

بشریٰ کے اردگرد دھماکے ہوئے تھے اور حلق کانٹوں سے بھر گیا تھا۔

بشریٰ کے سامنے رامین کی مہندی کی رات گھوم گئی تھی۔ جب وہ اس کیلئے گڑھا کھودتے
نے خود اپنے ہی نفس کے ہاتھوں اسی گڑھے میں جا گری تھی۔

''اشفاق......!''

بشریٰ کے ہونٹ سرسرائے تھے۔

''میرے خدایا!!''

اب وہ صحیح معنوں میں سر تھام کر بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اس کی ذات کی ساری بے نیازی اڑن چھو
''اگر یہ ٹیسٹ پوزیٹو نکل آیا تو......؟''

''تو اس کی ساری زندگی نیگیٹو ہو جانی تھی!!''

بشریٰ کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔

***

''کدھر رہ گئے رواق......؟''

رامین نے مسلسل فون کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ایک تو ان رواق کے ہسپتال کا فون ہر وقت بیزی رہتا ہے۔''

رامین نے الجھتے ہوئے کہا تھا۔

''السلام علیکم بھابی صاحب!''

''صبح صبح توپوں کا رخ کس جانب ہے؟'' روید ٹریک سوٹ میں ملبوس جاگنگ سے واپس

''کیا میں توپ لگتی ہوں؟''

رامین نے مصنوعی ناراضگی سے کہا۔

''ارے...... ارے میری پیاری بھابی صاحب تو جملہ پکڑ کر ناراض ہوگئیں' کیا آپ نے بڑی اماں کا جھوٹا تو نہیں پی لیا تھا۔''

روید نے رامین کے سامنے آ کر پوچھا۔

''ارے نہیں چندا......!''

''میرا موڈ تو تمہارے بھائی کی وجہ سے خراب ہے۔''

''رات سے گئے ہیں ایک بار بھی فون کر کے اپنی خیریت نہیں بتائی۔''

رامین نے روید کیلئے جگ میں سے جوس انڈیل کر گلاس میں ڈالا اور اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

رامین نے ناشتے کی ذمہ داری آہستہ آہستہ خود پر لے لی تھی۔ وہ عموماً سب کو ناشتہ کروا کر ریڈیو کے آفس جاتی تھی۔

یہ ذمہ داری بیبا نے غیر محسوس طریقے سے رامین پر ڈال دی تھی، کہ رامین کو پتا بھی نہیں چلا تھا اور وہ یہ کام انجوائے کرتے کرتے کرنے لگی تھی۔

بیبا ایک سمجھدار عورت تھیں' ان کو بچوں کو انوالو کرنا آتا تھا۔ ایسے کہ وہ کام بھی کرنے لگے تھے اور ان کو محسوس بھی نہ ہوتا تھا۔

''ارے بھابی صاحب! اپنے صاحب بہادر کا ذرا زیادہ خیال رکھیں۔ خدا جانے بڑے صاحب کے سارے ہسپتال میں خوبصورتی اتنی وافر مقدار میں کیوں ہے۔''

''ہر نرس' ہر ڈاکٹر ہی گوری چٹی اور کم سے کم خوبصورت اور زیادہ سے زیادہ توپ چیز ہے۔''

''اور تو اور ان کے اکثر ڈاکٹر دوست کافی ماٹھے ہیں۔ وارڈ بوائے اور میل نرس بھی ایسی ہی شکلوں کے ہیں۔ ایسے میں بھی اپنے رواق باؤ تو ان میں پرنس نظر آتے ہیں تو ایسے بندے پر دھیان ذرا زیادہ رکھنا چاہئے۔''

روید نے لفظ دھیان پر خاصا زور دیا تھا۔

''ارے رواق ایسے نہیں ہیں!''

رامین نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''اوہو! میاں جانی پہ اتنا اعتبار......!''

''انہوں نے مجھ پر اعتبار کیا تھا تو مجھے بھی اعتبار کرنا چاہئے ناں!''

رامین نے کہا۔

''تو آپ اعتبار بھی شرطوں پر کرتی ہیں۔''

روید نے جوس کے سِپ لیتے ہوئے کہا تھا۔

''میں ایسی ہی ہوں......!''

''میں زندگی کو One Way Dealing کے طور پر نہیں جی سکتی! میں زندگی کو Give and Take کے طور پر لیتی ہوں۔ یہ کیا ہم قربانی دیتے رہیں اور دوسرا مزہ کرتا رہے۔''

رامین نے حسب عادت اپنے مزاج کو وضاحت سے بیان کیا تھا' چاہے اس کو سننے کے بعد دوسرے فریق کا دل ہی ٹوٹ جاتا ہو۔

''اوے ہوئے! تسی تے بڑی اوکھی کڑی ہو!''

''بھائی میاں نے یہ کہاں ٹانگ پھنسالی۔ اب اگر مرد کو اللہ جی نے دو چار کی سہولت دی ہے تو بیویوں کو بھی اللہ کے احکامات میں ٹانگ نہیں اڑانی چاہئے۔'' روید نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر کہا۔

''آپ جناب شوق سے چار شادیاں کیجئے گا' لیکن رواق جیسے بندے کو تو معاف ہی ...ں۔''

رامین نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''جس شخص کے پاس اپنی ایک بیوی کو دینے کو وقت نہیں ہے تو وہ کسی دوسری کو ٹیلیفون پر کیا دے گا؟''

رامین نے روید کا فرنچ ٹوسٹ اور بوائل انڈا ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے ناشتے کیلئے ٹیبل پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

''اگر وہ خاتون کوئی ڈاکٹر یا نرس ہو تو ہسپتال میں ہی ہیلو ہیلو تو ہو سکتی ہے ناں؟''

روید کا موڈ رامین کو چھیڑنے کا ہو رہا تھا' اس لئے اس نے شرارت سے بات آگے بڑھائی۔

''اے......!''

''خبردار جو اس طرح کا سوچا بھی تو......!''

رامین نے اپنے ناشتے کیلئے رکھے سلائس پر بٹر لگاتے لگاتے ایک دم چھری اٹھا کر روید کو

وارن کیا۔

''ارے......ارے کول ڈاؤن بھابی......!''

''تم تو جنگجو لک دے رہی ہو میں کون سا سنجیدگی سے کچھ کہہ رہا ہوں!''

روید نے مصنوعی ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے کہا۔

''بالکل!''

''میں رواق کیلئے بہت Possesive ہوں۔ خبردار جوان کے ساتھ مذاق میں بھی کسی لڑکی کو نتھی کیا!'' رامین نے سلائس کی بائیٹ لیتے ہوئے کہا۔

''اللہ اکبر!''

جواباً روید نے باآواز بلند ''اللہ اکبر'' کہہ کر اپنی ہنسی منہ نیچے کر کے چھپائی تھی۔

''میں ذرا ایک بار پھر ٹرائی کرلوں' پھر میرے آفس کا وقت ہو جانا ہے!''

رامین ایک بار پھر فون کی جانب لپکی تھی۔ اس کی جان کو بھی سکون نہ تھا۔

''یہ کیا ساری لڑکیاں اتنی ہی خونخوار ہوتی ہیں!''

روید نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

''ویسے کیا صرف ایک ہی لڑکی کے ساتھ تاعمر زندگی گزاری جاسکتی ہے؟''

''ہاؤ بورنگ!!''

روید نے فرنچ ٹوسٹ کا ٹکڑا کانٹے میں پرو کر منہ میں ڈالتے ہوئے باآواز بلند سوچا تھا۔

''اف......!''

''اس سے تو اچھا ہے کہ انسان آزاد ہی رہ لے!''

روید نے رامین کو مسلسل فون ڈائل کرتے دیکھ کر بے اختیار سوچا تھا۔

***

''کیوں......؟''

''کیوں نہیں تمہارا دل ہم سب میں لگتا ہے؟''

باؤ جی نے اظہر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ صبح صبح ہی بڑی اماں کے بلاوے پر ادھر آ گئے تھے۔ جہاں رابعہ نے رو رو کر بخار چڑھا رکھا تھا۔ اس کی ایک ہی رٹ تھی، کہ وہ اس شخص کے ساتھ ہرگز مزید زندگی نہیں گزارے گی!

میری نور صبح کو وہ گود میں لے کر ناچ رہا تھا!

میرے بچوں پر اس کا کیا اثر پڑے گا؟

اس نے روتے ہوئے باؤ جی سے فریاد کی تھی۔ باؤ جی نے پشیمانی سے رابعہ کو دیکھا تھا۔

ایک غلط فیصلہ اس کی زندگی تباہ کر ہی چکا تھا' اس لئے وہ مزید کوئی فیصلہ جلد بازی میں نہ کرنا چاہتے تھے، کہ کہیں ان کو تاعمر رونا نہ پڑ جائے۔ اس لئے انہوں نے اظہر سے مل کر بات کرنے کی ٹھانی تھی اور اب وہ ان کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا!

وہ باؤ جی کی بے انتہا عزت کرتا تھا۔ وہ ان کا دل دکھانے کی سوچ بھی نہ سکتا تھا، لیکن وہ کیا کرتا وہ اپنے آپ میں ہمیشہ کیلئے بے بس تھا۔

''باؤ جی!''

وہ ایک دم سے ان کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔ ایسے جیسے وہ بھاگتا بھاگتا تھک کر بیٹھ گیا ہو۔

''مجھے بتائیں کہ میں کیا کروں؟''

''جب مجھ پر وہ کیفیت آتی ہے، تو میں خود کو بے بس محسوس کرتا ہوں۔ میرے اردگرد کی دنیا بدل جاتی ہیں۔ ہر منظر بدل جاتا ہے!''

''مجھے کوئی نہیں نظر آتا ہے۔ مجھے دوسرے ہی منظر اور لوگ نظر آتے ہیں!''

اظہر نے اعتراف کرتے ہوئے بتایا تھا۔

''مطلب......؟''

باؤ جی نے چونک کر پوچھا تھا۔

''مطلب......!!''

جواب میں اظہر دور خلاؤں میں کھو گیا تھا۔

''اظہر......!''

''میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں!''

باؤ جی نے اسے بلا کر چونکا دیا تھا۔ یوں جیسے اس کی سوچ کا تسلسل توڑ دیا ہو!

''آں...... ہاں!''

اظہر ایک دم سے ہی پسینہ پسینہ ہو گیا تھا۔

''اظہر بیٹا تم مجھ پر اعتبار کر سکتے ہو' تم مجھے اپنے من کی بات بتاؤ۔'' باؤجی نے اسے اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا تھا۔

وہ اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ ماہر نفسیات کے طور پر پریکٹس کرتے گزار چکے تھے۔ ازہرہ کی شہادت کے بعد ان کا دل دنیاداری سے اکتا گیا تھا۔ اس لئے انہوں نے پریکٹس چھوڑ کر زمینوں کی دیکھ بھال شروع کر دی تھی۔ ان کا زیادہ وقت یاد الٰہی میں گزرتا تھا۔ اب تو زمینوں کے معاملات بھی وہ بیبا کے سپرد کر چکے تھے۔ اس لئے وہ ہر وقت اپنے کمرے میں محصور رہتے تھے لیکن اپنے بچوں کے معاملات میں ہمیشہ ہی سے بے حد ذمہ دار تھے' اس لئے وہ بڑی اماں کے ایک بلاوے پر فوراً چلے آئے تھے۔

ہم دو بہن بھائی تھے۔ میں چھوٹا سا تھا۔ میری ماں ہر وقت ہم دونوں بہن بھائیوں کو چھپا رکھتی تھیں۔ کسی سے ملنے نہیں دیتی تھیں۔ ہم اگر کسی سے بات بھی کر لیتے تو وہ ہمیں اتنا مارتی کہ کسی سے بات کرنے کا آئندہ کیلئے سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ ہم دونوں بہن بھائی کی زندگی ایک دوسرے تک ہی محدود تھی۔ ہم جڑواں تھے۔ ہمیں بیماری بھی آتی تو ساتھ اگر کوئی چیز اچھی لگتی ایک ساتھ، اگر بری لگتی تو ایک ساتھ۔

''یوں لگتا تھا کہ زہرہ بی بی میرا عکس ہو!''

''میں اس کے بنا رہ نہیں پاتا تھا اور وہ میرے بنا!''

''ہم نے کئی سخت دوپہریں ایک ساتھ جھولے پہ بیٹھے گزاریں اور راتوں کو ماں کے دائیں بائیں لیٹ کر اکٹھے ڈھیروں کہانیاں سنیں!''

''زہرہ بہت معصوم تھی' وہ تو چھوٹی سی چھپکلی سے ڈر جایا کرتی تھی۔ میں اس کا بہادر بھیا جو اسے ہر مشکل میں بچاتا تھا۔ وہ چھپکلیوں' لال بیگوں' مینڈکوں سے ڈرتی تھی' میں نے سارے گھر سے یہ چیزیں چن چن کر مار ڈالیں۔''

''وہ مجھ پر بہت اعتبار کرتی تھی!''

اظہر سانس لینے کو رکا۔

اس کی آنکھوں میں اس جملے پہ آنسو بہنے لگے تھے۔

''بہت اعتبار تھا! بہت اعتماد تھا' اسے کہ اس کا بھیا سب سے زیادہ بہادر ہے' اور وہ اسے سے ہر پریشانی سے بچالے گا!''

اظہر کہتے کہتے ہی دور کھو گیا تھا۔ ایسے جیسے وہ یہاں موجود ہی نہ ہو۔

باؤجی نے اسے بہت غور سے دیکھا تھا' اس کے چہرے کے رنگ بدل کر اس کا چہرہ تک گئے تھے۔ پھر ایک ظالم صبح طلوع ہوئی تھی۔

''گھر میں نئی ملازمہ رکھی گئی تھی۔ دادی نے اسے رکھا تھا۔''

''اماں تو اس حق میں نہ تھیں' لیکن ملازمہ کے بغیر اتنے بڑے گھر کی صفائی ناممکن سی تھی۔ پرانی ملازمہ اپنے گاؤں واپس چلی گئی تھی۔ بیماری اور بڑھاپا اسے کام نہیں کرنے دیتا تھا۔''

''میں سویا ہوا تھا' اچانک میری آنکھ کسی کے رونے کی آواز سے کھلی تھی۔''

''یہ میری ماں تھی!''

''میں نے ایک حیران کن منظر دیکھا۔''

''میری ماں اس ملازمہ کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔''

''وہ اس کی جانے کس بات پہ منتیں کر رہی تھی' لیکن وہ ملازمہ ایک ہی بات کر رہی تھی۔ وہ ڈھٹائی اور میری ماں سے ایک ہی بات کر رہی تھی کہ تم نے کسی کی امانت چھپا رکھی ہے تم کو پاپ لگے گا۔''

''تم کو امانت تو واپس کرنی ہی ہوگی، ورنہ پاپ لگے گا! اور میری ماں رو رو کر اسے یہ بات چھپائے رکھنے کی منت کر رہی تھی۔ میری ماں نے اپنے سونے کے کنگن اتار کر اس کے سامنے رکھ دیئے تھے۔ اس عورت کی آنکھوں میں بلا کی چمک در آئی تھی۔''

''ٹھیک ہے بی بی!''

''اگر تم کو شراپ سے ڈر نہیں لگتا تو تم جو جی چاہے کرو' لیکن اب میں یہاں نہیں رکوں گی۔ اپنی زبان بند رکھنے کی قیمت لے چکی ہوں' اب تم جانو اور تمہارا کام جانے۔ وہ کہہ کر اپنی پوٹلی اٹھا کر چل دی۔''

''اس دن میری ماں میری دادی کے سامنے پہلی بار پھوٹ پھوٹ کر روئیں اور اونچی اونچی چیخیں۔ ہم دونوں بہن بھائی سہم کر کمرے کی کھڑکی سے یہ نظارہ دیکھ رہے تھے۔ آخر ایسی کیا بات ہوئی جو میری دھیمی سی ماں کو آگ بگولا کر گئی تھی اور میری کڑوی کسیلی دادی کو چپ کروا گئی تھی، دادی نے ایک بار بھی اماں کو مزید کچھ کہنے سے نہ روکا تھا، بلکہ وہ چپ چاپ شرمندہ شرمندہ سی بالکل سنتی رہی تھی۔ پھر جب ماں بول بول کر تھک گئی، تو دادی دھیرے سے اٹھ کر اماں کے

پاس آ کر بیٹھی تھیں۔

"معراج بیگم! یہ میرے ہاتھ جڑے ہیں معاف کر دے!"

"میں کسی ماں کا دل کیوں دکھاؤں گی، جبکہ وہ میری بھی تو پوتی ہے۔ مجھے بھی اتنی ہی عزیز ہے۔ کم بخت اس نوکرانی نے جانے کیسے جان لیا، ورنہ تو اسے میں ہمیشہ باہر ہی رکھتی تھی۔" دادی کے لہجے میں بے حد پشیمانی تھی۔

میری ماں سر پکڑ کر بیٹھی تھی۔

میرے ابا ان دنوں ٹرانسفر ہو کر حیدر آباد گئے ہوئے تھے۔ گھر کے باہر کے کاموں کیلئے 2 نوکر تھے۔ البتہ گھر کے اندر کے کاموں کیلئے کوئی نہ تھا۔ دادی نے تنگ آ کر ملازمہ کو رکھا تھا۔ لیکن...... جانے اس نے کیا کہا تھا جو میری ماں سارا دن بس روتی ہی رہی تھی۔

رات کو ماں نے ہمیں دودھ گرم کر کے دیا اور ہمیں سینے سے لگا کر دیر تک روتی رہی تھی، پھر جانے اس کے دل میں کیا آئی' اس نے زہرہ کو نیا جوڑا پہنایا اور چوڑیاں بھی پہنائیں۔

"اماں کل عید ہے کیا؟"

زہرہ نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

"نہیں صبح تم خالہ کے ہاں رہنے جاؤ گی' میں کچھ روز بعد تم کو واپس لے آؤں گی۔" میری بیوہ خالہ جو بے اولاد تھیں، نانی کے ہاں رہتی تھیں۔

"بھیا بھی جائیں گے؟"

زہرہ نے سوال کیا۔

"نہیں وہ یہیں رہیں گے۔"

اماں کے جواب پر وہ رو رو کر ضد کرنے لگی کہ بھیا بھی ساتھ جائیں گے۔ وہ بھلا کہاں میرے بنا رہتی تھی۔ خود میرا بھی گزر نہ تھا۔

لیکن اماں نے کچھ ڈانٹ اور پیار سے اسے منا ہی لیا کہ بس چند روز...... وہ خالہ کے ہاں رہے گی' پھر وہ اسے واپس لے آئیں گی۔ انہوں نے راتوں رات اس کا سارا سامان تیار کیا تھا۔

میری جب بھی آنکھ کھلی اماں زہرہ کے کپڑے بکھیرے سوچوں میں گم بیٹھی تھیں۔

اماں کیوں اتنی پریشان ہیں؟

میں سوچ تو سکتا تھا' لیکن نہ پوچھ سکتا تھا' نہ سمجھ سکتا تھا۔

صبح سویرے جب ہم ناشتہ کر رہے تھے اور اماں اور زہرہ تقریباً جانے کیلئے تیار کھڑی تھیں، باہر سے مختلف آوازیں آئی تھیں۔ ان میں ایک آواز بہت نمایاں تھی' یہ آواز خواجہ سراؤں کے گرو کی تھی۔ وہ با آواز بلند زہرہ کو ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ کر رہا تھا۔

میری ماں کا رنگ ہلدی کی طرح پیلا پڑ گیا تھا' وہ کسی کٹے ہوئے پیڑ کی طرح ڈھے کر زمین پر گر گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں کیا کچھ نہ تھا' خوف دکھ اور ساری عمر کی پونجی لٹ جانے کا احساس!

***

دن کو سورج تو دیے جلتے ہیں شب بھر کیلئے
پھر بھی اندھیارے ہیں انسان کے اندر کتنے
کتنا احساس ہے اس جسم کی آرائش کا
روح کے ساتھ مگر دل بھی ہیں بنجر کتنے
تشنگی میری زمیں کی نہیں بجھنے پاتی
یوں تو بادل نے نچوڑے ہیں سمندر کتنے
منزلیں چیخ کر خود اپنا پتہ دیتی ہیں
اور محروم سماعت رہے رہبر کیلئے
یہ تو غیرت کا تقاضا ہے نہ اڈیں ورنہ
اپنی آنکھوں میں چھپے رہتے ہیں ساگر کتنے
ذہن جلتا ہے تو سوچیں بھی جل اٹھتی ہیں
اور احساس میں گڑ جاتے ہیں خنجر کتنے
لوگ ہنس ہنس کر دلاتے ہیں وفاؤں کا یقین
اور ہاتھ میں لئے پھرتے ہیں پتھر کتنے
جس سے انسان کی انوار ہوئی تھی تخلیق
روند ڈالے ہیں اسی خاک نے گوہر کتنے

اظہر باؤ جی کے ہاتھوں پہ سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔

”باؤ جی!“

”وہ میری جڑواں بہن تھی!“

”اسے درد ہوتا تھا تو مجھے بھی درد ہوتا تھا۔ اگر وہ بیمار پڑتی تو میں بھی خود بخود بیمار پڑ جاتا
جانے اللہ نے ایسی تار ہم دونوں کے بیچ کیوں بنائی تھی‘ جو ہمارے دکھوں‘ سکھوں کو ایک ہی
میں جوڑتی تھی۔ اظہر نے اپنے چہرے پہ آئے آنسو اپنی آستین کے ساتھ صاف کرتے
کہا تھا۔“

خواجہ سراؤں کے گرو...... میری بہن زہرہ کو زبردستی اٹھا کر لے گئے‘ میری ماں بہت تڑپی‘
روئی‘ لیکن کسی نے ان کی نہ سنی۔
محلے والے بھی خواجہ سراؤں کے ساتھ تھے۔ یہ وہاں کا کلچر تھا کہ ادھورا بچہ ان کی امانت جانا
تھا۔
محلے والے حیران تھے کہ کیسے ہماری ماں نے اتنے برس ایک ہیجڑا بچی کی اصلیت کو چھپا کر
رکھا تھا کہ وہ کبھی ساتھ رہتے ہوئے بھی نہ جان سکے کہ اصلیت کیا ہے۔
میری ماں نے میرے ابا کو بلوا لیا اور ضد کی کہ قانونی طور پر جنگ کر کے اپنی بچی واپس لینی
پہلے تو ابا بدنامی کے خوف سے اس بات پر آمادہ نہ ہو رہے تھے‘ بے شک زہرہ کے جانے کا
ان کو بھی تھا‘ لیکن وہ اس معاشرے میں باعزت مقام رکھتے تھے اور زہرہ ان کی اولاد کچھ نہ
کے بھی سراسر ان کی عزت پر داغ کی طرح تھی۔
میری ماں کے آنسو ان کے اندر کے خوف کو بالآخر دھو گئے اور وہ تھانے پہنچ گئے رپٹ
لکھوانے کیلئے۔ میرے ابا نے بہت کوشش کی زہرہ کو تلاش کرنے کی‘ لیکن گرو جی زہرہ کو لے کر
راجستان چلے گئے تھے۔
کسی نے بتایا کہ وہ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے عرس کیلئے نکل چکے ہیں۔ رستے میں گاؤں
گاؤں شہر شہر وہ رکتے جائیں گے اور جانے زہرہ ان کے ساتھ ہوگی یا پھر کسی اور کے پاس ہوگی۔
میرے ابا نے جتنی کوششیں وہ کر سکتے تھے کیں‘ لیکن زہرہ کو نہ ملنا تھا وہ نہ ملی!
اظہر ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے جیسے یہ غم تازہ ہی ہو۔
باؤ جی نے بے حد تاسف بھری نظروں سے ان کو دیکھا تھا۔
ان کو زندگی میں پہلی بار تسلی کیلئے فوری لفظ دستیاب نہ ہو رہے تھے۔
میری ماں جب راتوں کو روتی تھی تو میں بھی کبھی نہ سو پاتا تھا۔
محلے اور ارد گرد بدنامی اور لوگوں کے عجیب و غریب رویے دیکھ کر ابا ہمیں اپنے ساتھ لے

گئے۔ہمیں اپنا آبائی گھر اور شہر چھوڑنا پڑا تھا۔

میری اماں بیمار رہنے لگی تھیں اور یہ بیماری یہ روگ کی بیماری میرا اماں کی جان لے کر ہی گئی۔

اماں آخری وقت بھی زہرہ کو ہی یاد کرتی رہی تھیں۔

اظہر نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا۔

باؤ جی نے اپنا ہاتھ ان کے کندھے پہ دلاسہ دینے کے انداز میں رکھا تھا۔جوں جوں میں بڑا ہوتا گیا!

میری زندگی کے خلا بڑھتے گئے!

اظہر نے ناخن کاٹتے ہوئے کہا تھا۔

زہرہ ادھوری تھی!

اور اس کے ادھورے پن کا دکھ میرے اندر نہ اترتا، یہ کیسے نہ ہوتا۔

اور پھر میں بھی ادھورا ہو گیا باؤ جی!

اظہر کی آواز میں جو بے بسی تھی وہ باؤ جی بے حد آسانی سے محسوس کر سکتے تھے۔

اب اکثر یہ ادھورا پن میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے انجانی دنیا میں لے جاتا ہے اور اب تو یوں لگتا ہے کہ وہ دنیا ہی میری ہے' اس دنیا میں دل ہی نہیں لگتا!

اظہر نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا تھا۔اور پھر جیسے وہ کسی ٹرانس میں ہو وہ اٹھ کر وہاں سے نکل گیا۔

باؤ جی پہلے تو اسے آواز دینے لگے لیکن پھر انہوں نے خود کو روک لیا تھا۔

حدیں اور علاج تو ان لوگوں کے ہوتے ہیں جو موجود ہوں اور جو نہ موجود میں اور موجود میں لڑھک رہے ہوں ان کے ساتھ تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔

وہ تو کسی اور ہی راہ کے مسافر ہو جاتے ہیں۔

***

"یہ...... یہ...... یہ کیا ہے؟"

شہزاد کے چہرے پر زلزلے بے حد نمایاں تھے۔

غیرت سے ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

"یہ حقیقت ہے شہزاد......! اور......"

اور اس حقیقت کو اب کھلی آنکھوں سے کس نے دیکھنا ہے۔

رانیا کا سوال شہزاد کے منہ پر آ کر لگا تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

شہزاد نے تصویر اور ڈائری کو ایک بار پھر سے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا' اس کے ماتھے پر بل بے حد نمایاں تھے۔

"مطلب یہ کہ آپ میرے معاملے کی طرح اس معاملے میں بھی چپ رہیں گے یا پھر غیرت مند شوہروں کی طرح اپنی بیوی کی عزت کو اپنی عزت سمجھیں گے!"

رانیا کا جملہ شہزاد پر جا کر کسی کاری ضرب کی طرح لگا تھا۔

"یہ تصویر اور ڈائری شہزاد چچا کا جرم ثابت نہیں کرتے!"

شہزاد کا لہجہ کمزور تھا۔

"اوہ!"

رانیا نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

"تو پھر آپ کو اپنے شہزاد چچا کیلئے کیسا ثبوت چاہئے؟"

رانیا کا لہجہ تپ رہا تھا۔

"رانیا...... رانیا...... رانیا!"

"تم سمجھتی کیوں نہیں ہو کہ شہزاد چچا کا مقام ہمارے دلوں میں اور ہماری زندگیوں میں بے حد زیادہ ہے۔ہم کیسے ان پر یہ الزام عائد کر دیں' جبکہ تصویر بھی تم نے لا کر دی ہے۔تم...... تم جوان کو بے حد ناپسند کرتی ہو۔"

"تمہاری یہ ناپسندیدگی کسی سے بھی ڈھکی چھپی نہیں ہے' اگر اس ڈائری میں ان کی محبت کا اظہار ہے تو وہ بے نام لڑکی ہے!"

"اس ڈائری میں لڑکی کا نام نہیں ہے!"

شہزاد نے بے حد سمجھداری سے ضیاء چچا کا کیس لڑا تھا۔ضیاء چچا کی محبت اور ان کا اعتبار دل میں بہت مضبوط جڑ رکھتا تھا۔

رانیا نے بے حد سلگ کر شہزاد کو دیکھا تھا۔

وہ اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔اپنا یہ ترپ کا پتا اس کو ضائع ہوتا محسوس ہوا تھا۔

"اور یہ تصویر......!"

"کیا یہ بھی جھوٹی ہے؟"

رانیا نے چیخ کر پوچھا تھا۔

"یہ تصویر تو کوئی بھی اس گھر سے اٹھا کر اس ڈائری کے اندر رکھ سکتا ہے۔" ایسا کہتے ہوئے شہزاد کی آنکھیں مسلسل رانیا کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

شہزاد کے چہرے پر کچھ دیر آنے والے تاثرات مکمل ختم ہو چکے تھے' اب اس کا چہرہ بے حد پرسکون تھا۔

"آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟"

رانیا نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا۔

"یہی کہ یہ تصویر......نہیں بول رہی کہ اس کا کوئی جرم ہے۔"

"یہ آمنہ کی سمپل سی تصویر ہے' جو البم سے نکال کر ڈائری میں رکھی جا سکتی ہے۔"

شہزاد نے کہا۔

"اوہ مائی گاڈ!"

"آپ......مجھ پر شک کر رہے ہیں!"

رانیا نے بے حد دکھی ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا تھا۔

"میں تم کو کچھ نہیں کہہ رہا ہوں!"

"اور نہ تم پر شک کر رہا ہوں!"

"میں تم کو یہ حقیقت بتانا چاہ رہا ہوں کہ ہم کسی کو بھی کسی بے حد بے ضرر ثبوت کے ساتھ پکڑ کر نہ کوئی کیس بنا سکتے ہیں اور نہ ہی سزا دے سکتے ہیں۔"

"ہر سزا کیلئے تین گواہ اور ٹھوس ثبوت چاہئے ہوتے ہیں' یہ تو تم بھی جانتی ہو گی۔"

شہزاد نے ڈائری واپس رانیا کے ہاتھوں میں تھماتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ ڈائری واپس اسی جگہ پر رکھ آؤ جہاں سے تم نے یہ اٹھائی تھی۔"

شہزاد یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔

جبکہ رانیا نے بغور شہزاد کو باہر نکلتے دیکھا تھا۔ وہ بے شک رانیا کی یہ محنت بیکار کر گیا تھا لیکن ساتھ ہی رانیا کو صحیح راہ دکھا گیا تھا۔ رانیا کو ٹیکنیکلی بتا گیا تھا کہ اس نے یہ ڈائری ضیاء کے کمرے

اٹھا کر غلطی کی ہے۔

اگر یہ ہی ڈائری اور تصویر شہزاد ضیاء چچا کے کمرے سے نکلتے دیکھتے تو اتنا دماغ استعمال کر ہی نہ سکتے تھے۔

دوسری بات......!

"اگر شہزاد تم کو گواہ ہی چاہئے! تو ٹھیک ہے میں تم سے اب گواہوں اور ثبوتوں کی ہی زبان میں بات کروں گی!"

رانیا نے بے حد شاطرانہ طریقے سے مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔

***

"بیٹا میں تم سے ایک بات کرنا چاہ رہی تھی۔"

بیبا نے تیار ہوتی رامین سے کہا تھا۔ رامین نے پریشانی سے بیبا کو دیکھا تھا۔ رامین جو پہلے ہی رواق کی وجہ سے لیٹ ہو گئی تھی' اس لئے اس وقت بے حد عجلت میں تھی' لیکن بیبا کو اپنے کمرے میں دیکھ کر احتراماً ان کی بات سننے کیلئے رک گئی تھی۔

"جی بیبا!"

رامین نے ان سے پوچھا تھا۔ بیبا رامین کیلئے بے حد محترم اس لئے بھی تھیں کہ وہ رامین کے متعلق ہر بات جانتی تھیں' لیکن انہوں نے کبھی بھی جتایا نہ تھا۔ رامین کو ان کا یہ بڑا پن بہت اچھا لگتا

"بیٹا میں نے بہت سوچا اور ہر بار میرے دل کو ایک بے سکونی کا احساس ہوا۔ پھر میں نے سوچا کہ جا کر خود ہی اپنی بیٹی سے بات کر لوں۔"

بیبا کے لہجے کی مٹھاس دوسرے شخص کو اندر تک محسوس ہوتی تھی۔

"جی بیبا!"

رامین کے لہجے میں بیبا کے لہجے کی وجہ سے مزید تابعداری در آئی تھی۔

"رامین بیٹا مانتی ہوں کہ ریڈیو پر جاب کرنا آپ کا پیشن (Passion) ہے' لیکن بیٹا یہ (Passion) ہمیں ہماری بیٹی سے دور کر دیتا ہے۔"

"میری شروع ہی سے خواہش تھی کہ میری بہویں میری بیٹیاں بن کر رہیں گی' کیونکہ میری کوئی بیٹی نہ تھی۔"

"لیکن بیٹا آپ جب باہر چلی جاتی ہو تو گھر میں سناٹا سا ہونے لگتا ہے۔"

بیبا نے رامین کو دوسرے طریقے سے گھیرا تھا۔

رامین کے اندر لاکھ بغاوت سہی، لیکن بیبا کے دھیمے پن کے آگے وہ سرنڈر کر جاتی تھی، اب بھی یہ ہی کچھ ہوا تھا۔

رامین جو اپنے طور پر اپنی جاب کے متعلق اپنا کیس رواق کے ذریعے لڑ چکی تھی۔ بیبا کے سامنے اسے کوئی الفاظ نہ مل رہے تھے۔

"بیبا پلیز آپ اس کو مائنڈ مت کیجئے گا۔ لیکن میں عام عورتوں کی طرح چولہے چوکے میں زندگی نہیں گزارنا چاہتی۔ میں اپنی پہچان چاہتی ہوں۔"

آج بھی رامین کے الفاظ ویسے ہی سخت تھے۔ لیکن چونکہ مخاطب بیبا تھیں اس لئے لہجے میں پہلے جیسی گرمی ناپید تھی۔

"بیٹا چولہے کے آگے تو ہم بھی ہر وقت نہیں رہتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ملازم ہیں۔ زیادہ بڑا کام تو ان کے سپرد رہتا ہے۔ میں تو صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ ہمیں اپنی بیٹی کی ضرورت ہے!"

رامین پہلو بدل کر رہ گئی تھی۔

"بیبا میں اپنی پہچان بنانا چاہتی ہوں۔ میں کیریئر وومن بننا چاہتی ہوں۔"

رامین نے اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے کہا تھا۔

بیبا نے بے حد غور سے رامین کو دیکھا تھا۔ جس کے چہرے پہ کچھ حاصل کرنے کی پیاس اور شدت اس قدر تھی کہ اگر اسے محبت کے رشتوں کی بھی زنجیریں باندھی جاتیں تو الٹا نقصان ہی ہوتا تھا، اسے ان رشتوں کی زنجیریں ان رشتوں سے بیزار کر سکتی تھیں۔ بیبا مزید کچھ کہنے سے رک گئی تھیں۔ وہ بے حد معاملہ فہم خاتون تھیں۔ کبھی بے موقع بات کر کے بات کو ضائع نہیں کرتی تھیں۔

"بیٹا کچھ باتیں، کچھ رشتے اور مقام دور سے بہت اہم اور مرکز زندگی محسوس ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے، لیکن ہم اپنی ضد میں اس حقیقت کو جاننا نہیں چاہتے۔ ماننا نہیں چاہتے۔"

"میں تم سے اور کچھ تو نہیں کہوں گی!......" وہ کچھ دیر کو سانس لینے کو رکیں۔

"بس اتنا کہوں گی کہ تم چشم بینا رکھنا!"

"ضد نہ لگانا۔"

"چاہے وہ کسی مقام کیلئے ہو یا پھر کسی رشتے کیلئے ہو۔"

بیبا نے بے حد سکون سے بہت گہری بات کہہ ڈالی تھی اور پھر وہ رامین کے کندھے پر پیار باہر نکل گئیں۔

انہوں نے نہ کہہ کر بھی بہت کچھ کہہ ڈالا تھا۔

رامین ہاتھ میں پرس لئے گم سم ان کو جاتا دیکھتی رہی تھی۔

وہ جو اس قدر جوش میں آفس جایا کرتی تھی، ایک دم ہی اس کا سارا جوش و خروش ختم ہو گیا جیسے سارے پھل میں سے رس نچڑ جاتا ہے۔

وہ بے حد بے مزا ہو کر وہیں بیڈ کی پائینتی کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

***

"اماں بس دو دن کی بات ہے۔ میں آ جاؤں گا!"

شہزاد میاں نے ایک چھوٹے سے بریف کیس میں ایک سوٹ اور دو تین فائلیں رکھتے ماں سے کہا تھا۔

پھوپھو نے پریشانی سے بیٹے کو دیکھا تھا۔

شہزاد نے ایک نظر ماں پر ڈالی، ان کا پریشان چہرہ دیکھ کر کچھ دیر کو انہوں نے اپنی مصروفیت کر دی۔ پھر ان کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔

"اماں کیا بات ہے؟"

شہزاد میاں نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کیوں اس قدر پریشان ہیں!"

شہزاد نے پوچھا۔

"شہزاد میرے دل کو عجیب سی پریشانی لگی ہوئی ہے۔ جیسے...... جیسے کوئی انہونی ہونے والی

پھوپھو نے پریشانی سے کہا۔

"اماں ایسے کیوں وہم پالتی ہیں، سب ٹھیک ہے اور ٹھیک ہی رہے گا۔"

"اللہ کرے شہزاد! پر......"

"پر جانے کیوں دل گھبراتا ہے!"

پھوپھو نے بے حد پریشان آنکھوں سے شہزاد کو تکا تھا۔

"دلہن کے فارغ ہونے کے بھی یہ ہی دن ہیں۔"

"پھر ضیاء بھی گھر سے جانے کی تیاریوں میں ہے۔"

"آج تم سفر کا ارادہ باندھ کر بیٹھ گئے ہو۔"

پھوپھو نے تفصیل سے اپنی پریشانی کی وجہ بتائی۔

"اماں میں دو دن میں واپس آ جاؤں گا۔ پھر آمنہ کے پاس رانیا بھی تو ہے۔" شہزاد نے ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا تھا۔

"رانیا......؟"

پھوپھو کو رانیا پر مکمل یقین نہ تھا۔

"کمال ہے اماں...... آپ بھی دوسروں کی طرح نہ کریں۔ اگر کوئی اچھا ہو جائے تو اسے توجہ دینی چاہئے نہ کہ ہر وقت اس پر شک کرنا چاہئے۔ رانیا تو آمنہ کا بے حد خیال کر رہی ہے۔ پڑھی لکھی اور بے حد اچھی لڑکی ہے۔"

"لڑکی......؟"

"پوری پکی عمر کی عورت ہے! نہ شکل نہ صورت، اللہ جانے تجھے اس میں کیا نظر آیا۔"

پھوپھو خود کو کہنے سے باز نہ رکھ سکیں۔

"اماں پلیز......!"

"وہ دل کی بے حد خوبصورت ہے۔" شہزاد نے ان کو ٹوکا۔

"اچھا میاں جو تیرے من کو ایسی بھا ہی گئی ہے تو ہم کون ہوتے ہیں۔ اعتراض کرنے والے۔"

پھوپھو نے ٹھنڈی سرد آہ بھر کر کہا۔

"اماں پلیز......! اب ان جلی کٹی کرنے کا کیا فائدہ؟"

شہزاد میاں نے اپنا والٹ کھول کر اس میں سے رقم چیک کی تھی اور پھر اس کے بعد اسے اپنی ہپ پاکٹ میں رکھ کر ہاتھ سے تھپتھپا کر چیک کیا تھا۔

وہ بالکل تیار کھڑے تھے نکلنے کو۔ بس وہ اماں کی باتوں میں الجھ گئے تھے، جن کو خوامخواہ وہم ستا رہے تھے۔

"ماں واقعی اب ان باتوں کا کیا فائدہ!؟"

"تمہیں جو کرنا تھا تم تو کر ہی چکے ہو!"

اماں نے ایک بار پھر آہ بھری تھی۔

"اف......!"

شہزاد نے بے اختیار زِچ ہو کر کہا تھا۔

"اب میں جاؤں؟"

وہ بریف کیس تھامے اجازت مانگ رہے تھے۔

"ہوں!"

پھوپھو نے روٹھے روٹھے انداز میں کہا تھا۔

"اچھا پڑھ کر پھونک تو مار دیں ورنہ رستے میں کوئی بلا مجھے مار ڈالے گی!"

شہزاد نے اپنا سر ان کے آگے جھکا کر کہا تھا۔

"اللہ رحم کرے بچے!"

"کیوں ماں کے کلیجے پر ہاتھ ڈالتا ہے۔"

اماں نے دہل کر کچھ ناراضگی سے کہا تھا۔ ساتھ ہی آیت الکرسی پڑھ کر شہزاد میاں پر پھونکی تھی۔

"اچھا اماں چلتا ہوں۔ باقی کے گلے شکوے اور آپ کے وسوسے آ کر ڈسکس کر لیں گے۔"

شہزاد میاں نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا اور سلام لے کر باہر نکل گئے۔ اللہ کے سپرد میرے بچے!

"تو اگر رک جاتا تو اچھا تھا۔ اور جانے کیوں میرے دل کو گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"

وہ با آواز بلند بولی تھیں۔

***

"آپی پلیز ایک بار آپ اسے دیکھ تو لیں!"

عادل نے آمنہ کی خوش آمدی کی۔

آمنہ نے کچھ زِچ ہو کر اسے دیکھا تھا۔

"عادل تمہاری عمر ہے کہ ابھی گھر داری میں پڑو۔ پہلے تم کچھ خود کو بنا تو لو۔ پھر دیکھ لیں گے

تمہاری پسند کو بھی۔'' آمنہ نے عادل کی مزید بات سننے سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔

''یا میرے اللہ!''

''اگر اس دوران اس کا کہیں رشتہ طے ہو گیا تو......!''

''میں تو مارا جاؤں گا ناں!''

عادل نے بے صبری سے کہا۔

''عادل ایسی کیا بات ہے اس لڑکی میں؟''

آمنہ نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

''وہ ڈرپوک سی چوہیا مجھے اتنی اچھی لگی ہے کہ اب ہر وقت اس کا تصور میرے دھیان سے چپکا رہتا ہے!''

عادل نے سرد سی آہ بھر کر کہا۔

آمنہ بے اختیار مسکرا دی تھی۔ وہ کافی دیر عادل کا چہرہ بغور دیکھتی رہی تھیں، کہ آیا یہ وقتی ابال تو نہیں ہے، لیکن عادل کے چہرے پہ بے حد سنجیدگی تھی۔

''ٹھیک ہے میں ٹھیک ہو لوں پھر سب سے پہلے پہلی فرصت میں ہم تمہاری پسند کو لینے کیلئے جائیں گے۔''

آمنہ نے حامی بھری تو عادل کے چہرے پہ بے حد رونق آ گئی۔

''تم جیو ہزاروں سال پیاری آپی۔''

''ڈیڑھ درجن بچوں کی اماں بنو!'' عادل نے بے حد خوش ہو کر بھانڈوں کی طرح دعائیں دی تھیں۔

آمنہ کی آنکھیں بے اختیار پھیلی تھیں۔

''یہاں ایک بچہ جو اس گھر کا وارث ہے وہ اپنے باپ کیلئے ان وانٹیڈ ہے تو باقی بچے کہاں سے آئیں گے!''

آمنہ شہزاد میاں کے سرد رویے سے دلبرداشتہ ہو کر سوچ گئیں۔

''کدھر کھو گئیں آپی؟''

عادل نے آمنہ کے سامنے ہاتھ لہرا کر پوچھا تھا۔

''کہیں نہیں!''

آمنہ پھیکی سی مسکراہٹ سے گویا ہوئیں۔

''یہ ڈرپ اتنی سلو کیوں ہے!''

عادل نے آمنہ کے ہاتھ پر لگی ڈرپ کے متعلق پوچھا تھا۔

اس وقت وہ ہسپتال میں تھے، جہاں آمنہ کو وقتی طور پر ایڈمٹ کر کے ڈرپ میں آئرن کے شن لگ رہے تھے۔

''ڈینوفر کی یہ ڈرپ بے حد سلو لگائی جاتی ہے۔''

''تمہیں کس بات کی جلدی ہے!''

آمنہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے اپنے بے چین بھائی کو دیکھا تھا۔

''اس ڈرپوک چوہیا کو آپ سے ملانے کی جلدی ہے!''

عادل نے جواب دیا تھا۔

''اس میں میری ڈرپ کا کیا قصور ہے!''

آمنہ نے پوچھا۔

''بس معلوم نہیں کیوں دل کرتا ہے کہ آج کل ہر کام جلدی جلدی ہو جائے۔''

عادل نے ٹھنڈی سانس بھر کر اپنے دل کی بے بس کیفیت کا بتایا تھا۔

''نہیں جناب آپ کا دل تو صرف ایک ہی کام میں ٹکا ہوا ہے۔''

آمنہ نے شرارت سے کہا تھا۔

''تو پھر پیاری آپا کچھ کرو نا!''

عادل نے خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا میرے ننھے منے بھیا!''

''اگر تمہیں شادی کے لڈو کھانے کا اتنا ہی زیادہ شوق ہے تو یہ بندوبست بھی جلدی کر دیں گا!''

آمنہ نے عادل کو تسلی دی، تب جا کر وہ پرسکون ہوا تھا۔ ورنہ وہ جس قدر بے چین تھا، اس کی بے چینی اس کے چہرے پہ بے حد نمایاں تھی۔ وہ بھی کیا کرتا! یہ......

یہ دلوں کے معاملے ہوتے ہی انوکھے ہیں۔

ایسے ہی تو بے بس کر دیتے ہیں، کہ دوسرا شخص اس قدر محبوب ہو جاتا ہے کہ وہ دنیا میں ہر چیز

ہر بات سے اہم ہو جاتا ہے۔

***

''یہ سب کیا ہو رہا ہے؟''

آمنہ نے کمر پر ہاتھ رکھے نقاہت سے پوچھا تھا۔

رانیا جو مختلف مزدوروں کے ساتھ گھر کے سامان کی اونچ نیچ کر رہی تھی، ایک دم چونک کر آمنہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

وہ شہزاد کہہ کر گئے تھے۔ دیمک لگے جا رہی ہے سارے وڈ ورک کو، اس لئے دیمک کے خاتمے کیلئے سپرے کروا لینا۔ رانیا نے مصروف انداز میں جواب دیا۔ وہ واقعی مزدوروں کو مختلف ہدایات دیتی بے حد مصروف نظر آ رہی تھی۔

''سپرے!''

آمنہ کا دل دیمک کے سپرے کا سن کر ہی متلانے لگا تھا۔

''پھوپھو کہاں ہیں؟''

''آمنہ نے پوچھا'' اس کی طبیعت بہت اچھی نہ تھی۔ ابھی ابھی وہ ہسپتال سے واپس آئی تھی' عادل اسے گیٹ ہی سے ڈراپ کر گیا تھا۔ گیٹ سے یہاں ٹی وی لاؤنج تک آتے ہوئے اسے عجیب سا درد اٹھنے لگا تھا۔ اس لئے وہ کچھ گھبرائی گھبرائی تھی۔

''وہ یہاں ہی محلے میں میلاد پر گئی ہیں اور کہہ کر گئی ہیں کہ شام کو ختم قرآن اور ختم دعا کے بعد آئیں گی۔'' رانیا نے جواب دیا۔

''شام......؟''

آمنہ بے حد گھبرائی ہوئی تھی۔ رانیا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔ ''خیریت تم ایسے کیوں گھبرائی گھبرائی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

رانیا نے بے حد میٹھاس بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

''مجھے کمر کے نیچے عجیب سا درد اٹھ رہا ہے!''

آمنہ نے وہیں رکھے ایک موڑھے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''اوہو!''

''تم یوں کرو کہ کچھ دیر آرام کرلو۔ میں تمہیں گرم دودھ بھجوا دیتی ہوں۔ اس سے سکون ملے

رانیا نے بے حد نرم لہجے میں کہا تھا۔

''کہاں کروں آرام؟''

یہاں تو ہر جانب تم نے بکھیڑا ڈال رکھا ہے۔

آمنہ نے بیزاری سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ جہاں سارا سامان بکھرا پڑا تھا۔

''تم اوپر جا کر سو جاؤ! لیٹ جاؤ! آرام کرنا تمہارے لئے اچھا ہے۔''

رانیا نے ہمدردانہ مشورہ دیا تھا۔

''اوپر......!''

سیڑھیوں کا سوچ کر ہی آمنہ کا جی الجھنے لگا تھا، لیکن وہ واقعی آرام کرنا چاہتی تھی۔

''ہاں اوپر صرف ضیاء چچا کمرہ فارغ ہے۔ تم وہاں جا کر آرام کرلو۔'' رانیا نے عام سے لہجے میں کہا۔

''ضیاء چچا کے کمرے میں......؟ وہ آئے تو وہ کہاں آرام کریں گے۔'' آمنہ نے سادہ لہجے میں پوچھا تھا۔

''ارے تمہیں نہیں پتا وہ صبح سے اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔ شاید کل تک واپسی ہو۔'' رانیا عام سے لہجے میں کہا تھا۔

''تم چاہو تو ان کے کمرے میں آرام کرلو۔ اپنے ہی گھر کا کمرہ ہے۔'' رانیا کا لہجہ بے حد نرم تھا۔

''ٹھیک ہے!''

آمنہ نقاہت سے کہتی اوپر چلی گئی۔

اس کے جسم میں ہر کچھ دیر بعد درد کی عجیب سی لہر اٹھ رہی تھی۔

رانیا نے اسے فاتحانہ نظروں سے اوپر جاتے دیکھا تھا۔ آج اگر میرے لکھے ڈرامے کا سارا سین اور منظر میرے مطابق ہو گئے، تو مزا آ جائے گا۔

رانیا دل ہی دل میں خوش ہوتی کچن کی جانب بڑھی تا کہ آمنہ کیلئے دودھ گرم کر سکے۔

کروالو بنو رانی، جتنی مرضی خدمتیں کروالو بالآخر آج تمہارا برا دن آن ہی پہنچا ہے!

رانیا کے چہرے پر بہت ہی شاطرانہ مسکراہٹ تھی۔

***

"اف توبہ کیا موسلا دھار بارش ہے!"

ضیاء گاڑی سے نکل کر اندر تک آئے تو بری طرح بھیگ گئے تھے۔

"لائٹ گئی ہوئی ہے؟"

انہوں نے دروازہ کھولتی ملازمہ سے پوچھا تھا۔

"جی لائٹ گئی ہوئی ہے!"

ملازمہ نے مختصراً جواب دیا۔

"بھابی بیگم کہاں ہیں؟"

انہوں نے اوپر اپنے کمرے کی جانب جاتے ہوئے پوچھا۔

"وہ اپنی بلڈ کی دوائی لے کر سو رہی ہیں۔"

ملازمہ نے بتایا تھا۔

"اور دلہن کدھر ہیں؟ طبیعت ٹھیک تھی اس کی؟"

وہ آمنہ کی خیریت ضرور دریافت کیا کرتے تھے۔

"اپنے اپنے کمرے میں ہیں سب صاحب جی! طبیعت البتہ ان کی ماڑی ہی تھی۔"

ملازمہ نے تفصیل سے جواب دیا تھا۔

"آپ کچھ کھاؤ گے؟"

ملازمہ نے آخری لازم سوال پوچھا۔

"نہیں!"

ضیاء مختصراً کہتے اوپر چلے آئے تھے۔

ملازمہ نے اتنا ہی ضیاء کو بتایا تھا، جتنا کہ بتانے کو اسے کہا گیا تھا۔

ضیاء ملازمہ کے ہاتھ سے کینڈل لے کر اپنے کمرے میں آ گئے۔ کینڈل رائٹنگ ٹیبل پر رکھ کر انہوں نے اپنے گیلے کپڑے اتار کر زمین پر پھینک دیئے اور پھر صرف سلیپنگ ٹراؤزر پہن کر بیڈ پر آ کر لیٹ گئے۔ ان کو شرٹ پہن کر سونے کی عادت نہ تھی۔ وہ عموماً گاؤن کا استعمال کرتے تھے۔

جیسے ہی وہ لیٹے ان کو لگا کہ جیسے کوئی نرم روئی سا وجود ان کے ساتھ مس ہوا ہے۔

وہ اک دم چونک کر اٹھے اور غور سے دیکھا، پھر کینڈل قریب لا کر دیکھا تو وہ آمنہ تھی۔

پسینے سے نچڑتی ہوئی تھی اور بہت تکلیف دہ تاثرات اس کے چہرے پر نمایاں تھے۔

"آمنہ!"

انہوں نے کینڈل سائیڈ پر رکھ کر آمنہ کا ہاتھ تھام کر اس پر جھکتے ہوئے اسے پکارا تھا۔

"ضیاء...... چچا!"

"درد...... پھوپھو...... شہزاد...... آہ...... درد......!"

آمنہ کی گھٹی گھٹی چیخیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔

ان کو آمنہ کی حالت دیکھ کر بے حد تکلیف ہوئی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک دم سے بے چین ہوئے تھے۔

"آمنہ......!"

"کیا ہوا ہے؟"

آمنہ درد سے بے حال ہو رہی تھی۔

ضیاء نے آمنہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھنے میں مدد دی تھی۔

"آمنہ ہمت کرو یار!"

ضیاء نے اس کے ماتھے پر سے پسینہ صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔ اسی پل لائٹ آ گئی اور کمرہ روشن ہو گیا تھا۔

ضیاء کو اپنے کمرے کے دروازے پر کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا تھا۔

انہوں نے مڑ کر دیکھا، تو پھوپھو کو رانیا تھامے لئے کھڑی تھی۔ ساتھ ہی شہزاد بھی کھڑے تھے۔

"بھابی بیگم آمنہ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی، دیکھیں کیسے پسینے سے بھیگی جا رہی ہے۔"

ضیاء نے آمنہ کو تھامے تھامے کہا جبکہ آمنہ کو سب دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ اسے درد کے سمندر میں سب افراد سایوں جیسے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اس وقت کہاں کس حالت میں ہے اور کون اس کی اس حالت سے بھرپور فائدہ اٹھا چکا تھا۔

پھوپھو کا چہرہ دکھ سے تاریک پڑ چکا تھا۔

شہزاد کی آنکھیں خون رنگ ہو رہی تھیں۔

آمنہ کا بیڈ سے گرا دوپٹہ، آمنہ کا ضیاء کے بستر پر ہونا، آمنہ کا ضیاء چچا کے ہاتھوں میں ہونا،

اور ضیاء چچا کا بنا شرٹ کے آمنہ کے اتنے قریب ہونا۔

شہزاد کے دماغ میں دھماکے ہونے لگے تھے۔غصہ......اور صرف غصہ!

ایک جلتا ہوا لاوا تھا، جوان کے سارے وجود پر سے گزر رہا تھا۔

''آمنہ!''

وہ چلاتے ہوئے آگے بڑھے تھے۔

آمنہ نے پوری آنکھیں کھول کر دیکھا۔اس کا حلق کانٹوں سے بھرا ہوا تھا۔

سامنے شہزاد کو دیکھ کر اسے تسلی ہوئی کہ اب اس کا درد بانٹنے کیلئے اس کا محبوب شوہر آ گیا ہے۔

لیکن یہ کیا وہ اتنی اجنبی نگاہوں سے کیوں دیکھ رہا ہے؟

اور وہ......ایسے......ایسے کیوں چلا رہا ہے۔

آمنہ نے اپنے درد میں ڈوبے دماغ پر زور دے کر کچھ سمجھنے کی کوشش کی تھی' پھر اسے ایک دم سے بہت سارے احساسات خود کو گھیرتے محسوس ہوئے۔

سب کی آنکھوں کا بدلا رنگ!

اس نے بے اختیار اپنا بازو ضیاء سے چھڑایا۔

اب ضیاء چچا بھی شہزاد سے اونچی اونچی آواز میں بات کر رہے تھے۔

پھوپھو منہ پر دوپٹہ رکھ کر زار زار رو رہی تھیں، جبکہ رانیا بے حد پرسکون تھی۔

آمنہ کو رانیا کی آنکھوں میں فتح کی چمک نظر آئی تھی۔

وہ شہزاد کی ہر بات کا جواب دینا چاہتی تھی۔ وہ بیڈ سے اتر کر ان کے پاس جانا چاہتی تھی' لیکن اندر سے جو درد کا طوفان تھا وہ اس کی چیخوں میں بدل گیا تھا۔

''دفع ہو جاؤ میرے گھر سے!''

''میری زندگی سے......! بدکردار عورت!''

''میں تم کو طلاق دیتا ہوں' طلاق دیتا ہوں! طلاق دیتا ہوں!''

شہزاد نے آمنہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے باہر دھکا دیا تھا۔

اگر ضیاء آگے ہو کر آمنہ کو تھام نہ لیتے تو جانے آمنہ کا کیا ہوتا، لیکن ضیاء چچا کا یہ قدم اب ہی آگ لگا گیا تھا۔

ضیاء چچا شہزاد کو سخت سست کہہ رہے تھے۔

آمنہ درد کے باوجود اپنے مجازی خدا کو دیکھ رہی تھی۔

جو دنیا کے بدصورت ترین الفاظ اس وقت اسے دے گیا تھا' جب دنیا کا سب سے خوبصورت لمحہ ان لوگوں کی زندگی میں آنے ہی والا تھا۔

''اللہ!''

''آمنہ''

بے اختیار سر آسمان کی جانب اٹھا کر چیخی تھی۔

ضیاء چچا نے فوراً شرٹ پہنی اور اپنے والٹ میں پیسے ڈالے اور آمنہ کو اٹھانے لگے۔

شہزاد نے خونخوار نظروں سے دونوں کو دیکھا اور وہاں سے چلے گئے تھے۔ اس کے علاوہ وہاں موجود افراد میں سے کوئی بھی آمنہ کی مدد کو نہ پہنچا تھا۔

زمین پر گری ہوئی آمنہ نے ایک نظر سب پر ڈالی تھی۔ اس گھر اور افراد پر جن میں اس کی سگی پھوپھو بھی شامل تھیں۔

وہ مہربان ہاتھوں نے ایک چادر اس پر لپیٹی تھی اور اسے بازوؤں میں اٹھا کر دوڑے تھے۔

آمنہ کی چیخیں مزید بلند ہوئی تھیں۔

آمنہ نے ضیاء کے کالر کو زور سے تھاما تھا۔

ضیاء نے بے حد احتیاط سے اسے گاڑی کی سیٹ پر لٹایا تھا۔

اور بہت تیزی سے گاڑی لے کر وہاں سے نکلے تھے۔

جانے سے پہلے انہوں نے نور منزل پر ایک بے حد دکھ بھری نظر ڈالی تھی' جہاں بدگمانی کے اندھیرے نے ساری روشنی کھا لی تھی اور رشتوں کی پاکیزگی کو گالی میں بدل دیا تھا!

***

آئینہ ٹوٹ گیا
عکس مگر باقی ہے
حادثہ بیت گیا
جان ابھی نکلی نہیں
کھل چکی آنکھ

تو پھر خواب کا افسوس کیسا
تالیاں پیٹ چکے
جا بھی چکے لوگ سبھی
خالی ایوان میں
اک وہ ہے......
کہ اس سوچ میں ہے
ختم تمثیل ہوئی
اب کہاں جائے۔ کردار؟

کمرے کی کھڑکی کا سفید پردہ ٹھنڈی ہوا سے لہرا رہا تھا۔ بیڈ پر لیٹی آمنہ گم سم باہر درخت پر دو چڑیوں کو پھدکتے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کمرے میں موجود ہو کر بھی ناموجود تھی۔

اسی پل ضیاء دروازہ کھول کر اندر آئے' ان کے ساتھ ایک نرس تھی۔

ضیاء نے نیلے آسمانی سے رنگ کے کمبل میں لپٹے بچے کو بہت احتیاط سے تھام رکھا تھا۔

''آمنہ دیکھو!''

''اللہ نے کیسا چاند سا بیٹا عطا کیا ہے!''

ضیاء نے بے حد خوشی سے بچے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اتنی خوشی تو ان کو کبھی نہیں محسوس ہوئی تھی' لیکن جب نرس نے ان کے ہاتھوں میں یہ ننھی جان لا کر تھمائی کہ یہ لیں اپنا بے بی تو ان کو لگا واقعی یہ ان کا ہی بچہ تھا۔

جانے یہ باپتا کا احساس کہاں سے نکل کر سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

آمنہ نے خالی خالی نظروں سے ضیاء کو دیکھا تھا۔

''آمنہ...... اللہ نے تمہیں ایک گڑیا بھی دی ہے لیکن اسے سانس کا مسئلہ ہے۔ اس لئے ڈاکٹرز نے ابھی تو اسے اینکیوبیٹر میں رکھا ہے' انشاء اللہ وہ بھی جلد اچھی ہو جائے گی۔''

ضیاء خود ہی باتیں کئے جا رہے تھے۔ آمنہ نے نہ ہی بچے کو دیکھا تھا نہ ہی کچھ بولی تھی۔ وہ تو یوں تھی جیسے گونگی بہری ہو گئی ہو!

''آمنہ......!''

''اس معصوم فرشتے کو اس کی ماں کا لمس اور دودھ چاہئے۔''

''اس سارے میں اس کا کیا قصور ہے!''

''کیا تم اسے گود میں نہ لو گی؟''

ضیاء نے بچہ زبردستی اس کی گود میں ڈال دیا۔ وہ جو اتنی دیر سے بند باندھ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

بچہ بھی ایک دم کسمسا کر رونے لگا تھا۔

ضیاء چچا نے ایک دم سے بچہ اس کی گود سے لے لیا' جیسے مرغی اپنے انڈوں کو ہر وقت اپنے ں میں چھپا کر رکھتی ہے۔

''بیوقوف لڑکی نہ رو!''

''مجھے تمہارے آنسو تکلیف دیتے ہیں!''

''تم اگر اسلام کو جانتی ہو تو میں تم کو بتا دوں حاملہ عورت کو طلاق نہیں ہوتی۔''

''شہزاد کا غصہ اترے گا' تو اسے اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔ وہ خود تم کو لینے آئے گا!''

ضیاء نے اسے تسلی دی تھی۔

''نہیں ضیاء چچا!''

''میں اب کبھی اس گھر میں نہ جاؤں گی!''

''کبھی شہزاد کو دوبارہ اپنی زندگی میں داخل نہ کروں گی۔''

آمنہ نے بے حد ٹھوس لہجے میں جواب دیا' وہ ضیاء چچا کو حیران کر گئی تھی کہ وہ کمزور سی لڑکی اٹل فیصلے لے سکتی ہے!

***

''رواق یہ آج کل آپ کی روٹین کو کیا ہو گیا ہے؟''

رامین نے ڈائمنڈ کے نازک سے ایئر رنگ اپنے کانوں میں ڈالتے ہوئے پوچھا تھا۔

رامین سٹول پر بیٹھی تھی' جبکہ رواق اس کے پیچھے کھڑے آئینے میں ٹائی لگا رہے تھے۔

آج ان کے سٹاف کے ڈاکٹرز نے اس کپل کا ڈنر کیا تھا۔ وہ لوگ اسی سلسلے کیلئے تیار ہو رہے

رواق نے ایک بہت پیار بھری نگاہ اس پر ڈالی تھی' پھر زیور کے ڈبے سے باریک سی چین باہر نکال کر رامین کے گلے میں ڈال کر اس کا لاک لگایا اور پیچھے ہٹتے ہوئے ایک شوخ سی

شرارت کر ڈالی۔

جواباً رامین نے پیچھے مڑ کر مصنوعی خفگی سے رواق کو دیکھا تھا۔

رواق گھنی مونچھوں تلے دبی دبی سی مسکراہٹ لئے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

رامین کو ایک دم ان سے ڈھیروں شرم آئی تھی۔ اس کا چہرہ شرم سے گلنار ہو گیا تھا۔

''پیاری بیوی!''

''آپ کے سوا ہم نے کہاں کس کے پاس جانا ہے!''

رواق نے لاڈ سے اسے خود کے ساتھ لگا کر کہا۔ جواباً رامین نے اپنا منہ ان کے سینے میں چھپا لیا، پھر ان کی ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

''رواق پہلے آپ زندگی میں شامل نہ تھے' میں نے آپ کی محبت کو برتا نہ تھا، تو میرا دل کا غذ تھا! لیکن...... ! لیکن اب آپ ان سانسوں میں شامل ہو گئے ہیں اور اگر سانسوں نے مجھ سے بے وفائی کی تو میں مر جاؤں گی۔''

رامین بے حد شدت پسند لڑکی تھی' اس کے جذبے' اس کے احساسات ایسے ہی شدتیں رکھتے تھے۔

اب بھی اس نے بے حد شدت سے اپنے من کی بات کا اظہار کیا تھا۔

رواق نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''ایسا کیوں سوچا کہ میں کبھی تم سے بے وفائی کروں گا؟''

رواق نے بے حد سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

''میں آپ کی بے وفائی کی نہیں! ایک مرد کی بے وفائی کی بات کر رہی ہوں!''

رامین نے ڈریسنگ ٹیبل سے براؤچ اٹھا کر اپنی ساڑھی سے لگا کر اپنی ساڑھی کو پن اپ کرتے ہوئے کہا۔

''مطلب......؟''

رواق نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

رامین دھیرے سے ہنس دی تھی۔

''جیسے ہر انسان...... بچہ' جوان اور بڑھاپے کے دور میں داخل ہوتا ہے۔ ویسے ہی ہر مرد بھی بے وفائی کا دور ضرور چھو کر جاتا ہے!''

''کبھی وہ یکسانیت زندگی کا نام لیتا ہے!''

''کبھی وہ اگنور ہونے کا بہانہ کرتا نظر آتا ہے!''

''کبھی وہ اچانک ہی جانتا ہے کہ کوئی دوسری عورت اس کے وجود کا گمشدہ حصہ ہے۔''

''کبھی وہ مزید آگے بڑھنے کیلئے کسی سیڑھی کو دیکھتا ہے اور کبھی ہمدردی اور سہارا دینے کا بہانہ لیتا ہے! مرد کے پاس ایک شادی کے بعد بھی...... Options ہوتے ہیں' اس لئے وہ ہمیشہ بے وفائی کے دور میں سے ضرور گزرتا ہے!''

رامین نے اپنا تجزیہ پیش کیا تھا۔ وہ بے حد ذہین تھی' اس کے اندر کی شدت کے اپنی زندگی کے تعلق نچوڑ اپنے ہی تھے۔

''رامین......!''

''کیا فرض اور محبت میں کسی ایک کو حصہ دیا جائے تو بے وفائی ہوتی ہے؟''

رواق نے پوچھا تھا۔

''فرض......؟''

''کیسا فرض......؟''

رامین نے پوچھا۔

''ایک انسان کا فرض کہ کسی دوسرے کو سہارا دے کر مدد کرے۔ جیسے کے اللہ نے حکم دیا۔''

رواق نے بے حد صاف لہجے میں کہا تھا۔

''دیکھا...... میں نے کہا تھا نہ کہ مرد ہمدردی کی آڑ میں زیادہ تر بے وفائی کرتے ہیں۔''

رامین نے انگلی اٹھا کر شدت سے کہا تھا۔

''میں تم کو بہت اونچے مقام پر دیکھتا ہوں۔ ہر بات کو سمجھداری سے انصاف سے دیکھنے ''

رواق نے بہت پیار سے کہا۔

''جس بات کو اللہ نے لازم کیا ہو۔ ہم اس سے Deny نہیں کر سکتے۔ اگر ہم Deny کریں گے تو ہم اس کی حکم عدولی کریں گے۔''

رواق نے سمجھایا۔

"رواق......!"

"ایک شادی شدہ مرد ہی کیوں ایسی ہمدردیاں کرے اور ایسے حکم کیلئے دوڑا جائے۔"

"کیا ایک کنوارہ مرد نہیں۔اس اجر سے فیضیاب ہو سکتا؟"

رامین نے بے اٹل اور ٹھوس لہجے میں کہا تھا۔

"رامین ہر شخص کو آزمائش اور ہر کام کیلئے رب کائنات خود چنتی ہے اس کیلئے شادی شدہ ہونا یا غیر شادی شدہ ہونے کا......Designation ہونا ضروری نہیں ہے۔"

"اللہ تو صرف اعمال دیکھ کر Task دیتے ہیں ناں!"

رواق نے بہت اہم اور بڑی بات کی تھی۔

کچھ پل کو تو رامین بھی چپ رہ گئی۔

"میں کچھ نہیں جانتی رواق......!"

"میں تو صرف آپ کو جانتی ہوں!"

"آپ صرف میرے ہیں۔صرف اور صرف میرے!"

رامین نے شدت سے احساس ملکیت جتایا تھا۔

رواق کو ایک دم ایک بڑی مشکل کا احساس ہوا تھا۔

"کیوں میرے ذمہ اللہ اور معاشرے کی کوئی ذمہ داری نہیں ہو سکتی؟"

رواق کا سوال رامین کو بہت ظالمانہ سا لگا تھا۔وہ بری طرح ہرٹ ہوئی تھی۔

"کیا اللہ مجھے اس......Task کیلئے Select نہیں کر سکتے؟"

رواق نے بغور رامین کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اس کے رد عمل کو جاننے کی کوشش کی تھی۔

"اب آپ اللہ کو بیچ میں لا کر مجھے تنگ کریں گے!"

رامین کا موڈ ایک دم آف ہو گیا۔

"رامین اللہ تو ہمیشہ ہمارے بیچ میں رہتا ہے' وہ کہاں کبھی الگ ہوا ہے!"

رواق نے دھیمے لہجے میں اقرار کیا تھا۔

رامین نے بغور رواق کو دیکھا تھا' پھر وہ ایک دم رو پڑی تھی۔

"رواق......آپ کے ارادے اچھے نہیں ہیں!"

مرد اگر محبوب ہو تو عورت کی پوروں پر ہوتا ہے اور اگر وہ محبوب شوہر بھی ہو، تو وہ خون میں ہوتا ہے۔اس لئے اس کے مزاج کی کمی بیشی نمک برابر ہو تو محسوس ہو جاتی ہے۔یہ ہی کچھ ان کے ساتھ ہوا تھا۔اسے عجیب سا احساس اور کچھ عجیب سی بو رواق کی باتوں سے محسوس ہوئی تھی۔

اور یہ سچ بھی تھا۔رواق کی یہ ساری گفتگو کسی اور ٹریک پر بحث کیلئے تمہید تھی۔یہ وہ تو جانتے تھے لیکن رامین بے خبر ہونے کے باوجود بری طرح محسوس کر گئی تھی۔

رواق رامین کے یوں رونے سے ایک دم گھبرا گئے تھے۔

"کم ان یار!"

"میں تو ویسے ہی لوجیکلی بات کر رہا تھا' تم اس کو پرسنل لے بیٹھی ہو!"

رواق کو لگا کہ یہ مناسب وقت نہیں بات کرنے کا' اس لئے وہ فوراً اسے بات کو ٹالنے لگے تھے۔

"رواق......!"

"آپ صرف میرے ہو!"

رامین نے ایک دم روتے روتے کہا تھا۔

"او کے یار!"

"اب یہ آنسو بند کرو اور چلنے کی کرو۔سب مہمان خصوصی کی دیری کی وجہ سے تنگ ہو رہے ہوں گے!"

رواق نے طویل گہری سانس بھرتے ہوئے کہا تھا۔وہ اندر سے اب ویسے فریش بالکل نہ تھے جیسے کچھ دیر پہلے تھے۔بلکہ اک عجیب سی تھکن ان کو گھیرے ہوئے تھی۔

تیری محبت

کیسی

زورآور تھی

کہ

وہ……

قسمت کی لکیروں سے بھی

ٹکرا گئی! کتنی سچی تھی کہ……

نئی تقدیر لکھنے پر

کاتب کو بھی مجبور کر ڈالا۔

لیکن

اب مجھے اتنا بتا کہ

میں

اس دنیاداری میں الجھا ہوا۔

کیسے

تیری محبت کی قدر کروں

کیسے اس کو اون کروں!

رواق نے اس مشکل کو بے حد شدت سے دل پر محسوس کیا تھا۔

پھر وہ طویل سانس بھر کر خود کو پرسکون کرنے لگے۔

اچھا مالک اگر آپ نے مجھے Select کیا ہے' اس ٹاسک کیلئے تو ہمت ان حالات سے لڑنے کیلئے تو ہی دے گا۔

اور اس مسئلے کا حل بھی تو ہی دے گا!

انہوں نے دل ہی دل میں کہا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

دوسری سیٹ پر رامین آ کر بیٹھ گئی تھی۔

جس نے آتے ہی ایک استحقاق بھری نگاہ ان پر ڈالی تھی۔

رواق کو اس وقت مسکرانا منافقت لگ رہا تھا' لیکن وہ بمشکل اپنے چہرے کے تاثرات بحال پائے تھے۔

***

''بشریٰ کدھر جا رہی ہو؟''

بشریٰ کی امی نے عین اسے اس وقت روکا، جب وہ ڈرائیور کے ساتھ بس نکلنے کو تھی۔

''پیاری امی جان بس تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔ ایک بہت اہم کتاب چاہئے۔ بک شاپ پر نام لکھوایا تھا۔ آج کا وعدہ تھا۔''

بشریٰ نے بہت ہی پیار سے ماں سے بات کی تھی۔

''وہ خلاف مزاج اتنی نرمی سے بات کر رہی تھی' کیونکہ وہ نہ چاہتی تھی کہ اس کی ماں اسے کسی بہانے سے روک لے۔ اور اس کا جانا بے حد ضروری تھا۔''

''اچھا ٹھیک ہے' جاؤ اور ذرا جلدی آنا۔ وہ مصدق آ رہا ہے۔ شاید وہ تم سے بھی ملنے پر اڑے۔ تم تو جانتی ہو آج کل کے لڑکے کتنے آزاد خیال ہو گئے ہیں۔ اپنی منگیتر سے ملنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ پابندیاں اور روک ٹوک ان کو بے حد بری لگتی ہیں۔''

بشریٰ کی امی نے نہایت تفصیل سے جواب دیا تھا۔

وہ عام سی عام بات بھی مختصراً نہیں کر سکتی تھیں۔

''جی اچھا!''

بشریٰ آسانی سے جان چھٹنے پر شکر کرتی فوراً گاڑی کی جانب بڑھی تھی۔

''اچھا وہ درزی کی طرف سے بھی ہوتی آنا' تیرے کپڑے دے رکھے ہیں۔ کم بخت موا کا مارا دو ہفتے سے کپڑے لئے بیٹھا ہے۔ اس نے تب تک کام نہیں کرنا جب تک لارڈ بار دو تین بار جا کر یاددہانی نہ کروائی گئی۔''

بشریٰ کی امی نے حسب عادت تفصیل سے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''اچھا جی……!''

بشریٰ نے بیزاری سے اچھا کو لمبا کھینچتے ہوئے کہا تھا اور وہاں سے ایسے بھاگی کہ اگر وہ کچھ دیر وہاں کھڑی رہ گئی تو یقیناً آدھا شہر امی کے زیر بحث آ جانا تھا۔

جیسے ہی گاڑی گیٹ سے باہر نکلی مصدق کی گاڑی اندر آ گئی تھی۔

''ارے مصدق بیٹا!''

''کیسے ہو؟''

''تم تو شام میں آنے والے تھے ناں؟''

بشریٰ کی امی نے آگے بڑھ کر اپنے ہونے والے داماد کا استقبال کیا تھا۔

وہ دراصل امی نے جلدی بھجوایا ہے۔ وہ چاہ رہی ہیں کہ میں اور بشریٰ اکٹھے جیولر کے ہاں جا کر جیولری پسند کریں اور میرے پاس ابھی کا وقت ہے۔ کل تو میں پشاور سے سامان لینے جاؤں گا۔

مصدق لوگوں کا امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس تھا' اس لئے وہ سامان لینے تقریباً ہر ہفتے پشاور جایا کرتا تھا۔

"اچھا!......لیکن......"

"وہ تو ابھی نکلی ہے گھر سے کوئی کتاب وغیرہ لینے۔"

بشریٰ کی امی نے بتایا۔

"ابھی زیادہ دور نہیں گئی ہوگی میں دیکھتا ہوں کہ اگر وہ مجھے مل جائے۔ پھر میرے پا وقت اگلے ہفتے تک کا نہیں ہے۔" مصدق تیزی سے گاڑی واپس موڑ کر لے گیا۔

وہ ابھی سروس روڈ پر ہی تھا کہ اسے سامنے ہی بشریٰ کی گاڑی نظر آ گئی تھی۔

بشریٰ کے ڈرائیور کو سموکنگ کا شوق تھا۔ اس نے رک کر قریبی جنرل سٹور سے سگر خریدے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ مصدق کو ان کی گاڑی نظر آ گئی تھی۔

پھر مصدق نے بارہا کوشش کی کہ بشریٰ کے قریب جا سکے' لیکن بیچ کا ٹریفک اتنا تھا ک سوائے انتظار کے کچھ نہیں کر سکتا تھا کہ بشریٰ کہیں رکے اور پھر جا کر وہ اس سے ملے۔

"ہسپتال؟"

"لیکن یہاں بشریٰ کو کیا کام ہے!"

مصدق نے بیزاری سے سوچا تھا۔ وہ کاروباری آدمی تھا۔ اس کیلئے تو منٹ منٹ بہت ا تھا۔

آنٹی کہہ رہی تھیں کہ بشریٰ کوئی بک لینے گئی ہے۔ اب ہسپتال میں کیا کام آ گیا؟

مصدق بڑبڑاتا تیز تیز قدم اٹھاتا بشریٰ کے پیچھے گیا۔

سامنے کاؤنٹر پر وہ کسی نرس سے بری طرح الجھ رہی تھی۔ پھر وہ ایک دم ہی اندر چلی گ

مصدق جب تک وہاں پہنچا بشریٰ سامنے غائب ہو چکی تھی اور سامنے رائٹ جانب دو وارڈ اور ڈی کا رستہ تھا۔

اب محترمہ کو کہاں تلاش کروں؟

مصدق کو مزید غصہ آیا تھا۔

ایک تو یہ شرلی کی طرح ادھر ادھر گھومے جا رہی ہے۔

مصدق واپس کاؤنٹر کی جانب آیا' جہاں وہ کچھ دیر پہلے نرس سے الجھ رہی تھی۔

"ایکسوزمی سسٹر!"

مصدق نے نرس کو مخاطب کیا، جو مسلسل غصے سے بڑبڑاتی ہوئی فائلز میں سے کچھ تلاش کر رہی۔

"فرمائیں؟"

نرس نے سر جھکائے جھکائے جواب دیا تھا۔

"ابھی ابھی بشریٰ رؤف یہاں آئی تھیں......!"

ابھی مصدق کا سوال پورا نہیں ہوا تھا، کہ نرس نے غصے سے مصدق کو دیکھا تھا۔

"بڑی بے لحاظ اور بدتمیز لڑکی ہے۔ کسی بڑے چھوٹے سے بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ پڑیں اس کی رپورٹ۔ ہم نے کہیں لے کر بھاگ جانا تھا۔ کبھی کبھار چیز اوپر نیچے ہو ہی جاتی ہم بھی تو بندہ بشر ہیں۔ رکھ کر کبھی کبھار بھول ہی جاتے ہیں۔"

پکی عمر کی نرس نے بڑبڑاتے ہوئے رپورٹ مصدق کے حوالے کر دی اور خود بجتے ہوئے پر مصروف ہو گئی۔

مصدق نے رپورٹ تھام لی' جس پر بڑا بڑا بشریٰ رؤف لکھا تھا۔ ساتھ میں گھر کا نمبر اور فون بھی تھا۔

بشریٰ کو کیا مسئلہ ہے؟ بظاہر تو صحت مند گھوم رہی ہے۔ ان لڑکیوں کو نزلہ بھی ہو جائے تو ٹ کروانے کو دوڑتی ہیں۔

مصدق نے رپورٹ کھولتے ہوئے سوچا تھا۔

لیکن جیسے ہی اس نے رپورٹ کھولی اور پھر اس نے بار بار اس رپورٹ کو پڑھا۔ مصدق کے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا۔

"سسٹر یہ رپورٹ بشریٰ رؤف کی ہے ناں؟ جو...... جو ابھی یہاں سے گئی ہیں۔"

مصدق کچھ کنفرم کرنا چاہتا تھا۔

"ہاں جی ان کی ہے۔ یہ پڑی ہے ان کی رسید جو وہ غصہ سے ابھی ابھی پھینک کر گئی ہیں۔ دیکھ لو رسید اور فائل نمبر دونوں ملتے ہیں۔"

سسٹر نے عجلت سے رسید سامنے رکھتے ہوئے کہا تھا۔

مصدق کی آنکھیں خود رنگ ہوگئی تھیں۔

"دھوکہ......!"

"میرے ساتھ دھوکہ......!"

وہ غصے سے پھنکارا تھا۔

ہاتھ میں پکڑی رپورٹ اسے خود پہ ہنستی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

میں تو ان لوگوں کو ایسا مزہ چکھاؤں گا کہ ان کی نسلیں یاد رکھیں گی۔

بہت باعزت بنے پھرتے ہیں ناں!

دوسروں کو دھوکہ دینے کیلئے بہروپ بھرتے ہیں۔

ان کے اصلی چہرے سارے زمانے کو نہ دکھائے تو میرا نام بھی مصدق جمال نہیں۔

مصدق غصے سے دھم دھم پاؤں مارتا وہاں سے نکلا تھا۔

***

مجھے بھولنے سے پہلے
گھڑی بھر کو سوچ لینا
کسی دیوتا کا سر پہ
نہیں سایۂ آسماں میں
کوئی گھر نہیں ہے میرا
کسی بے اماں گھڑی میں
جو مجھے امان دے دے
میں اسی زمیں سے پھوٹی
اسی خاک میں چھپوں گی

مرے پیار کا ترانہ
مرے سچ کا ترجماں ہے
کھلے پانیوں کا جادو
کہ ہواؤں کا نشہ ہے
مرا حسن بکھراں ہے
مگر اتنا یاد رکھنا
مرے ہونے کی گواہی
کوئی بھی نہ دے سکے گا
کہ تمہاری اپنی آنکھوں
سے مرا پتہ ملے گا
مجھے دل میں قید رکھا
تو ابد کا راستہ میں
اگر ایک بار کھوئی
تو فنا مرا مقدر
کہ میں موج وقت جیسی
ابھی ہوں، ابھی نہیں ہوں
میں شکنتلا نہیں ہوں

"ہیلو ڈاکٹر دیپا کیسی ہیں آپ؟"

"ارے جناب آپ تو عید کا چاند ہوگئیں۔ اتنی چھٹیاں کس لئے لی تھیں؟"

ڈاکٹر پروین اور ڈاکٹر طلعت نے ڈاکٹر دیپا پروانی کو دیکھتے ہی کئی سوال کر دیئے تھے۔

زندگی کچھ موڑ دکھانے پہ مصر تھی۔ بس اسے راضی کر رہے تھے کہ ہم کہاں دشوار گزار موڑوں سے گھائل ہیں! اس کے سامنے ہاتھ باندھے کہ بی بی کمزور لوگ ہیں۔ ڈاکٹر دیپا کا چہرہ کسی بھی زندگی اور شکوے کے تاثر کے بغیر تھا۔

"اف توبہ آج تو لال مرچی مصری کی ڈلی کی طرح کیسے ہوگئی۔ دیپا تو تو گرجتی برستی اچھی

لگتی ہے! ویسے تیری طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

دیپا کا خلاف مزاج وہیں کھڑے رہنا اور کچھ نہ کہنا سب کو حیران کر گیا تھا۔

"یا اللہ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

ڈاکٹر طلعت اپنی حیرانگی چھپا نہیں پائی تھیں۔ دیپا کا مزاج تو ہمیشہ بھڑکتی آگ جیسا تھا، آج اس بھڑکتی آگ میں پانی کس نے ڈال دیا تھا۔

"سب کچھ اللہ ہی کرتا ہے اور اللہ بہترین ہی کرتا ہے ناں!"

ڈاکٹر دیپا کے منہ سے یہ بات سن کر سب ڈاکٹرز کا حیران ہونا ضروری تھا۔

"دیپا آج ہمارے خدا کا نام ہمارے منہ پر ہے' ایسا کہتے تمہارا مذہب آئی مین دھرم بھرسٹ نہیں ہوگا؟"

ڈاکٹر پروین اپنی عادت کی وجہ سے طنز کیے بغیر نہ رہ سکیں۔

"ڈاکٹر پروین!"

"خدا تو سب کا ایک ہی ہوتا ہے ناں!"

"تیرا میرا کسی ایک کا خدا نہیں ہے' وہ سب کا خدا ہے۔"

ڈاکٹر دیپا نے اس قدر مضبوط لہجے میں کہا کہ باقی سب ڈاکٹرز کے پاس مزید کچھ کہنے کو نہ تھا۔

"لو وہ آ گئے!"

ڈاکٹر منزہ نے سامنے کی جانب اشارہ کیا۔

"لو شکر ہے کپل آف ایوننگ تو آئے ورنہ تو پیٹ میں چوہوں کی دو تین ریس آل ریڈی لگ چکی ہیں اور مزید کی ہمت نہیں ہے!"

ڈاکٹر فواد نے سامنے آتے ہوئے ڈاکٹر رواق اور رامین کو دیکھ کر کہا تھا۔

ڈاکٹر دیپا نے بے حد سکون سے ڈاکٹر رواق کو رامین کے ساتھ دیکھا تھا۔ پہلے ڈاکٹر رواق کے ساتھ کسی لڑکی کا نام بھی آ جاتا، تو ڈاکٹر دیپا جنگلی بلی بن کر ڈاکٹر رواق اور اپنی قسمت سے لڑنے بیٹھ جاتی تھیں، لیکن آج اندر تک وہ شانت تھی!

یہ سکون اسے کچھ پانے کی وجہ سے تھا۔ پہلے وہ بے سکون تھی، تو کھونے کے ڈر کی وجہ سے

لیکن آج اس نے دنیا کی سب سے بڑی طاقت کو پا لیا تھا۔ اس لئے اسے اب کچھ کھونے کا ڈر نہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ رامین کو ڈاکٹر رواق کے ساتھ دیکھ کر بے حد نارمل تھی۔

"السلام علیکم!"

ڈاکٹر رواق نے باری باری سب سے ملتے بآواز بلند سب کو مشترکہ سلام کیا تھا۔

"واؤ......!"

"ویری نائس کپل......!"

"رئیلی میڈ فار ایچ ادر!"

یہ مختلف کمنٹس تھے جو رامین سن کر ساتویں آسمان پر تھی۔ ایک بے حد شاندار مرد صرف اور اس کا تھا۔ اس کا حوالہ تھا۔

رامین کو یہ سب کچھ اچھا محسوس ہو رہا تھا۔

"اوہ ہیلو!"

"آپ ڈاکٹر دیپا ہیں ناں؟"

رامین نے جوس کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتی دیپا سے پوچھا تھا۔

"واہ!"

"آپ کی یادداشت تو بہت اچھی ہے۔" دیپا نے رامین کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ پھر اس کی ساڑھی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں!" ایسا کہتے ہوئے دیپا کے لہجے میں بے حد سچائی تھی۔ وہ حیران تھی کہ سامنے اس کی سوکن کھڑی تھی' جس کی دل آزاری کے خیال سے ابھی تک ڈاکٹر رواق نے اس کا حق نہ دیا تھا، لیکن اسے کچھ برا نہ لگ رہا تھا۔

"شکریہ!"

رامین نے کچھ شرما کر تعریف وصول کی تھی۔

"آپ بھی کم نہیں لگ رہیں' واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے حد فرصت سے بنایا ہے' آپ پر کس قدر اچھا لگ جاتا ہے۔"

رامین نے سلک کے مسٹرڈ پاجامے کے ساتھ بلیک کلر کا فراک پہنے ہوئے دیپا کو دیکھا تھا۔

جواباً دیپا عجیب سی ہنسی ہنس دی تھی۔ آپ کے سامنے ہمارا چراغ نہیں جلتا رامین بی بی۔ دیپا نے کہا۔

رامین کو دیپا کا جواب بہت عجیب سا لگا تھا۔ وہ اس کی تعریف کر رہی تھی، جبکہ دیپا نہ جانے کیوں اسے اور خود کو Compare کرنے لگی تھی۔

"برا مان گئیں؟"

"سوری......!"

"میری عادت ہی ایسی ہے، ہر سچ بات منہ پر کر ڈالتی ہوں۔"

ڈاکٹر دیپا نے فوراً سے معذرت کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اٹس او کے!"

جواباً رامین نے کہا تھا۔

"دراصل میں تو قسمت کی بات کر رہی تھی۔"

"آپ کی قسمت بہرحال میری قسمت سے کہیں بھاری ہے۔"

ڈاکٹر دیپا کی ہنسی رامین کو عجیب سی لگی تھی۔

یہ لڑکی اسے ایسا کیوں کہہ رہی ہے؟

رامین اندر ہی اندر الجھنے لگی تھی۔ رامین نے جاتے جاتے بھی دیپا پر ایک بھرپور نظر ڈالی تھی۔ اس کے حسن کے اندر جو سوز تھا، وہ بہت پرکشش اور چونکا دینے والا تھا۔

"یہ قسمت کی بات کیوں کر رہی تھی۔ اور......"

"اور میرا اس کا کیا مقابلہ......؟"

دوران کھانا بھی رامین مسلسل سوچ میں رہی تھی۔

ڈاکٹر رواق آپ نے کیا اچھی قسمت پائی ہے کہ اتنی اچھی بیوی پائی ہے۔

رامین کو مسلسل ڈاکٹر رواق کو کھانا پاس (Pass) کرتے ہوئے دیکھ کر ڈاکٹر حامد نے کہا تھا۔

"کیوں ہم کیا کم اچھے ہیں؟"

ڈاکٹر رواق نے ڈاکٹر حامد کی بات کا جواب دیا تھا۔

"میں تو بھئی یہ کہوں گی کہ رامین جی کی قسمت ڈاکٹر رواق تھے اور ایسے ہیرا آدمی تو قسمت بنا دیتے ہیں۔" ڈاکٹر طلعت نے کہا تھا۔

رامین نے ڈاکٹر طلعت کی بات پر چونکتے ہوئے ڈاکٹر رواق کا مسکراتا چہرہ دیکھا تھا۔

"قسمت......؟"

"مطلب......؟"

"رواق......!"

"مطلب......!"

"وہ ڈاکٹر دیپا......رواق کے متعلق بات کر رہی تھی۔"

"اوہ مائی گاڈ......!"

"وہ میرے ہی شوہر میں دلچسپی رکھتی ہے! رامین جیسی ذہین لڑکی فوراً سے اصل بات تک پہنچ گئی۔"

"میرے خدا......!"

"اس لڑکی کی ہمت تو دیکھو......! کیسے......کیسے میرے ہی سامنے ذومعانی باتیں بناتی رہی! یکٹ......ان ڈائریکٹ میرے ہی شوہر سے مخاطب رہی اور......اور میں جان ہی نہ پائی!"

رامین کو ایک دم سے بے حد افسوس لگا تھا۔

"رامین......رامین......!"

ڈاکٹر رواق نے اسے ٹہوکا دیا تھا۔

"یار کدھر ہو؟"

"ہم کب سے تمہارے متعلق باتیں کر رہے ہیں اور تم جانے کہاں غائب ہو۔" ڈاکٹر رواق نے سرگوشی میں پوچھا تھا۔

"سوری رواق......!"

رامین نے خلاف عادت فوراً سے پہلے سرنڈر کیا تھا۔

"اٹس او کے یار......!"

رواق نے حسب عادت بڑے دل کا مظاہرہ کیا تھا۔

اسی پل گیٹ کیپر نے آ کر رواق سے گاڑی سائیڈ پر کرنے کو کہا' کیونکہ کسی اور کی گاڑی وہاں پھنسی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر رواق گاڑی کی چابی لے کر باہر نکلے۔ سامنے گیٹ پر ڈاکٹر خدیجہ کھڑی تھیں۔

''میری گاڑی اور میری سہیلی کی زندگی آپ کی وجہ سے پھنسی پڑی ہے۔ امید ہے کہ آپ جینٹل مین کی طرح Behave کریں گے۔'' ذومعانی انداز میں ڈاکٹر خدیجہ نے کہا۔

''میں ذرا اپنی چادر اندر سے لے آؤں!''

ڈاکٹر خدیجہ ڈاکٹر رواق کو باہر کی طرف اشارہ کر کے اندر چلی گئیں۔

تیز ہوا کے جھونکے ڈاکٹر رواق کے بالوں کو ماتھے پر لے آئے تھے' وہ ایک ہاتھ سے اپنے بال سنوارتے باہر کی جانب بڑھے تھے۔

سامنے چکنی سڑک پر لگے بڑے بڑے لیمپ پوسٹ کی روشنی میں وہ ایک روٹھی رات کی طرح تنہا لڑکی کو گم سم دیکھ سکتے تھے۔

اس کا بڑا سا دوپٹہ اور کپڑے ہوا میں پھڑ پھڑا رہے تھے۔ اس کے بال شرارتی ہوا نے بکھیر کر اس کے سینے پر پھیلا دیئے تھے اور ان کے اندر چاند سا چہرہ اداس آنکھیں لئے کھویا کھویا کھڑا تھا۔ ڈاکٹر رواق کسی لمحے کے زیر خود کو محسوس کر رہے تھے۔

جب تک کوئی رشتہ نہ تھا، اس لڑکی سے دکھ محسوس نہ کرتے تھے اور آج جب ان کے درمیان بے حد بڑا اور مضبوط رشتہ تھا۔ وہ کسی مقناطیس کی طرح اس کی جانب کھنچتے چلے گئے تھے۔

وہ اس کے بے حد قریب چلے گئے اور ہاتھ بڑھا کر اس کی پریشان زلفوں کو سنوار کر پیچھے کیا تھا۔

دونوں کا نظروں کا تصادم ہوا تھا۔

یوں جیسے کوئی چیز دونوں کو اپنی ہی جانب اپنے ہی اندر کھینچ رہی تھی۔ وہ دونوں شاید اس دنیا میں نہ کھڑے تھے۔ آدم کے سامنے اس کی حوا کھڑی تھی۔

آدم جس کو جنت اپنی حوا کے ساتھ ہی چاہئے تھی۔ رواق کا لمس جادو اثر تھا۔ رواق کی انگلیاں ڈاکٹر دیپا کے چہرے کو چھو رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے دیپا کے من کی برف کی سل پگھل گئی تھی!

ڈاکٹر دیپا ایک دم تڑپ کر رواق کے سینے سے جا لگی تھی۔

ڈاکٹر رواق نے اسے اپنی آغوش میں چھپا لیا تھا۔

''مریم!''

ڈاکٹر دیپا کے کانوں کے پاس ان کے گرم سانسوں کے ساتھ گھمبیر آواز کے ساتھ اس کا نام قیامت ہو گیا تھا۔

اپنائیت کا یہ احساس مریم کو اندر تک بے قرار کر گیا تھا۔ عورت کی ازل کی طلب منہ کھول کر ای ہو گئی تھی۔

''کیوں ایسے یہاں کھڑی تھیں؟'' ڈاکٹر رواق کو ایک ہی لمحہ لگا تھا خود کو سنبھالنے کیلئے۔ ں نے اسے الگ کر کے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے پوچھا تھا۔ جواباً مریم چپ نظروں سے بس دیکھتی رہی تھی۔

کچھ وقت اپنا قیمتی ہم کو جناب دو گے
پوچھیں جو تم سے بات کوئی جواب دو گے
ہم دیکھنے لگے ہیں پھر تیرے خواب آج کل تو
تعبیر پانے کا بھی ہمیں ارتکاب دو گے
پوچھا اگر کسی نے کہ ہم کون ہیں تمہارے
رشتوں کی انجمن میں ہمیں کیا خطاب دو گے
ہم سونپ دیں اگر تجھے جاں سے بھی پیارا من تو
بدلے میں دوریوں کا تو نہ تم عذاب دو گے
جیون سفر میں تیری ضرورت جو پڑ گئی ہے
بولو کہ ہاتھ تھامو گے یا کہ سراب دو گے

پاس ہی سے ایک فقیر گلی کی نکڑ میں نمودار ہوا تھا۔

اللہ ہو!

اللہ ہو!

حق اللہ......بس اللہ تو ہی تو......!

اس کی لاٹھی کے ساتھ بندھی گھنٹی' زمین پر لاٹھی لگنے سے زور سے بج اٹھی تھی۔

مریم اور رواق دونوں جیسے ہوش میں آئے تھے۔

پرندہ فانی اڑ گیا تھا اور لافانی اپنی حقیقت کے ساتھ سامنے کھڑا تھا۔

''میں چکر لگاؤں گا!''

ڈاکٹر رواق نے اپنے لہجے میں واپس آتے ہوئے کہا تھا۔

''ہوں!''

مریم نے سر جھکا کر کہا۔

''اوکے میں چلتا ہوں۔''

ڈاکٹر رواق نے گاڑی دوسری جانب کھڑی کر کے اندر جانے کی اجازت لی۔

''جی!''

مریم اب بھی مختصر اً بولی تھی۔

ڈاکٹر رواق جیسے ہی اندر کی طرف بڑھے ان کے قدم ایک دم سے تھم گئے تھے۔

سامنے رامین سرخ آنکھوں کے ساتھ اور چہرے پر ڈھیر ساری بے یقینی لئے کھڑی تھی۔

اور جس قدر بے یقینی اور سوال اس کی آنکھوں میں تھے۔

ڈاکٹر رواق کو لگا کہ ان کے پاس کسی بھی قسم کی وضاحت اور یقین اسے دینا بیکار جائے گا' کیونکہ انہوں نے رامین کی آنکھوں میں ایک اور احساس پڑھا تھا۔

وہ ڈاکٹر رواق کو بے حد پریشان کر گیا تھا۔ انہیں لگا تھا کہ وہ رامین کو کھونے جا رہے ہیں۔

اس کھونے اور پانے کے کھیل میں ان کو سارے Loss اپنے ہی کھاتے میں نظر آ رہے تھے۔

***

''اشفاق ایک بار سوچ لو!''

اشفاق کی امی نے اسے اصرار کیا تھا۔

''امی مجھے جانے دیں......!''

''میرا دل اب یہاں نہیں لگتا۔''

اشفاق نے نہایت بے بسی سے کہا تھا۔

''امی جانے دیں بھائی کو اتنی اچھی نوکری تو قسمت سے ملتی ہے۔ آپ اس نوکری سے بالوں کی ریل پیل دیکھیں گی اور ہمارے بھی برے دن اچھے دنوں میں تبدیل ہو جائیں گے۔''

اشفاق کی بڑی بہن جو سکول کی نوکری سے اڑھائی سالوں میں تھک گئی تھی۔ اسے اشفاق کے باہر جانے کی صورت میں اپنی مشقت ختم ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس لئے گھر میں سب سے زیادہ وہ اشفاق کے باہر جانے کے فیور میں تھی۔

''سب کچھ پیسہ ہی نہیں ہوتا ہے بیٹا!''

اشفاق کی امی نے کہا۔ اشفاق ان کا اکلوتا بیٹا تھا' اس لئے وہ اس کے جانے کا سن کر بہت تڑپ تھیں۔

''نہیں امی......!''

''پیسہ ہی سب کچھ ہوتا ہے۔ ایک پیسے اور خوشحالی کی رونق بدصورت کو بھی روپ عطا کر دیتی ہے۔ کہ اسے دنیا پسند کرنے لگتی ہے۔''

''پیسہ انسان کو اچھی محبت بھی دلوا دیتا ہے!''

اشفاق نے ٹوٹے کانچ جیسی ہنسی ہنستے ہوئے کہا تھا۔

اشفاق کی امی نے حیرت سے اشفاق کو دیکھا تھا۔

اس ایکسیڈنٹ کے بعد ان کا بیٹا کس قدر بدل گیا تھا۔

ہر وقت چہکنے والا اشفاق اب کس قدر سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''اشفاق بیٹا مجھے بتاؤ تمہیں کوئی بات تنگ کر رہی ہے؟''

''میں تمہاری ماں ہوں اور ماں سے کیا پردہ؟''

اشفاق کی امی نے پیار سے کہا تھا۔

اشفاق نے اپنی ماں کی جانب یک ٹک دیکھا۔ کس قدر نرم اور ہر چیز کو ہر بات کو ڈھانپنے والی تھی اس کی ماں۔ ماں کی آغوش بچہ ہو یا بڑا دونوں ہی کیلئے ایک ہی جیسی نرم اور خود بھی جذب کرنے والی ہوتی ہے۔ لیکن اشفاق زندگی میں جو ایک بہت بڑی غلطی کر بیٹھا تھا' وہ بات تو وہ اللہ سے بھی چھپانا چاہتا تھا۔

''کچھ نہیں ہے پیاری ماں!''

''میرے لئے بس دعا کر دیا کریں کہ اللہ مجھ سے راضی ہو جائے۔''

اشفاق کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا' جبکہ اشفاق کی امی فکرمندی سے اسے جاتا دیکھتی رہیں۔

''امی آپ کیوں پریشان ہیں؟''

اشفاق کی بہن نے ماں کو پریشان دیکھ کر پوچھا تھا۔

''یہ...... کوئی بات مجھ سے چھپا رہا ہے۔'' اشفاق کی امی نے کہا۔

''کیا امی آپ کو تو وہم ہو رہا ہے۔''

اشفاق کی بہن نے ماں کی بات کو ٹالا تھا۔

''نہیں بیٹا ایک ماں ہی کا دل اپنے بچے کے دل کی ان کہی سن سکتا ہے اور میرا دل کہتا ہے کہ کچھ نہ کچھ ہے ضرور۔''

اشفاق کی ماں نے کہا تھا۔

''آپ بس دعا دے دیا کریں امی۔''

''اگر کوئی پریشانی ہے بھی تو یہ پریشانیاں ماں کی دعا سے ٹل جاتی ہیں۔''

اشفاق کی بہن نے ماں کو تسلی دی تھی۔

''اللہ کرے بیٹا کہ میرے بچے کو کبھی دکھ نہ جھیلنا پڑے۔'' اشفاق کی امی نے تہہ دل سے

رتے ہوئے کہا تھا۔

***

''ارے مصدق بیٹا!''

''کیسے ہو تم؟''

''آج اتنی صبح......؟ خیریت تو ہے ناں؟''

بشریٰ کی امی کو ملازمہ نے آ کر بتایا تھا کہ مصدق صاحب آئے ہیں۔ بشریٰ کی امی کو صبح بارہ بجے تک سونے کی عادت تھی۔ ان کیلئے نو ساڑھے نو کا وقت واقعی بہت صبح سویرے کا تھا۔

''خیریت......؟''

''ہونہہ......!''

مصدق کے بجائے اس کی والدہ نے جواب دیا تھا۔

بشریٰ کی امی نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

''ارے سمدھن جی......!''

''آپ بھی آئی ہیں۔ حیرت ہے مجھے ملازمہ نے بتایا ہی نہیں۔''

بشریٰ کی امی نے چونک کر کہا تھا۔

ساتھ ہی ان کو کسی غیر معمولی پن کا شدت سے احساس ہوا تھا۔

''خیریت ہوتی تو ہم کیا اس وقت آتے!''

بشریٰ کی امی نے پریشانی سے مصدق کی ماں کو دیکھا تھا' جن کی آنکھوں تک کا رنگ بدل کر گیا تھا۔

''سمدھن جی بتایئے تو سہی کہ آخر بات کیا ہوئی؟''

''آپ...... اتنی خفا کس بات پر ہیں؟''

بشریٰ کی امی کی ساری نیند بھک سے اڑ چکی تھی۔

''آپ پہلے تو ہم کو دھوکہ دیتی ہیں اور اس پر پوچھتی ہیں کہ ہم کس بات پر خفا ہیں؟''

مصدق کی ماں کا لہجہ خونخوار ہو رہا تھا۔

''خدا کی پناہ شادی کے کارڈ چھپ گئے بٹ بھی گئے اور اب یہ......!''

مصدق کی ماں کا غصے سے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی اس نے ایک کاغذ بشریٰ کی امی کی

طرف کر دیا۔

''یہ...... کیا ہے؟''

بشریٰ کی امی نے اسے پکڑنے سے پہلے دریافت کیا تھا۔

''اتنی تو آپ پڑھی لکھی ہیں کہ اس کے اندر موجود الفاظ اور معانی آپ کو بھی سمجھ میں آ جائیں گے۔''

مصدق کی ماں نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا اور رپورٹ بشریٰ کی ماں کو تھما دی تھی۔

بشریٰ کی امی نے رپورٹ کھول کر پڑھی، ایک بار دو بار تین بار خود ان کے اپنے بھی اوسان خطا ہو گئے تھے۔

''یہ سب جھوٹ ہے! میری بچی پر بہتان ہے!'' وہ بے اختیار چلائی تھیں۔

جواباً مصدق نے کل کی ساری گفتگو ان کو سنا دی تھی اور جو کچھ اس نے دیکھا وہ بتا دیا تھا۔

بشریٰ کی امی کے تو ہاتھوں پیروں سے جان نکل رہی تھی۔

''بلایئے اپنی بیٹی کو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔''

مصدق نے گستاخی سے کہا۔

بشریٰ کی امی نے ملازمہ کے ہاتھ بشریٰ کو نیچے بلایا، تو بشریٰ کے ساتھ ہی سدرہ آپی بھی نیچے آ گئیں۔

''امی کیا بات ہے؟'' سدرہ نے پوچھا۔

جبکہ بشریٰ رات بھر الٹیاں کرنے کی وجہ سے اتنی زیادہ نقاہت زدہ تھی کہ اس سے بولنا بھی مشکل تھا۔ وہ تو بس خود کو گھسیٹ کر یہاں تک لائی تھی۔

''یہ......!''

بشریٰ کی امی نے رپورٹ سدرہ کے ہاتھ میں تھما دی اور خود رونے لگیں۔

''یہ...... سب جھوٹ ہے!''

سدرہ آپی نے مصدق سے کہا۔

بشریٰ نے چونک کر سدرہ آپی کے ہاتھ میں پکڑا کاغذ دیکھا تھا۔

اس کا رنگ فق ہو گیا تھا، روزِ قیامت کیسے حساب سامنے آئے گا۔ بشریٰ کو اندازہ ہو گیا تھا۔

بشریٰ یہ رپورٹ ہے، اس میں لکھا ہے کہ تم پریگنینٹ ہو۔

''ان کو بتاؤ کہ یہ جھوٹ ہے۔'' سدرہ آپی نے بشریٰ کا ہاتھ تھام کر کہا۔

جواباً بشریٰ کو زور کا چکر آیا تھا اور وہ لہرا کر گری تھی۔

سنبھالیے اپنی صاحبزادی کو اور اس کے کرتوتوں کو بھی، ہماری جانب سے اس رشتے سے

ہارہے۔

''توبہ استغفراللہ ایسے لچھن ہوتے ہیں شریف زادیوں کے......؟''

''شکر اللہ کا کہ اس گناہ کو ہم اپنے گھر نہیں اٹھا کر لائے۔''

مصدق کی ماں تن فن کر باہر نکل گئیں۔ جبکہ بشریٰ کی امی کی ٹانگوں سے بری طرح جان نکلی تھی۔ ان کے اندر تو اتنا حوصلہ بھی نہ تھا کہ بے ہوش بشریٰ کو دیکھ سکتیں۔

''یہ...... یہ سب کیا ہے؟''

''اے اللہ...... یہ سب کیسے ہو سکتا ہے؟''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

***

کمرے میں بے حد خاموشی تھی۔ کمرے میں تین عدد لوگ موجود تھے، لیکن تینوں اتنے خاموش تھے، کہ یوں لگتا تھا وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز واضح تھی۔ بالآخر اس خاموشی کو رواق نے توڑا تھا۔

''میں کس قدر گنہگار ہوں، سب آپ کے سامنے ہے، لیکن میری سزا سنانے سے پہلے آپ برائے مہربانی میری نیت کو ضرور دیکھئے گا۔ مجھے اگر دیپا سے پہلے کوئی دلچسپی ہوتی، تو میں رامین سے پہلے ہی اس کا انتخاب کرتا۔''

رواق نے سنبھل سنبھل کر ٹھہر ٹھہر کر جواب دیا تھا۔

بیبا کے اندر مختلف سوال بن اور ٹوٹ رہے تھے۔

''یہ وہ ہی لڑکی ہے ناں...... جو ہماری شادی کے روز بیمار پڑ گئی تھی۔''

بیبا کے لہجے میں شک بے حد نمایاں تھا۔ ڈاکٹر رواق کو کبھی کسی کے سامنے پروا نہیں ہوئی تھی، کہ کوئی اس کے متعلق کیا سوچتا ہے، لیکن یہ اس کی ماں تھی، جو اسے سب سے زیادہ پیاری اور عزیز تھیں اور ان کے متعلق ان کی رائے کیا ہے، یہ ان کیلئے اہم تھا۔ اس لئے ڈاکٹر رواق نے تفصیلاً ساری بات کہہ سنائی کہ کن حالات کی وجہ سے اسے دیپا پروانی سے نکاح کرنا پڑا تھا۔'' کیا

آپ کو خوش نہیں ہونا چاہئے کہ آپ کا بیٹا اللہ کے نام کی خاطر رسک اٹھا گیا تھا۔''

ڈاکٹر رواق نے بیبا کا ہاتھ تھام کر پوچھا تھا۔

''اور رامین......؟''

''اس کا کیا کرو گے؟'' بیبا نے گہرا سانس بھرتے ہوئے پوچھا تھا۔ جب سے رواق کی شادی ہوئی تھی پہلے ہی روز سے کچھ نہ کچھ مسلسل ہو رہا تھا۔ اس لئے اب وہ زیادہ پریشان تھیں کہ رواق اور رامین ابھی تک ایک دوسرے کے کٹہرے سے نہیں نکل پا رہے تو وہ کیسے اور کب اکٹھے زندگی کا سفر طے کریں گے۔

ایک تکلیف دہ سوالیہ نشان ان کے سامنے منہ بسور کر کھڑا تھا۔

''وہ میری زندگی کا اہم حصہ ہے!''

''اور حصے کبھی الگ نہیں ہوتے' ہمیشہ جڑے رہتے ہیں!''

رواق کے لہجے میں سچائی بے حد نمایاں تھی۔

''لیکن وہ تم سے ناراض ہے' بدگمان ہے! اس کو کیسے ہینڈل کرو گے؟''

باؤجی نے بے حد نرم لہجے میں پوچھا تھا! اس کا مطلب تھا کہ ان کو اس کے اس قدم پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ رواق کو اندر سے ان کے رویے پر سکون حاصل ہوا تھا۔

''بیبا میں زندگی کی ہر لڑائی لڑ سکتا ہوں، بس آپ کا ساتھ اور آپ کی دعا کا شامل ہونا شرط ہے!''

رواق نے محبت سے ان کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

''میری ماں مجھ سے ناراض تو نہیں ہے ناں......!''

رواق نے بیبا کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

بیبا نے رواق کو بغور دیکھا تھا۔

رواق کے پیدا ہونے سے لے کر اب تک کی زندگی ساری کی ساری ان کی آنکھوں کے سامنے کسی ریل کی طرح گھوم گئی تھی۔ ہر بار اس کی تابعداری' اس کی محبت سامنے آئی تھی۔

آج تک اس نے کبھی ایسا کوئی کام نہ کیا تھا، جو ان کی دل آزاری کا باعث بنا ہو۔

یہ سارے پل کسی ریلے کی طرح ایک کے بعد ایک ان کے اندر کی ساری ناراضگی اور شکوے کو دھو گئے تھے۔

انہوں نے رواق کو دیکھا، جو بے حد منتظر نظروں سے ان کو ہی دیکھ رہا تھا۔ ہم ساری مائیں عمر اپنے بچوں کو اچھائی' اچھائی کا سبق پڑھاتی آتی ہیں۔ ہمارے اندر شاید اچھائی کا وہ پیمانہ جتنے کی ہم ان کو اجازت دیتی ہیں۔ لیکن اگر وہ ہمارے بتائے سے زیادہ کر جائیں تو ہم کو اچھائی میں بھی برائی نظر آنے لگتی ہے۔

میرے دل کو بھی کچھ ایسا محسوس ہوا تھا۔ بیبا نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔ پھر طویل ...الے کر گویا ہوئیں۔

''لیکن باؤجی کیا ہمارے ایسا محسوس کرنے سے اچھائی اپنی شکل بدل لے گی؟''

بیبا نے بہت بڑا دل کر کے ساری بات خود پر لی تھی۔ ہم اولاد کو مان دے کر مان حاصل ...تے ہیں۔ میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں! انہوں نے کہا تھا تھینک یو بیبا!

آپ دنیا کی سب سے اچھی ماں ہیں!

رواق نے ان کے ہاتھ پر بوسہ لے کر کہا تھا۔

''ہم مریم کو آن (قبول) تو کریں گے لیکن میں چاہتی ہوں کہ رامین اپنے دل سے اپنی ...ے مریم کو قبول کرے۔ اس لئے تم رامین کو ہر صورت میں مناؤ۔'' بیبا نے مسئلے کا حل بھی Step بائے Step رواق کو بتایا تھا۔

''انشاء اللہ بیبا!''

رواق نے اندر سے ہلکے پھلکے ہوتے ہوئے کہا تھا۔

لیکن وہ نہ جانتا تھا کہ زندگی کے کچھ موڑ آگے راستہ نہیں رکھتے۔ اسی لئے تو ایسے موڑوں کی ...ے منزل ہمیشہ دور رہ جاتی ہے۔

***

''تم ٹھیک نہیں کر رہی رامین......!''

رامین نے غصے سے کہا تھا، کیونکہ وہ کسی کی بات سننے پر تیار نہ تھی۔

''زندگی میں اتنا کچھ غلط ہو چکا ہے کہ اب مجھ سے بھی کچھ ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ اور پلیز تم...... از کم مجھے اپنی نصیحتوں سے معاف رکھو۔''

رامین نے زچ ہو کر درخواست کی تھی' اور اپنا بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی تھی۔ رامین گھر میں رہتی ...ہو ہر پل کسی نہ کسی بہانے اسے صلح کیلئے قائل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔ ریڈیو آفس

واحد اس کی جائے پناہ تھی۔ اس لئے اس نے آفس آنا جانا بند نہ کیا تھا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس کی ہنسی اور حسین صورت کے پیچھے کس قدر دکھ موجود تھا۔

***

"کیا ہوا ہے آنی......؟"

"کیوں رو رہی ہیں؟"

روید نے لان میں بیٹھی رابعہ سے دریافت کیا تھا۔

"روید......اظہر کا کچھ پتا نہیں ہے دو دن سے وہ گھر نہیں آئے۔"

آنی نے سسکتے ہوئے کہا تھا۔

"تو آپ اب بتا رہی ہیں!"

روید نے پریشانی سے کہا۔

"میں...... میرا خیال تھا کہ وہ شاید کسی دوست کے ہاں ہوں گے۔ اس لئے میں نے......!"

آنی بات ادھوری چھوڑ کر دوبارہ رونے میں مصروف ہو چکی تھیں۔

"آنی پلیز رونا تو بند کریں۔"

روید نے جھنجلا کر کہا۔

"آپ خود تو ان سے کنسرن کوئی رکھتی نہیں۔ ورنہ ایک شخص گزشتہ اڑتالیس گھنٹے سے غائب ہے اور آپ کا ردعمل اب شروع ہوا ہے۔ آنی مائنڈ نہ کریں' ان کا رویہ اگر مشکل تر ہے تو آپ کا خود کا رویہ مشکل ترین ہے۔"

"آپ ان کے ساتھ شریک زندگی کا رویہ کبھی نہیں رکھتی ہیں' آپ کا رویہ ہمیشہ ان کے ساتھ ایسا ہوتا ہے جسے Oposite pole میں کھڑے دشمن کے ساتھ ہوتا ہے۔"

روید نے اتنی کم عمری کے باوجود بہت ٹھیک ٹھیک Analyse کیا تھا۔

آنی حیرت سے سب کچھ رونا دھونا بھول کر بس روید کو حیرت سے تکے جا رہی تھیں۔ وہ کل کا بچہ جس کو وہ گودوں میں کھلایا کرتی تھیں۔ ان سے زندگی کے مسائل پر عملی اپروچ رکھتا تھا۔

واقعی دو دن تک ان کو اظہر کی گمشدگی بالکل ڈسٹرب نہ کر سکی تھی' لیکن آج پہلے دن ان کو محسوس ہوا کہ کچھ غلط ہو چکا ہے۔

وہ نہ تو تھیٹر جا سکے تھے اور نہ ہی ریہرسل کیلئے الحمرا گئے تھے اور نہ ہی تھیٹر کے سازندوں کے تھے جہاں عموماً وہ رات گزارا کرتے تھے۔ اس لئے اب رابعہ پریشان تھیں کہ آخر کہاں گئے ہوں گے اظہر؟

"اچھا اب آپ پریشان نہ ہوں' میں بھائی میاں کو ہسپتال فون کرتا ہوں کہ وہ گھر آ جائیں' پھر ان کو ڈھونڈنے نکلتے ہیں۔" روید نے ان کو تسلی دی اور خود اندر کی جانب رخ کیا تھا تاکہ وہ ان کو فون کر سکے۔

ساتھ ہی ساتھ اس کے دماغ میں مسلسل چل رہا تھا کہ آخر اظہر انکل کہاں جا سکتے ہیں؟

***

بشریٰ کی امی بشریٰ کو ایسے دیکھ رہی تھیں جیسے وہ نظروں ہی نظروں میں اسے ختم کر ڈالیں گی۔

"اس گناہ میں تمہارے ساتھ کون شامل تھا؟"

انہوں نے سرسراتے لہجے میں پوچھا تھا۔

"امی مجھے معاف کر دیں!"

بشریٰ نے ایک دم سے سسک کر ان کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔

"مر گئی تیری ماں......!"

"اب تو بھی میرے لئے مر گئی!"

"مجھے بس اپنے ساتھ گنہگار کا نام بتا، تاکہ میں تیرے جنازے کو وہاں پہنچا سکوں، تاکہ ہماری کچھ عزت بچ سکے۔"

بشریٰ کی امی نے بے حد کٹھور لہجے میں کہا تھا۔

"امی......!"

"پلیز......! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

سدرہ آپی نے آگے بڑھ کر ماں کا کندھا تھاما تھا۔

"بس......!"

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر سدرہ آپی کو کسی بھی مزید بحث کیلئے روکا تھا۔

"اس سے کہو کہ مجھے صرف اس کا نام بتائے۔"

''جس کے ساتھ اس نے منہ کالا کر کے ہماری عزت بیچ چوراہے پر نیلام کر دی۔''

بشریٰ کی امی کی آواز روہانسی ہو رہی تھی۔

گلے میں آنسو پھندے لگا رہے تھے۔ ان کو دکھ اور حیرت کے جھٹکے مسلسل لگ رہے تھے کہ ہر پل ان لڑکیوں کی نگرانی مسلسل مرغی کے چوزوں کی طرح کی' لیکن جانے کب اور کیسے بشریٰ نے موقع حاصل کر لیا تھا۔

ان سے آخر کہاں پر چوک ہوگئی تھی؟

جوں جوں وہ سوچتی جاتیں ان کو پچھتاوا گھیرے جا رہا تھا۔

''بولو کم ذات......!''

وہ ایک دم ہی بشریٰ کے بال کھینچ کر بولیں۔

بشریٰ سی کر کے رہ گئی تھی۔

اس وقت ان کو اپنے سامنے بشریٰ اولاد کی مانند محسوس ہرگز نہ ہو رہی تھی، بلکہ اس وقت ان کو بشریٰ سے نفرت کا احساس غالب تھا۔ ''امی پلیز چھوڑیں اسے کیا مار ڈالیں گی اسے؟''

سدرہ نے آگے بڑھ کر بشریٰ کے بال ان کی مٹھی سے چھڑا لئے تھے۔

''تم......تم کو ابھی بھی اس گندگی کی پوٹ سے ہمدردی ہے؟'' بشریٰ کی امی شدت غم سے شدت غصہ سے اپنے حواس کھوئے جا رہی تھیں۔ وہ مسلسل خونخوار نظروں سے بشریٰ کو دیکھ رہی تھیں۔

''مجھے اس کا نام بتاؤ؟''

انہوں نے بے حد غصے سے دوبارہ دریافت کیا تھا۔

''اشفاق......!''

بشریٰ نے سسکتے ہوئے جواب دیا تھا۔

یوں لگتا تھا کہ بشریٰ کی امی اور سدرہ پر پورے گھر کی عمارت گر گئی ہو۔

''کیا......؟''

سدرہ آپی نے بے یقینی سے پوچھا تھا۔

''اشفاق......اشفاق نے ایسا کیا......؟''

بشریٰ کی امی کی آواز دکھ سے پھٹنے لگی تھی۔

ان کے اپنے خون نے ان کے گھر نقب لگائی تھی۔ اس قدر بڑا دھچکا تھا کہ ان کو اپنا دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہوا تھا۔

''میرے خدا......!''

وہ نند جس کو ساری عمر انہوں نے کسی قسم کا درجہ نہ دیا تھا۔

آج ان کی اپنی ہی اولاد ان کا سر اس کے سامنے جھکانے جا رہی تھی۔

یا اللہ میں کیسے......کیسے اس عورت کے سامنے اپنی عزت کیلئے جھولی پھیلاؤں گی؟

اور......اور اگر اس کا بیٹا مکر گیا تو......؟

ایک اور برا خیال ان کے سامنے آ کر ان کو دہلا گیا تھا۔ جن لوگوں نے ساری عمر دوسروں کے ساتھ برا کیا ہوتا ہے۔ ان کو کیسے کوئی اچھی توقع آ سکتی ہے۔ کیسے اچھے گمان ان کے ذہنوں میں آ سکتے ہیں۔

میں کیسے تمہارے باپ کا سامنا کروں گی؟

وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

خود بشریٰ کو زندگی اپنی پوری حقیقت کے ساتھ محسوس ہوئی تھی۔

زندگی کس قدر ظالم ہو سکتی ہے وہ دیکھ رہی تھی۔ سدا کی بے نیاز رہنے والی بشریٰ کی بے نیازی اس کی ماں کا رویہ بدلنے سے ہی ختم ہوگئی تھی۔ ابھی تو جانے اس نے کتنے برے اور اجنبی رویوں کا سامنا کرنا تھا۔

''کم ذات تجھے اتنی آگ لگی ہوئی تھی، تو مجھے بتاتی میں تجھے تیری خوشی کی خاطر ان کنگلوں کے ہاں بھی بیاہ دیتی' لیکن تو ایسے تو منہ کالا نہ کرتی۔''

بشریٰ کی امی کو سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کریں۔

یہ ایسا نقصان تھا کہ جس کی کوئی تلافی نہ تھی۔

''امی اب آپ کیا کریں گی؟''

سدرہ نے ہراساں لہجے میں پوچھا تھا۔

''اس بدبخت کا رشتہ اشفاق سے کرنے کی کوشش کروں گی۔ اس سے پہلے کہ مصدق کی ماں ہر جگہ ہماری بدنامی کروا دے۔ اس بات کو کنٹرول کرنا ہوگا، ورنہ اس دنیا کی زمین ہم سب پر اتنی تنگ ہو جائے گی کہ صرف مر کر سونے کیلئے ہی جگہ بچ پائے۔''

بشریٰ کی امی نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

قسمت ایسے پلٹا کھائے گی اس نے کہاں پلان کیا تھا۔

ہر چیز کو پلان کرنے والی لڑکی نہ جانتی تھی، کہ سب سے بڑی پلانر تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور اس کے سامنے تو ہر پلان فیل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے اور برا چاہنے والوں کے ساتھ زیادہ برا ہو جاتا ہے۔

***

"کچھ پتا چلا......؟"

بیا نے بے صبری سے اندر آتے روید اور رواق سے پوچھا تھا۔ جی دو جگہوں پر امکان ہے ہم وہیں جا رہے ہیں۔ گھر آپ کو اطلاع دینے آئے تھے اور بھائی میاں کو ہسپتال کے کچھ اہم کاغذ بھی لینے تھے۔ روید نے جواب دیا تھا۔

"کہاں......کہاں ہو سکتا ہے اظہر......؟"

بیا نے با آواز بلند اور رابعہ آنی نے سوالیہ نگاہوں سے روید کو دیکھا تھا۔

"؟ آرٹ کونسل آج رات پرفارمنس ہے شاید وہاں پر ہوں۔ ہم بھی وہاں جا رہے ہیں۔"

"اور دوسری جگہ......؟"

رابعہ نے سوالیہ نظروں سے پوچھا۔

"ان کے دوست بتا رہے تھے کہ وہ ایک دربار پر مسلسل اور باقاعدگی سے جاتے تھے۔ وہاں بھی چیک کر لیتے ہیں، اگر دونوں جگہوں پر دستیاب نہ ہوئے تو ہم واپسی پر پولیس سٹیشن رپورٹ کرواتے آئیں گے۔"

رواق نے اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے عجلت سے کہا اور روید کو لے کر باہر نکل گئے۔

زندگی میں ایک دم بہت سارے دھاگے الجھ گئے تھے، جن کے سرے پکڑتے پکڑتے خود ڈاکٹر رواق الجھنے لگے تھے۔

***

"لو یہاں پر تو شو ختم ہو چکا ہے!"

روید نے لوگوں کو آرٹ کونسل سے باہر نکلتے دیکھ کر کہا۔

"ہمیں لگتا ہے زیادہ دیر ہو گئی ہے۔ میں اندر جا کر دیکھتا ہوں۔ تم Exit پر لوگوں میں اظہر

...ں کو چیک کرو۔" رواق، روید کو گیٹ پر کھڑا کر کے خود اندر کی جانب بڑھا تھا۔

***

"بھائی میاں شاہ جمال دربار کے متعلق اظہر انکل کے دوست نے کیوں کہا تھا کہ اظہر انکل یہاں بھی ہو سکتے ہیں۔ یہاں بھلا اظہر انکل کا کیا کام؟"

روید نے رواق کے ساتھ درگاہ کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"روید اگر انکل یہاں نہ ملے تو تھانے چل کر رپورٹ لکھواتے ہیں۔ میں سسٹر مارتھا سے کہہ آیا تھا کہ تمام ہسپتالوں میں فون کر کے پتا کرو کہ کسی ایمرجنسی میں اظہر نام کا شخص تو نہیں آیا؟"

رواق نے آخری سیڑھی پر پہنچ کر کہا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں بھائی میاں!"

روید نے پریشانی سے بھائی کو دیکھا۔

"ایک شخص دو دن سے گھر سے لاپتہ ہے اپنی نوکری سے غائب ہے تو اسے ہم کہاں تلاش کریں؟"

"اسے ہر ممکن جگہ ڈھونڈنا ہو گا۔ ان کو ہماری ضرورت ہو گی۔"

رواق نے روید کو حقیقت کیلئے تیار کیا تھا۔ ڈاکٹر کے اندر اللہ رحمان خاص طرح کی Absorbing Power رکھی ہوئی ہے، وہ دکھوں اور مشکلوں کو جذب کر کے حالات کو حل کرتا ہے نہ کہ عام لوگوں کی طرح ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔

اس لئے ہر شخص ڈاکٹر نہیں بن سکتا۔ ڈاکٹر عام طور پر بے حد مضبوط اعصاب کے لوگ ہوتے ہیں۔

"چلو تم وضو کر آؤ ہم پہلے مسجد میں داخلے کے دو رکعت نفل ادا کرتے ہیں، پھر ہر جگہ دیکھیں گے۔" درگاہ سے متصل مسجد میں انہوں نے پہلے نوافل ادا کئے اور پھر دونوں بھائی دھیرے دھیرے ہر شخص کا چہرہ دیکھتے آگے بڑھتے رہے تھے۔ ساری درگاہ میں دیکھ لیا لیکن ان کو وہاں اظہر انکل نہ ملے تھے۔

رواق اور روید وہیں ایک درخت کے ساتھ بنی ماربل کی قبر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"اب......اب کیا کریں؟"

روید نے گھڑی پر وقت دیکھا تھا، تہجد کا وقت تھا۔

رواق نے اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیر کر طویل سانس بھرا تھا۔ایک بار اور دیکھ لیتے ہیں، پھر تھانے چلتے ہیں۔رواق نے کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

اسی پل روید کی نگاہ نے دور بنی کچھ قبروں کے درمیان ایک شخص کو سر جھکائے دیکھا۔

''بھائی میاں......!''

روید نے رواق کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اس جانب متوجہ کیا تھا۔

''اوہ مائی گاڈ!''

رواق کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

گلے میں موٹی سی دانوں کی مالا ڈالے ہاتھوں میں طرح طرح کی انگوٹھیاں چڑھائے کالے چوغے میں ملبوس اظہر انکل ملنگ کا روپ دھار کر گم سم بیٹھے تھے۔

ایک پل کو رواق کو لگا کہ وہ کوئی بہروپ بھر کر بیٹھے ہیں۔تھیٹر کی زندگی میں ساری عمر طرح طرح کے رول کرتے کرتے وہ بھی یہاں کوئی رول کرنے بیٹھے ہیں۔

رواق اور روید کی نگاہوں میں اظہر انکل کے مختلف روپ گھوم گئے تھے۔

''ناؤ......؟''

روید نے دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر رواق سے پوچھا تھا۔

''چلو دیکھتے ہیں کہ اب مزید نیا کیا روپ ہے اور کیوں ہے اور آنی کو اس روپ کو کتنے دن جھیلنا ہوگا!''

رواق اور روید انکل کے قریب پہنچ گئے۔

''انکل......!''

روید نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے ان کو پکارا تھا۔

''اظہر انکل......!''

جواباً اظہر انکل نے جن نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا، وہ رواق کے ساتھ ساتھ روید کو بھی چونکا گیا تھا۔

بعض تاثرات اس قدر Obvious ہوتے ہیں کہ ان کے سمجھنے کیلئے کسی بھی قسم کی وضاحت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

اظہر انکل کی آنکھیں بے حد سرخ تھیں اور ان کی آنکھوں کے اندر جو تپش اور اجنبیت تھی

رواق کو لگا کہ یہ روپ اظہر انکل کا بہروپ نہ تھا، بلکہ آج تک وہ جو جئے وہ بہروپ تھا اور آج وہ ہر بہروپ کو اتار کر اپنی اصلی جگہ پر بیٹھے تھے۔

''انکل......! آپ کچھ بولتے کیوں نہیں ہیں؟ آپ کہاں کھوئے ہیں؟'' روید نے پکارا تھا۔

''اللہ......!''

''حق اللہ......!''

''سچ اللہ......!''

''صرف وہی ہے۔ہر طرف وہ ہے......!''

ہر جانب صرف تو اللہ ہے......!''

''ہر جانب تو ہے......!''

''تو......تو ہے!''

''کوئی نہیں ہے......!''

''سب ختم ہے اور تو نہ ختم ہے......!''

''سب پھیکے ہیں اور تو ہی سارے رنگ ہے......!''

''سب کے چلے اور صرف تو ہی باقی تو ہی تو۔''

''تو ہی تو......!''

''بس اللہ تو......تو......تو......!''

اظہر انکل کہیں اور ہی ٹرانس میں تھے، وہ موجود ہو کر بھی نہ موجود تھے۔

وہ اپنی شہادت کی انگلی اٹھا کر سب سے بڑی شہادت کا اقرار کر رہے تھے۔

رواق نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان کو دیکھا تھا' وہ ان سب سے ہاتھ چھڑا کر دامن چرا کر بہت دور کھڑے تھے۔اب لاکھ وہ ان تک پہنچ جاتے، لیکن اظہر انکل کا دل جس سفر پر نکل گیا تھا، اس تک پہنچنا ان سب کے بس کی بات نہ تھی۔

''گھر چلو روید......!''

یہاں جس کو ہم ڈھونڈنے آئے تھے، وہ اب ہمیں کہیں بھی نہیں مل سکتا۔رواق نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"لیکن بھائی میاں......!"

"آنی......؟"

روید نے مڑ کر اظہر انکل کو دیکھا، جواب نماز کی نیت باندھ چکے تھے اور وہ اس قدر مگن تھے کہ ایک بار پھر ارد گرد کے ماحول سے کٹ چکے تھے۔

جب ہم اپنی قسمت کے لکھے سے نہیں لڑ سکتے، تو ہم کو آپس میں بھی نہیں لڑنا چاہئے! آنی کو اس حقیقت کو قبول کرنا پڑے گا۔

رواق نے روید کا ہاتھ تھاما اور درگاہ کی سیڑھیاں نیچے اتر گیا۔

***

ضیاء چچا نے گلا کھنکار کر آمنہ کو متوجہ کیا تھا۔

جواباً آمنہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

علی ابھی ابھی سویا تھا۔ آمنہ نے بے حد احتیاط سے اسے کیرکاٹ میں لٹایا تھا۔

ضیاء نے مسکرا کر اپنی گود میں موجود بچی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ وہ بھی سو چکی تھی۔

یہ ننھی گڑیا تو ضیاء کی بے حد عادی ہو چکی تھی۔ ضیاء نے بھی اس کی زندگی کیلئے دن رات ایک کر کے دعائیں کی تھیں۔ جب تک وہ اینکیوبیٹر میں تھی، تب تک وہ روز گھنٹوں اس کے پاس بیٹھے اسے تکا کرتے' اس کیلئے دعائیں کیا کرتے تھے۔ پھر جب وہ باہر آئی تو سب سے پہلے گود جس کا ذائقہ اس نے لیا تھا وہ ضیاء چچا کی ہی گود تھی۔

اے اللہ تو نے ان ننھے فرشتوں کیلئے میرے اندر سمندر جیسی محبت کیوں بھر دی ہے؟

میرے جیسا خالی آدمی ان بچوں کی محبت سے کیسے سرسبز ہو گیا؟

اے اللہ یہ کیا بھید ہے؟

وہ اکثر دل ہی دل میں سوال کیا کرتے تھے۔

ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ کچھ انسان ہماری زندگیوں میں ہماری خواہش کے بنا ہماری زندگیوں کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اس میں اللہ کی رضا ہوتی ہے' وہ ہمیں Select کرتا ہے' ان کی ذمہ داری کیلئے۔

اور وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جن کو رب کائنات کی بڑی ذات کسی کام کیلئے منتخب کرتی ہے۔

اس کو دوسرے کمرے میں لٹاتے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی اٹھتا ہے، تو دوسرے کو اٹھا کر رکھتا ہے۔ آمنہ نے سرگوشی میں کہتے ہوئے باہر کا رخ کیا تھا۔

دعا کو دوسرے کمرے میں لٹا کر دونوں باہر نکلے تھے۔

تب ہی عادل اندر آیا تھا' ساتھ ہی وکیل صاحب تھے۔

آمنہ کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا تھا' لیکن صرف ایک پل کو وہ کمزور پڑی تھیں، لیکن اگلے ہی پل وہ خود پر کنٹرول کر چکی تھیں۔

"آپی انکل آپ سے فائنل بات کرنا چاہتے تھے!"

عادل نے ضیاء کے پاس کھڑے ہو کر آمنہ کو مخاطب کیا۔

"ہوں!"

"انکل آپ پلیز بیٹھیں ناں!"

آمنہ نے اپنے سر پر دوپٹہ درست کر کے ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"بیٹا ہم چاہ رہے تھے کہ تم ایک بار پھر اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لیتیں۔"

وکیل انکل نے اسے ہمدردانہ مشورہ دیا تھا۔

"نہیں انکل میں فیصلہ کرنے کی چوائس میں نہیں ہوں۔ فیصلہ تو شہزاد نے گھڑی پلوں میں توڑ کر تھما دیا تھا۔ میں کیسے کوئی فیصلہ کر سکتی ہوں۔"

"تھوکا ہوا کون دوبارہ نگلتا ہے!"

آمنہ نے بے حد کرب سے کہا تھا۔

عادل کے ساتھ ساتھ ضیاء چچا نے بے حد بے چینی کو محسوس کیا تھا۔

"لیکن بیٹا وہ طلاق Valid نہ تھی۔ تم اس وقت حاملہ تھیں۔" وکیل انکل نے سمجھایا تھا۔

"لیکن انکل شہزاد کا رویہ اور اس کے خیالات بالکل Valid تھے اور میں ان درد کے پلوں کو کبھی نہیں بھول سکتی' جب میں اپنی اولاد کی زندگی کو لئے اپنی زندگی کو لئے موت کی تلوار پر جھول رہی تھی اور وہ سفاک آدمی......!"

آمنہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

"آپی......پلیز نہ روئیں!"

عادل نے بہن کو باہنوں میں سمیٹ لیا تھا۔

''اس شخص کو میں نے محرم دل مانا وہ تو میرے دل کا عکس تک نہ سنبھال سکا' پھر کیسے میں اسے اپنی زندگی سونپ دوں؟''

''مجھے شہزاد سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا۔''

''اور میری اولاد پر اس کا کوئی حق نہیں ہے۔ مجھے پکے کاغذوں پر اپنے بچے میری ملکیت میں چاہئیں۔'' آمنہ نے بے حد ٹھوس لہجے میں کہا تھا۔

''دکھ کی بات تو یہ ہے کہ شہزاد میاں ان بچوں کو اون کر ہی نہیں رہے' اس لئے ان بچوں کا نان نفقہ نہیں لگ سکتا۔''

وکیل انکل نے دکھ سے کہا۔

''مطلب......؟''

ضیاء چچا نے ماتھے پر بل ڈال کر پوچھا تھا۔

''شہزاد ان بچوں کو ناجائز کہہ رہا ہے۔ وہ کہہ رہا ہے کہ آمنہ ایک بدکردار لڑکی ہے اور وہ شیور نہیں ہے کہ یہ بچے اس کے ہیں کہ نہیں!''

وکیل انکل نے اٹک اٹک کر بات مکمل کی تھی'' لیکن شہزاد کو شرم نہ آئی تھی ایسا الزام لگاتے ہوئے۔''

''اس کی تو عقل ہی گھاس چرنے چلی گئی ہے!'' ضیاء چچا نے غصے سے کہا۔

''اسے سمجھنا پڑے گا۔ اور میڈیکلی پروف بھی دے دیتے ہیں۔''

''نہیں......!''

آمنہ نے سرخ سرخ آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر ان کو مزید کچھ کہنے سے روکا۔

''ٹھیک ہے' میں اس سے ایک کاغذ پر یہ سارا الزام اور ان بچوں کے متعلق اس کے خیالات قانونی طور پر چاہتی ہوں تاکہ کبھی وہ واپس مڑ کر ان بچوں پر حق جتانے نہ چلا آئے۔''

آمنہ نے اپنے آنسو پیتے ہوئے کہا۔

''اس قدر توہین......!''

''ایک شخص اپنی ہی جائز اولاد کو ناجائز کہہ دیتا ہے تو ایسے شخص سے کوئی لفظی ناطہ بھی رکھنا حماقت ہے۔'' آمنہ نے نفرت سے کہا۔

''وکیل انکل ہر کام پکے کاغذوں پر کیجئے گا۔ اور لائیے پیپرز میں سائن کروں' میں ایک پل

بھی اس ذلیل انسان کا نام اپنے نام کے ساتھ برداشت نہیں کر سکتی۔''

آمنہ نے فوراً پیپرز پر سائن کئے تھے۔

آمنہ وہاں رکیں نہیں بلکہ فوراً اندر کو بھاگی تھیں' وہ ایک بار پھر بری طرح ٹوٹی تھیں۔

اور سب کا سامنا نہ کر پا رہی تھیں۔

''شہزاد میں تم کو کبھی معاف نہ کروں گا!''

ضیاء چچا نے سلگتے ہوئے دل ہی دل میں کہا تھا۔

عادل نے اس قدر سختی سے دانت بھینچ رکھے تھے' کہ اس کا سارا خون آنکھوں میں اتر آیا

''وکیل انکل میں عمر بھائی کی فیکٹری سے اپنا سارا شیئر اٹھا رہا ہوں۔ اور بابا نے جو ڈیفنس والا ...میرے نام لگایا تھا اور میں نے عمر بھائی اور سونیا بھابی کی خوشی کی خاطر ان کو دے دیا تھا، وہ ابھی تک کاغذوں میں میرے نام ہے، وہ فوراً واپس لیں۔ ان کو خالی کرنے کا نوٹس کروائیں۔ اور بابا نے ...بائی پاس پر والی زمین میرے نام کی تھی' وہاں پر عمر بھائی اپنا پٹرول پمپ بنوا کر کروڑوں میں کھیلنے ...جوڑ میں ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ وہاں پمپ بنائیں۔ ان کے پاس کوئی قانونی کاغذ نہیں ہے ...میں آج تک صرف رشتے کا خیال کرتا آیا' لیکن چونکہ ان کی بیوی نے اپنی بہن کے ذریعے بڑی آپا کی دنیا اجاڑ دی' میں اب ان کی زندگی میں کوئی خوشی نہیں دیکھنا چاہتا۔ عادل نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

یہ جنگ جو سونیا بھابی نے مزے لے لے کر شروع کی تھی۔ اب اس کو انجام تک میں لے جاؤں گا۔

وہ بھول گئی تھیں کہ ایک کینچوے کو بھی بار بار تنگ کیا جائے' تو وہ بھی اپنا زہر استعمال کر ہی جاتا ہے۔

میں چھوٹا سا تھا، ہمارا ایک طوطا تھا' نہایت خاموش اور تابعدار' ایک بار ایک مہمان بچے نے اسے اتنا تنگ کیا کہ وہ طوطا اپنی فطرت بھول کر اس بچے کے ہاتھ کو زخمی کر بیٹھا۔

آج میں خود ایسا محسوس کرتا ہوں کہ ہم دونوں آپا اور میں ہر طرح کی سازش اور غصے سے ...رہے تھے' لیکن آج ہم بھی بالآخر اپنے سروائیول کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

ضیاء بھائی یہ دنیا انسان کو اپنی فطرت پر جینے کیوں نہیں دیتی؟ عادل کا لہجہ روہانسا ہو گیا تھا۔

"ٹھیک ہے بیٹا میں شہزاد اور عمیر دونوں کو نوٹس دے دیتا ہوں۔"

وکیل انکل ان دونوں سے مصافحہ کر کے باہر نکل گئے تھے۔

اسی پل دعا کے رونے کی آواز آئی تھی' ضیاء یوں تڑپ کر دعا کے کمرے کی جانب لپکے تھے جیسے ان کی خود کی بیٹی رو رہی ہو۔

عادل جوان کو یوں جاتے جاتے کچھ سوچ میں گم تھا۔ اچانک چونکا تھا' ایک خیال کا نقطہ مکمل شعور کے ساتھ اس کے سامنے تھے۔

"کیا آپ مان جائیں گی؟"

عادل نے سوچا تھا۔

"ضرور......!"

ان کو ضیاء بھائی سے زیادہ قدر دان انسان کہاں ملے گا! بے شک میں عمر میں چھوٹا ہوں لیکن اچھے برے انسان کی پہچان تو دل کرتا ہے اور میرا دل کہتا ہے کہ ضیاء بھائی آمنہ آپا کیلئے Perfect مین ہیں' عادل کے دل میں یہ سوچ باقاعدہ مہر لگا گئی تھی۔

***

"تم کو میں نے ساری حقیقت بتا دی ہے! اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ تم سارا قصور بشریٰ کے کھاتے میں ڈال کر اپنے بیٹے کو بچا لو گی تو یہ تمہاری غلطی ہے۔"

بشریٰ کی ماں نے اشفاق کی ماں سے غصے سے کہا تھا۔

پھوپھو تم گم سم دکھ اور حیرت کا پہاڑ بنی بیٹھی تھیں' میرا بیٹا...... میرا بیٹا ایسا بھی کر سکتا ہے؟

"جس بچے کے ماں باپ تہجد گزار ہوں کیا وہ ایسے گناہ میں ملوث ہو سکتے ہیں؟ اشفاق کے مرحوم ابا تو بے حد با کردار انسان تھے۔"

"یا خدا یہ کیسے ہو گیا؟ میں نے ایسا کیا گناہ کیا تھا؟"

وہ کمزور اور غریب عورت ایک دم سے رو پڑی تھی، جبکہ بشریٰ کی ماں اس کو بے حد غصے اور تنفر سے دیکھ رہی تھی۔

اشفاق کی ماں یہ نہ جانتی تھی کہ شیطان اور موت دو ایسی چیزیں ہیں جو ہر نیک بد کے ساتھ ہمیشہ لگی رہتی ہیں' یہ تو انسان پر ہے کہ وہ کیسے شیطان سے بچ سکتا ہے۔

"اب تم فیصلہ کر لو کہ ان دونوں کا کیا کرنا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہارا بھائی پردیس سے

زرا ایسی بات سن کر ایسے دکھ میں مبتلا ہو، جو اس کے سگے بھانجے نے دیا ہو۔"

اس پر اس مصدق کی ماں نے سارے زمانے میں بات پھیلا دی ہے۔ اگر بشریٰ اور اشفاق کا نکاح جلد از جلد کر دیا جائے، تو سب لوگوں کے منہ بند ہو جائیں گے اور سب یہ ہی سمجھیں گے مصدق کی ماں نے دشمنی اور عناد میں آ کر ایسی افواہیں پھیلائی تھیں۔

بشریٰ کی امی نے تو سارے ہی جوڑ توڑ کر رکھے تھے۔ بے چاری اشفاق کی ماں تو ٹکر ٹکر بھابی کو دیکھ رہی تھیں' جس کے چہرے پر بس اس مسئلے اور اس کی بدنامی کو حل کرنے کی سوچیں تھیں، بیٹی کی عزت و آبرو کا دکھ بہر حال ان کے چہرے پر نہ تھا۔

لیکن اشفاق کی نیک صفت ماں کو تو اپنی اولاد کی ایسی حرکت پر اس قدر دکھ ہو رہا تھا، کہ ان کو لگ رہا تھا کہ وہ جیسے زندہ درگور ہو گئی ہوں۔

"آپا...... پھر کیا کہتی ہو؟"

بشریٰ کی امی نے نند کو ٹھوکا دیا، جو گم سم بت بنی بیٹھی تھیں۔ "آپ جیسا کہیں گی ویسا ہی ہوگا۔ آخر میں بھی تو بیٹیوں والی ہوں۔"

وہ ایک دم منہ پر چادر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

باہر دروازے پر کھڑے اشفاق نے اس قدر سے دروازے کی چوکھٹ پکڑ رکھی تھی کہ اس کا ہاتھ نیلا پڑ گیا تھا۔

اشفاق کے کانوں میں پھر انگارے دہکنے لگے تھے۔ اشفاق کی کہی باتیں پھر سے اسے یاد آ گئی تھیں۔

اس نے اشفاق کو زمین پر رینگنے والا کیڑا کہا تھا۔

اور آج اسی کیڑے سے اس آسمان پر بیٹھی لڑکی کا مقدر بڑے جوڑ رہے تھے۔

لیکن بشریٰ میڈم میں تم کو بتاؤں گا کہ زمین پر رینگنے والا کیڑا آخر کیا کیا کر سکتا ہے۔

اشفاق نے پھنکارتے ہوئے کہا تھا۔

***

"نہ روئیں آنی......!"

رواق نے رابعہ آنی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

آنی ابھی ابھی درگاہ کی سیڑھیاں اتر کر تیزی سے گاڑی میں آ کر بیٹھ گئی تھیں اور بیٹھتے ساتھ

ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھیں۔

وہ رواق اور روید کی باتوں پر یقین نہیں کرتی تھیں، لیکن اظہر کو ابھی مل کر آنے کے بعد ان کو اچھی طرح محسوس ہو گیا تھا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اظہر سے جدا ہو چکی ہیں۔

وہ جان ہی نہ سکیں کہ ان کی زندگی کا ساتھی کسی اور ہی منزل کا راہی تھا۔

وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔

''آنٹی چلیں......؟''

رواق نے گاڑی سٹارٹ کر کے پوچھا تھا۔

''ہوں!''

وہ سسکی تھیں۔

جب گاڑی درگاہ سے واپس مڑ رہی تھی، تو رابعہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔

''سوری اظہر......!''

''سوری فار ایوری تھنگ!''

''میں تم کو جان ہی نہ پائی اور میں تم کو دنیاداری سکھانے کے چکر میں ہمیشہ Tease کرتی رہی!''

''ہم جیسے کم عقل کہاں تم جیسے لوگوں کو پہچان پاتے ہیں!''

رابعہ نے بے حد سچے دل سے دل ہی دل میں اظہر کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

''ہر شخص کا محرم دل ہوتا ہے!''

''اور ہر کوئی اپنے اپنے محرم کے پاس ہی جیتا ہے۔ اظہر کا محرم دل تو کوئی اور تھا، پھر وہ کیوں کر اس سے جھگڑتی۔''

''آئی ول مس یو آ لوٹ اظہر! (I will miss you a lot Azhar)۔'' رابعہ نے ایک بار پھر گہری نظر بھر کر درگاہ کو دیکھا تھا۔

''الوداع اظہر!''

آنسو ایک بار پھر ان کی آنکھوں میں موسلا دھار بارش کی طرح چلے آئے تھے۔

***

''کیا......؟'' بشریٰ کی امی کے ہاتھ سے فون چھوٹا تھا۔

''کیا ہوا امی......؟''

بشریٰ نے گھبرا کر ماں سے پوچھا، وہ وہیں کھڑی اپنا سامان سوٹ کیس میں رکھنے کیلئے بپ دے رہی تھی۔

''دفع ہو جا منحوس......!''

''تیری وجہ سے جانے ہمیں اور کتنی ذلت اٹھانی پڑے گی۔''

بشریٰ کی امی نے بین کرنے کے انداز میں کہا، ساتھ ہی زور کا ایک دو ہتھڑ اسے بھی لگایا۔

''کیا ہوا امی......کیوں چلا رہی ہیں؟''

''باہر مہمان آئے ہوئے ہیں۔'' سدرہ گھبرا کر ماں کی آواز سن کر اندر داخل ہوئی تھی۔

''ہائے ہائے! اس کرموں جلی نے میرے ہی گھر میں جنم لینا تھا!''

بشریٰ کی امی نے ساتھ ہی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا۔

''امی پلیز چپ ہو جائیں۔''

''بتائیں تو سہی کہ آخر بات کیا ہوئی؟'' سدرہ آپی نے پوچھا تھا۔

''ہونا کیا ہے! آج تیرے ابو کی فلائٹ ہے وہ بھی آ جائیں گے اور ساری سچائی کھل جائے گی اور جانے کیا طوفان منتظر ہے، اس گھر کی چوکھٹ کو پار کرنے کیلئے۔''

بشریٰ کی امی نے سسکتے ہوئے کہا۔

''اللہ نہ کرے کہ ایسا کچھ ہو!''

''لیکن آپ بتایئے تو سہی ہوا کیا؟''

سدرہ نے ماں سے دریافت کیا تھا۔

''وہ اس لسوڑے کی شکل والے اشفاق نے اس منحوس سے شادی سے انکار کر دیا ہے اور آج رات گیارہ بجے کی فلائٹ سے سعودی جاب کیلئے روانہ ہو رہا ہے۔''

بشریٰ کی ماں نے انکشاف کیا تھا۔

سدرہ نے بے اختیار دل تھاما تھا۔

''نہیں امی!''

''ہائے اب کیا ہو گا!''

''مجھے تو کہیں سے زہر لا دے۔ سارے قصور اولاد کے ماں کے کھاتے میں ہی ڈالتے

ہیں۔اس دنیا اور تیرے باپ نے ویسے بھی مجھے ہی پہلے مارنا ہے!''

وہ بالکل درست کہہ رہی تھیں۔

بشریٰ نے آنسو پیتے ہوئے ایک دم سے لب کاٹے تھے۔گزشتہ دنوں مصدق اور اس کی ماں کی لعن طعن سننے کے بعد بشریٰ کو اپنا وجود ایک تنکے سے بھی ہلکا محسوس ہو رہا تھا۔

اسے ان دنوں میں اندازہ ہو گیا تھا کہ انسان کی ہر چیز دھری کی دھری رہ جاتی ہے اگر اللہ اس کا ساتھ چھوڑ دے۔اور بشریٰ کو اپنا انجام نظر آنے لگا تھا۔

ساری عمر آرام و آسائش میں دیکھ کر آزمائش کسی جہنم سے کم نہیں لگتی ہے۔ایسے لوگ تو سوئی کی چبھن تک برداشت کرنے کے قابل نہیں ہوتے' ایک ذرا سی سوئی سے چیخنے لگتے ہیں۔بشریٰ کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

اسے کہاں مشکلوں کی عادت تھی۔اس لئے وہ بری طرح خوفزدہ ہو گئی تھی۔

وہ یوں گری جیسے کٹا ہوا پیڑ نیچے زمین پر گرتا ہے۔

سدرہ آپی دوڑ کر اس کے پاس آئی تھیں۔

''اٹھو......بشریٰ!''

''یہ مردوں کی طرح گرنے کا وقت نہیں ہے!اگر آج تم نے یہ وقت گزار دیا تو تم ساری عمر کیلئے مردوں کی طرح مری ہوئی زندگی جھیلنے کو مجبور ہو گی۔''

''اٹھو اور اشفاق کو روک لو......!''

''آج اپنی انا' خودداری' اپنی عزت سب کو داؤ پر لگا کر اسے روک لو۔ورنہ ایک قیامت جو تیرے وجود میں پل رہی ہے وہ سب کو برباد کر دے گی!''

سدرہ آپی نے بشریٰ کو چادر اوڑھائی اور اسے اپنے ساتھ کھینچتے ہوئے باہر لے آئیں۔

''میں نے پھوپھو سے فون پر پتا کیا ہے، وہ ایئرپورٹ کیلئے نکل چکا ہے۔ہم اسے ایئرپورٹ پر ہی ملیں گے۔'' سدرہ آپی نے بیٹھتے ہوئے کہا اور ڈرائیور کو ایئرپورٹ چلنے کی ہدایت دی۔

''یا اللہ......ہمیں بچالے!''

سدرہ آپی نے گھڑی پر وقت دیکھا۔اشفاق کی فلائٹ میں صرف ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا۔عموماً مسافر ایک گھنٹہ پہلے اندر چلے جاتے ہیں یعنی ان کے پاس صرف آدھا گھنٹہ تھا۔وہ تو شکر تھا ان

گھر سے ایئرپورٹ پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر تھا۔

''آپی گاڑی رکوائیں!''

بشریٰ نے گاڑی جیسے ہی رامین کے گھر کے پاس سے گزری تو فوراً ہی رکنے کا کہا۔

''یہاں کیا ہے؟''

سدرہ آپی نے جھنجھلا کر پوچھا تھا۔

''یہاں معافی ہے!''

''اگر مجھے یہاں سے معافی مل گئی تو آگے کنفرم معافی ملے گی' لیکن اگر میں فیل ہو گئی تو مجھے آگے کامیابی نہ ملے گی!''

بشریٰ کچھ مبہم سی باتیں کر کے سدرہ آپی کو الجھاتی ہوئی اندر چلی گئی تھی۔

''یہاں کس سے معافی مانگنی ہے؟'' سدرہ آپی نے حیرت سے خود سے سوال کیا تھا۔

''السلام علیکم پھوپھو!''

بشریٰ نے لان میں بیٹھی پھوپھو سے کہا۔پھوپھو بے حد اداس تھیں اور چپ چاپ تسبیح کے دانے گھما رہی تھیں۔پورچ میں جلتے بلبوں پر پروانے اکٹھے ہوئے ہوئے تھے وہ ان کو جانے کس سوچ میں گم چپ چاپ دیکھے جا رہی تھیں۔بشریٰ کی آواز پر ایک دم سے چونکی تھیں۔

''وعلیکم السلام!'' پھوپھو نے غائب دماغی سے اسے دیکھا تھا۔

''پھوپھو میں رامین سے بات کرنا چاہتی تھی' اس کا فون نمبر دے دیں۔'' بشریٰ نے اٹکتے ہوئے کہا۔

''وہ آج کل آئی ہوئی ہے تم مل لو اس سے۔اس کی طبیعت اچھی نہیں ہے اندر لاؤنج میں بیٹھی ہے۔''

پھوپھو نے اطلاع کے ساتھ اسے اندر جانے کی بھی اجازت دے دی تھی۔بشریٰ بے حد عجلت میں اندر داخل ہوئی تھی' سامنے لاؤنج میں رامین گم سم ٹی وی کی آواز بند کر کے چینل پر چینل گھما رہی تھی۔اس کا ہاتھ تو ریموٹ کنٹرول کے بٹن پر تھا۔لیکن وہ خود ذہنی طور پر جانے کہاں تھی۔

''رامین!''

بشریٰ نے اسے پکارا۔

''رامین!''

بشریٰ نے اسے سہ بار پکارا تو پھر جا کر وہ اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

''آں......ہاں......!''

''تم......؟''

''بشریٰ......؟''

رامین نے حیرت سے پوچھا تھا۔

''ہاں......میں تم سے ایک بات کرنے آئی ہوں۔''

''پلیز......پلیز تم برا نہ ماننا میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گی۔ میں جانتی ہوں تم نے مجھ سے ہر تعلق ختم کر دیا تھا۔'' بشریٰ نے اٹکتے ہوئے کہا تھا۔

رامین نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا کہ وہ آخر کیا کہنے جا رہی ہے۔

بشریٰ کے پاس وقت کم تھا وہ سچائی بتا کر ایک دم رامین کے پیروں میں بیٹھ گئی تھی۔

رامین نے حیرت سے بشریٰ کو دیکھا تھا۔

اگر کوئی اور وقت ہوتا تو وہ شاید بشریٰ کو زندگی بھر معاف نہ کرتی، لیکن آج کی رامین مکمل بدلی ہوئی تھی۔

وہ ایسی مچھلی تھی، جو پتھر چاٹ کر واپس آئی تھی۔

رامین نے دکھ سے بشریٰ کو دیکھا تھا، جو اس نے اس کے ساتھ کیا تھا، وہ بھگت چکی تھی، آج وہ خود کو منوا چکی تھی، پھر لڑائی کیسی، جب اللہ نے خود ہی اسے سچا ثابت کروا دیا تھا۔

رامین نے زندگی میں پہلی بار دل بڑا کیا تھا۔

''اٹھو بشریٰ......!''

''میں تم کو معاف کرتی ہوں!''

رامین نے اپنے پیروں سے بشریٰ کو دور کرتے ہوئے کہا تھا۔

''تھینک یو رامین!''

تم نہیں جانتیں کہ تم نے میری راہ کے سارے کانٹے چن لئے ہیں، اب کفارے کا رستہ آسان لگے گا!

بشریٰ نے دکھی لہجے میں کہا اور باہر بھاگی تھی، اس کے پاس وقت کم تھا۔ اسے اشفاق کو روکنا تھا۔

پھوپھو جو واپس اندر آ رہی تھیں۔

اسے یوں بدحواس بھاگتے دیکھ کر حیران ہوئیں۔

''ارے......! دیکھ کر کیا باؤلی ہوگئی ہے؟''

''نہیں پھوپھو باؤلی تو پہلے تھی، لیکن اب عقل آ گئی ہے۔''

''اللہ حافظ پھوپھو!''

''میرے لئے دعا کیجئے گا۔ وہ کہہ کر تیزی سے گیٹ سے باہر نکلی تھی۔''

***

''آپی......!''

''اب......؟''

بشریٰ نے سوالیہ نظروں سے بہن کو دیکھا تھا۔

''جاؤ وہ واپس آ رہا ہوگا۔ میں نے اعلان کروا دیا ہے وہ یقیناً کاؤنٹر پر آئے گا۔ یہی وقت ہے اس وقت کو سنبھال لینا ورنہ ہم سب خوار ہو جائیں گے۔''

سدرہ آپی نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا تھا۔

اشفاق کی فلائٹ کے لوگ اندر ڈیپارچر لاؤنج میں جا چکے تھے۔ سدرہ آپی نے عقل مندی کی تھی کہ انہوں نے فوراً ہی اناؤنسمنٹ کروائی تھی کہ کوئی مسٹر اشفاق اصغر کا باہر ایمرجنسی میں انتظار کر رہا ہے۔

اب بشریٰ کاؤنٹر پر کھڑی اشفاق کا انتظار کر رہی تھی۔

''وہ آ رہا ہے بشریٰ!''

سدرہ آپی نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

بشریٰ نے اشفاق کو دیکھا تھا۔

آنسوؤں کی چادر نے ایک دم منظر دھندلا دیا تھا۔

بشریٰ نے آنسوؤں کا گولہ نگلا تھا۔ اس کے پاس وقت کم تھا۔ اور اسے اپنی زندگی کی ناؤ کو پار لگانا تھا۔

جوں جوں اشفاق سنجیدہ چہرہ لئے ان کے قریب پہنچ رہا تھا بشریٰ کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے امتحان کی گھڑی کے وقت طالبعلم کا ڈپریشن سے دل دھڑکتا ہے۔ بشریٰ نے غیر ارادی طور پر

اپنے لباس کا جائزہ لیا تھا۔

جیسے ہی اشفاق ان کے اتنا قریب آیا کہ وہ آمنے سامنے تھے تو بشریٰ کا دل اس کے کانوں میں دھڑکا تھا۔

***

”کیسا لگا تم کو اپنا فلیٹ......؟“

رواق بے حد کوشش سے مسکرائے تھے۔

مریم نے اردگرد گھوم کر دیکھا' یہ بے حد کشادہ فلیٹ تھا۔ دو بیڈ روم کچن' سٹور' ٹی وی لاؤنج اور ڈرائنگ روم' گو زندگی کی ہر آسائش موجود تھی۔ لیکن مریم بے حد اداس تھی۔ کیونکہ رواق اندر تک بجھا ہوا تھا۔

”حسین رواق......!“

مریم نے اس کے پاس آ کر اس کا کندھا تھام کر کہا تھا۔

”ہوں......!“

رواق جو ٹیرس پر کھڑے جانے آسمان پر کیا تلاش کر رہے تھے۔ ایک دم چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے تھے۔

”یہ میرے دوست کی آنکھوں اور وجود میں لوڈشیڈنگ کیوں ہے؟“

مریم نے پیار سے پوچھا تھا۔

”کیونکہ اس کا بجلی گھر اس سے دور ہے!“

ڈاکٹر رواق نے دل ہی دل میں کہا تھا' وہ کہہ اس لئے نہ پایا کیونکہ وہ نہ جانتا تھا کہ ایک لڑکی کے سامنے دوسری لڑکی کی اہمیت بیان کرنے پر اس کا کیا ردعمل ہوتا ہوگا۔ اس نے متوقع کسی بھی ضروری غیر ضروری ردعمل سے بچنے کیلئے ایسے جواب میں Avoid کیا تھا۔

”بس ایسے ہی......! سر میں درد ہے!“

رواق کے اعصاب اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ ان سے بات کرنا دشوار ہو رہا تھا۔

”چلیں جناب میں آپ کے سر میں...... Oiling کر دیتی ہوں۔ آپ بہتر محسوس کریں گے۔“ مریم نے رواق کو زبردستی بٹھا کر اس کے سر پر Oiling کی تھی، جس سے واقعی رواق کو سکون میسر ہوا تھا اور اس پر غنودگی سی طاری ہو گئی تھی' وہ وہیں کارپٹ پر لیٹ گیا تھا۔ مریم نے اس

سر کے نیچے تکیہ رکھ دیا تھا۔

رواق گہری نیند سو چکا تھا۔

مریم نے سارے گھر کی لائٹیں آف کر دیں، تاکہ رواق کچھ دیر آرام کر سکے اور خود نماز ادا کر کے رواق کے ہی پاس آ بیٹھی تھی۔

زیرو پاور کے بلب کی روشنی میں وہ مسلسل رواق کو تکے جا رہی تھی۔ وہ پہلے اس کا محبوب تھا اور اب اس کا شوہر۔ اس لئے اس دیکھنے سے جو خوشی حاصل ہو رہی تھی، وہ مریم خود میں اترتی محسوس کر رہی تھی۔ جانے اس کے دل میں کیا سمائی کہ وہ وہیں زمین پر دوسرا تکیہ لے کر اس کے پاس ہی لیٹ گئی اور دھیرے دھیرے رواق کے گھنے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی۔

اس کی نرم نرم پوروں کی گدگداہٹ پر رواق نے نیند سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔

اس کا چہرہ کسی اور چہرے میں مکس ہوا تھا۔

”رامین......!“ رواق کو شدت سے رامین کی طلب ہوئی تھی۔

رواق نے شدت جذبات سے بوجھل آواز میں کہا تھا۔

”نہیں رواق میں ہوں! مریم!“

مریم نے بجھے بجھے لہجے میں کہا تھا۔

لڑکی اگر سونے جیسی ہو، تو وہ کبھی خود پر پیتل کا پانی ڈال کر پیتل بننا پسند نہیں کرتی' چاہے شوہر کو لاکھ پیتل پسند ہو' کیونکہ وہ جانتی ہے کہ سونا ایک دن اپنی Worth کو Prove کر ہی لے گا۔

مریم نے بھی رواق کو وقتی قربت حاصل کرنے کیلئے ہرگز جھوٹ کا سہارا نہ لیا تھا۔

”مریم......!“

رواق نے غور سے اسے دیکھا تھا۔

اس کا سارا وجود نیند میں تھا اور فطری طلب سے لبریز تھا۔

پھر سامنے اس کی جائز بیوی موجود تھی' رواق نے بے حد نرم ہاتھوں سے مریم کے روئی جیسے وجود کو خود سے قریب کر لیا تھا۔

***

”زبردست ویری گڈ!“

"دیکھ لو آپ میں نے کیسے اپنی راہ سے سارے کانٹے نکال دیئے!"

رانیا کے تو قہقہے ہی نہ رک رہے تھے۔

شہزاد کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوگی کہ ضیاء اور آمنہ بے قصور تھے۔ وہ تو غصے سے ایسا پاگل ہوا تھا، کہ اس نے اپنے ہی بچے ناجائز قرار دے دیئے! اور تو اور ان کو لیگلی لکھ کر بھی دے دیا کہ ان بچوں کے ساتھ اس کا زندگی بھر کوئی تعلق نہیں رہے گا۔

رانیا ایک بار پھر زوردار قہقہے کے ساتھ ہنسی تھی۔

"سارے کانٹے دور......!"

"اب بولیں کہ رانیا کے ساتھ ہے کوئی ٹکر لینے والا!"

رانیا سونیا سے بات کر رہی تھی۔

وہ ایک بار پھر ہنسی' لیکن ہنستے ہنستے ایک دم اس کی ہنسی کو بریک لگی تھی۔ سامنے ہی شہزاد سرخ سرخ آنکھیں لئے کھڑے تھے۔

رانیا کو یوں لگا کہ عین بیچ سمندر میں اس کی کشتی میں سوراخ ہو گیا ہو۔

"تم۔"

"تم سفاک عورت۔"

"یو پلے ودمی اینڈ مائی لائف!"

شہزاد کسی وحشی کی طرح رانیا پر جھپٹا تھا۔

رانیا تو ایک دم اس قدر بوکھلا گئی تھی، کہ اسے خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ لڑکھڑا کر دور جا گری تھی۔

"شہزاد......مم......میرا خیال ہے کہ آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

وہ رانیا تھی، کیسے اتنی جلدی ہتھیار ڈال دیتی۔

"بکواس بند کرو ڈرامے باز عورت!"

شہزاد نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا اور گھما کر اسے تھپڑ مارا تھا۔

رانیا نے گھبرا کر شہزاد کو دیکھا تھا' وہ بہت خطرناک تیوروں میں تھا۔

رانیا کو ایک دم سے محسوس ہوا، کہ جو گڑھا وہ آمنہ کیلئے تیار کر چکی تھی' وہ آمنہ کے وجود سے بھرا نہ تھا' اب وہ رانیا کا وجود بھی لے ڈوبنے والا تھا۔

"تم......تم نے یہ سب کیوں کیا؟"

شہزاد بے بسی سے رو دیئے تھے۔

وہ اپنی بے حد حسین' وفادار' قدردان اور پیاری بیوی کو ہمیشہ کیلئے کھو چکے تھے اور اب تو اپنے بچوں کو بھی کھو چکے تھے' جن کو وہ لیگلی اون کرنے سے انکار کر چکے تھے۔ اب وہ بچے صرف اور صرف آمنہ کی ملکیت تھے۔

"میرے خدایا......!"

"میں نے کس عورت کی باتوں میں آ کر خود کو تباہ کر دیا۔"

انہوں نے جنونیوں کی طرح اپنے بال نوچتے ہوئے کہا تھا۔

"کیا بات ہے شہزاد......؟"

"یہ کیسا شور مچا رکھا ہے؟"

شہزاد کی اماں چادر اوڑھے وہاں آئی تھیں' وہ کہیں جانے کیلئے مکمل تیار تھیں۔

"آپ......کہاں جا رہی ہیں اماں؟" شہزاد پر ایک دم غائب دماغی حاوی ہوئی تھی۔ شہزاد نے گھبرا کر پوچھا تھا۔ وہ مزید رو دینے والے تھے۔

"شاباش بیٹے بھول گئے کیا؟"

"خود ہی تو سارے کاغذ مکمل کروائے تھے تم نے......اپنے ہاتھوں سے کیا کام کیسے بھول گئے؟ آج تک تمہارا دماغ کہاں رہتا ہے۔"

اماں نے حیرت سے پوچھا۔

شہزاد سے انہوں نے کہہ سن کر اپنی خالہ زاد بہن جو مدینہ میں رہائش پذیر تھیں' وہاں جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ آمنہ کے بعد ان کا دل اس گھر سے بالکل اچاٹ ہو گیا تھا۔ گھر میں چلتی پھرتی رانیا ان کو آمنہ کی یاد دلاتی تھی اور آمنہ کے بغیر ان کو جینا نہ آ رہا تھا۔ اب ہر وقت بیماری سر پر رہتی تھی' اس لئے وہ کچھ عرصے کیلئے گھبرا کر اللہ کے گھر جا رہی تھیں، تاکہ ان کے دل کو سکون میسر ہو جائے۔

"لیکن ابھی تو آپ کی ٹکٹیں کنفرم نہ ہوئی تھیں!"

شہزاد یوں بلکے، جیسے کوئی چھوٹا سا بچہ بھیڑ میں اکیلے رہ جانے کے ڈر سے بلکتا ہے۔

"شہزاد تم کہاں رہتے تھے گھر میں......میں نے تمہارے دفتر کے منیجر سے کہلوا کر ٹکٹ پکے

کروا لئے تھے۔"

اماں نے تھکے تھکے لہجے میں کہتے ہوئے شہزاد اور رانیا کے چہروں کو دیکھا، جو کسی غیر معمولی بات کی وجہ سے بے حد اجنبی ہو چکے تھے۔

"تم لوگوں کے بیچ میں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟"

اماں نے رانیا اور شہزاد کے چہروں کو باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا۔

شہزاد کسی گود کے بچے کی طرح ماں کی گود کی جانب لپکے تھے۔

"اماں......اماں......اس عورت نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے!"

شہزاد ماں کے قدموں میں بیٹھ کر سسکنے لگے تھے۔

اماں نے شہزاد کے سر پر ہاتھ رکھ کر رانیا کو دیکھا تھا' جس کا کالا رنگ جانے کس بات کو لے کر مزید سیاہ پڑ چکا تھا۔

"آپ نے......سب نے......!"

"ضیاء چچا نے مجھے کتنی بار بتایا تھا کہ یہ عورت فراڈ ہے!"

"لیکن......لیکن میں نہ مانا تھا۔"

"اس عورت کے پھیلائے اندھیرے میں مجھے کچھ دکھائی ہی نہ دے رہا تھا۔"

شہزاد کہہ رہے تھے اور اماں نہ سمجھنے والے انداز میں شہزاد کو دیکھ رہی تھیں۔

"کیا مطلب......؟"

اماں کو کسی طوفان کی آہٹ شہزاد کے آنسوؤں میں سنائی دے رہی تھی۔

"اماں......!!"

"آمنہ اور ضیاء چچا بے گناہ تھے۔"

شہزاد نے شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے کہا تھا۔

"کا......کیا......؟"

اماں نے بے اختیار اپنا دل تھاما تھا۔

یعنی ان کا دل آج تک جو آمنہ کی بے گناہی کی گواہی دیتا آیا تھا' وہ سچ تھا' لیکن انہوں نے اپنی آنکھوں سے اس قدر کڑا سچ دیکھا تھا، کہ وہ اپنے دل کی گواہی کو جھٹلا دیتی تھیں' لیکن یہ آج شہزاد کیا کہہ رہا تھا۔

ان کے دل کو بجلی کا جھٹکا محسوس ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ سانس نہ لے پائیں گی۔

"اس عورت نے ایسا کھیل رچایا کہ میں آمنہ اور ضیاء چچا سے اس قدر بدگمان ہو گیا کہ......!"

شہزاد پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تھے۔

"یہ سچ نہیں ہے!"

رانیا نے آگے بڑھ کر کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔

"بکواس بند کرو......!"

"بند کرو اپنی ڈرامے بازی۔"

"میں نے خود اپنے کانوں سے تمہاری ساری گفتگو سنی ہے!"

شہزاد نے روتے روتے پھٹی ہوئی آواز میں کہا تھا۔

"شاباش شہزاد تم کتنے عقل مند ہو ناں!"

"کبھی تم کو اس کا دکھایا اور کبھی اس کا بولا سچ نظر آتا ہے!"

"تم کو خود سے اصل کبھی کیوں نہ نظر آیا؟"

اماں نے رک رک کر بے حد تکلیف سے پوچھا تھا۔ ان کے چہرے پر بے حد تکلیف دہ تاثرات تھے۔

شہزاد سر پر ہاتھ رکھ کر روئے تھے۔

"میں نے یہ کیا کر دیا......!"

انہوں نے پچھتاوے سے اپنے دونوں ہاتھوں کو دیکھا تھا۔

"میری آمنہ......میرے بچے!!"

"اف خدایا......!!"

"میں نے سب کو کھو دیا!!!"

اماں نے بے حد دکھ سے شہزاد کو دیکھا تھا۔ سگے بھائی کی بیٹی، جو ان کے اپنے دل کا ٹکڑا ہوتی تھی' جو ان کے پاس پانچ سال بیٹیوں کی طرح رہی' لیکن وہ ایک ماں بن کر اس کے حقوق کی حفاظت نہ کر سکی تھیں۔ شدت دکھ اور شرمندگی نے ان کے دل کو اتنی تکلیف دی کہ وہ دل تھام کر بے اختیار گری تھیں۔

"ہائے میری آمنہ......!"

"کیسی بے وقعتی سے اس گھر سے نکالی گئی!!"

آنسوؤں سے لبریز آنکھیں بند کرنے سے پہلے انہوں نے رک رک کر اٹک اٹک کر کہا تھا اور شہزاد کی بانہوں میں لڑھک گئی تھیں۔

ان کو بے حد زبردست ہارٹ اٹیک ہوا تھا!

"اماں......!"

شہزاد کی آواز خوف سے پھٹ رہی تھی۔

***

وہ جسے اشفاق نے بچپن سے لے کر جوانی کی دہلیز پر بھی آ کر چاہا تھا۔ وہ جو اس کے خوابوں اور خیالوں کا مرکز رہی تھی' وہ جس کے وجود کی قربت میں وہ اپنی ہر طرح کی Value کو بھول گیا اور وہ جو اس کو کسی کینچوے اور کسی ذرے سے زیادہ اہمیت نہ دیتی تھی' آج اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی تھی۔

اشفاق کے اندر...... توہین' غصے اور انا کا لاوا ایک دم پھوٹا تھا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ اس لاوے میں بشریٰ کے وجود کو ہمیشہ کیلئے جلا کر خاک کر دے' لیکن بشریٰ کے بندھے ہاتھ اور بہتے آنسو اس لاوے پر کسی برف کی طرح گرے تھے۔

اشفاق نہ جانتا تھا کہ لاوے کیسے رکتے ہیں، یا بند ہوتے ہیں' لیکن وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ سامنے کھڑی لڑکی کے آنکھوں سے بہتے آنسو اس کے اندر جلتے بھانبڑوں تک کو ٹھنڈا کر گئے تھے۔

"یہ ہاتھ اس لئے نہیں جڑے ہیں، کہ میرے اندر تمہاری اولاد پل رہی ہے اور مجھے اپنا سروائیول اس سوسائٹی میں چاہئے، بلکہ میں تمہاری محبت کی توہین کیلئے شرمندہ ہوں! میں تم کو...... تمہاری محبت کو جان نہ پائی۔"

"میں تمہاری خطاوار ہوں!"

"مجھے معاف کر دو!"

"میں نے تم کو خود میں شریک کر کے ہر حد پار کی تھی......!"

"میں......"

"میں گنہگار ہوں......!!"

بشریٰ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اشفاق نے بے حد بے بسی سے اسے دیکھا تھا۔

جو دل کے مکین ہوتے ہیں، کبھی باہر چلے بھی جائیں، تو پھر یہ گھر اپنے دروازے صرف ان ہی کھولتے ہیں اور اشفاق کو لگ رہا تھا کہ لاکھ چاہنے پر بھی وہ اسے اپنے دل سے نکال نہ پایا تھا۔

جن کو ہم دل سے نہ نکال پائیں، تو لاکھ چاہنے پر بھی اپنی زندگی سے نہیں نکال پاتے ہیں۔

اشفاق نے بشریٰ کے بندھے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے تھے۔

"ایسا نہ کہو......!"

"غلطی ہم دونوں سے ہوئی تھی۔ میں اپنے اللہ سے ہمیشہ ہم دونوں کی معافی مانگوں گا!"

"وہ اللہ ہمیں معاف کر دے گا۔" بشریٰ نے روتے ہوئے پوچھا۔ "میں اس کیلئے نا امید نہیں ہوں۔"

"کیونکہ اللہ نے نا اُمیدی کو کفر کہا ہے اور میں ایک اور گناہ نہیں کروں گا۔"

"میں ہمیشہ ہم دونوں کی معافی مانگوں گا اور پر امید رہوں گا۔"

اشفاق نے لرزتے لہجے میں کہا۔

"اشفاق تم نے مجھے معاف کر دیا؟"

بشریٰ نے آس بھری نظروں سے پوچھا تھا۔

"ہاں!"

اشفاق نے اس کو اپنے کندھے سے لگا لیا تھا۔

"اوہو!!......"

"اوہو......"

پاس سے دو منچلے لڑکے سامان کی ٹرالی لئے گزرتے ہوئے ان کو چھیڑتے ہوئے گزرے

اشفاق نے جھینپ کر بشریٰ کو الگ کیا تھا' لیکن اس کا ہاتھ تھامے رکھا تھا۔

"میں نے زندگی میں بہت غلطیاں کی ہیں۔" بشریٰ کھلے دل سے قبول کر رہی تھی۔

"اور میں نے بھی......" اشفاق نے دھیرے دھیرے باہر نکلتے ہوئے کہا تھا۔

اندر اس کی فلائٹ کی اناؤنسمنٹ ہو رہی تھی اور وہ...... باہر آ گیا تھا' کیونکہ اب وہاں اس کی منزل نہ تھی، بلکہ یہاں اس کی نئی منزل تھی۔

''دو غلطیاں کرنے والے لوگ کیا اکٹھے جی لیں گے؟ کامیاب زندگی گزار سکیں گے؟''

بشریٰ نے نم آنکھوں سے پوچھا تھا۔

''ہاں!!''

''کیونکہ غلطی کو غلطی ماننے والے کامیاب ہوتے ہیں! اور غلط کو درست ماننے والے ہمیشہ ناکام ہوتے ہیں اور ہم نے تو اپنی غلطی کو مانا ہے!''

''معافی مانگی ہے اللہ سے......!''

اشفاق نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

جواباً بشریٰ بھی نم آنکھوں سے مسکرا دی تھی۔

زندگی کی گاڑی چھوٹتے چھوٹتے بچی تھی۔

اور ایسا اس کی توبہ کے رویے ہی سے ممکن ہوا تھا' کیونکہ توبہ ہی واحد ایسی سیڑھی ہے، جو ہر نشیب سے انسان کو نکالتی ہے۔

***

پھوپھو کی آخری خواہش ضیاء چچا سے ملنے کی تھی' سو شہزاد جیسے تیسے ضیاء چچا کو منا کے یہاں لے آیا تھا۔ خود ضیاء چچا کو جب پتہ چلا تھا کہ بھابی کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، تو وہ فوراً شہزاد کے ساتھ ہسپتال چلے آئے تھے۔

کمرے میں موت کی آہٹ اور زندگی کی خاموشی بے حد زیادہ نمایاں تھی۔ جب ضیاء چچا نے آئی سی یو میں قدم رکھا تھا۔

بھابی اماں کا سارا وجود مختلف تاروں سے جکڑا ہوا تھا۔ ان کو ماسک کے ذریعے مصنوعی سانس دیا جا رہا تھا۔ وہ خود کو بے حد بے بس اور دکھ میں ڈوبتے محسوس کر رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے، وہ ان کے بے حد قریب گئے۔ بے اختیار انہوں نے ان کے بالوں کو سہلایا تھا۔ ان کا چہرہ تکتے ہوئے ان کو احساس ہوا کہ یہ چہرہ ان کی ماں کا چہرہ تھا۔

انہوں نے ہوش سنبھالتے ہوئے ان کو ہی اپنے اردگرد دیکھا تھا۔ ان کی اپنی ماں تو ان کے ہوش سنبھالنے سے بھی پہلے اس دنیا سے چلی گئی تھیں۔

تب سے اب تک صرف وہ ہی ضیاء کو ایک ماں کا پیار دیتی آئی تھیں۔

''بھابی اماں......!''

ضیاء نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے ان کے کان کے پاس سرگوشی کی تھی۔ وہ جو بظاہر ...ندگی میں لگ رہی تھیں۔ انہوں نے پہلی ہی آواز پر اپنی آنکھیں کھول دی تھیں۔

''ضیاء......!''

انہوں نے ٹوٹتے سانسوں سے کہا۔

''جی......!''

ضیاء نے ان کے ہاتھ تھام کر ان پر بوسہ دیا تھا۔ آنسو تھے کہ رو کے نہ رک رہے تھے۔

''بیٹا......!''

''ابھی رونے کا وقت نہیں ہے' یہ کام بعد میں کر لینا!''

انہوں نے ٹوٹتی سانسوں سے کہا۔

''پلیز ایسا تو نہ کہیں......!''

ضیاء نے تڑپ کر کہا تھا۔

''بیٹا......!''

''مرتی ماں کی ایک خواہش پوری کرو گے......؟''

وہاں سے سوال آیا تھا۔

''آپ حکم کریں مجھ پر آپ کا سارا حق بنتا ہے۔''

ضیاء چچا نے ان کا ہاتھ تھام کر کہا۔

''تم...... تم...... آمنہ کو اپنا لینا!''

ضیاء چچا نے بے اختیار نگاہ چرالی تھی۔

ایک وقت تھا کہ آمنہ کو وہ شدت سے چاہتے تھے، تو اسے نہ پانے کی کسک میں تڑپتے ...ہتے تھے' لیکن پھر دھیرے دھیرے انہوں نے جانا کہ محبت حاصل کرنے کا نام نہیں ہے' محبت تو ...نتا ہے، جو ہر بندش سے آزاد ہوتی ہے۔ پھر وہ ہر پل آمنہ کیلئے دعا گو اور فکر مند رہنے لگے۔

''حاصل'' کے چکر سے نکلے تو نگاہ کی گستاخی سے بھی نکل گئے اور جب وہ صرف آمنہ کی ...شی میں راضی تھے، تو ان کی خود کی ذات کی وجہ سے آمنہ پر بہتان لگا۔ اس کا گھر اور دل اجڑ گیا۔

تب سے لے کر اب تک وہ خود کو آمنہ کا قصور وار جاننے لگے تھے۔

''لیکن اگر میں ایسا کروں گا، تو میں آمنہ پر لگے الزام کو درست ثابت کر دوں گا!''

''مجھے اس کی پاکیزگی کی گواہی دینے کیلئے اس سے دور رہنا ہوگا!''

ضیاء چچا نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

''نہ......نہیں......ضیاء......!''

بھابی اماں کی سانسیں اکھڑی تھیں۔

''تم کو اسے اپنانا ہوگا......اسے اس کی خوشیاں واپس تم ہی دے سکتے ہو!''

''میں......اسے اپنے گھر بیٹی بنا کر لائی تھی، لیکن اس کے حقوق کی حفاظت ماں کی طرح نہ کر سکی......!''

بھابی اماں کی سانس مزید اکھڑی تھیں۔ ضیاء کے ہاتھ میں تھاما ان کا ہاتھ مچلا تھا۔ چھڑا کر بھاگنے کو کر رہا تھا۔ ''وہ اور تم سچے ہو!''

''یہ میں جانتی ہوں! تم لوگوں کے بیچ کچھ غلط نہ تھا۔ ہماری نگاہ غلط تھی۔ اب تم اسے اپنا کر مزید غلط ہونے سے روکنا!''

''وہ اکیلی رہ جائے گی۔''

''میرے پوتا پوتی اکیلے رہ جائیں گے۔''

''شہزاد نے تو اپنے ہاتھ اور پر اپنے ہی ہاتھوں سے کاٹ ڈال ہیں۔ اب صرف تم ہی ہو جو میری آمنہ کو بچا سکتے ہو۔''

بھابی اماں معجزانہ طور پر اتنا بول گئی تھیں۔

جب انسان کسی بات کیلئے اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے، تو موت سے بھی ہمت ادھار لی جاتی ہے۔ بھابی اماں کے ساتھ بھی تو یہ ہی ہوا تھا۔

وہ شہزاد کو ہر صورت سے کنونس کرنا چاہتی تھیں۔

''بولو کیا تم آمنہ سے شادی کرو گے؟''

''اور اگر آمنہ نہ مانی تو......؟''

ضیاء چچا نے سر اٹھا کر پوچھا۔

''تم یہ میرے گلے میں موجود چین اتار کر اسے دے دینا وہ سمجھ جائے گی اور مان جائے

''تم بتا دینا کہ اس سب کے پیچھے کس کی دعا اور خواہش شامل تھی۔''

''بھابی اماں میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں آمنہ کا ہاتھ تھاموں گا!''

''اسے......اسے......!''

''ہر خوشی......خوشی......دو گے!!''

بھابی اماں نے بمشکل کہا تھا۔

''جی......میں اسے ہر خوشی دوں گا!''

ضیاء نے نم آنکھوں سے ان کو تکتے ہوئے کہا تھا۔

وہ ایک دم سے مسکرائی تھیں۔

ضیاء کو ایک دم سے احساس ہوا کہ وہ شاید ٹھیک ہو رہی ہیں۔ وہ بھی ایک دم سے ریلیکس ہوا تھا لیکن اسے ایک دم کسی انہونی کا احساس ہوا تھا۔

بھابی اماں کا ہاتھ جو ان کے ہاتھ میں تھا' بے حد سرد تھا۔

بھابی اماں کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور وہ بے حد پرسکون تھیں۔

ضیاء نے بے حد دکھ سے ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر ان کی آنکھیں بند کی تھیں۔ وہ بند آنکھوں سے بھی مسکرا رہی تھیں۔

ضیاء نے ایک نظر ان کے پرسکون چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ جاتے جاتے بھی کئی سرے سلجھا گئی تھیں۔

ہمارے بڑے بھائی ہماری زندگیوں میں کتنی بڑی نعمت ہوتے ہیں، وہ زندہ رہ کر ساری عمر ہماری زندگیوں میں روشنی کرتے رہتے ہیں اور مرتے دم تک وہ ان چراغوں میں تیل ڈالتے رہتا۔ اگر یہ بڑے نہ ہوں تو چھوٹے ساری عمر بھول......اور بھلیوں میں کھوئے رہیں۔

***

''کہاں ہیں آپ؟''

مریم نے پریشانی سے پوچھا تھا۔

''کہیں نہیں......یہیں تھا......اس شہر میں......!''

رواق نے نظریں چرا کر سامان کے شاپرز ٹیبل پر رکھے تھے۔ ان میں سارا سامان موجود تھا،

جوتم نے لسٹ بنائی تھی۔ وہ گاڑی کی چابی پکڑے جانے کو تیار کھڑے تھے۔

اس رات کے بعد وہ مریم سے نظر تک ملائے بغیر بات کرتے تھے۔ ہر وقت اس سے بھاگتے تھے۔ یوں جیسے کچھ بہت پچھتا رہے ہوں۔ مریم کو ان کا رویہ بہت تکلیف دیتا تھا۔

''آپ پھر جا رہے ہیں؟''

مریم نے شکوہ کیا۔

''سامان تو آ گیا ہے ناں!''

رواق کھوئے کھوئے سے تھے۔

''رواق...... آپ...... تم......!''

مریم نے شادی کے بعد رواق کو آپ کہنا شروع کر دیا تھا' لیکن اب اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ شادی کے بعد اس کا دوست کہاں کھو گیا ہے۔ یہ تم سے آپ کا فاصلہ بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ اسی لئے اس نے ایک پل لگایا تھا فیصلہ کرنے اور فاصلہ ختم کرنے کیلئے۔

''تم صرف سامان دینے آئے تھے!''

مریم نے کہا۔

''مجھے ہسپتال سے دیر ہو رہی ہے' یار تم جانے کیا سمجھ رہی ہو۔'' رواق نے صاف دامن بچایا۔

''تو مجھے بھی لے چلو...... میں بس دس منٹ میں تیار ہوتی ہوں۔'' مریم نے کہا۔

''پلیز مریم......!!''

''ڈرائیور لے جائے گا۔''

''مجھے...... مجھے...... گھر بھی چکر لگانا ہے!''

رواق نے الجھے الجھے لہجے میں کہا۔

صاف لگ رہا تھا کہ وہ اس سے بھاگ رہا تھا۔

''تم...... رامین سے ملے تھے!!''

مریم نے اس کے بے حد قریب ہو کر پوچھا تھا، کہ اس کی گرم مہکتی سانسیں رواق کے اعصاب منتشر کرنے لگی تھیں۔

''نہیں!''

رواق نے گہری سانس آہ بھر کر بھری تھی۔

''تو اس سے ملو......!''

مریم نے اسے اکسایا......!!

''کیوں......؟''

رواق نے روٹھے روٹھے لہجے میں پوچھا۔

''وہ اس لئے کیوں کہ تم جب تک اس سے نہ ملو گے تو خود سے بھی نہ مل پاؤ گے!''

مریم کی بات پر رواق نے ایک دم اسے چونک کر دیکھا تھا۔ ایسے کیا دیکھ رہے ہو!

مریم نے پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''وہ تمہاری محبت کا مین Production جنکشن ہے۔ تم کو وہ نہ ملی تو تمہارے اندر محبت نہ پیدا ہو گی اور تمہاری اس کمی سے تو ہم سب مارے جائیں گے!!''

مریم بمشکل مسکرائی۔

رواق نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ کس قدر درست کہہ رہی تھی۔ اسے اس بات پر بھی حیرت ہو رہی تھی، کہ جس سے وہ اتنا پیار کرتا تھا، وہ اسے اتنا نہ جانتی تھی اور اس سے الگ ہو کر دور بیٹھی تھی اور ایک وہ جس سے وہ دل کا رشتہ نہ باندھ پایا تھا، وہ اس کے دل کی ہر بات کو جان جاتی تھی۔

''جاؤ...... اس سے ملو......!''

''اسے لے آؤ......!!''

''تم اس کے بنا ادھورے ہو!''

مریم نے بیٹھے بیٹھے لہجے میں کہا۔ اندر آنسو پیتے پیتے اس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔

''مگر وہ...... اگر وہ نہ مانی تو......؟''

رواق نے پوچھا۔

وہ رامین سے اس قدر پیار کرتا تھا کہ وہ آرٹ کونسل کی ہر بات بھول گیا تھا۔

اس کا سارا غصہ ختم ہو گیا تھا۔

''جہاں محبت ختم نہ ہو، وہاں سب کچھ خود بخود ختم ہو جاتا ہے۔''

رواق بھی رامین کے معاملے میں خود کو بے بس محسوس کر رہا تھا۔ رامین اس کی پہلی چاہت

تھی۔اس کی زندگی کا حصہ تھی اور وہ شدت سے اپنے اس حصے کو پانا چاہ رہا تھا۔

''اگر تم اجازت دو تو میں رامین سے مل لوں!'' مریم اپنے ظرف جتنی بڑی بات کہہ رہی تھی،

''وہ تم پر الٹ پڑی تو......؟''

رواق نے معصوم بچوں کی طرح سے پوچھا تھا۔''تو کیا ہوا تمہاری خاطر میں سب کچھ برداشت کرسکتی ہوں۔''

مریم نے رواق کے بال پیار سے بکھرا دیئے۔

''تم بہت اچھی ہو!''

رواق نے کہا۔

مریم نے منہ موڑ کر شاپرز کیبن میں اندر رکھ کر اپنے آنسو چھپائے تھے۔

''تم سے بہرحال زیادہ نہیں......!''

مریم نے سچے دل سے اعتراف کیا تھا۔

''تم ایک بہترین انسان ہو!''

مریم نے تعریف کی تھی۔

''تھینک یو مریم......!!''

رواق نے کہا۔

اب وہ نارمل تھا۔مریم نے اسے دوست بن کر ٹریٹ کیا تو وہ Relax اور خوش تھا۔

''میں......ایک شوہر کو پانے کیلئے اپنا دوست نہیں کھو سکتی' جو تپتی دھوپ میں چھایا جیسا ہے۔تم کیا جانو کہ تمہاری خوشی کیلئے بھی میں Selfish ہوں۔تم اگر خوش ہو گئے تو میں خوش ہوں گی اور میں رامین کے پاس اپنی خوشی کیلئے جاؤں گی......!!''

مریم نے دل ہی دل میں کہا تھا۔

***

''یہ......یہ سب کیا ہے؟''

عمیر مرزا بوکھلائے ہوئے عادل مرزا کے پاس آئے تھے۔

''میرا خیال ہے سب کچھ عدالتی نوٹس میں لکھا ہے۔'' عادل نے سپاٹ لہجے کے ساتھ کہا۔

عمیر مرزا کا چہرہ حسب عادت غصے سے سرخ ہوا تھا، لیکن پھر اگلے ہی پل انہوں نے خود پر

کنٹرول کرتے ہوئے اپنے چہرے اور آنکھوں کے رنگ کو بدلا تھا۔

''عادل......!''

''تم میرے بھائی ہو......تم میرے ساتھ ایسا کیسے کرسکتے ہو؟''

ان کے لہجے میں سوال اور حیرت بے حد نمایاں تھی۔

''ہونہہ بھائی......! غالباً سوتیلا بھائی......'' عادل پھنکارا تھا۔

عادل نے فائل بند کی اور چپڑاسی کو بیل دی تھی۔

عمیر مرزا نے حیرت سے عادل کو دیکھا تھا' وہ کتنا بڑا بڑا لگ رہا تھا اور کیسی اجنبی نگاہیں تھیں۔

''جی سر......!''

چپڑاسی اندر آیا تھا۔

''اکاؤنٹنٹ صاحب کو اندر بھیجو!''

عادل نے اپنی چیئر کو تھوڑا سا دائیں بائیں گھماتے ہوئے کہا تھا۔

''جی سر!''

چپڑاسی باہر نکل گیا۔

''یہ سب......سب کیا ہے؟''

''کیوں ہے؟''

عمیر نے ایک بار پھر طیش اور غصے سے پوچھا تھا۔

کل کا بچہ......آج کیسے مالک بنا بیٹھا حکم چلا رہا تھا۔یہ ان سے بالکل برداشت نہ ہو رہا تھا۔

''آپ کا حصہ اس فیکٹری میں نہیں ہے۔یہ فیکٹری بابا میرے نام کر کے گئے تھے' اس لئے جتنا عرصہ آپ نے اس فیکٹری میں کام کیا آپ کو اس کی تنخواہ دے دی جائے گی۔ Accountant آ رہا ہے' آپ حساب کر لیں اور ہاں......گھر جلدی خالی کر دیجئے گا۔میں اس بنگلے کو کمرشلی استعمال کرنے والا ہوں۔پھر میرا بنگلہ تو ہے بھی بہت مین پر۔ایک پرائیویٹ کالج کو وہ جگہ بے حد پسند ہے۔میں جلد از جلد وہ جگہ دینا چاہتا ہوں۔امید ہے آپ خیال کریں گے۔''

عمیر مرزا کے پیروں تلے سے اب صحیح معنوں میں زمین نکلی تھی۔

’’عا......عادل بیٹا......!‘‘

’’ایسی کیا بات ہوگئی کہ میرا بچہ میرا بھائی مجھ سے ناراض ہو کر الگ ہو رہا ہے۔عمیر مرزا نے اپنے لہجے میں دنیا بھر کی چاشنی سمو کر کہا۔‘‘

’’حیرت ہے کہ آپ کس دنیا میں رہ رہے ہیں۔آپ کو نہیں معلوم کہ تازہ خبر......اور اس کے اثرات۔‘‘ عادل نے بے حد غصے سے کہا۔

عمیر مرزا کیلئے عادل مرزا کا یہ روپ بہت زیادہ مختلف تھا۔وہ تو ٹھنڈے میٹھے جھرنے جیسا انسان تھا۔غصہ تو اس کے مزاج کا حصہ ہی نہ تھا۔

’’آمنہ آپا کو آپ کی چہیتی سالی نے طلاق دلوادی ہے!‘‘

عادل نے شعلے برساتی نگاہوں سے ان کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

’’یہ......تو......ان کے گھر کا مسئلہ ہے!‘‘

عمیر مرزا نے گلا کھنکار کر کہا تھا۔

’’اچھا......!‘‘

عادل نے طنزیہ کہا تھا۔

’’آپ کی سگی بہن کو طلاق ہو جاتی ہے! یہ آپ کا مسئلہ یا دکھ نہیں ہے!‘‘

’’اوہ اچھا......!‘‘

’’آپ کی سالی صاحبہ آپ کی سگی بہن کی سوتن بن کر اس کے شوہر اور گھر پر قبضہ کر لیتی ہے یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے!‘‘

’’اوکے مسٹر عمیر مرزا......!‘‘

’’یہ آپ کا مسئلہ تو نہیں ہوگا‘ لیکن میرا مسئلہ ہے!‘‘

’’میری بہن کا دکھ......میرا دکھ ہے!‘‘

’’میری بہن کی خوشی......میری خوشی ہے!‘‘

’’میری بہن صرف میری ہے‘ اس لئے میں ہر اس شخص سے تعلق توڑ رہا ہوں، جس نے میری بہن کا دل اور گھر توڑا ہے۔‘‘

’’آج سے میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔میں لیگل نوٹس بھجوا چکا ہوں۔‘‘

’’میرا بنگلہ اور میری زمین، جس پر آپ پٹرول پمپ بنا رہے تھے دونوں خالی کر دیں۔‘‘

عادل کی باتیں عمیر کو ایک دم آسمان سے زمین پر لے آئی تھیں۔

اپنی فیکٹری تو وہ بیچ کر پمپ بنا رہے تھے اور ویسے بھی وہ اپنے عاقبت نااندیش مزاج کی بہت سارا پیسہ ڈبو بیٹھے تھے۔عادل مرزا کا یوں ان کی سرپرستی چھین لینے کا مطلب تھا، کہ کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جائیں گے۔

’’پلیز عادل......ایسا نہ کرو......ہم کہاں جائیں گے؟‘‘

عمیر مرزا پھر گھگھیائے تھے۔

’’آپ جاسکتے ہیں۔‘‘

عادل مرزا نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔

’’پر......لیکن......!‘‘

عمیر مرزا کچھ کہنے لگے تھے‘ لیکن عادل نے ہاتھ کے اشارے سے ان کو روک دیا تھا۔

’’بس......!‘‘

’’نو مور......!!‘‘

’’مجھے آپ کی بات سننی ہی نہیں۔‘‘

عادل نے بیل دے کر چپڑاسی کو بلایا تھا۔

’’جی سر......!‘‘

چپڑاسی نے پوچھا تھا۔

’’صاحب کو باہر تک چھوڑ آؤ۔‘‘ عادل نے عمیر کی جانب دیکھے بغیر کہا تھا۔

’’چلیں صاحب......!‘‘ چپڑاسی نے فوراً عمیر کو باہر جانے کا راستہ دیا۔

’’عادل......عادل......!‘‘

’’میں برباد ہو جاؤں گا۔‘‘

عمیر ہراساں ہو کر بولے۔

’’میری بہن بھی برباد ہوگئی ہے۔‘‘

عادل نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

’’عادل یہ میرا قصور نہیں ہے‘ یہ تو سونیا کی ملی بھگت تھی۔‘‘ عمیر کے منہ سے نکلا۔

’’سبحان اللہ......!‘‘

"کیسے بھائی ہیں آپ...... آپ کے دل میں بیوی کی محبت کا پردہ اتنا موٹا پڑا ہوا ہے کہ آپ نے بہن کا گھر برباد ہوتے دیکھ لیا اور اسے روکا بھی نہیں......"

عادل نے بے حد دکھ سے کہا تھا۔

"بھائی صاحب! بیویاں بہت سی مل جاتی ہیں، لیکن بہن بھائی کا رشتہ کہیں اور سے نہیں مل سکتا۔"

عادل نے اپنی عمر سے بڑی بات کہی تھی۔

عمیر مرزا کو شرمندگی نے گھیر لیا تھا۔

"عادل تم مجھے معاف نہیں کر سکتے؟"

عمیر مرزا نے چپڑاسی کی موجودگی کا خیال کئے بغیر کہا۔

"وہ عورت سونیا جو آپ کے نام اور زندگی سے جڑی ہے وہ اور اس کا گناہ میرے ظرف سے بڑا ہے بھائی صاحب!"

"میری بہن اور اس کے دو معصوم بچے جس رسوائی اور تکلیف سے شہزاد کے گھر سے نکلے ہیں اس کا درد بھی میرے ظرف سے بڑا ہے۔"

"مجھے آپ معاف کر دیجئے گا، کہ میں آپ کو معاف نہ کر سکا۔" عادل نے منہ موڑ کر کہا تھا۔

عمیر مرزا نے تڑپ کر اسے دیکھا تھا۔ عادل آج بھی ان سے محبت کرتا تھا' وہ ان کو تکلیف دے کر ہرگز خوش نہ تھا' لیکن صرف سونیا کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر زندگی تنگ کرنے پر مجبور تھا۔

اور ایسا کرنے پر بھی سونیا اور رانیا نے اکسایا تھا۔

عمیر مرزا سر اور نگاہیں جھکائے عادل کے آفس سے باہر نکل گئے تھے۔

آج وہ مالی و معاشی طور پر بالکل خالی ہو گئے تھے۔ وہ زیرو ایک بار پھر ان کے سامنے کھڑا تھا' جس سے بہت سالوں پہلے انہوں نے زندگی شروع کی تھی۔ ان کے ہاتھ خالی ہو گئے تھے۔

ان کا من اس وقت سونیا بیگم کیلئے نفرت سے بھر گیا تھا۔ جس نے ان سے رشتے اور معاشی حیثیت دونوں چھین لئے تھے۔

***

سب جگ سوئے......!

تاروں سے کریں باتیں......
ہائے چاندنی راتیں...... ہائے......
چاندنی راتیں......!!
ہائے...... ہائے چاندنی راتیں......!

اے ڈی بے حد آہیں بھرتے ہوئے حسب معمول گانا گا رہا تھا، لیکن آج اس گھر میں اسے کوئی روک نہ رہا تھا، نہ ٹوک رہا تھا۔

یہاں تک کہ ہر وقت چہکنے والا روید بھی بے حد خاموش تھا اور اس خاموشی سے گھر کا ہر فرد گھبرایا ہوا تھا۔ ایسے میں اے ڈی کا وجود غنیمت تھا۔ وہ گنگناتا تو اسے کوئی نہ روکتا تھا۔

لیکن یہ بات الگ تھی، کہ اس کے گانوں کی ٹون بھی اداس اور غمگین ہو گئی تھی۔

"تم چاندنی راتوں کے ساتھ اتنی لمبی ہائے کیوں لگا رہے ہو؟"

"کہیں درد ہے تو آیوڈکس لگا لو یار......!"

روید بہت دنوں بعد اپنی فارم میں تھا۔ وہ چپ اور غمگین رہتے رہتے تنگ آ گیا تھا۔ جب نظرت میں موسم چار ہیں تو انسان کیسے ایک ہی موسم پر ٹک سکتا ہے۔

"باؤ روید......!"

"مجھے گھر میں سب اداس اچھے نہیں لگتے۔"

اے ڈی نے روید کی کسی بھی بات کا برا منائے بغیر کہا تھا۔

"ہاں یار......!"

روید نے گرم شال اچھی طرح خود پر لپیٹتے ہوئے سرد آہ بھری تھی۔

اظہر انکل کا چہرہ اس کی نگاہوں میں گھوم گیا تھا۔ وہ ان سے جدا ہو گئے تھے۔

جیتے جاگتے اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی وہ کسی اور دنیا میں بس گئے تھے۔ پھر رامین بھابی تھیں۔ وہ کیا اس گھر سے گئیں' رواق بھائی کی مسکان بھی لے گئی تھیں۔

"تمہارے خیال میں پھر کیا کرنا چاہئے؟"

روید نے بس اپنا ذہن ادھر ادھر لگانے کی بات کی تھی۔

"باؤ روید...... آپ اگر سنجیدگی سے پوچھ رہے ہیں تو ایک بات بتاؤں؟"

اے ڈی نے اس کے پاس کھسکتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں بتاؤ......!"

روید نے بے نیازی سے پوچھا۔

"باؤ روید یہ میری شادی کروادیں۔ میری شادی سے اس گھر میں چہل پہل ہو جائے گی۔"

اے ڈی کی بات پر روید کا قہقہہ بے اختیار تھا۔

"کمال ہے خوش فہمی کی واقعی کوئی حد نہیں ہوتی ہے! وہ کیا مطلب ہوا جی!"

اے ڈی نے معصومیت سے پوچھا تھا۔

"اچھا چھوڑو...... تم یہ بتاؤ کہ تم کس سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

روید نے پوچھا تھا۔

"وہ...... جی...... سوائے بہار بیگم کے میں بھلا کس کا ہو سکتا ہوں۔" بہت شرماتے ہوئے اے ڈی نے جس جذب سے کہا تھا۔

اندر آتے ہوئے رواق کی بھی ہنسی نکل گئی۔ وہ ابھی ابھی ہسپتال سے واپس آئے تھے۔ اے ڈی اور روید کی باتیں انہوں نے اچانک ہی سنی تھیں۔

"شکر الحمدللہ......!"

آپ بھی ہنسے‘ چاہے اس اپنے اے ڈی کا لطیفہ ہی سن کر......!

روید نے آگے بڑھ کر رواق کو یوں گلے لگایا، جیسے وہ بہت دنوں بعد ملے ہوں۔

رواق نے روید کی آنکھوں کو دیکھا‘ وہاں اپنے بھائی کیلئے محبت ہی محبت تھی۔ رواق کے اندر تک اس احساس کی ٹھنڈک محسوس ہوئی تھی۔

"میں نے کون سا لطیفہ سنایا ہے باؤ روید؟"

اے ڈی کے سوال میں شکوہ تھا۔

"اچھا تمہارا دل ساری دنیا کو چھوڑ کر بہار بیگم پر ہی کیوں آیا‘ پھر وہ تم سے پانچ چھ سال بڑی ہی ہوگی۔" روید نے اس سے پوچھا تھا۔

"باؤ روید جب دل دی لگدیاں اے تے فیر عمراں نہیں نظر آندیاں...... تب صرف محبوب محبوب لگتا ہے۔"

"دل کب دیکھتا ہے یہ ساری باتیں۔ وہ کب کوئی عیب دیکھتا ہے۔" اے ڈی نے اتنی گہری بات کہہ کر رواق اور روید دونوں کو حیران کر دیا تھا۔

"میں بیبا سے بات کروں گا کہ تم دونوں کی جلد از جلد شادی کروادیں۔" رواق کہہ کر چپ پ وہاں سے نکل گئے۔ لیکن اے ڈی کی کہی بات نے رواق کا دامن پکڑ لیا تھا۔ دل کے ملے میں تو دوسرے فرد کے عیب نظر آتے ہی نہیں، تو پھر ان کا دل کیوں میلا ہو رہا ہے؟

***

"عمیر پلیز میری بات تو سنیں!!"

سونیا بھابی عمیر مرزا کے پیچھے تک بھاگتی آئی تھیں۔

"دفع ہو جاؤ میری نظروں سے میں آئندہ تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔"

عمیر مرزا نے تینوں بچوں کو تھام رکھا تھا اور وہ بچوں سمیت گھر چھوڑ رہے تھے۔ ویسے بھی الت نے یہ گھر پندرہ دن کے اندر خالی کروالینا تھا۔

"تم...... تم مجھے ایسا کیسے کہہ سکتے ہو!"

جس شکل کو عمیر مرزا نے ساری عمر پوجنے کی حد تک چاہا تھا، آج کیسے اس شکل سے ان کو اتنی ت ہو سکتی تھی......؟ ان کو یقین ہی نہ ہو رہا تھا۔

"کہہ سکتا ہوں‘ کیونکہ اب مجھے تمہاری اس بھیانک شکل کے پیچھے تمہارا مکروہ چہرہ نظر آ گیا ہے۔"

"تم وہ ڈائن ہو، جو میری ہر خوشی اور میرے ہر رشتے کو کھا گئی‘ اب یاد رکھو آئندہ زندگی میں ہارا میرے ساتھ اور میرے بچوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہوگا!"

عمیر مرزا نے چیخ کر کہا تھا۔

سونیا بھابی کو حیرت کا اتنا شدید جھٹکا لگا، کہ ان سے سانس لینا بھی مشکل ہو گیا تھا۔ جب ہم کی سے اتنا پیار لے لیتے ہیں کہ ہمیں اس کی عادت ہو جاتی ہے۔ ایسے میں اس کی رتی بھر نگاہ کا ن بھی مار دیتا ہے، لیکن یہاں تو عمیر کا سارے کا سارا دل اور نگاہ بدل چکی تھی۔

سونیا بیگم تو پاگل ہوئے جا رہی تھیں۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں تمہاری بیوی ہوں! ان بچوں کی ماں ہوں۔ تم لوگوں سے میرا ناطہ کیسے ختم ہو سکتا ہے"

سونیا بیگم نے چیخ کر کہا تھا۔

"بیوی تم تب تک ہو، جب تک میں مانتا ہوں۔"

"لو میں تمہیں بیوی ماننے سے انکار کرتا ہوں۔" عمیر مرزا نے غصے سے چیخ چیخ کر کہا تھا۔

"ارے ایسے کیسے ہوسکتا ہے؟"

سونیا بیگم نے لپک کر گڈو کا ہاتھ پکڑ کر ان سب کو روکا' تینوں بچے بے حد ہراساں تھے۔

"ہوسکتا ہے منحوس عورت!! پہلے وہ دھاڑے۔"

"ہوسکتا ہے۔" اس باران کی آواز سرسرائی ہوئی تھی۔

"میں تم کو طلاق دیتا ہوں......!"

"طلاق دیتا ہوں......!"

"طلاق دیتا ہوں......!"

عمیر مرزا نے کف اڑاتے ہوئے کہا تھا۔

جس عورت کو انہوں نے ہمیشہ اپنے سر پر بٹھا کر رکھا تھا، آج سر کے تاج سے گرا کر پاؤں کی خاک سے بھی کم حیثیت کر دیا تھا۔

سونیا بھابی تو مٹی کی ڈھیری کی طرح بے جان کھڑی رہ گئیں۔ "اور رہی بچوں کی بات یہ میرے بچے ہیں اور ان پر میں تم جیسی منحوس اور چالباز عورت کا سایہ بھی پڑنے نہیں دینا چاہتا۔ اگر تم کو بچے چاہئیں بھی تو تم عدالت کا سہارا لو۔ ویسے بھی تم رشتوں کی پلس مائنس کرنے کیلئے تو بہت ماہر ہو۔"

عمیر مرزا کہہ کر رکے نہیں' نہ یہ دیکھنے کیلئے کہ سونیا بیگم کسی کمزور عمارت کی طرح تھاڑ سے گری تھیں۔

☆☆☆

"ضیاء بھائی......!"

عادل نے سرنہواڑے ضیاء کو پکارا تھا۔

ضیاء سینے سے قرآن پاک لگائے خاموش آنسوؤں سے رو رہے تھے۔

"ضیاء بھائی وہ ہماری بھی پھوپھو تھیں۔ حوصلہ کریں' اللہ کی رضا کے آگے تو ہم سب بے بس ہیں۔"

عادل نے ضیاء کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا۔

"لیکن میرے لئے تو وہ ماں تھیں۔ اس دنیا میں واحد میری بزرگ اور دعائیں کرنے کا رز تھیں۔"

ضیاء کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

اسی پل سرخ سرخ روئی روئی آنکھوں کے ساتھ آمنہ گود میں بچے کو اٹھائے ہوئے آئی تھیں۔

"ضیاء چچا دیکھیں ناں یہ آپ کیلئے تنگ کر رہی ہے۔"

آمنہ جان بوجھ کر بیٹی کو ضیاء کے پاس لے کر آئی تھی، تاکہ ان کا دھیان بٹ جائے۔

"آپا جس رشتے کے ناطے آپ ضیاء بھائی کو ضیاء چچا کہتی تھیں، وہ اب ہمیشہ کیلئے ختم ہو چکا ہے اب آپ ان کو ضیاء چچا نہ کہا کریں۔"

عادل نے ایک دم سے بھڑک کر کہا تھا۔

شہزاد کا کوئی بھی حوالہ ان کو پسند نہ تھا۔ وہ ان کا ذکر تک سننا پسند نہ کرتا تھا۔

"تو پھر میرا تو آمنہ سے کوئی رشتہ بھی نہیں ہے! میں سوچ رہا تھا کہ اب میرا کوئی کام بھی نہیں' تو واپس چلا جاؤں! ویسے بھی مجھے یہ ملک راس نہیں آتا ہے۔"

ضیاء نے بے حد اداسی سے کہا۔

"ایسا کیوں کہتے ہیں ضیاء بھائی......؟"

"کیا ہم آپ کے کچھ نہیں لگتے؟"

عادل نے دکھ سے پوچھا تھا۔

"اپنوں سے بھی زیادہ......لیکن معاشرہ!"

"ہم معاشرے میں رہتے ہیں اور معاشرے کو ہر رشتے کا نام چاہئے ہوتا ہے۔ میرا یہاں آئندہ دنوں میں بہت ساری Complications پیدا کر سکتا ہے۔"

ضیاء چچا نے قرآن پاک شیلف پر رکھ کر روتی ہوئی گڑیا کو جیسے ہی تھاما، وہ ایسے چپ ہوگئی، جیسے وہ رو ہی نہ رہی تھی۔

ضیاء نے بے اختیار گڑیا کے ماتھے پر بوسہ دیا تھا۔

یہ اتنا نیچرل اور سچا منظر تھا، کہ آمنہ بھی اس کو اگنور نہ کر سکی تھیں۔ "بات تو واقعی آپ کی ٹھیک ہے۔ میری تو خواہش تھی کہ آپ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتے' لیکن آپ کی بات کو میں

Deny نہیں کروں گا۔ آپ جہاں بھی رہیں گے، ہمارے دلوں میں ہمیشہ بہت عزیز اور پیارے رہیں گے۔ ویسے آپ کب جا رہے ہیں؟"

عادل نے جان بوجھ کر ضیاء کو آمنہ کے سامنے نہ روکا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ آمنہ کی بے چینی پہلی بار چہرے پر بھی کچھ واضح ہوئی تھی۔

"ایسے کیسے فوراً جانے کی بات کرتے ہو عادل!"

آمنہ نے عادل کو ٹوکا تھا۔

"میں پرسوں صبح کی فلائٹ سے انگلینڈ واپس جا رہا ہوں۔" ضیاء نے ایک اور دھماکہ کیا تھا۔

"کیا.....؟"

آمنہ کو ایک دم سے شاک پہنچا تھا۔

"ہاں آمنہ.....!!"

"ایسا تو ہونا ہی تھا.....! تم تو بہت پہلے سے جانتی ہو۔"

ضیاء نے بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

آمنہ کے دماغ میں مسلسل لفظ ٹوٹ اور بن رہے تھے۔ وہ سمجھ نہ پا رہی تھی کہ وہ ان کو روکنے کیلئے ایسے کون سے الفاظ استعمال کرے کہ اس کا بھرم بھی رہ جائے۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ وہ ضیاء پر بہت Depend کرنے لگی ہے۔ گزشتہ کچھ عرصے سے ضیاء سائے کی طرح اس کے ساتھ رہے تھے۔ اس کے بچوں کے ساتھ رہے تھے۔ مسلسل اسے مورل سپورٹ دیتے آئے تھے۔

آمنہ کو عادت ہوگئی تھی ان کے Bukup کرنے کی۔ ایسے میں ان کا جانے کا سن کر وہ خود کو ایک دم تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔

"یہ بچے.....اگر نہ آتے تو میرے قدم تو بہت عرصہ پہلے یہاں سے اکھڑ چکے ہوتے تھے اور ابھی ان ہی کی وجہ سے مجھے یہاں سے جانا ہے! تاکہ میرا وجود معاشرہ ان کیلئے سوالیہ نشان بنا کر نہ کھڑا کر دے۔"

ضیاء نے اتنے کھلے لفظوں سے کہا، کہ آمنہ چپ کی چپ رہ گئیں' لیکن وہ اپنے اندر کی اس قدر شدید بے چینی کو سمجھ نہ پا رہی تھیں اور خود کو بے حد بے بس محسوس کرتے ہوئے ایک دم سے باہر نکل گئی تھیں۔

ضیاء اور عادل دونوں کی نگاہ آپس میں ٹکرائی تھی۔ دونوں کی نگاہ میں کچھ تھا اور پھر دونوں ہی ایک دم سے ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے تھے۔

ابھی دو دن پہلے جب عادل نے آمنہ سے ضیاء کے متعلق بات کی تھی، تو وہ ایک دم سے بھڑک اٹھی تھی اور صاف لفظوں میں انکار کر ڈالا تھا۔ عادل جانتا تھا کہ آمنہ بے اعتباری بدگمانی اور خوف کے ایک ایسے دور سے گزر رہی ہے، جہاں کسی اور کی دی ہوئی عقل اس کو بری لگے گی۔ اس لیے اس نے بہتر جانا کہ ضیاء کو اپنے ساتھ ملائے اور عادل کو بے حد خوشی محسوس ہوئی تھی، کہ اس کا آئیڈیا برف کی سل میں دراڑ ڈالنے میں کامیاب ہوا تھا۔ آمنہ ضیاء کے جانے پر پریشان ہوئی تھی۔

***

"تم.....!!"

"تمہاری اتنی جرأت ہے کہ تم میرے گھر مجھ ہی سے ملنے چلی آئی ہو۔"

رامین نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھتے ہی غصے سے کہا تھا۔

"دھیرج رامین.....!!"

مریم رامین سے اسی قسم کے ردعمل کی توقع کر رہی تھی' اس لئے وہ بے حد پرسکون تھی۔

"پھوپھو.....روین.....ڈیڈی.....!"

"اسے کس نے یہاں آنے دیا ہے؟"

رامین نے اندر گھر کی جانب منہ کر کے آوازیں دینی شروع کر دی تھیں۔ وہ حیران تھی کہ سب جانتے تھے کہ وہ کون ہے' پھر بھی وہ گھر میں کیسے گھس آئی تھی۔ میں نے اسے آنے کی اجازت دی ہے۔

پھوپھو ملازمہ کے ساتھ چائے لئے اندر داخل ہوئی تھیں۔

رامین کو حیرت سے کرنٹ لگا تھا۔

پھوپھو جیسی تھوڑے دل کی مالک خاتون کیسے! کیسے اتنا بڑا ظرف کر سکتی ہیں، کہ اس کی اس کو گھر آنے کی اجازت دے دیں۔

"کیوں پھوپھو.....؟"

"کیوں آنے دیا؟"

رامین ان پر غصے سے لپکی تھی۔

''اس لئے کہ تم انسانوں کی طرح اس کی بات کو سن سکو اور اپنے مسئلے کو حل کر سکو۔''

پھوپھو نے بے حد تحمل سے کہا تھا۔

''مسئلے کو حل...... ہونہہ...... یہ...... یہ عورت ہی تو ہماری زندگی کا مسئلہ ہے۔''

رامین نے غصے سے بے حال ہوتے ہوئے کہا تھا، تو مریم کے چہرے کا رنگ ایک دم سے سیاہ پڑ گیا تھا۔

''مجھے اس عورت کی کوئی بات نہیں سننی پھوپھو!''

رامین ضدی بچوں کی طرح چلائی تھی۔

''رامین خاموشی سے بیٹھو......!''

پھوپھو نے رامین کو ڈانٹا تھا اور ساتھ ہی اسے زبردستی بٹھا دیا تھا۔

''رامین تم مجھے لے کر کیوں غیر محفوظ ہو؟''

''تم جب نہ تھیں اور میں تھی، تب بھی رواق میرا نہ تھا' کیونکہ میں اس کے دل میں اتر نہ پائی تھی۔ وہ لڑکی جو اس کے پور پور کے مزاج کو جانتی ہو۔ اس کی بہترین دوست ہو۔ ہر دکھ سکھ کی چھوٹی بڑی بات وہ مجھ سے شیئر کرتا آیا تھا۔ لیکن ان سب کے باوجود میں اس کے دل میں اتر نہ سکی تھی۔''

''پھر تم آئیں اور ایک ہی بار ملنے پر تم نے اس کے دل پر قبضہ کر لیا۔ ذہانت' عمر اور حسن میں تم مجھ سے کم ہو کر بھی اسکے دل کی رانی تھیں' ہو اور رہو گی۔''

''ہم کتنا عرصہ تنہا گزارتے آئے تھے' لیکن میری کھلی دعوت اسے کبھی بہکا نہ سکی تھی۔''

''وہ جائز کھانے والا مرد ہے۔''

''وہ بہترین انسان اور مسلمان ہے۔''

''وہ بہترین دوست ہے! جو حقوق اور فرائض کی جنگ میں محبت کی بازی ہارنے کو تیار ہو گیا' کیونکہ وہ اپنے رب سے بے حد پیار کرتا ہے۔''

مریم کی بات پر رامین نے شکی انداز سے اسے دیکھا تھا۔

''اگر اسے میرے ساتھ رشتہ بنانا ہوتا تو پہلے بھی بنا سکتا تھا' لیکن میری لاکھ خواہش اور چاہت کے باوجود وہ نہ مانا۔''

''اور اب بھی جو رشتہ اس نے بنایا ہے وہ اس نے مجھے اللہ کے واسطے سہارا دیا ہے۔''

''صرف سہارا......!''

مریم چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور پھر ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئی۔ ''اور رامین سہاروں کے بندھنوں میں ہمدردی تو ہوتی ہے' لیکن محبت نہیں!''

مریم کی آواز روہانسی ہو گئی تھی۔

''محبت نہیں ہوتی!!''

وہ دھیرے سے بولی تھی اور پھر ایک دم پلٹ کر باہر نکل گئی تھی۔

اس کے نکلتے ہی رامین نے...... ہونہہ کہہ کر ہنکارا بھرا تھا۔

''ڈرامے باز......!''

پھوپھو نے غصے سے ماتھا پیٹا تھا۔

جو لوگ اپنے دل بند کر لیتے ہیں' وہ کہاں کوئی عقل کی بات سن سکتے ہیں۔ رامین کا بھی دل بند تھا۔

پھوپھو نے بے حد فکرمندی سے اسے باہر جاتے دیکھا تھا۔

''یہ لڑکی کوئی بڑا نقصان کروائے گی۔''

***

''کیا......؟''

''تم سچ کہہ رہی ہو؟''

رواق نے ایک دم خوشی سے کھڑے ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

جواباً مریم نے پھیکی سی ہنسی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''میں...... میں باپ بننے والا ہوں!''

رواق کو ایک دم سے بے حد خوشی کا احساس ہوا تھا۔ اتنے دنوں سے دل پر موجود غبار چھٹ رہا تھا۔

''ہاں......!''

''رامین امید سے ہے' مجھے پھوپھو نے خود بتایا تھا۔'' مریم نے اپنا اوور آل اٹھایا اور راؤنڈ کے لئے کھڑی ہو گئی۔ ''میں راؤنڈ لے آؤں' پھر آ کر بات کرتی ہوں۔''

مریم باہر نکلی تھی۔ وہ بے حد تھکی سی ہوئی تھی۔

جانے زندگی کی کون سی راہ اس کیلئے کھڑی تھی۔ جانے کتنی مسافت اور باقی تھی۔

***

''رامین یہ سچ ہے ناں......؟''

رواق نے فون کیا تھا۔ وہ روز فون کرتا تھا' لیکن رامین فون پر نہ آتی تھی' لیکن آج اتفاقاً رامین نے خود فون اٹھالیا تھا۔ اتنے دنوں بعد اس ہرجائی کی آواز سن کر اس کے اندر تک آگ لگ گئی تھی۔

''وہ روز فون کرتا ہے......لیکن آتا کیوں نہیں......؟''

''آخر اس کے دل میں کیا بے ایمانی تھی......؟''

''ہاں یہ بات درست ہے!''

''لیکن میں اس بچے کو پیدا نہیں کروں گی!''

''میں اس بچے کو دنیا میں آنے نہیں دوں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ جیسے میں تمہارے رویے کو فیس کر رہی ہوں یہ بچہ بھی Face کرے۔ ایک اور وجود میزریبل حالت سے گزرے۔''

''نو......مسٹر رواق......!!''

''میں آج ہی اس بچے کو اباؤٹ کروا رہی ہوں۔''

''ویسے ہی جیسے تم نے ایک دوسری عورت کیلئے مجھے اباؤٹ کیا ہے! ایسا شخص، جو طرح طرح کے ناجائز رشتے بنائے اس کا بچہ مجھے نہیں پیدا کرنا۔''

رامین نے کہا تھا۔

''رامین......تم......تم یہ بات کیسے کہہ سکتی ہو۔''

''میں تو مریم سے جائز رشتے کے ساتھ اس رات موجود تھا اور تم......؟''

''عمر شاہ کے ساتھ کس ناطے......اس کمرے میں اکیلے ایسی غیر حالت میں تھیں۔''

''ارے میں نے تو کبھی تمہاری پارسائی کا ثبوت تک نہیں مانگا۔ ہمیشہ میری محبت تمہارے ہر عمل پر پردہ ڈالتی آئی ہے۔'' رواق نے غصے سے کہا۔

یہ سچ تھا کہ دن رات اسے عمر شاہ والا واقعہ ڈسٹرب رکھتا تھا۔ اس سے بھی زیادہ یہ بات ڈسٹرب رکھتی تھی کہ رامین ضد میں ہر طرح کا نقصان اٹھانے سے بھی باز نہ آئی تھی۔ اس کا یہ

Attitude رواق کو بہت پریشان کرتا تھا۔

''دیکھا......میرا دل ٹھیک بتاتا تھا کہ تم مجھ سے بدگمانی پالے ہوئے ہو۔ اس لئے آج تک مجھ سے ملنے نہیں آئے۔''

رامین غصے میں رواق سے تو تڑاخ پر آگئی تھی۔

جو لڑکی غصے میں اپنا مزاج' رویہ نہ سنبھال پائے وہ مشکل ہی سے اپنا گھر سنبھال پاتی ہے۔

بری دوست بشریٰ اگر مجھے آکر اشفاق والی سچائی نہ بتاتی، تو میں تو ساری عمر ہی تمہارے اس سان میں دبی رہتی کہ تم مجھے چاہتے ہو اور تم کو مجھ پر اعتبار ہے' تم کو میری پارسائی کا کبھی ثبوت ہیں چاہئے تھا' لیکن......رامین غصے سے پھنکاری۔

''لیکن یہ اب مجھے پتا چلا کہ تم کو اشفاق میری بے گناہی کا ثبوت دے چکا تھا۔''

''اس ہی لئے تو تم نے مجھے قبول کیا......یعنی تم بھی ایوریج مردوں کی طرح نکلے!''

''تم......بھی ایوریج مرد ہو!''

''تو مسٹر رواق اگر ہم عورتوں کیلئے کسوٹی ہر وقت کسی تلوار کی طرح سروں پر لٹکتی رہتی ہے تو پ مرد اس سے بری الذمہ نہیں ہیں۔ آپ نے میرے ساتھ بے وفائی کی ہے اور آپ میرے صوروار ہیں۔''

''اور......میں ایسے شخص کی اولاد کو نہیں پیدا کروں گی جو......!جو!!''

رامین نے غصے سے فون بند کر دیا تھا۔

***

''تم پاگل ہوگئی ہو رامین......!''

''تم مجھے اس لئے ہسپتال لے کر جا رہی تھیں کہ تم ابارشن کروا سکو......!''

روین نے دکھ سے رامین کو پوچھا، جو اپنی اور اس کی چادر لے کر اندر سے آئی تھی۔ باہر رائیور گاڑی سٹارٹ کئے کھڑا تھا۔

روین بیچاری تو یہ سمجھی تھی کہ رامین کو شاید ویسے ہی ڈاکٹر کے پاس جانا تھا۔ وہ تو یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ رامین اتنی بڑی بیوقوفی بھی کر سکتی ہے۔

''تم کو تو سیدھا پاگل خانے لے جانا چاہئے۔''

''تم پاگل ہو......کیونکہ کوئی نارمل لڑکی......نارمل ماں اپنے بچے کا قتل نہیں کرتی۔'' روین

نے غصے سے کہا تھا۔

''پھوپھو......پھوپھو......!!''

''ڈیڈی......ڈیڈی......!!''

روین تیزی سے اندر بھاگی تھی، تاکہ رامین کو اس بیوقوفی سے روکا جائے۔ رامین آج کل اس قدر پاگل پن کی حرکتیں کر رہی تھی، کہ اس کی بات کو روین لائٹ لے ہی نہ سکتی تھی۔

ڈیڈی روین کے ساتھ فوراً ہی رامین کے کمرے میں آئے تھے، جہاں وہ اپنا پرس چیک کر کے باہر نکلنے کو تھی۔

ڈیڈی نے اسے کمرے میں موجود پا کر سکون کا سانس لیا تھا۔

''آپ جاؤ روین اور جاتے جاتے کمرے کا دروازہ بند کر جاؤ۔''

ڈیڈی غصے سے ان کو آپ جناب سے مخاطب کرتے تھے' یہ القاب ان کے اندر کا بے حد غصہ واضح کرتے تھے۔

رامین نے ان کو دیکھا تو ایک پل کیلئے اس کا دل بھی سہما تھا۔ ڈیڈی کے چہرے پر اتنا غصہ اس نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

***

''اف میرے خدایا!!''

''یہ ضدی لڑکی......!!''

''عقل تو اس کے پاس چار آنے کی بھی نہیں ہے۔ بس غصہ ہی غصہ ہے۔'' رواق فون رکھ کر تیزی سے گاڑی کی چابیاں لے کر نکلے تھے۔

''میرا بچہ......!''

''نہیں رامین میں تم کو مزید کوئی حماقت نہیں کرنے دوں گا۔'' رواق خود سے الجھتے ہوئے گاڑی میں بیٹھے تھے اور پھر تیزی سے گاڑی گھما کر مین پر ابھی لائے ہی تھے کہ اپنی غائب دماغی اور گاڑی کی تیز رفتاری کی وجہ سے سامنے آتے ٹرک سے ٹکرا گئے تھے۔

حادثہ ان کے اپنے ہی ہسپتال کے سامنے کی روڈ پر ہوا تھا۔ رواق کی درد سے چیخ فضا میں بلند ہوئی تھی۔ رواق کی گاڑی کسی کھلونے کی طرح گھسٹتی ہوئی سڑک کے فٹ پاتھ سے ٹکرائی تھی۔

***

''میں نہیں چاہتا تھا کہ تم میاں بیوی کے معاملے میں بولوں۔ مجھے تو تم پر اعتبار ہی بہت کم تھا، کہ تم معاملے کو معاملہ فہمی سے حل کرو گی۔ لیکن تم نے مجھے شدت سے مایوس کیا ہے۔''

''تم......تمہارے پاس رواق کیلئے ایک ہی Reason ہے ناں کہ رواق نے ایک عورت سے شادی کر کے تم سے بےوفائی کی ہے اور تم اسے معاف نہیں کرنا چاہ رہی' کیونکہ تمہارا خیال ہے کہ ہر بار عورت ہی کیوں معاف کرے۔ تو بیٹا ضروری نہیں کہ مرد ہی بےوفائی کرے اور عورت ازل سے معاف کرتی آئی ہو۔''

''آج تمہاری حماقت کی وجہ سے مجھے برسوں سے رکھا بھرم کھولنا اور توڑنا پڑ رہا ہے۔''

''تمہاری ماں کسی اور کے ساتھ بھاگ گئی۔ تب روین تین ماہ کی تھی۔ میں اس سے بہت پیار کرتا تھا۔ ہر پیار کرنے والا غیرت بھی رکھتا ہے۔ میری غیرت بھی مجھے چیخ چیخ کر مارتی تھی۔ وہ اپنے ساتھ تمہارے بھائی کو بھی لے گئی تھی۔''

''کیا......؟''

رامین نے حیرت سے پوچھا۔

''ہمارا بھائی بھی تھا......؟''

''ہاں تم سے ایک سال بڑا تھا۔ تمہاری ماں کو صرف اس سے پیار تھا یا پھر دولت سے۔ بیٹے کو وہ لے گئی اور دولت کیلئے مجھے چھوڑ گئی، لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ وہ غلط تھی۔ وہ میرے پاس آئی تھی معافی کیلئے......!!''

''رامین......ایک عورت کا غصہ اپنے مرد سے کچھ بھی نہیں ہوتا' ایک مرد کی غیرت کے سامنے۔''

''یہ غیرت تو مرد کو ایسے چیخ چیخ کر مارتی ہے، جیسے دھوبی کپڑے دھوتا ہے' کپڑا پتھر پر مارتا ہے۔ انسان اندر تک لیروں لیر ہو کر رہ جاتا ہے۔''

''میرا اعتماد کہ میں ایک عورت جو اس کی محبوبہ تھی' بیوی تھی' اسے خوش نہ رکھ سکا، وہ ختم ہو چکا تھا۔''

''وہ اعتبار جو اپنی شریک زندگی پر ایک مرد کرتا ہے، وہ چور چور ہو چکا تھا۔ وہ میری واحد اولاد نرینہ کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ اتنی منتوں مرادوں بعد ہم نے وہ بیٹا لیا تھا' لیکن وہ صرف اپنا ناتا جتا گئی تھی۔''

"وہ دولت کیلئے مجھے چھوڑ کر ایک دوسرے مرد کے پاس چلی گئی تھی۔ تب میں کیسے اپنا دل اتنا بڑا کر پاتا کہ اسے معاف کرتا۔"

"لیکن رامین...... تمہارے ڈیڈی نے اسے معاف کر دیا' وہ جو جو چاہتی تھی اس کا مطالبہ پورا کیا۔"

"اسے طلاق دی' اس کی عدت پوری کروا کر اس کا نکاح ہونے دیا اور...... اور جاتے ہوئے اپنا لخت جگر بھی اسے دے دیا! اس لئے کہ تمہارا باپ اس عورت کے ساتھ اپنی محبت میں وفادار تھا۔"

"محبت تو دینا اور معاف کرنا سکھاتی ہے!"

"اور یہی میں نے کیا۔"

ڈیڈی نے اپنی عینک اتار کر اپنی آنکھیں صاف کی تھیں اور یاد رکھو کہ......

"ازل سے صرف مرد ہی بے وفائی نہیں کرتا آیا ہے اور صرف عورت ہی معاف نہیں کرتی آئی ہے۔"

"بلکہ مرد بھی معافی دینے کا ظرف رکھتا ہے۔ بس بات اتنی سی ہے کہ جتنی بڑی آپ کی محبت ہوگی اتنا ہی بڑا آپ کا دل اور دوسرے کو معاف کرنے کا حوصلہ بھی ہوگا۔"

"میں تم سے سوال کرتا ہوں کہ تمہاری محبت کا دعویٰ بڑا ہے یا پھر محبت......؟"

"تمہارا اگلا قدم Prove کرے گا کہ دونوں میں سے کیا بڑا ہے۔ اگر تمہارا باپ ایک عورت کو اس کی بے وفائی پر معاف کر دیتا ہے کہ وہ اللہ کی نظر میں بری نہ بنے اور جائز زندگی گزار سکے، تو تمہارے شوہر نے تو کوئی برا کام سرے سے کیا ہی نہیں' اس نے جائز طریقے سے نکاح کیا۔"

"ایک نومسلم لڑکی کو سہارا دینا اس کا قصور ہے کیا؟"

"وہ تمہارے آگے سچا ہو جائے اور اپنے اللہ کے آگے جھوٹا پڑ جائے۔ کیا یہ اس کے ساتھ زیادتی نہیں ہے؟ وہ بے وفا نہیں ہے' پھر بھی تم سے تعلق رکھنا چاہتا ہے' معافی مانگ رہا ہے۔"

"تم اسے سیدھے رستے سے بھٹکا رہی ہو۔"

"تم آئندہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہو جاؤ گی' کیونکہ اس نے اللہ کیلئے اس سے شادی کی ہے۔" ڈیڈی کی بات پر رامین لرز کر رہ گئی تھی۔

"تم ایک اچھی بیوی نہیں بن سکی، تو کم از کم اچھی مسلمان ہی بن جاؤ۔" ڈیڈی کی بات پر رامین کو بے حد شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔ "اب تم ایک اچھی ماں بھی نہیں ثابت ہو رہی ہو۔"

"تمہاری پھوپھو نے تمہاری ماں کی وجہ سے تم لوگوں پر اتنی سخت نگرانی میں تربیت کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ جیسی ماں ویسی بیٹیاں......!!"

"لیکن اس کی ساری نگرانیاں اور تربیت زائل ہو رہی ہے! تم Prove کرنے جا رہی تھیں کہ تم بھی اپنی ماں کی طرح ضدی ہو، جو اپنی ضد کی وجہ سے اپنا نقصان کرنے سے بھی نہیں ڈرتی ہے۔"

ڈیڈی کی روہانسی آواز رامین کے سارے خول اور ضدیں بدگمانیاں توڑ گئی تھیں۔

وہ تڑپ کر ان کے ساتھ جا لگی تھی۔

"نہیں ڈیڈی...... ایسا نہ کہیں!"

"ایسا نہ کہیں......!!"

"آئی ایم سوری ڈیڈی......!!"

"میں غلط تھی......!!"

رامین پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

"میں...... میں اپنے باپ کی تربیت کو Prove کروں گی!! میں یہ Prove کروں گی کہ میں آپ کی بیٹی ہوں۔"

"میں رواق کو معاف کروں گی! لیکن اس کا تو قصور ہی نہیں ہے! وہ ایک دم چونکی تھی۔"

"میں اس سے معافی مانگوں گی!!"

"ڈیڈی......!!"

"کیا اللہ مجھے معاف کر دے گا؟"

"کیا رواق معاف کر دے گا؟"

رامین نے سر اٹھا کر معصوم بچوں کی طرح سوال کیا تھا۔

"ہاں......!!"

"وہ دونوں ہی تمہارے محرم دل ہیں!!"

"جاؤ بچے اپنے محرموں کے پاس جاؤ......!"

''کیونکہ جب جب ہم اپنے اصل محرم دل اللہ کے Orbit سے نکلتے ہیں تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنے اصل کو کھو دیتے ہیں۔''

ڈیڈی نے نم آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

''بس ڈیڈی......!''

''I will go bakc to my real orbit!''

''میں بھی تو کھونے جا رہی تھی ناں ڈیڈی!''

''آپ نے مجھے بچا لیا!''

اس نے ڈیڈی کے ہاتھ پکڑ کر کہا تھا۔

''میں نے نہیں...... ہمارے اللہ نے ہم سب کو بچا لیا ہے۔''

ڈیڈی نے نم آنکھوں اور مسکراتے ہونٹوں کے ساتھ اسے سینے سے لگا لیا تھا۔

***

''یہ سب کیا ہے عادل......؟''

آمنہ نے گیراج میں قدم رکھتے ہی سوال کیا تھا۔

''ضیاء بھائی کا سامان...... وہ جا رہے ہیں۔''

عادل نے دھما کہ کیا تھا۔

آمنہ کو اپنے حلق میں کانٹے اگتے محسوس ہوئے تھے۔

''کیا...... واقعی جا رہے ہیں!!''

آمنہ نے بجھے بجھے لہجے میں پوچھا تھا۔

''ہاں......!!''

عادل نے بے نیازی سے کہا تھا۔

''میں ذرا ان کی بکس والا بیگ لے آؤں۔'' عادل واپس اندر گیا تھا۔

''بی بی جی کوئی فون پر آپ کو بلا رہا ہے۔''

ملازمہ نے اسے چونکایا تھا۔

''آں...... ہاں میں آ رہی ہوں!''

آمنہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی، بجھے دل کے ساتھ اندر آئی تھیں۔

''ہیلو......!'' آمنہ بولیں

''ہیلو آمنہ......!!''

دوسری جانب شہزاد تھے۔

آمنہ کا رنگ ایک دم سرخ ہو گیا تھا۔

''تمہاری جرأت کیسے ہوئی مجھے فون کرنے'' آمنہ پھنکار رہی تھیں۔

''جرأت ہوتی تو تمہارا سامنا کرتا' لیکن میں نے سب کچھ کھو دیا' اپنی زندگی' محبت' خوشی' اعتماد اور جرأت بھی!!''

شہزاد کی آواز میں پچھتاوے بول رہے تھے۔

آمنہ نے ایک دم لب کاٹے تھے۔

''ہیلو آمنہ...... میری بات سنے بغیر پلیز فون نہ بند کرنا!'' شہزاد نے درخواست کی تھی۔

''میں تم سے شرمندہ ہوں! مجھے معاف کر دو!!''

''رانیا نے یہ سب کچھ ایسے دکھایا کہ میں پاگل ہو گیا تھا۔ مجھ جیسا بیوقوف شاید ہی کوئی ہوگا، جس نے اپنے گھر کی جنت کو نکال کو اپنے گھر کو جہنم بنا لیا ہو۔ میری تو یہی سزا کافی ہے کہ میں تمہارے اور بچوں کیلئے تاعمر تڑپوں! تم پلیز مجھے معاف کر دو!!''

شہزاد رو رہے تھے اور ان کے آنسو آمنہ کے اندر کی برف کو پگھلا رہے تھے' تمام مردوں پر بے اعتباری کی سیاہی ڈھل رہی تھی۔

''آپ...... آپ نے مجھے بدکردار...... اور اپنے بچوں کو ناجائز کہا۔'' آمنہ نے روتے ہوئے کہا تھا۔

''اندھا ہو گیا تھا میں...... معاف کر دو!''

''دیکھو تم لوگوں سے جدائی میری سزا کیلئے کافی ہے' لیکن تم مجھے معاف کر دو گی، تو میری ماں بھی شاید معاف کر دے گی، ورنہ میں تو بے سکونی کی زندگی گزاروں گا، لیکن مروں گا بھی بے سکون!!''

''آپ...... مانتے ہیں ناں کہ میرا دامن صاف تھا۔'' آمنہ نے گواہی مانگی۔

''ہاں میں کہتا ہوں کہ تم پاکیزہ تھیں اور میں گنہگار تھا۔'' شہزاد نے روتے ہوئے کہا۔

آمنہ نے پرسکون ایک لمبی گہری سانس بھری تھی۔ اس کے اندر جلتے بھانبھڑ ایک دم

ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔

''ہاں......میں مانتا ہوں۔''

شہزاد نے اقرار کیا۔

''ٹھیک ہے میں نے آپ کو معاف کیا!!'' آمنہ نے کہا۔

شہزاد کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ ایک مرد کو پہلی بار ایسے روتے آمنہ نے سنا تھا۔ اس کا دل بری طرح دکھا تھا۔

''میں نے سوچا تھا کہ رانیا کو طلاق دے دوں' لیکن جب اس کی بہن کو طلاق ہوئی اور طلاق کے بعد وہ نیم پاگل سی ہوگئی ہے، تو رانیا بالکل خاموش ہوگئی ہے۔''

''مجھے لگا کہ مرے ہوئے کو کیا مارنا......!!''

''ویسے بھی وہ میرے سامنے رہے گی' اسے اپنا گناہ اور مجھے اپنا گناہ یاد رہے گا۔''

''اور گناہ بھولنے والا بخشا نہیں جاتا' ہاں اس کو یاد کر کے رونے والا بخشا جاتا ہے۔''

''شاید اسی بہانے......ہمیں معافی مل جائے۔ اپنا اور بچوں کا خیال رکھنا' خدا حافظ۔''

شہزاد نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا۔

آمنہ نے اپنا چہرہ آنسوؤں سے صاف کیا تھا۔

باہر گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو وہ لپک کر باہر دوڑی تھی۔ جب تک وہ باہر آئی گاڑی گیراج سے نکل کر دور جا چکی تھی۔ وہ ہارے ہوئے جواری کی طرح وہیں سیڑھیوں میں بیٹھ گئی تھی۔ اپنا سر گھٹنوں میں دے کر ایک دم سسک پڑی تھی۔

لیکن اگلے ہی پل وہ کرنٹ کھا کر پلٹی تھی' اس کے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا تھا۔

سامنے ضیاء کھڑے تھے۔

''آپ......؟''

''آپ تو جا رہے تھے!!'' آمنہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا۔

''ہاں! لیکن میں اپنے دل کے بنا کیسے چلا جاؤں؟''

ضیاء نے گہری نگاہوں سے آمنہ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ''بھابی اماں نے یہ لاکٹ دیا تھا کہ جب میں تم کو پرپوز کروں، تو یہ تم کو دے دوں تا کہ تم جان لو کہ ان کی مرضی سے یہ پرپوزل میں تم کو دے رہا ہوں۔'' ضیاء نے چین آمنہ کے گلے میں ڈالتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔

''آمنہ کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟'' ضیاء نے ہاتھ پھیلا کر کہا تھا۔

آمنہ نے نم آنکھوں سے ان کو دیکھا تھا۔

''یہ پرپوزل میں تم کو پہلے دے دیتا' لیکن میں تمہاری عدت کا ویٹ کر رہا تھا۔ آج تمہاری عدت ختم ہوئی ہے اس لئے میں چاہتا تھا آج میں تم سے بات کروں۔''

''آمنہ بولو پلیز......!''

''کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟''

آمنہ نے گہری ٹھنڈی سانس بھرتے ان کو دیکھا تھا۔ بہت سال وہ صحرا کی دھوپ میں محرم دل کیلئے بھٹکی تھی اور آج اس کا محرم دل اس کے سامنے تھا تو وہ اسے کیسے مایوس کر دیتی۔ وہ ایک دم سے مسکرا دی تھی۔

ضیاء نے بے حد خوشی سے اس کا ہاتھ لے کر دبایا تھا۔ ''کون کہتا ہے کہ معجزے نہیں ہوتے۔''

''جو سچے ہوتے ہیں ان کے ساتھ تو ہوتے ہیں۔''

''You are miricle of my life!''

ضیاء نے بے حد چہکتے ہوئے کہا تھا۔

''ضیاء بھائی کچھ کریڈٹ اس رائٹر اور Directer کو بھی دے دیں' جس کی وجہ سے اس Ice lady کا دل پگھلا ہے۔ اگر آپ کی روانگی کا Twist کہانی میں نہ لاتا تو یہ کہاں موم ہونے والی تھی۔'' عادل نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''تم بدمعاش!''

''اتنے بڑے ہو گئے ہو۔'' آمنہ نے مصنوعی غصے سے عادل کو دیکھا تھا۔

''جی جناب!''

''میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ مجھ غریب پر ترس کھائیں ورنہ ڈرپوک چوہیا روین اس کو کوئی اور نہ لے اڑے!''

عادل نے لگے ہاتھوں اپنے من کی خواہش کا اظہار بھی کیا۔

''وہ تم بے فکر رہو!!''

''تمہاری محبت سچی ہے تو وہ صرف تم کو ملے گی۔ ہم انشاء اللہ کل ہی رشتہ لے کر وہاں

جائیں گے۔'' ضیاء نے یقین دہانی کروائی۔

''چلو اب چلیں......؟'' ضیاء نے ساتھ ہی پوچھا تھا۔

''کہاں......؟'' آمنہ نے سوال کیا۔

''یار شادی کرنے...... ہم کورٹ میرج کریں گے' پھر واپسی تک بوا گھر میں تقریب کا انتظام کریں گی۔ آج ہمارا نکاح ہے۔'' ضیاء نے کہا تھا۔

''اتنا سب کچھ آج ہی......؟''

''لیکن آپ کو کیسے پتا تھا کہ میں مان جاؤں گی۔ کیسے یقین تھا؟'' آمنہ نے سوال کیا تھا۔

''مجھے اپنے پر نہیں اپنے رب پر یقین تھا، کیونکہ اس بار میں نے اس سے تمہیں مانگا تھا۔'' ضیاء نے بے حد مضبوطی سے کہا تھا۔

آمنہ کا دل جو بے قراری کی چک پھیریوں میں مسلسل اتنا عرصہ رہا تھا، وہ ایک دم سے پرسکون ہوگیا تھا۔ آج تو ویسے بھی اتنی تکلیف کے بعد انعام کا دن تھا۔

''آپا بچوں کو لے کر گاڑی میں براتی لے کر چلی گئی ہے۔ اب ہم بھی چلتے ہیں۔ واپسی پر ہم تمہیں پارلر چھوڑیں گے۔ شام کی تقریب کیلئے۔'' ضیاء کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھے۔

ضیاء اسے اور عادل کو لے کر نئی زندگی کی جانب روانہ ہوئے تھے۔

***

''ڈیڈی...... میں مرجاؤں گی' اگر رواق کو کچھ ہوگیا۔'' رامین نے باپ کے سینے سے لگے ہوئے کہا تھا۔

''اللہ سے دعا کرو بیٹا اسے کچھ نہیں ہوگا۔'' ڈیڈی نے اسے تسلی دی تھی۔

''بیا مجھے معاف کردیں...... باؤجی مجھے معاف کردیں۔ میری وجہ سے رواق آج اس حالت میں ہیں۔''

رامین ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

''اٹھو بیٹا یہ آنسو اس بڑی ذات کے سامنے بہاؤ، تاکہ تمہارے رواق کی زندگی وہ بخش دے۔'' باؤجی نے کہا تھا۔

رامین بیا کے ساتھ وضو کر کے آئی اور وہیں کوریڈور میں کونے میں جانماز بچھا کر نوافل ادا کرنے کھڑی ہوئی تھی۔

''وہ سب سے بڑی ذات سے سوال کر رہی تھی اور وہ مولا تو اتنی حیا والا ہے کہ اپنے سے سوال کرنے والے کو وہ کبھی بھی موڑتا نہیں ہے۔''

اسی پل آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا تھا۔ سرجن کے ساتھ مریم بھی باہر نکلی تھیں۔

''مبارک ہو آپریشن کامیاب ہے' ڈاکٹر رواق خطرے سے باہر ہیں۔''

''ڈاکٹر ماجد نے کہا تھا' آج اگر ڈاکٹر مریم نہ ہوتیں تو میں اتنا Complicated آپریشن ہینڈل نہ کر پاتا۔''

ڈاکٹر ماجد نے ڈاکٹر مریم کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔

بیا نے ڈاکٹر مریم کو گلے لگایا تھا۔ رامین نے آگے بڑھ کر مریم کو گلے لگایا تھا۔

''آؤ آج اپنا دکھ بھی بانٹ لیں۔ جتنی تکلیف میں نے رواق کے آپریشن کے دوران جھیلی ہے۔ وہ بھی بانٹ لو۔'' رامین نے مریم سے کہا، تو ڈاکٹر مریم نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ رامین کو گلے لگا لیا تھا۔

''مجھے معاف کردو!'' رامین نے کہا تھا۔

''نہیں رامین ایسا کہہ کر شرمندہ نہ کرو۔ میں تم دونوں کی زندگی میں آئی' تم سے معافی تو مجھے مانگنی چاہئے۔'' ڈاکٹر مریم نے کہا۔

''کوئی کسی کے بیچ میں نہیں آتا ہے' سوائے شیطان کے اور آئندہ اسے مہلت نہیں دینی کہ یہ ہماری زندگیوں کو ڈی شیپ کرے۔'' رامین نے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔

''اوہو......!!''

''دو کنارے آپس میں آج کیسے مل گئے؟''

روید ابھی ابھی ہسپتال کی مسجد سے آیا تھا۔ رواق کی زندگی کی نوید اور سامنے کے منظر کی نوید دیکھ کر ایک دم بولا تھا۔

''جب دونوں کناروں کے بیچ ان کا مرکز ان کا سمندر ہوتا ہے' ان کی محبت کا مرکز ایک ہوتا ہے' تو وہ بھی مل جاتے ہیں۔ الگ الگ جینا ان کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ ہم بھی جئیں گے، اپنے لئے، اپنی مشترکہ محبت رواق کیلئے اور کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ نہ ٹکرائیں گے۔''

ڈاکٹر مریم نے کہا تھا۔

''انشاءاللہ......!!''

رامین نے کہا تو بیبا' ڈیڈی' باؤ جی اور روید سب کے چہروں پر اطمینان دوڑا تھا۔

''کیوں رواق میں کہتی تھی نہ کہ اچھے کے ساتھ اچھا ہی ہوتا ہے! بس کچھ دل بڑا کرنے کی بات ہے!'' ڈاکٹر مریم نے دل ہی دل میں ڈاکٹر رواق کو مخاطب کیا تھا۔

***

''رواق پلیز بتائیں ناں.....؟''

''کیا میں سمجھوں کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے!''

رامین نے سوپ کا پیالہ ایک طرف رکھ کر سوال کیا تھا۔ اس نے رواق کی خدمت کرنے کیلئے دن رات ایک کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ رواق دنوں میں بہتر ہو گیا تھا۔

''اس شرط پر کہ تم ہمیشہ مجھ پر اعتبار کرو گی!'' رواق نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔

''ہاں۔''

رامین نے کہا۔

''تو میری جان.....!!''

''تم سرنڈر کرتی کہاں اچھی لگتی ہو۔ اس شرط کا دوسرا حصہ بھی تو سن لو۔''

رواق نے شرارت سے کہا تھا۔

''کیا.....؟''

رامین نے سوال کیا تھا۔

''یہ کہ میں تم کو اپنی محبت کا اعتبار تا عمر دوں گا۔''

''ہمیشہ تمہارا خیال رکھوں گا اور تم سے محبت کروں گا، بنا کسی شرط کے۔'' رواق نے کہا، تو

رامین ایک دم اس کے سینے سے جا لگی۔

''اوئی.....!''

''یار ابھی بنڈیج باقی ہے! درد ہوتا ہے!''

رواق نے شرارت سے کہا۔

''آئی..... آئی ایم سوری!!'' رامین نے گھبرا کر کہا تھا۔

''Relax!۔''

''اٹس او کے یار.....!''

''میں شرارت کر رہا تھا'' رواق نے پیار سے اس کے بالوں کی آئی لٹوں کو پیچھے کرتے ہوئے کہا تھا۔

جواباً رامین نے ایک بار پھر بے حد سکون سے رواق کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا تھا۔

دونوں کے دل ایک تال پر دھڑکے تھے۔ جب دل ایک تال پر دھڑکتے ہیں، تو زندگی اپنے سُروں پر رقص کرتی ہے۔

رامین کے دل میں بے حد سکون اترا تھا۔

اس نے زندگی کی دی ہوئی مہلت میں اپنے محرم دل اللہ کو پایا تھا اور انعام میں اللہ نے اسے محرم دل عطا کیا تھا' جو اس کے ماتھے پر محبت کا جھومر بن کر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جگمگاتا تھا۔

ختم شد